

اس سے بعض لوگوں نے استدلال کیا ہے کہ جو شخص کسی دعا پر آمین کہے وہ گویا خود وہ دعا کر رہا ہے۔ اب اس استدلال کو سامنے رکھ کر وہ قیاس کرتے ہیں کہ مقتدی قرأت نہ کرے اس لئے کہ اس کا سورہ فاتحہ کے بعد آمین کہنا پڑھنے کے قائم مقام ہے اور اس حدیث کو بھی دلیل میں لاتے ہیں کہ جس کا امام ہو تو اس کے امام کی قرأت اس کی قرأت ہے (مسند احمد) حضرت بلالؓ کہا کرتے تھے کہ حضور آمین میں مجھ سے سبقت نہ کیا کیجئے۔ اس کھینچا تانی سے مقتدی پر جبری نمازوں میں الحمد کا نہ پڑھنا ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ واللہ اعلم۔ (یہ یاد رہے کہ اس کی مفصل بحث پہلے گذر چکی ہے) حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب امام غَیْرِ الْمَعْصُوبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّالِّیْنَ کہہ کر آمین کہتا ہے آسمان والوں کی آمین زمین والوں کی آمین سے مل جاتی ہے اللہ تعالیٰ بندے کے تمام پہلے گناہ معاف فرما دیتا ہے۔ آمین نہ کہنے والے کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص ایک قوم کے ساتھ مل کر غزوہ کرے غالب آئے۔ مال غنیمت جمع کرے اب قرعہ ڈال کر حصہ لینے لگے تو اس شخص کے نام قرعہ نکلے ہی نہیں اور کوئی حصہ نہ ملے وہ کہے "یہ کیوں؟" تو جواب ملے کہ تیرے آمین نہ کہنے کی وجہ سے۔

تفسیر سورۃ البقرہ

اس مبارک سورت کے فضائل کا بیان: ☆ ☆ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "سورۃ بقرہ قرآن کی کوہان ہے اور اس کی بلندی کا یہ عالم ہے کہ اس کی ایک ایک آیت کے ساتھ اسی اسی (۸۰) فرشتے نازل ہوتے تھے اور بالخصوص آیت الکرسی تو خاص عرش تلے نازل ہوئی اور اس سورت میں شامل کی گئی۔" سورۃ یسین قرآن کا دل ہے۔ جو شخص اسے اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور آخرت طلبی کے لئے پڑھے اسے بخش دیا جاتا ہے۔ اس سورت کو مرنے والوں کے سامنے پڑھا کر دو" (مسند احمد) اس حدیث کی سند میں ایک جگہ عن رجل ہے تو یہ نہیں معلوم ہوتا تھا کہ اس سے مراد کون ہے؟ لیکن مسند احمد ہی کی دوسری روایت میں اس کا نام ابو عثمان آیا ہے یہ حدیث اسی طرح ابوداؤد و نسائی اور ابن ماجہ میں بھی ہے۔ ترمذی کی ایک ضعیف سند والی حدیث ہے کہ ہر چیز کی ایک بلندی ہوتی ہے اور قرآن پاک کی بلندی سورۃ بقرہ ہے۔ اس سورت میں ایک آیت ہے جو تمام آیتوں کی سردار ہے اور وہ آیت "آیت الکرسی" ہے۔ مسند احمد صحیح مسلم ترمذی اور نسائی میں حدیث ہے کہ اپنے گھروں کو قبریں نہ بناؤ۔ جس گھر میں سورۃ بقرہ پڑھی جائے وہاں شیطان داخل نہیں ہو سکتا۔ امام ترمذیؒ اسے حسن صحیح بتلاتے ہیں۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ جس گھر میں سورۃ بقرہ پڑھی جائے وہاں سے شیطان بھاگ جاتا ہے۔ اس حدیث کے ایک راوی کو امام یحییٰ بن عیینہؒ ثقہ بتلاتے ہیں لیکن امام احمد وغیرہ ان کی حدیث کو منکر کہتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی اسی طرح کا قول منقول ہے۔ اسے نسائی نے عمل الیوم واللیلہ میں اور حاکم نے مستدرک میں روایت کیا ہے اور اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

ابن مردویہ میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا میں تم میں سے کسی کو ایسا نہ پاؤں کہ وہ پیر پر پیر چڑھائے پڑھتا چلا جائے لیکن سورۃ بقرہ نہ پڑھے۔ سنو! جس گھر میں یہ مبارک سورت پڑھی جاتی ہے وہاں سے شیطان بھاگ کھڑا ہوتا ہے سب گھروں میں بدترین اور ذلیل ترین گھر وہ ہے جس میں کتاب اللہ کی تلاوت نہ کی جائے امام نسائیؒ نے عمل الیوم واللیلہ میں بھی اسے وارد کیا ہے مسند دارمی میں حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ جس گھر میں سورۃ بقرہ پڑھی جائے اس گھر سے شیطان گوز مارتا ہوا بھاگ جاتا ہے۔ ہر چیز کی اونچائی ہوتی ہے اور قرآن کی اونچائی سورۃ بقرہ ہے۔ ہر چیز کا حاصل ہوتا ہے اور قرآن کا حاصل مفصل سورتیں ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا

فرمان ہے کہ جو شخص سورہ بقرہ کی پہلی چار آیتیں اور آیہ الکرسی اور دو آیتیں اس کے بعد کی اور تین آیتیں سب سے آخر کی یہ سب دس آیتیں رات کے وقت پڑھ لے اس گھر میں شیطان اس رات نہیں جاسکتا اور اسے اور اس کے گھر والوں کو اس دن شیطان یا کوئی اور بری چیز ستا نہیں سکتی۔ یہ آیتیں مجنون پر پڑھی جائیں تو اس کا دیوانہ پن بھی دور ہو جاتا ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں ”جس طرح ہر چیز کی بلندی ہوتی ہے قرآن کی بلندی سورہ بقرہ ہے۔ جو شخص رات کے وقت اسے اپنے گھر میں پڑھے تین راتوں تک شیطان اس گھر میں نہیں جاسکتا اور دن کو اگر گھر میں پڑھ لے تو تین دن تک شیطان اس گھر میں قدم نہیں رکھ سکتا۔“ (طبرانی - ابن حبان - ابن مردویہ - ترمذی - نسائی اور ابن ماجہ میں ہے کہ حضور نے ایک چھوٹا سا لشکر ایک جگہ بھیجا اور اس کی سرداری آپ نے انہیں دی جنہوں نے فرمایا تھا کہ مجھے سورہ بقرہ یاد ہے۔ اس وقت ایک شریف شخص نے کہا میں بھی اسے یاد کر لیتا لیکن ڈرتا ہوں کہیں ایسا نہ ہو کہ میں اس پر عمل نہ کر سکوں۔ حضور نے فرمایا ”قرآن سیکھو قرآن پڑھو جو شخص اسے سیکھتا ہے پڑھتا ہے پھر اس پر عمل بھی کرتا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے مشک بھرا ہوا برتن جس کی خوشبو ہر طرف مہک رہی ہے۔ اسے سیکھ کر سو جانے والے کی مثال اس برتن کی سی ہے جس میں مشک تو بھرا ہوا ہے لیکن اوپر سے منہ بند کر دیا گیا ہے۔ (امام ترمذی اسے حسن کہتے ہیں اور مرسل روایت بھی ہے) واللہ اعلم۔

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضرت اسید بن خضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ رات کو سورہ بقرہ کی تلاوت شروع کی ان کا گھوڑا جوان کے پاس ہی بندھا ہوا تھا اس نے اچھلنا کودنا اور بد کننا شروع کیا۔ آپ نے قرأت چھوڑ دی۔ گھوڑا بھی سیدھا ہو گیا۔ آپ نے پھر پڑھنا شروع کیا۔ گھوڑے نے بھی پھر بد کننا شروع کیا۔ آپ نے پھر پڑھنا موقوف کیا گھوڑا بھی ٹھیک ٹھاک ہو گیا۔ تیسری مرتبہ بھی یہی ہوا۔ چونکہ ان کے صاحبزادے بچی گھوڑے کے پاس ہی لیٹے ہوئے تھے اس لئے ڈر معلوم ہوا کہ کہیں بچے کو چوٹ نہ آ جائے قرآن کا پڑھنا بند کر کے اسے اٹھالیا۔ آسمان کی طرف دیکھا کہ جانور کے بدکنے کی کیا وجہ ہے؟ صبح حضور کی خدمت میں آ کر واقعہ بیان کرنے لگے۔ آپ سنتے جاتے اور فرماتے جاتے ہیں پھر ”اسید پڑھتے چلے جاؤ“ حضرت اسید نے کہا حضور تیسری مرتبہ کے بعد تو بچی کی وجہ سے میں نے پڑھنا بالکل بند کر دیا۔ اب جو نگاہ اٹھی تو دیکھتا ہوں کہ ایک نورانی چیز سایہ دار ابر کی طرح ہے اور اس میں چراغوں کی طرح کی روشنی ہے بس میرے دیکھتے ہی دیکھتے وہ اوپر کو اٹھ گئی۔ آپ نے فرمایا جانتے ہو یہ کیا چیز تھی؟ یہ فرشتے جو تہاری آواز کو سن کر قریب آ گئے تھے۔ اگر تم پڑھنا موقوف نہ کرتے تو وہ صبح تک یونہی رہتے اور ہر شخص انہیں دیکھ لیتا کسی سے نہ چھپتے۔ یہ حدیث کئی کتابوں میں کئی سندوں کے ساتھ موجود ہے۔ واللہ اعلم۔

اس کے قریب قریب واقعہ حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے کہ ایک مرتبہ لوگوں نے حضور ﷺ سے کہا کہ گذشتہ رات ہم نے دیکھا ساری رات حضرت ثابت کا گھر نور کا بتعہ بنا رہا اور چمکدار روشن چراغوں سے جگمگا تا رہا۔ حضور نے فرمایا شاید انہوں نے رات کو سورہ بقرہ پڑھی ہوگی۔ جب ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے کہا ”سچ ہے۔ رات کو میں سورہ بقرہ کی تلاوت میں مشغول تھا۔“ اس کی اسناد تو نہایت عمدہ ہے مگر اس میں ابہام ہے اور یہ مرسل بھی ہے۔ واللہ اعلم۔

سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران کی فضیلت: ☆☆ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں ”سورہ بقرہ سیکھو اس کو حاصل کرنا برکت ہے اور اس کا چھوڑنا حسرت ہے“ جادوگر اس کی طاقت نہیں رکھتے“ پھر کچھ دیر چپ رہنے کے بعد فرمایا ”سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران سیکھو یہ دونوں نورانی سورتیں ہیں اپنے پڑھنے والے پر سائبان یا بادل یا پرندوں کے جھنڈ کی طرح قیامت کے روز سایہ کریں گی“ قرآن پڑھنے والا جب قبر سے اٹھے گا تو دیکھے گا کہ ایک نوجوان نورانی چہرے والا شخص اس کے پاس کھڑا ہوا کہتا ہے کہ کیا آپ مجھے جانتے ہیں؟ یہ کہہ گا نہیں تو وہ جواب

دے گا کہ میں قرآن ہوں جس نے دن کو تجھے بھوکا پیاسا رکھا تھا اور راتوں کو بستر سے دور بیدار رکھا تھا ہر تاجر اپنی تجارت کے پیچھے ہے لیکن آج سب تجارتیں تیرے پیچھے ہیں اب اس کے رہنے کے لئے سلطنت داہنے ہاتھ میں دی جائے گی اور ہمیشہ کے فائدے اس کے بائیں ہاتھ میں اس کے سر پر دقار و عزت کا تاج رکھا جائے گا۔ اس کے ماں باپ کو دو ایسے عمدہ قیمتی حلے پہنائے جائیں گے کہ ساری دنیا بھی اس کی قیمت کے سامنے ہٹے ہوگی وہ حیران ہو کر کہیں گے کہ آخر اس رحم و کرم اور اس انعام و اکرام کی کیا وجہ ہے؟ تو انہیں جواب دیا جائے گا کہ تمہارے بچے کے قرآن حفظ کرنے کی وجہ سے تم پر یہ نعمت انعام کی گئی۔ پھر اسے کہا جائے گا پڑھتا جا اور جنت کے درجے چڑھتا جا چنانچہ وہ پڑھتا جائے گا اور درجے چڑھتا جائے گا خواہ تریل سے پڑھے یا بے تریل۔

ابن ماجہ میں بھی اس حدیث کا بعض حصہ مروی ہے۔ اس کی اسناد حسن ہے اور شرط مسلم پر ہے۔ اس کے راوی بشر ابن ماجہ سے امام مسلم بھی روایت لیتے ہیں اور امام ابن معین اسے ثقہ کہتے ہیں۔ نسائی کا قول ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔ ہاں امام احمد اسے منکر الحدیث بتلاتے ہیں اور فرماتے ہیں میں نے تلاش کی تو دیکھا کہ وہ عجب عجیب حدیثیں لاتا ہے۔ امام بخاری فرماتے ہیں اس کی بعض احادیث سے اختلاف کیا جاتا ہے۔ ابو حاتم رازی کا فیصلہ ہے کہ اس کی حدیثیں لکھی جاتی ہیں لیکن ان سے دلیل نہیں پکڑی جاسکتی۔ ابن عدی کا قول ہے کہ ان کی ایسی روایتیں بھی ہیں جن کی متابعت نہیں کی جاتی۔ دارقطنی فرماتے ہیں یہ قوی نہیں ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اس کی اس روایت کے بعض مضمون دوسری سندوں سے بھی آئے ہیں۔

مسند احمد میں ہے۔ قرآن پڑھا کر دُیہ اپنے پڑھنے والوں کی قیامت کے دن شفاعت کرے گا۔ دونوں سورتوں بقرہ اور آل عمران کو پڑھتے رہا کرو۔ یہ دونوں قیامت کے دن اس طرح آئیں گی کہ گویا یہ دو سائبان ہیں یا دو ابر ہیں یا پر کھولے پرندوں کی دو جماعتیں ہیں۔ اپنے پڑھنے والوں کی طرف سے اللہ تعالیٰ سے سفارش کریں گی۔ پھر حضور نے فرمایا ”سورہ بقرہ پڑھا کر دو۔ اس کا پڑھنا برکت ہے اور چھوڑنا حسرت ہے۔ اس کی طاقت باطل والوں کو نہیں“ صحیح مسلم شریف میں بھی یہ حدیث ہے۔ مسند احمد کی ایک اور حدیث میں ہے ”قرآن اور قرآن پڑھنے والوں کو قیامت کے دن بلوایا جائے گا۔ آگے آگے سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران ہوں گی۔ بادل کی طرح یا سائے اور سائبان کی طرح یا پر کھولے پرندوں کے جھرمٹ کی طرح“ یہ دونوں پروردگار سے ڈٹ کر سفارش کریں گی۔“ مسلم اور ترمذی میں بھی یہ حدیث ہے۔ امام ترمذی اسے حسن غریب کہتے ہیں۔

ایک شخص نے اپنی نماز میں سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران پڑھی اس کے فارغ ہونے کے بعد حضرت کعبؓ نے فرمایا اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے ان میں اللہ کا وہ نام ہے کہ اس نام کے ساتھ جب کبھی اسے پکارا جائے وہ قبول فرماتا ہے۔ اب اس شخص نے حضرت کعبؓ سے عرض کی کہ مجھے بتائیے وہ نام کونسا ہے؟ حضرت کعبؓ نے اس سے انکار کیا اور فرمایا ”اگر میں بتا دوں تو خوف ہے کہ کہیں تو اس نام کی برکت سے ایسی دعا نہ مانگ لے جو میری اور تیری ہلاکت کا سبب بن جائے۔ حضرت ابو امامہؓ فرماتے ہیں تمہارے بھائی کو خواب میں دکھلایا گیا کہ گویا لوگ ایک بلند و بالا پہاڑ پر چڑھ رہے ہیں۔ پہاڑ کی چوٹی پر دوسرے درخت ہیں اور ان میں سے آوازیں آ رہی ہیں کہ کیا تم میں کوئی سورہ بقرہ کا پڑھنے والا ہے؟ کیا تم میں سے کوئی سورہ آل عمران کا پڑھنے والا ہے؟ جب کوئی کہتا ہے کہ ”ہاں“ تو وہ دونوں درخت اپنے پھلوں سمیت اس کی طرف جھک جاتے ہیں اور یہ اس کی شاخوں پر بیٹھ جاتا ہے اور وہ اسے اوپر اٹھا لیتے ہیں۔

حضرت ام درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک قرآن پڑھے ہوئے شخص نے اپنے پڑوسی کو مار ڈالا۔ پھر قصاص میں وہ بھی مارا گیا۔ پس قرآن کریم ایک ایک سورت ہو ہو کر الگ ہونا شروع ہوا یہاں تک کہ اس کے پاس سورہ آل عمران اور سورہ بقرہ رہ گئیں۔ ایک جمعہ

کے بعد سورۃ آل عمران چلی گئی۔ پھر ایک جھوٹا تو آواز آئی کہ میری باتیں نہیں بدلا کرتیں اور میں اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا جتنا چاہیے مبارک سورت یعنی سورۃ بقرہ بھی اس سے الگ ہو گئی۔ مطلب یہ ہے کہ یہ دونوں سورتیں اس کی طرف سے بلاؤں اور عذابوں کی آڑ بنی رہیں اور اس کی قبر میں اس کی دلجوئی کرتی رہیں اور سب سے آخر اس کے گناہوں کی زیادتی کے سبب ان کی سفارش نہ چلی۔ یزید بن اسود جوشی کہتے ہیں کہ ان دونوں سورتوں کو دن میں پڑھنے والا دن بھر میں نفاق سے بری رہتا ہے اور رات کو پڑھنے والا ساری رات نفاق سے بری رہتا ہے۔ خود حضرت یزیدؓ اپنے معمولی وظیفہ قرآن کے علاوہ ان دونوں سورتوں کو صبح شام پڑھا کرتے تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جو شخص ان دونوں سورتوں کو رات پڑھتا رہے گا اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ فرمانبرداروں میں شمار ہوگا۔ اس کی سند منقطع ہے۔ صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں سورتوں کو ایک رکعت میں پڑھا۔

سات لمبی سورتوں کی فضیلت: ☆☆ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں مجھ کو سات لمبی سورتیں توریت کی جگہ دی گئی ہیں اور انجیل کی جگہ مجھ کو وہ سواتوں والی سورتیں ملی ہیں اور زبور کے قائم مقام مجھ کو دوسو سے کم آیتوں والی سورتیں دی گئی ہیں اور پھر مجھے فضیلت میں خصوصاً سورۃ ق سے لے کر آخر تک کی سورتیں ملی ہیں۔ یہ حدیث غریب ہے اور اس کے ایک راوی سعید بن ابوبشر کے بارہ میں اختلاف ہے۔ ابوعبید نے اسے دوسری سند سے بھی نقل کیا ہے۔ واللہ اعلم۔ ایک اور حدیث میں ہے جو شخص ان سات سورتوں کو حاصل کر لے وہ بہت بڑا عالم ہے۔ یہ روایت بھی غریب ہے۔ مسند احمد میں بھی یہ روایت ہے ایک مرتبہ حضورؐ نے ایک لشکر بھیجا اور ان کا امیر انہیں بنایا جنہیں سورۃ بقرہ یاد تھی حالانکہ وہ ان سب میں چھوٹی عمر کے تھے۔ حضرت سعید بن جبیر تو وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعًا مِنَ الْمَثَانِي کی تفسیر میں بھی فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہی سات سورتیں ہیں سورۃ بقرہ سورۃ آل عمران سورۃ نساء سورۃ مائدہ سورۃ انعام سورۃ اعراف اور سورۃ یونس۔ حضرت مجاہد مکیول عطیہ بن قیس ابو محمد فارسی شہاد بن اوس یحییٰ بن حارث ذماری سے بھی یہی منقول ہے۔

مقام نزول: ☆☆ سورۃ بقرہ ساری کی ساری مدینہ شریف میں نازل ہوئی ہے اور شروع شروع جو سورتیں نازل ہوئیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے البتہ اس کی ایک آیت وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ یہ سب سے آخر نازل شدہ بتلائی جاتی ہے یعنی قرآن کریم میں سب سے آخر یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ ممکن ہے کہ نازل بعد میں ہوئی ہو لیکن اسی میں ہے۔ اور اسی طرح سودی حرمت کی آیتیں بھی آخر میں نازل ہوئی ہیں۔ حضرت خالد بن معدان سورۃ بقرہ کو فسطاط القرآن یعنی قرآن کا خیمہ کہا کرتے تھے۔ بعض علماء کا فرمان ہے کہ اس میں ایک ہزار خبریں ہیں اور ایک ہزار حکم ہیں اور ایک ہزار کاموں سے ممانعت ہے اس کی آیتیں دو سو ستاسی ہیں۔ اس کے کلمات چھ ہزار دوسو اکیس ہیں۔ اس کے حروف ساڑھے پچیس ہزار ہیں۔ واللہ اعلم۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْم

شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان رحم والا ہے ○

ابن عباس فرماتے ہیں یہ سورت مدنی ہے۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ اور بہت سے ائمہ علماء اور مفسرین سے بھی بلا اختلاف یہی مروی ہے۔ ابن مردویہ کی ایک حدیث میں ہے کہ سورۃ بقرہ سورۃ آل عمران سورۃ النساء وغیرہ نہ کہا کرو بلکہ یوں کہو کہ وہ سورت جس میں بقرہ کا ذکر ہے وہ سورت جس میں آل عمران کا بیان ہے اور اسی طرح قرآن کی سب سورتوں کے نام لیا کرو۔ لیکن یہ حدیث

غریب ہے بلکہ اس کا فرمان رسول ہونا ہی صحیح نہیں۔ اس کے راوی عیسیٰ بن میمون ابوسلمہ خواص ضعیف ہیں۔ ان کی روایت سے سند نہیں لی جا سکتی۔ اس کے برخلاف بخاری و مسلم میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے بطن وادی سے شیطان پر کنکر پھینکے۔ بیت اللہ کی بائیں جانب تھا اور منیٰ دائیں طرف۔ اور فرمایا اسی جگہ سے کنکر پھینکے تھے رسول اللہ ﷺ نے جن پر سورۃ بقرہ اتری ہے۔ گو اس حدیث سے صاف ثابت ہو گیا ہے کہ سورۃ بقرہ وغیرہ کہنا جائز ہے۔ لیکن مزید سنئے۔ ابن مردویہ میں ہے کہ جب آنحضرتؐ نے اپنے اصحاب میں کچھ سستی دیکھی تو انہیں یا اصحاب سورۃ بقرہ کہہ کر پکارا۔ غالباً یہ غزوہ حنین والے دن کا ذکر ہے جب لشکر کے قدم اکھڑ گئے تھے تو حضورؐ کے حکم سے حضرت عباسؓ نے انہیں درخت والو یعنی اے بیعت الرضوان کرنے والو اور اے سورۃ بقرہ والو کہہ کر پکارا تھا تا کہ ان میں خوشی اور دلیری پیدا ہو۔ چنانچہ اس آواز کے ساتھ ہی صحابہؓ ہر طرف سے دوڑ پڑے۔ مسلمان جس نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا تھا اس کے ساتھ لڑنے کے وقت بھی جب قبیلہ بنو حنفیہ کی چیرہ دستیوں نے پریشان کر دیا اور قدم ڈگمگائے تو صحابہؓ نے اسی طرح لوگوں کو پکارا یا اصحاب سورۃ بقرہ اے سورۃ بقرہ والو اس آواز پر سب کے سب جمع ہو گئے اور جم کر لڑے یہاں تک کہ ان مرتدوں پر اللہ تعالیٰ نے اپنے لشکر کو فتح دی اللہ تعالیٰ اپنے رسولؐ کے سب صحابہ سے خوش ہو۔

حروف مقطعات اور ان کے معنی: ☆☆ (آیت ۱) اَلَمْ جیسے حروف مقطعات ہیں جو سورتوں کے اول میں آئے ہیں ان کی تفسیر میں مفسرین کا اختلاف ہے بعض تو کہتے ہیں ان کے معنی صرف اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہیں اور کسی کو معلوم نہیں۔ اس لئے وہ ان حروف کی کوئی تفسیر نہیں کرتے۔ قرطبیؒ نے حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے ہی نقل کیا ہے عامر شعیسی، سفیان ثوری، ربیع بن خثیم رحمہم اللہ بھی یہی کہتے ہیں۔ ابوحاتم بن حبانؒ کو بھی اسی سے اتفاق ہے۔ بعض لوگ ان حروف کی تفسیر بھی کرتے ہیں لیکن ان کی تفسیر میں بہت کچھ اختلاف ہے۔ عبدالرحمن بن زید بن اسلم فرماتے ہیں یہ سورتوں کے نام ہیں۔ علامہ ابو القاسم محمود بن عمر محشری اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں اکثر لوگوں کا اسی پر اتفاق ہے۔ سیبویہؒ نے بھی یہی کہا ہے اور اس کی دلیل بخاری و مسلم کی وہ حدیث ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن صبح کی نماز میں اَلَمْ السَّجْدَہ اور اَتٰی عَلٰی الْاِنْسَانِ پڑھتے تھے۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں اَلَمْ اور حَمّ اور اَلْمَصّ اور صّ یہ سب سورتوں کی ابتدا ہے جن سے یہ سورتیں شروع ہوتی ہیں۔ انہی سے یہ بھی منقول ہے کہ اَلَمْ قرآن کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ حضرت قتادہ اور حضرت زید بن اسلم کا قول بھی یہی ہے اور شاید اس قول کا مطلب بھی وہی ہے جو حضرت عبدالرحمن بن زید اسلم فرماتے ہیں کہ یہ سورتوں کے نام ہیں۔ اس لئے کہ ہر سورت کو قرآن کہہ سکتے ہیں اور یہ نہیں ہو سکتا کہ سارے قرآن کا نام اَلْمَصّ ہو کیونکہ جب کوئی شخص کہے کہ میں نے سورۃ اَلْمَصّ پڑھی تو ظاہر یہی سمجھا جاتا ہے کہ اس نے سورۃ اعراف پڑھی نہ کہ پورا قرآن۔ واللہ اعلم۔

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے نام ہیں۔ حضرت شعب سالم بن عبد اللہ اسماعیل بن عبد الرحمن سدی کبیر یہی کہتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ الم اللہ تعالیٰ کا بڑا نام ہے اور روایت میں ہے کہ حم، طس اور الم یہ سب اللہ تعالیٰ کے بڑے نام ہیں۔ حضرت علی اور حضرت ابن عباس دونوں سے یہ مروی ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قسم ہے اور اس کا نام بھی ہے۔ حضرت عکرمہ فرماتے ہیں یہ قسم ہے۔ ابن عباسؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ اس کے معنی اِنَّا اللّٰهُ اَعْلَمُ ہیں، یعنی میں ہی ہوں اللہ زیادہ جاننے والا۔ حضرت سعید بن جبیر سے مروی ہے ابن عباس ابن مسعود اور بعض دیگر صحابہؓ سے روایت ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ناموں کے الگ الگ حروف ہیں۔ ابو العالیہ فرماتے ہیں کہ تین حرف الف اور لام اور میم انتیس حروف میں سے ہیں جو تمام زبانوں میں آتے ہیں۔ ان میں سے

ہر حرف اللہ تعالیٰ کی نعمت اور اس کی بلا کا ہے اور اس میں قوموں کی مدت اور ان کے وقت کا بیان ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تعجب کرنے پر کہا گیا تھا کہ وہ لوگ کیسے کفر کریں گے۔ ان کی زبانوں پر اللہ تعالیٰ کے نام ہیں۔ اس کی روزیوں پر وہ پلتے ہیں۔ الف سے اللہ کا نام اللہ شروع ہوتا ہے اور لام سے اس کا نام لطیف شروع ہوتا ہے اور میم سے اس کا نام مجید شروع ہوتا ہے اور الف سے مراد الاء یعنی نعمتیں ہیں اور لام سے مراد اللہ تعالیٰ کا لطف ہے اور میم سے مراد اللہ تعالیٰ کا مجد یعنی بزرگی ہے۔ الف سے مراد ایک سال ہے۔ لام سے تیس سال اور میم سے چالیس سال (ابن ابی حاتم)

امام ابن جریرؒ نے ان سب مختلف اقوال میں تطبیق دی ہے یعنی ثابت کیا ہے کہ ان میں ایسا اختلاف نہیں جو ایک دوسرے کے خلاف ہو۔ ہو سکتا ہے یہ سورتوں کے نام بھی ہوں اور اللہ تعالیٰ کے نام بھی سورتوں کے شروع کے الفاظ بھی ہوں اور ان میں سے ہر حرف سے اللہ تعالیٰ کے ایک ایک نام کی طرف اشارہ اور اس کی صفوں کی طرف اور مدت وغیرہ کی طرف بھی ہو۔ ایک ایک لفظ کئی کئی معنی میں آتا ہے۔ جیسے لفظ اُمّہ کہ اس کے ایک معنی ہیں دین جیسے قرآن میں ہے اِنَّا وَجَدْنَا اَبَانًا عَلٰی اُمّۃٍ ہم نے اپنے باپ دادوں کو اسی دین پر پایا۔ دوسرے معنی ہیں۔ اللہ کا اطاعت گزار بندہ جیسے فرمایا اِنَّ اِبْرٰهٖمَ كَانَ اُمّۃً یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے مطیع اور فرمانبردار اور مخلص بندے تھے اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے۔ تیسرے معنی ہیں جماعت جیسے فرمایا وَجَدَ عَلَیْہِ اُمّۃً یعنی ایک جماعت کو اس کنویں پر پانی پلاتے ہوئے پایا اور جگہ ہے وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ كُلِّ اُمّۃٍ رَّسُوْلًا یعنی ہم نے ہر جماعت میں کوئی رسول یقیناً بھیجا۔ چوتھے معنی ہیں مدت اور زمانہ فرمان ہے وَاذْکُرْ بَعْدَ اُمّۃٍ یعنی ایک مدت کے بعد اسے یاد آیا۔ پس جس طرح یہاں ایک لفظ کے کئی معنی ہوئے اسی طرح ممکن ہے کہ ان حروف مقطعه کے بھی کئی معنی ہوں۔ امام ابن جریر کے اس فرمان پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ ابو العالیہؒ نے جو تفسیر کی ہے اس کا مطلب تو یہ ہے کہ یہ ایک لفظ ایک ساتھ ایک ہی جگہ ان سب معنی میں ہے اور لفظ امت وغیرہ جو کئی کئی معنی میں آئے ہیں جنہیں اصطلاح میں الفاظ مشترکہ کہتے ہیں ان کے معنی ہوتے ہیں جو عبارت کے قرینے سے معلوم ہو جاتے ہیں۔ ایک ہی جگہ سب کے سب معنی مرا نہیں ہوتے اور سب کو ایک ہی جگہ محمول کرنے کے مسئلہ میں علماء اصول کا بڑا اختلاف ہے اور ہمارے تفسیری موضوع سے اس کا بیان خارج ہے۔ واللہ اعلم۔ دوسرے یہ کہ امت وغیرہ الفاظ کے معنی ہی بہت سارے ہیں اور یہ الفاظ اسی لئے بنائے گئے ہیں کہ بندش کلام اور نشست الفاظ سے ایک معنی ٹھیک بیٹھ جاتے ہیں ایک حرف کی دلالت ایک ایسے نام پر ممکن ہے جو دوسرے ایسے نام پر بھی دلالت کرتا ہو اور ایک کو دوسرے پر کوئی فضیلت نہ ہو نہ تو مقدر ماننے سے نہ ضمیر دینے سے نہ وضع کے اعتبار سے اور نہ کسی اور اعتبار سے۔ ایسی بات علمی طور پر تو نہیں سمجھی جاسکتی البتہ اگر منقول ہو تو اور بات ہے لیکن یہاں اختلاف ہے۔ اجماع نہیں ہے۔ اس لئے یہ فیصلہ قابل غور ہے۔ اب بعض اشعار عرب کے جو اس بات کی دلیل میں پیش کئے جاتے ہیں۔ ایک کلمہ کو بیان کرنے کے لئے صرف اس کا پہلا حرف بول دیتے ہیں۔ یہ ٹھیک ہے لیکن ان شعروں میں خود عبارت ایسی ہوتی ہے جو اس پر دلالت کرتی ہے۔ ایک حرف کے بولنے ہی پورا کلمہ سمجھ میں آ جاتا ہے لیکن یہاں ایسا بھی نہیں۔ واللہ اعلم۔ قرطبی کہتے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ جو مسلمان قتل پر آدھے کلمہ سے بھی مدد کرے مطلب یہ ہے کہ قتل پورا نہ کہے۔ بلکہ صرف اق کہے۔ مجاہد کہتے ہیں۔ سورتوں کے شروع میں جو حروف ہیں مثلاً ق، ص، حَم، طَسَم، الرَّ وغیرہ یہ سب حروف ہجا ہیں۔ بعض عربی دان کہتے ہیں کہ یہ حروف الگ الگ جو اٹھائیس ہیں ان میں سے چند ذکر کر دیئے باقی کو چھوڑ دیا گیا ہے جیسے کوئی کہے کہ میرا بیٹا اب تھ لکھتا ہے تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ تمام اٹھائیس حروف لکھتا ہے لیکن ابتدا کے چند حروف ذکر کر دئے باقی کو چھوڑ دیا۔ سورتوں کے شروع میں اس طرح کے کل چودہ حروف آئے ہیں ا ل م ص ر ک ہ ی ع ط س ح ق ن ان سب کو اگر ملا لیا جائے تو یہ عبارت بنتی ہے نَصَّ

حَکِیْمٌ قَاطِعٌ لَّہٗ سِرٌّ تعداد کے لحاظ سے یہ حروف چودہ ہیں اور جملہ حروف اٹھائیس ہیں۔ اس لئے یہ آدھے ہوئے۔ بقیہ جن حروف کا ذکر نہیں کیا گیا یہ حروف ان سے زیادہ فضیلت والے ہیں اور یہ صناعتِ تصریف ہے۔ ایک حکمت اس میں یہ بھی ہے کہ جتنی قسم کے حروف تھے اتنی قسمیں باعتبار اکثریت کے ان میں آگئیں یعنی مہوسہ مجبورہ وغیرہ۔ سبحان اللہ۔ ہر چیز میں اس مالک کی حکمت نظر آتی ہے یہ یقینی بات ہے کہ خدا کا کلام لغو بیہودہ، بیکار بے معنی الفاظ سے پاک ہے۔ جو جاہل لوگ کہتے ہیں کہ سرے سے ان حروف کے کچھ معنی ہی نہیں وہ بالکل خطا پر ہیں۔ اس کے کچھ نہ کچھ معنی یقیناً ہیں۔ اگر نبی معصوم ﷺ سے اس کے معنی کچھ ثابت ہوں تو ہم وہ معنی کریں گے اور سمجھیں گے ورنہ جہاں کہیں حضور نے کچھ معنی بیان نہیں کئے ہم بھی نہ کریں گے اور ایمان لائیں گے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ حضورؐ سے تو اس میں ہمیں کچھ نہیں ملا اور علماء کا اس میں بے حد اختلاف ہے۔ اگر کسی پر کسی قول کی دلیل کھل جائے تو خیر وہ اسے مان لے ورنہ بہتر یہ ہے کہ ان حروف کے کلام اللہ ہونے پر ایمان لائے اور یہ جانے کہ اس کے معنی ضرور ہیں جو اللہ ہی کو معلوم ہیں اور ہمیں معلوم نہیں ہوئے۔ دوسری حکمت ان حروف کے لانے میں یہ بھی ہے کہ ان سے سورتوں کی ابتداء معلوم ہو جائے لیکن یہ وجہ ضعیف ہے اس لئے کہ اس کے بغیر ہی سورتوں کی جدائی معلوم ہو جاتی ہے۔ جن سورتوں میں ایسے حروف ہی نہیں، کیا ان کی ابتداء انتہا معلوم نہیں؟

پھر سورتوں سے پہلے بسم اللہ کا پڑھنے اور لکھنے کے اعتبار سے موجود ہونا کیا ایک سورت کو دوسری سے جدا نہیں کرتا؟ امام ابن جریر نے اس کی حکمت یہ بھی بیان کی ہے کہ چونکہ مشرکین کتاب اللہ کو سنتے ہی نہ تھے اس لئے انہیں سنانے کے لئے ایسے حروف لائے گئے تاکہ جب ان کا دھیان کان لگ جائے تو باقاعدہ تلاوت شروع ہو، لیکن یہ وجہ بھی بودی ہے اس لئے اگر ایسا ہوتا تو تمام سورتوں کی ابتداء انہی حروف سے کی جاتی حالانکہ ایسا نہیں ہوا۔ بلکہ اکثر سورتیں اس سے خالی ہیں۔ پھر جب کبھی مشرکین سے کلام شروع ہو یہی حروف چاہئیں۔ نہ کہ صرف سورتوں کے شروع میں ہی یہ حروف ہوں۔ پھر اس پر بھی غور کر لیجئے کہ یہ سورت یعنی سورہ بقرہ اور اس کے بعد کی سورت یعنی سورہ آل عمران یہ تو مدینہ شریف میں نازل ہوتی ہیں اور مشرکین مکہ ان کے اترنے کے وقت وہاں تھے ہی نہیں۔ پھر ان میں یہ حروف کیوں آئے؟ ہاں یہاں پر ایک اور حکمت بھی بیان کی گئی ہے کہ ان حروف کے لانے میں قرآن کریم کا ایک معجزہ ہے جس سے تمام مخلوق عاجز ہے باوجود یہ کہ یہ حروف بھی روزمرہ کے استعمالی حروف سے ترکیب دیئے گئے ہیں لیکن مخلوق کے کلام سے بالکل نرالے ہیں۔ مبرداور محققین کی ایک جماعت اور فراء اور قطرب سے بھی یہی منقول ہے۔ زمخشری نے تفسیر کشاف میں اس قول کو نقل کر کے اس کی بہت کچھ تائید کی ہے۔ شیخ امام علامہ ابوالعباس حضرت ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اور حافظ مجتہد ابوالحاج مزی نے بھی یہی حکمت بیان کی ہے۔ زمخشری فرماتے ہیں یہی وجہ ہے کہ تمام حروف اکٹھے نہیں آئے۔

ہاں ان حروف کو کمزور لانے کی یہ وجہ ہے کہ بار بار مشرکین کو عاجز اور لا جواب کیا جائے اور انہیں ڈانٹا اور دھمکا یا جائے۔ جس طرح قرآن کریم میں اکثر قصے کئی کئی مرتبہ لائے گئے ہیں اور بار بار کھلے الفاظ میں بھی قرآن کے مثل لانے میں ان کی عاجزی کا بیان کیا گیا ہے۔ بعض جگہ تو صرف ایک حرف آیا ہے جیسے صَ نَ قَ، کہیں دو حروف آئے ہیں جیسے حَمَ کہیں تین حروف آئے ہیں جیسے اَلَمْ، کہیں چار آئے ہیں جیسے اَلَمْ اور اَلَمْصَ اور کہیں پانچ آئے ہیں جیسے کَتَہِیْعَصَ اور حَمَ عَسَقَ اس لئے کہ کلمات عرب کے کل کے کل اسی طرح پر ہیں یا تو ان میں ایک حرفی لفظ ہیں یا دو حرفی یا سہ حرفی یا چار حرفی یا پانچ حرفی کے پانچ حرف سے زیادہ کے کلمات نہیں۔ جب یہ بات ہے کہ یہ حروف قرآن شریف میں بطور معجزے کے آئے ہیں تو ضروری تھا کہ جن سورتوں کے شروع میں یہ حروف آئے ہیں وہاں ذکر بھی قرآن کریم کا ہو اور قرآن کی بزرگی اور بڑائی بیان ہو چنانچہ ایسا ہی انتیس سورتوں میں یہ واقعہ ہوا ہے۔

سنئے فرمان ہے اَلَمْ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ يٰۤهٰۤا بھي ان حروف کے بعد ذکر ہے کہ اس قرآن کے اللہ جل شانہ کا کلام ہونے میں کوئی شک نہیں اور جگہ فرمایا اَلَمْ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ نَزَّلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ يَدَیْهِ وَهُوَ اللّٰهُ جس کے سوا کوئی معبود نہیں جو زندہ اور دائم والا ہے جس نے تم پر حق کے ساتھ یہ کتاب تھوڑی تھوڑی نازل فرمائی ہے۔ وہ پہلے کی کتابوں کی بھی تصدیق کرتی ہے۔ یہاں بھی ان حروف کے بعد قرآن کریم کی عظمت کا اظہار کیا گیا۔ اور جگہ فرمایا اَلَمْ تَنْزِلَ اِلَیْكَ الْخُبْرَ یعنی یہ کتاب تیری طرف اتاری گئی ہے تو اپنا دل تنگ نہ رکھ۔ اور جگہ فرمایا اَلَمْ تَنْزِلَ اِلَیْكَ الْخُبْرَ یعنی یہ کتاب ہم نے تیری طرف نازل کی تاکہ تو لوگوں کو اپنے رب کے حکم سے اندھیروں سے نکال کر اجالے میں لائے۔

ارشاد ہوتا ہے اَلَمْ تَنْزِلَ الْكِتٰبَ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ اس کتاب کے رب العالمین کی طرف سے نازل شدہ ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں۔ فرماتا ہے حَتْمَ تَنْزِیْلٍ مِنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ بخششوں اور مہربانیوں والے اللہ نے اسے نازل فرمایا ہے حَتْمَ عَسَقَ كَذٰلِكَ یُوحٰی اِلَیْكَ الْخُبْرَ یعنی اسی طرح وحی کرتا ہے اللہ تعالیٰ غالب، حکمتوں والا تیری طرف اور ان نبیوں کی طرف جو تجھ سے پہلے تھے۔ اسی طرح اور ایسی سورتوں کے شروع کو بہ غور دیکھئے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان حروف کے بعد کلام پاک کی عظمت و عزت کا ذکر ہے جس سے یہ بات قوی معلوم ہوتی ہے کہ یہ حروف اس لئے لائے گئے ہیں کہ لوگ اس کے لئے معارضے اور مقابلے سے عاجز ہیں۔ واللہ اعلم۔ بعض لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ ان حروف سے مدت معلوم کرائی گئی ہے اور فتنوں، لڑائیوں اور دوسرے ایسے ہی کاموں کے اوقات بتلائے گئے ہیں لیکن یہ قول بھی بالکل ضعیف معلوم ہوتا ہے۔ اس کی دلیل میں ایک حدیث بھی بیان کی جاتی ہے۔ لیکن اول تو وہ ضعیف ہے دوسرے اس حدیث سے اس قول کی پختگی تو ایک طرف اس کا باطل ہونا زیادہ ثابت ہوتا ہے۔ وہ حدیث محمد بن اسحاق بن یسار نے نقل کی ہے جو تاریخ کے مصنف ہیں۔ اس حدیث میں ہے کہ ابویاسر بن اخطب یہودی اپنے چند تسمیوں کو لے کر حضور کی خدمت میں حاضر ہوا۔

آپ اس وقت سورہ بقرہ کی شروع آیت اَلَمْ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ الخ تلاوت فرما رہے تھے وہ اسے سن کر اپنے بھائی حی بن اخطب کے پاس آیا اور کہا میں نے آج حضور کو اس آیت کی تلاوت کرتے ہوئے سنا ہے۔ وہ پوچھتا ہے تو نے خود سنا؟ اس نے کہا ہاں میں نے خود سنا ہے۔ حی ان سب یہودیوں کو لے کر پھر حضور کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے حضور گیا یہ سچ ہے کہ آپ اس آیت کو پڑھ رہے تھے۔ آپ نے فرمایا ”ہاں سچ ہے“ اس نے کہا سنئے۔ آپ سے پہلے جتنے نبی آئے کسی کو بھی نہیں بتلایا گیا تھا کہ اس کا ملک اور مذہب کب تک رہے گا لیکن آپ کو بتلادیا گیا۔ پھر کھڑا ہو کر لوگوں سے کہنے لگا ”سنو الف کا عدد ہوا ایک لام؟ کے تیس میم کے چالیس کل اکہتر ہوئے۔ کیا تم اس نبی کی تابعداری کرنا چاہتے ہو جس کے ملک اور امت کی مدت کل اکہتر سال ہو پھر حضور کی طرف متوجہ ہو کر دریافت کیا کہ کیا کوئی اور آیت بھی ایسی ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں، اَلَمْ کہنے لگا یہ بڑی بھاری اور بہت لمبی ہے۔ الف کا ایک لام کے تیس میم کے چالیس صواد کے نوے یہ سب ایک سو اکٹھ سال ہوئے۔ کہا اور کوئی بھی ایسی آیت ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں ”الر“ کہنے لگا یہ بھی بہت بھاری اور لمبی ہے۔ الف کا ایک لام کے تیس اور رے کے دو سو۔ جملہ دو سو آتیس برس ہوئے۔ کیا اس کے ساتھ کوئی اور ایسی بھی ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں المر ہے۔ کہا یہ تو بہت ہی بھاری ہے الف کا ایک لام کے تیس میم کے چالیس اور رے کے دو سو سب مل کر دو سو اکہتر ہو گئے۔ اب تو کام مشکل ہو گیا اور بات غلط ملط ہو گئی۔ لوگو اٹھو۔ ابویاسر نے اپنے بھائی سے اور دوسرے علماء یہود سے کہا۔ کیا عجب کہ ان سب حروف مجموعہ کی مدت حضرت محمد ﷺ کو ملا ہو؟ اکہتر ایک، ایک سو اکٹھ ایک، دو سو آتیس ایک، دو سو اکہتر ایک، یہ سب مل کر سات سو چونتیس برس ہوئے۔ انہوں نے کہا اب کام غلط ملط ہو گیا۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ آیتیں انہی لوگوں کے حق میں نازل ہوئیں جو اللہ کے اَنْزَلَ عَلَیْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ اِلٰحِیْنِ وہی اللہ جس نے تجھ پر یہ کتاب نازل فرمائی جس میں محکم آیتیں ہیں۔ جو اصل کتاب ہیں اور دوسری آیتیں مشابہت والی بھی ہیں۔ اس حدیث کا دار و مدار محمد بن سائب کلبی پر ہے اور جس حدیث کا یہ اکیلا راوی ہو محمد ثین اس سے حجت نہیں پکڑتے اور پھر اس طرح اگر مان لیا جائے اور ہر ایسے حرف کے عدد نکالے جائیں تو جن چودہ حروف کو ہم نے بیان کیا، ان کے عدد بہت ہو جائیں گے اور جو حروف ان میں سے کئی کئی بار آئے ہیں اگر ان کے عدد کا شمار بھی کئی کئی بار لگایا جائے تو بہت ہی بڑی گنتی ہو جائے گی۔ واللہ اعلم۔

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ

اس کتاب (کے اللہ کی کتاب ہونے) میں کوئی شک نہیں ہے نیز گاروں کو راہ دکھانے والی ہے ○

تحقیقات کتاب: ☆☆ (آیت ۲) حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں یہاں ذٰلِكَ معنی میں ”هٰذَا“ کے ہیں۔ مجاہدؒ عمرہؒ سعیدؒ جبہ سدیؒ مقاتل بن حبابؒ زید بن اسلمؒ اور ابن جریجؒ کا بھی یہی قول ہے۔ یہ دونوں لفظ ایک دوسرے کے قائم مقام عربی زبان میں اکثر آتے رہتے ہیں۔ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ابو عبیدہؒ سے بھی یہی نقل کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ذٰلِكَ اصل میں ہے تو دور کے اشارے کے لئے جس کے معنی ہیں وہ لیکن کبھی نزدیک کے لئے بھی لاتے ہیں۔ اس وقت اس کے معنی ہوتے ہیں ”یہ“ یہاں بھی اسی معنی میں ہے۔ زخریؒ کہتے ہیں اس سے اشارہ الم کی طرف ہے جیسے اس آیت میں ہے لَا فِرَاضَ وَلَا بَکْرَ عَوَاثَ بَيْنَ ذٰلِكَ یعنی نہ تو وہ گائے بڑھیا ہے نہ بچہ ہے بلکہ اس کے درمیان عمر کی جوان ہے۔ دوسری جگہ فرمایا ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ یہ ہی ہے اللہ کا حکم جو تمہارے درمیان حکم کرتا ہے۔ اور جگہ فرمایا ذٰلِكُمْ اللّٰهُ یہ ہی ہے اللہ تعالیٰ اور اس کی مثال اور مواقع پہلے گزر چکے۔ واللہ اعلم۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ اشارہ قرآن کریم کی طرف ہے جس کے اتارنے کا وعدہ رسول اللہ ﷺ سے ہوا تھا۔ بعض نے تورات کی طرف کسی نے انجیل کی طرف بھی اشارہ بتایا ہے اور اسی طرح کے دس قول ہیں لیکن ان کو اکثر مفسرین نے ضعیف کہا ہے۔ واللہ اعلم۔

کتاب سے مراد قرآن کریم ہے۔ جن لوگوں نے کہا ہے کہ ذٰلِكَ الْكِتَابُ کا اشارہ تورات اور انجیل کی طرف ہے انہوں نے انتہائی بھول بھلیوں کا راستہ اختیار کیا بڑی تکلیف اٹھائی اور خواہ مخواہ بلا وجہ بات کہی جس کا انہیں علم نہیں۔ رَيْب کے معنی ہیں شک و شبہ۔ حضرت ابن عباسؓ حضرت ابن مسعودؓ اور کئی ایک صحابہؓ سے یہی معنی مروی ہیں۔ ابو درداءؓ ابن عباسؓ مجاہدؒ سعید بن جبیرؒ ابو مالکؒ نافعؒ جو ابن عمرؓ کے مولا ہیں۔ عطاءؒ ابو العالیہؒ ربیع بن انسؒ مقاتل بن حیانؒ سدیؒ قتادہؒ اسمعیل بن ابی خالدؒ سے بھی یہی مروی ہے۔ ابن ابی حاتمؒ فرماتے ہیں مفسرین میں اس میں اختلاف نہیں۔ رَيْب کا لفظ عرب شاعروں کے شعروں میں تہمت کے معنی میں بھی آیا ہے اور حاجت کے معنی میں بھی اس کا استعمال ہوا ہے۔ اس جملہ کے معنی یہ ہوئے کہ اس قرآن کو اللہ کی طرف سے نازل شدہ ہونے میں کچھ شک نہیں۔ جیسے سورہ سجدہ میں ہے اَلَمْ تَنْزِلُ الْكِتَابَ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ یعنی بیشک یہ قرآن کریم تمام جہانوں کے پالنے والے اللہ کی طرف سے ہے یعنی اس میں شک نہ کرو۔ بعض قاری لَا رَيْبَ پر وقف کرتے ہیں اور فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ کو الگ جملہ پڑھتے ہیں لیکن لَا رَيْبَ فِيْهِ پر ٹھہرنا بہت بہتر ہے کیونکہ یہی مضمون اسی طرح سورہ سجدہ کی آیت میں موجود ہے اور اس میں بہ نسبت فِيْهِ هُدًى کے زیادہ مبالغہ ہے۔ ہدیٰ نحوی اعتبار سے صفت ہو کر مرفوع ہو سکتا ہے اور حال کی بنا پر منصوب بھی ہو سکتا ہے۔ اس جگہ ہدایت کو متقین کے ساتھ مخصوص کیا گیا جیسے دوسری جگہ فرمایا قُلْ هُوَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَ شِفَاۃٌ اِلٰحِیْنِ یہ قرآن ہدایت اور شفا ہے ایمان والوں کے لئے اور بے ایمانوں کے

کان یوحصل ہیں اور آنکھیں اندھی ہیں یہ بہت دور سے پکارتے ہیں اور فرمایا وَنَزَّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ اَلْح یعنی یہ قرآن ایمان داروں کے لئے شفا اور رحمت ہے اور ظالم لوگ تو اپنے خسارے میں ہی بڑھتے جاتے ہیں۔ اسی مضمون کی اور آیتیں بھی ہیں۔ ان سب کا مطلب یہ ہے کہ گو قرآن کریم خود ہدایت اور محض ہدایت ہے اور سب کے لئے ہے لیکن اس ہدایت سے نفع اٹھانے والے صرف نیک بخت لوگ ہیں جیسے فرمایا يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَ تَكْوِيْنُهُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَبِّكُمْ اَلْح تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی نصیحت اور سینے کی پیاریوں کی شفاء آچکی جو مومنوں کے لئے شفا اور رحمت ہے اور ابن عباسؓ ابن مسعودؓ اور بعض دیگر صحابہؓ سے مروی ہے کہ ہدایت سے مراد نور ہے ابن عباسؓ فرماتے ہیں:

متقین کی تعریف: ☆☆ متقین وہ ہیں جو ایمان لاکر شرک سے دور رہ کر اللہ تعالیٰ کے احکام بجالائیں۔ ایک اور روایت میں ہے متقی وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے عذابوں سے ڈر کر ہدایت کو نہیں چھوڑتے اور اس کی رحمت کی امید رکھ کر اس کی طرف سے جو نازل ہوا اسے سچا جانتے ہیں۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں ”متقی وہ ہے جو حرام سے بچے اور فرائض بجالائے۔ حضرت اعمشؒ حضرت ابو بکر بن عیاشؒ سے سوال کرتے ہیں ”متقی کون ہے؟“ آپ یہی جواب دیتے ہیں۔ پھر میں نے کہا ”ذرا حضرت کلبیؒ سے بھی تو دریافت کر لو!“ وہ کہتے ہیں متقی وہ ہیں جو کبیرہ گناہوں سے بچیں۔ اس پر دونوں کا اتفاق ہوتا ہے۔ قتادہ فرماتے ہیں متقی وہ ہے جس کا وصف اللہ تعالیٰ نے خود اس آیت کے بعد بیان فرمایا کہ اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْْبِ اَلْح امام ابن جریر فرماتے ہیں کہ یہ سب اوصاف متقین میں جمع ہوتے ہیں۔ ترمذی اور ابن ماجہ کی حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: بندہ حقیقی متقی نہیں ہو سکتا جب تک کہ ان چیزوں کو نہ چھوڑ دے جن میں حرج نہیں اس خوف سے کہ کہیں وہ حرج میں گرفتار نہ ہو جائے۔ امام ترمذی اسے حسن غریب کہتے ہیں۔ ابن ابی حاتم میں ہے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جبکہ لوگ ایک میدان میں قیامت کے دن روک لئے جائیں گے اس وقت ایک پکارنے والا پکارے گا کہ متقی کہاں ہیں؟ اس آواز پر وہ کھڑے ہوں گے اور اللہ تعالیٰ انہیں اپنے بازو میں لے لے گا اور بے حجاب انہیں اپنے دیدار سے مشرف فرمائے گا۔ ابو عیسیٰ نے پوچھا حضرت متقی کون لوگ ہیں؟ آپؐ نے فرمایا جو لوگ شرک سے بے پستی سے بچیں اور اللہ کی خالص عبادت کریں وہ اسی عزت کے ساتھ جنت میں پہنچائے جائیں گے۔

ہدایت کی وضاحت: ☆☆ ہدایت کے معنی بھی تو دل میں ایمان پیوست ہو جانے کے آتے ہیں۔ ایسی ہدایت پر تو سوائے اللہ جل و علا کی مہربانی کے اور کوئی قدرت نہیں رکھتا۔ فرمان ہے اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ یعنی اے نبی جیسے تو چاہے ہدایت نہیں دے سکتا۔ فرماتا ہے لَيْسَ عَلَيْكَ هٰذِهِمْ تَحْتَ اِلٰهِمُ کہ ہدایت لازم نہیں۔ فرماتا ہے مَنْ يُضِلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ جِسے اللہ گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت پر لانے والا نہیں۔ فرمایا مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ اَلْح یعنی جسے اللہ ہدایت دے وہی ہدایت والا ہے اور جسے وہ گمراہ کرے تم ہرگز اس کا نہ کوئی ولی پاؤ گے نہ مرشد۔ اس قسم کی اور آیتیں بھی ہیں اور ہدایت کے معنی بھی حق کے اور حق کو واضح کر دینے کے اور حق پر دلالت کرنے اور حق کی طرف راہ دکھانے کے بھی آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ یعنی تو یقیناً سیدھی راہ کی رہبری کرتا ہے۔ اور فرمایا اِنَّمَا اَنْتَ مُنذِرٌ وَلِلْاٰحْزَامِ قَوْمٌ هَادٍ یعنی تو صرف ڈرانے والا ہے اور ہر قوم کے لئے کوئی ہادی ہے اور جگہ فرمان ہے وَاَمَّا تُمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ اَلْح یعنی ہم نے ثمودیوں کو ہدایت دکھائی لیکن انہوں نے اندھے پن کو ہدایت پر ترجیح دی۔ جنت میں پہنچائے جائیں گے۔

ہدایت کی وضاحت: ☆☆ ہدایت کے معنی کبھی تو دل میں ایمان پیوست ہو جانے کے آتے ہیں۔ ایسی ہدایت پر تو سوائے اللہ جل و علا کی مہربانی کے اور کوئی قدرت نہیں رکھتا۔ فرمان ہے إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ یعنی اے نبی جسے تو چاہے ہدایت نہیں دے سکتا۔ فرماتا ہے لَيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ تَجْهَرَانِ کی ہدایت لازم نہیں۔ فرماتا ہے مَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ جسے اللہ گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت پر لانے والا نہیں۔ فرمایا مَنْ يَهْدِ اللَّهُ اِلَيْهِ اِلَهٌ يَهْدِ اِلَيْهِ جسے اللہ ہدایت دے وہی ہدایت والا ہے اور جسے وہ گمراہ کرے تم ہرگز اس کا نہ کوئی ولی پاؤ گے نہ مرشد۔ اس قسم کی اور آیتیں بھی ہیں اور ہدایت کے معنی کبھی حق کے اور حق کو واضح کر دینے کے اور حق پر دلالت کرنے اور حق کی طرف راہ دکھانے کے بھی آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَأَنَّكَ لَتَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ یعنی تو یقیناً سیدھی راہ کی رہبری کرتا ہے۔ اور فرمایا إِنَّمَا أَنْتَ مُنذِرٌ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ یعنی تو صرف ڈرانے والا ہے اور ہر قوم کے لئے کوئی ہادی ہے۔ اور جگہ فرمان ہے وَأَمَّا تُمُوذُ فَهَدَيْنَاهُمْ اِلَيْهِ یعنی ہم نے تُمُوذیوں کو ہدایت دکھائی لیکن انہوں نے اندھے پن کو ہدایت پر ترجیح دی۔ فرماتا ہے وَهَدَيْنَاهُ السَّحَابِينَ ہم نے اسے دونوں راہیں دکھائیں یعنی بھلائی اور برائی کی۔ تقویٰ کے اصلی معنی بری چیزوں سے بچنے کے ہیں۔ اصل میں یہ ”وقوی“ ہے۔ وقایت سے ماخوذ ہے نابغہ وغیرہ کے اشعار میں بھی آیا ہے۔ حضرت ابی بن کعب سے حضرت عمر بن خطابؓ نے پوچھا کہ تقویٰ کیا ہے؟ انہوں نے کہا کبھی کانٹوں دار راستے میں چلے ہو؟ جیسے وہاں کپڑوں کو اور جسم کو بچاتے ہو ایسے ہی گناہوں سے بال بال بچنے کا نام تقویٰ ہے۔ ابن معشر شاعر کا قول ہے۔

حَلَّ الذَّنُوبَ صَغِيرَهَا وَ كَبِيرَهَا ذَاكَ التَّقَى
وَاصْنَعْ كَمَا شِ فَوْقَ أَرْضِ الشُّوكِ يَحْذَرُ مَا يَرَى
لَا تَحْقِرَنَّ صَغِيرَةً إِنَّ الْجِبَالَ مِنَ الْحِصَى

یعنی چھوٹے اور بڑے اور سب گناہوں کو چھوڑ دو۔ یہی تقویٰ ہے۔ ایسے رہو جیسے کانٹوں والی راہ پر چلنے والا انسان۔ چھوٹے گناہ کو بھی ہلکا نہ جانو۔ دیکھو پہاڑ نکروں سے ہی بن جاتے ہیں۔ ابودرداءؓ اپنے اشعار میں فرماتے ہیں انسان اپنی تمناؤں کا پورا ہونا چاہتا ہے اور اللہ کے ارادوں پر نگاہ نہیں رکھتا حالانکہ ہوتا وہی ہے جو اللہ کا ارادہ ہو۔ وہ اپنے دنیوی فائدے اور مال کے پیچھے پڑا ہوا ہے حالانکہ اس کا بہترین فائدہ اور عمدہ مال اللہ سے تقویٰ ہے۔ ابن ماجہ کی حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں سب سے عمدہ فائدہ جو انسان حاصل کر سکتا ہے وہ اللہ کا ڈر ہے۔ اس کے بعد نیک بیوی ہے کہ خاوند جب اس کی طرف دیکھے وہ اسے خوش کر دے اور جو حکم دے اسے بجالائے اور اگر قسم دے دے تو پوری کر دکھائے اور جب وہ موجود نہ ہو تو اس کے مال کی اور اپنے نفس کی حفاظت کرے۔

الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ

جو لوگ غیب پر ایمان لاتے ہیں

ایمان کی تعریف: ☆☆ حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں ایمان کسی چیز کی تصدیق کرنے کا نام ہے۔ حضرت ابن عباسؓ بھی یہی فرماتے ہیں۔ حضرت زہریؓ فرماتے ہیں ایمان کہتے ہیں عمل کو۔ ربیع بن انسؓ کہتے ہیں یہاں مراد ایمان لانے سے ڈرنا ہے۔ ابن جریر فرماتے ہیں۔ یہ سب اقوال مل جائیں تو مطلب یہ ہوگا کہ زبان سے دل سے عمل سے غیب پر ایمان لاتے ہیں اور اللہ کا ڈر رکھتے ہیں۔ ایمان کے مفہوم میں اللہ تعالیٰ پر اس کی کتابوں پر اس کے اصولوں پر ایمان لانا شامل ہے اور اس اقرار کی تصدیق عمل کے ساتھ بھی کرنا لازم ہے۔ میں کہتا ہوں لغت

میں ایمان کہتے ہیں صرف سچا مان لینے کو۔ قرآن میں بھی ایمان اس معنی میں استعمال ہوا ہے۔ جیسے فرمایا یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَیُؤْمِنُ لِمُؤْمِنِیْنَ یعنی اللہ کو مانتے ہیں اور ایمان والوں کو سچا جانتے ہیں۔ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے اپنے باپ سے کہا تھا۔ وَمَا اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِیْنَ یعنی تو ہمارا یقین نہیں کرے گا اگرچہ ہم سچے ہوں۔ اس طرح ایمان یقین کے معنی میں آتا ہے جب اعمال کے ذکر کے ساتھ ملا ہوا ہو۔ جیسے فرمایا اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ہاں جس وقت اس کا استعمال مطلق ہو تو ایمان شرعی جو اللہ کے ہاں مقبول ہے وہ اعتقادِ قول اور عمل کے مجموعہ کا نام ہے۔ اکثر ائمہ کا یہی مذہب ہے بلکہ امام شافعیؒ امام احمد اور امام ابو عبیدہ وغیرہ نے اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ ایمان نام ہے زبان سے کہنے اور عمل کرنے کا۔ ایمان بڑھتا گھٹتا رہتا ہے اور اس کے ثبوت میں بہت سے آثار اور حدیثیں بھی آئی ہیں جو ہم نے بخاری شریف کی شرح میں نقل کر دی ہیں۔ فالحمد للہ۔

بعض نے ایمان کے معنی اللہ سے ڈر خوف کے بھی کئے ہیں۔ جیسے فرمان ہے اِنَّ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَیْبِ جُودًا اپنے رب سے در پردہ ڈرتے رہتے ہیں۔ اور جگہ فرمایا مَنْ خَشِیَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَیْبِ یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ سے بن دیکھے ڈرے اور جھکے والا دل لے کر آئے۔ حقیقت میں اللہ کا خوف ایمان کا اور علم کا خلاصہ ہے۔ جیسے فرمایا اِنَّمَا یَخْشٰی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمَآءُ جو بندے ذی علم ہیں صرف اللہ سے ہی ڈرتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں وہ غیب پر بھی ایسا ہی ایمان رکھتے ہیں جیسا حاضر پر اور ان کا حال منافقوں جیسا نہیں کہ جب ایمان والوں کے سامنے ہوں تو اپنا ایمان دار ہونا ظاہر کریں لیکن جب اپنے والوں میں ہوتے ہیں تو ان سے کہتے ہیں ہم تمہارے ساتھ ہیں ہم تو ان کا مذاق اڑاتے ہیں۔ ان منافقین کا حال اور جگہ اس طرح بیان ہوا ہے کہ اِذَا جَآءَکَ الْمُنٰفِقُوْنَ اِلٰیْکَ یعنی منافق جب تیرے پاس آئیں گے تو کہیں گے کہ ہماری تہہ دل سے شہادت ہے کہ تو اللہ کا رسول ہے اللہ خوب جانتا ہے کہ تو اس کا رسول ہے لیکن اللہ کی گواہی ہے کہ یہ منافق تجھ سے جھوٹ کہتے ہیں۔ اس معنی کے اعتبار سے بالغیب حال ٹھہرے گا یعنی وہ ایمان لاتے ہیں درآں حالی کہ لوگوں سے پوشیدہ ہوتے ہیں۔ غیب کا لفظ جو یہاں ہے اس کے معنی میں بھی مفسرین کے بہت سے اقوال ہیں اور وہ سب صحیح ہیں اور جمع ہو سکتے ہیں۔

ابو الباقیہؒ فرماتے ہیں اس سے مراد اللہ تعالیٰ پر فرشتوں پر کتابوں پر رسولوں پر قیامت پر جنت دوزخ پر ملاقات اللہ پر مرنے کے بعد جی اٹھنے پر ایمان لانا ہے۔ قتادہ ابن دعامہؒ کا یہی قول ہے۔ ابن عباسؓ ابن مسعودؓ اور بعض دیگر اصحاب سے مروی ہے کہ اس سے مراد وہ پوشیدہ چیزیں ہیں جو نظروں سے اوجھل ہیں جیسے جنت دوزخ وغیرہ امور جو قرآن میں مذکور ہیں۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں اللہ کی طرف سے جو کچھ آیا ہے وہ سب غیب میں داخل ہے۔ حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں اس سے مراد قرآن ہے۔ عطاء ابن ابورباحؓ فرماتے ہیں اللہ پر ایمان لانے والا غیب پر ایمان لانے والا ہے۔ اسماعیل بن ابی خالدؓ فرماتے ہیں اسلام کی تمام پوشیدہ چیزیں مراد ہیں۔ زید بن اسلمؓ کہتے ہیں مراد تقدیر پر ایمان لانا ہے۔ پس یہ تمام اقوال معنی کی رو سے ایک ہی ہیں۔ اس لئے کہ سب چیزیں پوشیدہ ہیں اور غیب کی تفسیر ان سب پر مشتمل ہے اور ان سب پر ایمان لانا واجب ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی مجلس میں ایک مرتبہ صحابہؓ کے فضائل بیان ہو رہے ہوتے ہیں تو آپؐ فرماتے ہیں حضورؐ کے دیکھنے والوں کو تو آپؐ پر ایمان لانا ہی تھا لیکن خدا کی قسم ایمانی حیثیت سے وہ لوگ افضل ہیں جو بغیر دیکھے ایمان لاتے ہیں۔ پھر آپؐ نے اَلَمْ سے لے کر مُفْلِحُوْنَ تک آیتیں پڑھیں (ابن ابی حاتم۔ ابن مردودہ۔ مستدرک۔ حاکم) امام حاکمؒ اس روایت کو صحیح بتاتے ہیں۔

مسند احمد میں بھی اس مضمون کی ایک حدیث ہے ابو جعفر صحابیؓ سے ابن عمرؓ نے کہا کہ کوئی ایسی حدیث سناؤ جو تم نے خود رسول اللہ ﷺ سے سنی ہو۔ فرمایا میں تمہیں ایک بہت ہی عمدہ حدیث سنا تا ہوں۔ ہم نے حضورؐ کے ساتھ ایک مرتبہ ناشتہ کیا۔ ہمارے ساتھ ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ کیا ہم سے بہتر بھی کوئی اور ہے؟ ہم آپؐ پر اسلام لائے۔ آپؐ

کے ساتھ جہاد کیا۔ آپؐ نے فرمایا ہاں وہ لوگ جو تمہارے بعد آئیں گے۔ مجھ پر ایمان لائیں گے حالانکہ انہوں نے مجھے دیکھا بھی نہ ہوگا۔ تفسیر ابن مردویہ میں ہے صالح بن جبیر کہتے ہیں کہ ابو جحہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمارے پاس بیت المقدس میں آئے۔ رجاء بن حیوہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ہمارے ساتھ ہی تھے جب وہ واپس جانے لگے تو ہم انہیں پہچانے کو ساتھ چلے جب الگ ہونے لگے تو فرمایا تمہاری ان مہربانیوں کا بدلہ اور حق مجھے ادا کرنا چاہئے۔

سنو! میں تمہیں ایک حدیث سنا تا ہوں جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے ہم نے کہا اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے ضرور سناؤ۔ کہا سنو ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے ہم دس آدمی تھے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ان میں تھے ہم نے کہا یا رسول اللہ کیا ہم سے بڑے اجر کا مستحق بھی کوئی ہوگا؟ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور آپؐ کی تابعداری کی۔ آپؐ نے فرمایا تم ایسا کیوں نہ کرتے؟ اللہ کا رسول تم میں موجود ہے وحی الہی آسمان سے تمہارے سامنے نازل ہو رہی ہے۔ ایمان تو ان لوگوں کا افضل ہوگا جو تمہارے بعد آئیں گے۔ دو گتوں کے درمیان یہ کتاب پائیں گے اس پر ایمان لائیں گے اور اس پر عمل کریں گے یہ لوگ اجر میں تم سے دگنے ہوں گے۔ اس حدیث میں ”وجاہہ“ کی قبولیت کی دلیل ہے جس میں محدثین کا اختلاف ہے۔ میں نے اس مسئلہ کو بخاری شریف میں خوب واضح کر دیا ہے۔ بعد والوں کی تعریف اسی بنا پر ہو رہی ہے اور ان کا بڑے اجر والا ہونا اسی حیثیت کی وجہ سے ہے ورنہ علی الاطلاق ہر طرح سے بہتر اور افضل تو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہی ہیں۔ ایک اور حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ صحابہؓ سے پوچھا تمہارے نزدیک ایمان لانے میں کون زیادہ افضل ہے انہوں نے کہا فرشتے۔ فرمایا وہ ایمان کیوں نہ لائیں۔ وہ تو اپنے رب کے پاس ہی ہیں۔ لوگوں نے پھر کہا انبیاء فرمایا وہ ایمان کیوں نہ لائیں ان پر تو وحی نازل ہوتی ہے۔ کہا پھر ہم فرمایا تم ایمان کو قبول کیوں نہ کرتے؟ جب کہ میں تم میں موجود ہوں سنو! میرے نزدیک سب سے زیادہ افضل ایمان والے وہ لوگ ہوں گے جو تمہارے بعد آئیں گے صحیفوں میں لکھی ہوئی کتاب پائیں گے اس پر ایمان لائیں گے اس کی سند میں مغیرہ بن قیس ہیں۔ ابو حاتم رازی انہیں منکر الحدیث بتلاتے ہیں لیکن اسی کے مثل ایک اور حدیث ضعیف سند سے مسند ابویعلیٰ تفسیر ابن مردویہ مستدرک حاکم میں بھی مروی ہے اور حاکم اسے صحیح بتاتے ہیں۔ حضرت انس بن مالکؓ سے بھی اسی کے مثل مرفوعاً مروی ہے۔ واللہ اعلم۔

ابن ابی حاتم میں ہے حضرت بدیلہ بنت اسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔ بنو حارثہ کی مسجد میں ہم ظہر یا عصر کی نماز میں تھے اور بیت المقدس کی طرف ہمارا منہ تھا، دو رکعت ادا کر چکے تھے کہ کسی نے آ کر خبر دی کہ نبی ﷺ نے بیت اللہ شریف کی طرف منہ کر لیا ہے۔ ہم سنتے ہی گھوم گئے عورتیں مردوں کی جگہ آ گئیں اور مرد دعوتوں کی جگہ چلے گئے اور باقی کی دو رکعتیں ہم نے بیت اللہ شریف کی طرف ادا کیں۔ جب حضور کو یہ خبر پہنچی تو آپؐ نے فرمایا یہ لوگ ہیں جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہ حدیث اس اسناد سے غریب ہے۔

وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَهُمْ يُنْفِقُونَ ﴿۵﴾

اور قائم رکھتے ہیں نماز کو اور ہمارے دیئے ہوئے میں سے دیتے رہتے ہیں ○

قیام صلوٰۃ کیا ہے؟ ☆☆ (آیت: ۳) ابن عباسؓ فرماتے ہیں فرائض نماز بجالانا۔ رکوع، سجدہ، تلاوت، خشوع اور توجہ کو قائم رکھنا نماز کو قائم رکھنا ہے۔ قتادہ کہتے ہیں وقتوں کا خیال رکھنا، وضو اچھی طرح کرنا، رکوع سجدہ پوری طرح کرنا اقامت صلوٰۃ ہے۔ مقاتل کہتے ہیں وقت کی نگہبانی کرنا۔ مکمل طہارت کرنا، رکوع سجدہ پورا کرنا، تلاوت اچھی طرح کرنا۔ التحیات اور درود پڑھنا اقامت صلوٰۃ ہے۔ ابن عباسؓ

فرماتے ہیں مِمَّا رَزَقْنَهُمْ يُنفِقُونَ کے معنی زکوٰۃ ادا کرنے کے ہیں۔ ابن عباسؓ ابن مسعودؓ اور بعض صحابہؓ نے کہا ہے اس سے مراد آدمی کا اپنے مال بچوں کو کھلانا پلانا ہے۔ خرچ میں قربانی دینا جو قرب الہی حاصل کرنے کے لئے دی جاتی ہے۔ اپنی استعداد کے مطابق بھی شامل ہے جو زکوٰۃ کے حکم سے پہلے کی آیت ہے۔ حضرت ضحاکؒ فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ کی سات آیتیں جو سورہ برات میں ہیں ان کے نازل ہونے سے پہلے یہ حکم تھا کہ اپنی اپنی طاقت کے مطابق تھوڑا بہت جو میسر ہو دیتے رہیں۔

قنادہؒ فرماتے ہیں یہ مال تمہارے پاس اللہ کی امانت ہے۔ عنقریب تم سے جدا ہو جائے گا۔ اپنی زندگی میں اسے اللہ کی راہ میں لگا دو۔ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں کہ یہ آیت عام ہے۔ زکوٰۃ میں اہل و عیال کا خرچ اور جن لوگوں کو دینا ضروری ہے ان سب کو دینا بھی شامل ہے اس لئے کہ پروردگار نے ایک عام وصف بیان فرمایا اور عام تعریف کی ہے لہذا ہر طرح کا خرچ شامل ہوگا۔ میں کہتا ہوں قرآن کریم میں اکثر جگہ نماز کا اور مال خرچ کرنے کا ذکر ملا جلا آتا ہے اس لئے کہ نماز اللہ کا حق اور اس کی عبادت ہے جو اس کی توحید اس کی ثنا اس کی بزرگی اس کی طرف جھکنے اس پر توکل کرنے اس سے دعا کرنے کا نام ہے اور خرچ کرنا مخلوق کی طرف احسان کرنا ہے جس سے انہیں نفع پہنچے۔ اس کے زیادہ حقدار اہل و عیال اور غلام ہیں۔ پھر دوسرے اہل انجمنی۔ لہذا تمام واجب خرچ اخراجات اور فرض زکوٰۃ اس میں داخل ہیں۔

صحیحین میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا 'اسلام کی بنیادیں پانچ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی توحید اور محمد ﷺ کی رسالت کی گواہی دینا۔ نماز قائم رکھنا۔ زکوٰۃ دینا۔ رمضان کے روزے رکھنا اور بیت اللہ کا حج کرنا۔ اس بارے میں اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں۔ عربی لغت میں صلوٰۃ کے معنی دعا کے ہیں۔ عرب شاعروں کے شعر پر شاہد ہیں۔ پھر شریعت میں اس لفظ کا استعمال نماز کے لئے ہونے لگا جو رکوع، سجود اور دوسرے خاص افعال کا نام ہے جو مخصوص اوقات میں جملہ شرائط صفات اور اقسام کے ساتھ بجالاتی جاتی ہے۔ ابن جریرؒ فرماتے ہیں۔ صلوٰۃ کو نماز اس لئے کہا جاتا ہے کہ نمازی اللہ تعالیٰ سے اپنے عمل کا ثواب طلب کرتا ہے اور اپنی حاجتیں اللہ تعالیٰ سے مانگتا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ جو دو رکعتیں پیٹھ سے لے کر ریڑھ کی ہڈی کی دونوں طرف آتی ہیں انہیں عربی میں صلوٰۃ کہتے ہیں چونکہ نماز میں یہ پڑھتی ہیں اس لئے نماز کو صلوٰۃ کہا گیا ہے۔ لیکن یہ قول ٹھیک نہیں۔ بعض نے کہا ہے یہ ماخوذ ہے صلی سے جس کے معنی ہیں جھک جانا اور لازم ہو جانا جیسے قرآن میں لَا يَصْلُهَا الرَّحْمٰنُ یعنی جہنم میں ہمیشہ نہ رہے گا مگر بد بخت۔ بعض علماء کا قول ہے کہ جب لکڑی کو درست کرنے کے لئے آگ پر رکھتے ہیں تو عرب تَصْلِيَة کہتے ہیں۔ چونکہ نمازی بھی اپنے نفس کی کچی کو نماز سے درست کرتا ہے اس لئے اسے صلوٰۃ کہتے ہیں جیسے قرآن میں ہے اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ اَلْعَنِیٰنِ نماز ہر بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے۔ لیکن اس کا دعا کے معنی میں ہونا بھی زیادہ صحیح اور زیادہ مشہور ہے واللہ اعلم۔ لفظ زکوٰۃ کی بحث ان شاء اللہ اور جگہ آئے گی۔

وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْآخِرَةِ
هُمْ يُوقِنُونَ ۝

اور جو لوگ ایمان لاتے ہیں اس پر جو تیری طرف اتارا گیا اور جو تجھ سے پہلے اتارا گیا اور آخرت پر بھی یقین رکھتے ہیں ○

اعمال مومن: ☆☆ (آیت ۴) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ جو کچھ اللہ کی طرف سے تم پر نازل ہوا اور تجھ سے پہلے کے انبیاء پر نازل ہوا ان سب کی تصدیق کرتے ہیں۔ ایسا نہیں کہ وہ کسی کو مانیں اور کسی سے انکار کریں بلکہ اپنے رب کی سب باتوں کو مانتے ہیں اور آخرت پر بھی ایمان رکھتے ہیں یعنی بعث و قیامت، جنت و دوزخ، حساب و میزان سب کو مانتے ہیں۔ قیامت

چونکہ دنیا کے فنا ہونے کے بعد آئے گی اس لئے اسے آخرت کہتے ہیں۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ جن کی پہلے ایمان بالغیب وغیرہ کے ساتھ صفت بیان کی گئی تھی انہی کی دوبارہ یہ صفتیں بیان کی گئی ہیں۔ یعنی ایماندار خواہ عرب مومن ہوں خواہ اہل کتاب وغیرہ۔ مجاہد ابو العالیہ ربيع بن انس اور قتادہ کا یہی قول ہے۔ بعض نے کہا ہے یہ دونوں ہیں تو ایک مگر مراد اس سے صرف اہل کتاب ہی نہیں۔ ان دونوں صورتوں میں واو عطف کا ہوگا اور صفتوں کا عطف صفتوں پر ہوگا جیسے سَبَّحَ اسْمُہُ الخ میں صفتوں کا عطف صفتوں پر ہے اور شعراء کے شعروں میں بھی آیا ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ پہلی صفتیں تو ہیں عرب مومنوں کی اور وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ الخ سے مراد اہل کتاب مومنوں کی صفتیں ہیں۔ سدی نے حضرت ابن عباس، ابن مسعود اور بعض دیگر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے نقل کیا ہے اور ابن جریر نے بھی اسی سے اتفاق کیا ہے اور اس کی شہادت میں یہ آیت لائے ہیں وَإِنَّ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَمَنْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ الخ یعنی اہل کتاب میں ایسے لوگ بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ پر اور اس وحی پر جو تمہاری طرف نازل ہوئی اور اس وحی پر جو اس سے پہلے ان کی طرف اتاری گئی ایمان لاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہتے ہیں۔ اور جگہ ارشاد ہے الَّذِينَ آمَنُوا بِالْكِتَابِ مِنْ قَبْلِهِ الخ یعنی جنہیں اس سے پہلے ہم نے کتاب دی تھی وہ اس کے ساتھ ایمان رکھتے اور جب ان کو (یہ قرآن) پڑھ کر سنایا جاتا ہے تو کہتے ہیں ہم اس پر بھی ایمان لائے اور اسے اپنے رب کی طرف سے حق جانا۔ ہم تو اس سے پہلے ہی مسلمان تھے انہیں ان کے صبر کرنے اور برائی کے بدلے بھلائی کرنے اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی وجہ سے دہرا اجر ملے گا۔

بخاری و مسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں تین شخصوں کو دہرا اجر ملے گا۔ ایک اہل کتاب جو اپنے نبی پر ایمان لائیں اور مجھ پر بھی ایمان رکھیں۔ دوسرا وہ غلام جو اللہ تعالیٰ کا حق ادا کرے اور اپنے مالک کا بھی تیسرا وہ شخص جو اپنی لونڈی کو اچھا ادب سکھائے پھر اسے آزاد کر کے اس سے نکاح کر لے۔ امام جریر کے اس فرق کی مناسبت اس سے بھی معلوم ہوتی ہے کہ سورت کے شروع میں مومنوں اور کافروں کا بیان ہوا ہے تو جس طرح کفار کی دو قسمیں ہیں کافر اور منافق۔ اسی طرح مومنوں کی بھی دو قسمیں ہیں۔ عربی مومن اور کتابی مومن۔ میں کہتا ہوں ظاہر یہ ہے کہ حضرت مجاہد کا یہ قول ٹھیک ہے کہ سورہ بقرہ کی اول چار آیتیں مومنوں کے اوصاف کے بیان میں ہیں اور دو آیتیں اس کے بعد کی کافروں کے بارے میں ہیں اور ان کے بعد کی تیرہ آیتیں منافقوں کے حق میں ہیں۔ پس یہ چاروں آیتیں ہر مومن کے حق میں عام ہیں۔ عربی ہو یا عجمی کتابی ہو یا غیر کتابی انسانوں میں سے ہو یا جنات میں سے اس لئے کہ ان میں سے ہر ایک وصف دوسرے کو لازم اور شرط ہے۔ ایک بغیر دوسرے کے نہیں ہو سکتا۔

غیب پر ایمان لانا نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ دینا اس وقت تک صحیح نہیں جب تک کہ رسول اللہ ﷺ پر اور اگلے انبیاء پر جو کتابیں اتری ہیں۔ ان پر ایمان نہ ہو اور ساتھ ہی آخرت کا یقین کامل نہ ہو۔ جس طرح پہلی تین چیزیں بغیر پچھلی تین چیزوں کے غیر معتبر ہیں اسی طرح پچھلی تینوں بغیر پہلی تینوں کے صحیح نہیں۔ اسی لئے ایمان والوں کو حکم الہی ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَى رَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي أُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ الخ یعنی ایمان والو! اللہ پر اور اس کے رسول پر اور جو کتاب اس پر اتری ہے اس پر اور جو کتابیں ان سے پہلے اتری ہیں ان پر ایمان لاؤ اور فرمایا وَلَا تَحْدِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ الخ یعنی اہل کتاب سے جھگڑنے میں بہترین طریقہ برتو اور کہو کہ ہم ایمان لائے ہیں اس پر جو ہم پر نازل کیا گیا اور جو تمہاری طرف اتارا گیا ہے۔ ہمارا اور تمہارا معبود ایک ہی ہے۔ ارشاد ہے۔ اے اہل کتاب جو ہم نے اتارا ہے اس پر ایمان لاؤ اس کو سچا کرنے والا ہے جو تمہارے پاس ہے۔ اور جگہ فرمایا۔ اے اہل کتاب تم کسی چیز پر نہیں ہو جب تک توراۃ انجیل اور جو کچھ تمہاری طرف تمہارے رب کی جانب سے اتارا گیا ہے۔ قائم نہ رکھو۔ دوسری جگہ تمام ایمان

دالوں کی طرف سے خبر دیتے ہوئے قرآن پاک نے فرمایا اَمِّنَ الرَّسُولُ بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْهِ یعنی ہمارے رسول ایمان لائے اس پر جو ان کی طرف ان کے رب کی طرف سے نازل ہوا اور تمام ایمان والے بھی ہر ایک ایمان لایا اللہ تعالیٰ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر۔ ہم رسولوں میں فرق اور جدائی نہیں کرتے۔ اسی طرح ارشاد ہوتا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لاتے ہیں اور رسولوں میں سے کسی میں تفریق نہیں کرتے۔ اس مضمون کی اور بھی بہت سی آیتیں ہیں جن میں ایمان والوں کا اللہ تعالیٰ پر اس کے تمام رسولوں اور سب کتابوں پر ایمان لانے کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اہل کتاب کے ایمان والوں کی ایک خاص خصوصیت ہے کیونکہ ان کا ایمان اپنے ہاں کتابوں میں تفصیل کے ساتھ ہوتا ہے اور پھر جب حضورؐ کے ہاتھ پر وہ اسلام قبول کرتے ہیں تو قرآن کریم پر بھی تفصیل کے ساتھ ایمان لاتے ہیں اسی لئے ان کو دہرا اجر ملتا ہے اور اس امت کے لوگ بھی اگلی کتابوں پر ایمان لاتے ہیں لیکن ان کا ایمان اجالی طور پر ہوتا ہے۔

جیسے صحیح حدیث میں ہے کہ جب تم سے اہل کتاب کوئی بات کریں تو تم نہ اسے سچ کہو نہ جھوٹ بلکہ کہہ دیا کرو کہ ہم تو جو کچھ ہم پر اترا اسے بھی مانتے ہیں اور جو کچھ تم پر اترا اس پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ بعض موقع پر ایسا بھی ہوتا ہے کہ جو لوگ حضورؐ پر ایمان لاتے ہیں ان کا ایمان بہ نسبت اہل کتاب کے زیادہ پورا زیادہ کمال والا زیادہ راسخ اور زیادہ مضبوط ہوتا ہے۔ اس حیثیت سے ممکن ہے کہ انہیں اہل کتاب سے بھی زیادہ اجر ملے چاہے وہ اپنے پیغمبر اور پیغمبر آخر الزمان پر ایمان لانے کے سبب دوہرا اجر پائیں لیکن یہ لوگ کمال ایمان کے سبب اجر میں ان سے بھی بڑھ جائیں۔ واللہ اعلم۔

اُولٰٓئِكَ عَلٰی هُدٰى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿٥﴾
اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٦﴾

یہی لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ فلاح اور نجات پانے والے ہیں جن کافروں کو آپ کا ڈرانا یا نہ ڈرانا برابر ہے وہ لوگ ایمان نہ لائیں گے ○

ہدایت یافتہ لوگ: ☆ ☆ (آیت: ۵) یعنی وہ لوگ جن کے اوصاف پہلے بیان ہوئے مثلاً غیب پر ایمان لانا نماز قائم رکھنا اللہ کے دیئے ہوئے سے دینا۔ حضورؐ پر جو اترا اس پر ایمان لانا آپ سے پہلے جو کتابیں اتریں ان کو ماننا دار آخرت پر یقین رکھ کر وہاں کام آنے کے لئے نیک اعمال کرنا۔ برائیوں اور حرام کاریوں سے بچنا۔ یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں جنہیں اللہ کی طرف سے نور ملا اور بیان و بصیرت حاصل ہوا اور انہی لوگوں کے لئے دنیا اور آخرت میں فلاح و نجات ہے۔ ابن عباسؓ نے ہدایت کی تفسیر ”نور“ اور ”استقامت“ سے کی ہے اور ”فلاح“ کی تفسیر اپنی چاہت کو پالینے اور برائیوں سے بچ جانا کی ہے۔ ابن جریرؒ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ اپنے رب کی طرف سے نور دلیل ثابت قدی سچائی اور توفیق میں حق پر ہیں اور یہی لوگ اپنے ان پاکیزہ اعمال کی وجہ سے نجات ثواب اور جنت کی بھٹکی پانے کے مستحق ہیں اور عذاب سے محفوظ ہیں۔ ابن جریرؒ یہ بھی فرماتے ہیں کہ دوسرے اُولٰٓئِكَ کا اشارہ اہل کتاب کی طرف ہے جن کی صفت اس سے پہلے بیان ہو چکی ہے جیسے پہلے گزر چکا۔ اس اعتبار سے وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ الخ پہلے کی آیت سے جدا ہوگا اور مبتدا ابن کرم فروع ہوگا اور اس کی خبر اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ہوگی۔ لیکن پسندیدہ قول یہی ہے کہ اس کا اشارہ پہلے کے سب اوصاف والوں کی طرف ہے اہل کتاب ہوں یا عرب ہوں حضرت ابن عباسؓ حضرت ابن مسعودؓ اور بعض صحابہؓ سے مروی ہے کہ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ سے مراد عرب ایمان

دار ہیں۔ اس کے بعد کے جملہ سے مراد اہل کتاب ایمان دار ہیں۔ پھر دونوں کے لئے یہ بشارت ہے کہ یہ لوگ ہدایت اور فلاح والے ہیں اور یہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ یہ آیتیں عام ہیں اور یہ اشارہ بھی عام ہے واللہ اعلم۔ مجاہد ابو العالیہؒ ربیع بن انسؒ اور قتادہؒ سے بھی مروی ہے۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ سے سوال ہوا کہ حضور قرآن پاک کی بعض آیتیں تو ہمیں ڈھارس دیتی ہیں اور امید قائم کرا دیتی ہیں اور بعض آیتیں کمر توڑ دیتی ہیں اور قریب ہوتا ہے کہ ہم ناامید ہو جائیں۔ آپؐ نے فرمایا: لو میں تمہیں جنتی اور جہنمی کی پہچان صاف صاف بتلا دوں پھر آپؐ نے اَلَمْ سے مُفْلِحُونَ تک پڑھ کر فرمایا: یہ تو جنتی ہیں۔ صحابہ نے خوش ہو کر فرمایا: ”الحمد للہ ہمیں امید ہے کہ ہم انہی میں سے ہیں“ پھر اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سے عَظِیْمٌ تک تلاوت کی اور فرمایا: یہ جہنمی ہیں۔ انہوں نے کہا ہم ایسے نہیں۔ آپؐ نے فرمایا ہاں۔ (ابن ابی حاتم)

بدقسمت لوگ: ☆☆ (آیت ۶۰) یعنی جو لوگ حق کو پوشیدہ کرنے اور چھپالینے کے عادی ہیں اور ان کی قسمت میں یہی ہے نہ انہیں آپ کا ڈرانا سودمند ہے اور نہ ہی نہ ڈرانا۔ یہ کبھی اللہ تعالیٰ کی اس وحی کی تصدیق نہیں کریں گے جو آپؐ پر نازل ہوئی ہے۔ جیسے اور جگہ فرمایا اِنَّ الَّذِیْنَ حَقَّتْ عَلَیْہُمْ کَلِمَتُ رَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ وَلَوْ جَاءَتْہُمْ کُلُّ اٰیۃٍ حَتّٰی یَرَوْا الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ یعنی جن لوگوں پر اللہ کی بات ثابت ہو چکی ہے وہ ایمان نہ لائیں گے اگرچہ تمام آیتیں دیکھ لیں یہاں تک کہ دردناک عذاب دیکھیں۔ اور ایسے ہی سرکش اہل کتاب کی نسبت فرمایا وَلَیْنِ الَّذِیْنَ اٰتٰیوْا الْکِتٰبَ الْخَیْرِ لَیْسَ اِلٰہُ اِلَّا الْکِتٰبُ یعنی ان اہل کتاب کے پاس اگرچہ تمام دلائل آئے تو تاہم وہ تمہارے قبلے کو نہیں مانیں گے۔ یعنی ان بد نصیبوں کو سعادت حاصل ہی نہیں ہوگی۔ ان گمراہوں کو ہدایت کہاں؟ تو اے نبی! ان پر افسوس نہ کر تیرا کام صرف رسالت کا حق ادا کر دینا اور پہنچا دینا ہے۔ ماننے والے نصیب در ہیں۔ وہ مالا مال ہو جائیں گے اور اگر کوئی نہ مانے تو نہ سہی۔ تیرا فرض ادا ہو گیا، ہم خود ان سے حساب لے لیں گے۔ تو صرف ڈرا دینے والا ہے۔ ہر چیز پر اللہ تعالیٰ ہی دیکھ لے گا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس بات کی بڑی ہی حرص تھی کہ تمام لوگ ایمان دار ہو جائیں اور ہدایت قبول کر لیں لیکن پروردگار نے فرمایا کہ یہ سعادت ہر ایک کے حصہ نہیں۔ یہ نعمت بٹ چکی ہے۔ جس کے حصے میں آئی ہے وہ آپؐ کی مانے گا اور جو بدقسمت ہیں وہ ہرگز ہرگز اطاعت کی طرف نہیں جھکیں گے۔ پس مطلب یہ ہے کہ جو قرآن سے انکاری ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم اگلی کتابوں کو ماننے ہیں انہیں ڈرانے کا کوئی فائدہ نہیں اس لئے کہ وہ تو خود اپنی کتاب کو بھی حقیقتاً نہیں مانتے کیونکہ اس میں تیرے ماننے کا عہد موجود ہے۔ تو جب وہ اس کتاب کو اور اس نبی کی نصیحت کو نہیں مانتے جس کے ماننے کا اقرار کر چکے تو بھلا وہ تمہاری باتوں کو کیا مانیں گے؟ ابو العالیہ کا قول ہے کہ یہ آیت جنگ احزاب کے ان سرداروں کے بارے میں اتری ہے جن کی نسبت فرمان باری ہے اَلَمْ تَرَ اِلٰی الَّذِیْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ کُفْرًا الْخَیْرِ لَیْنِ جَمْعِیْ ہم نے پہلے بیان کئے ہیں وہ زیادہ واضح ہیں اور دوسری آیتوں کے مطابق ہیں۔ واللہ اعلم۔ اس حدیث پر جو ابن ابی حاتم کے حوالے سے ابھی بیان ہوئی ہے دوبارہ نظر ڈال جائے لَا یُؤْمِنُوْنَ پہلے جملہ کی تاکید ہے یعنی ڈرانا نہ ڈرانا دونوں برابر ہیں دونوں حالتوں میں ان کا کفر نہ ٹوٹے گا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ لَا یُؤْمِنُوْنَ خبر ہو اس لئے کہ تقدیر کلام اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَا یُؤْمِنُوْنَ ہے اور سَوَاءٌ عَلَیْہُمْ جملہ معترضہ ہو جائے گا۔ واللہ اعلم۔

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِہُمْ وَعَلَی سَمْعِہُمْ وَعَلَی اَبْصَارِہُمْ غِشَاوًۢہٗ وَلَہُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ۝۷

اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر ان کے کانوں پر مہر کر دی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے اور ان ہی کے لئے بڑا عذاب ہے ○

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دلوں پر فتنے اس طرح پیش ہوتے ہیں جیسے ٹوٹے ہوئے پورے کا ایک ایک تنکا جو دل انہیں قبول کر لیتا ہے، اس میں ایک سیاہ نکتہ ہو جاتا ہے اور جس دل میں یہ فتنے اثر نہیں کرتے، اس میں ایک سفید نکتہ ہو جاتا ہے جس کی سفیدی بڑھتے بڑھتے بالکل صاف سفید ہو کر سارے دل کو منور کر دیتی ہے۔ پھر اسے کبھی کوئی فتنہ نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اسی طرح دوسرے دل کی سیاہی (جو حق قبول نہیں کرتا) پھیلتی جاتی ہے یہاں تک کہ سارا دل سیاہ ہو جاتا ہے اب وہ الٹے کوزے کی طرح ہو جاتا ہے۔ نہ اچھی بات اسے اچھی لگتی ہے نہ برائی بری معلوم ہوتی ہے۔ امام ابن جریرؒ کا فیصلہ وہی ہے جو حدیث میں آچکا ہے کہ مومن

جب گناہ کرتا ہے اس کے دل میں ایک سیاہ نکتہ ہو جاتا ہے۔ اگر وہ باز آ جائے۔ توبہ کر لے اور رک جائے تو وہ نکتہ مٹ جاتا ہے اور اس کا دل صاف ہو جاتا ہے اور اگر وہ گناہ میں بڑھ جائے تو وہ سیاہی بھی پھیلتی جاتی ہے یہاں تک کہ سارے دل پر چھا جاتی ہے۔ یہی وہ رَانَ ہے جس کا ذکر اس آیت میں ہے کَلَّا بَلْ رَانَ عَلَى قُلُوبِهِمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ یعنی یقیناً ان کے دلوں پر رَانَ ہے ان کی بد اعمالیوں کی وجہ سے (ترمذی - نسائی - ابن جریر) امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے تو معلوم ہوا کہ گناہوں کی زیادتی دلوں پر غلاف ڈال دیتی ہے اور اس کے بعد مہر خداوندی لگ جاتی ہے جسے ختم اور طبع کہا جاتا ہے اب اس دل میں ایمان کے جانے اور کفر کے نکلنے کی کوئی راہ باقی نہیں رہتی۔

اسی مہر کا ذکر اس آیت ”ختم اللہ“ میں ہے وہ ہماری آنکھوں دیکھی حقیقت ہے کہ جب کسی چیز کا منہ بند کر کے اس پر مہر لگا دی جائے تو جب تک وہ مہر نہ ٹوٹے نہ اس میں کچھ جاسکتا ہے نہ اس سے کوئی چیز نکل سکتی ہے اسی طرح جن کفار کے دلوں اور کانوں پر مہر الہی لگ چکی ہے ان میں بھی بغیر اس کے بٹے اور ٹوٹے نہ ہدایت اثر کرے نہ کفر جائے سَمِعَهُمْ پر پورا وقف ہے اور عَلٰی أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ الگ پورا جملہ ہے۔ ختم اور طبع دلوں اور کانوں پر ہوتی ہے اور غشاوت یعنی پردہ آنکھوں پر پڑتا ہے جیسے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضرت عبداللہ بن مسعود اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ قرآن میں ہے فَإِنْ يَشَاءِ اللَّهُ يَخْتِمْ عَلَى قَلْبِكَ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں وَخَتَمَ عَلَى سَمْعِهِ وَقَلْبِهِ وَجَعَلَ عَلَى بَصَرِهِ غِشَاوَةً اُن آیتوں میں دل اور کان پر ختم کا ذکر ہے اور آنکھ پر پردے کا۔

بعض نے یہاں غِشَاوَةٌ زبر کے ساتھ بھی پڑھا ہے تو ممکن ہے کہ ان کے نزدیک فعل جَعَلَ مقصود ہوا اور ممکن ہے کہ نصب محل کی اتباع سے ہو جیسے ”وَحُورٌ عَيْنٌ“ میں۔ شروع سورت کی چار آیتوں میں مؤمنین کے اوصاف بیان ہوئے۔ پھر ان دو آیتوں میں کفار کا حال بیان ہوا اب منافقوں کا ذکر ہوتا ہے جو بظاہر ایماندار بننے ہیں لیکن حقیقت میں کافر ہیں چونکہ ان لوگوں کی چالاکیاں عموماً پوشیدہ رہ جاتی ہیں اس لئے ان کا بیان ذرا تفصیل سے کیا گیا اور بہت کچھ ان کی نشانیاں بیان کی گئیں۔ انہی کے بارے میں سورۃ برأت اتری اور انہی کا ذکر سورۃ نور وغیرہ میں بھی کیا گیا تاکہ ان سے پورا بچاؤ ہو اور ان کی مذموم خصلتوں سے مسلمان دور رہیں۔ پس فرمایا۔

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِينَ ۝ يَخْدِعُونَ اللَّهَ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَمَا يَخْدَعُونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ۝

بعض لوگ کہتے تو ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں لیکن درحقیقت وہ ایماندار نہیں ہوتے ○ وہ اللہ تعالیٰ کو اور ایمان والوں کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں لیکن دراصل خود اپنے تئیں دھوکہ دے رہے ہیں مگر سمجھتے نہیں ○

منافقت کی قسمیں: ☆ ☆ (آیت: ۸-۹) دراصل نفاق کہتے ہیں بھلائی ظاہر کرنے اور برائی پوشیدہ رکھنے کو۔ نفاق کی دو قسمیں ہیں۔ اعتقادی اور عملی۔ پہلی قسم کے منافق تو ابدی جہنمی ہیں اور دوسری قسم کے بدترین مجرم ہیں۔ اس کا بیان تفصیل کے ساتھ ان شاء اللہ کسی مناسب جگہ ہوگا۔ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں منافق کا قول اس کے فعل کے خلاف اس کا باطن ظاہر کے خلاف اس کا آنا جانے کے خلاف اور اس کی موجودگی عدم موجودگی ہوا کرتی ہے۔ نفاق مکہ شریف میں تو تھا ہی نہیں بلکہ اس کے الٹ تھا یعنی بعض لوگ ایسے تھے جو زبردستی بہ ظاہر کافروں

کا ساتھ دیتے تھے مگردل میں مسلمان ہوتے تھے۔ جب آنحضرت ﷺ ہجرت کر کے مکہ چھوڑ کر مدینہ تشریف لائے اور یہاں پر اوس اور خزرج کے قبائل نے انصار بن کر آپ کا ساتھ دیا اور جاہلیت کے زمانہ کی شرکانہ بت پرستی ترک کر دی اور دونوں قبیلوں میں سے خوش نصیب لوگ مشرف بہ اسلام ہو گئے لیکن یہودی اب تک اللہ تعالیٰ کی اس نعمت سے محروم تھے۔ ان میں سے صرف حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سچے دین کو قبول کیا تب تک بھی منافقوں کا خمیشت گروہ قائم نہ ہوا تھا اور حضورؐ نے ان یہودیوں اور عرب کے بعض قبائل سے صلح کر لی تھی۔

غرض اس جماعت کے قیام کی ابتدا یوں ہوئی کہ مدینہ شریف کے یہودیوں کے تین قبیلے تھے۔ بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ۔ بنو قینقاع تو خزرج کے حلیف اور بھائی بند بنے ہوئے تھے اور باقی دو قبیلوں کا بھائی چارہ اوس سے تھا۔ جب جنگ بدر ہوئی اور اس میں پروردگار نے اپنے دین والوں کو غالب کیا، شوکت و شان اسلام ظاہر ہوئی، مسلمانوں کا سکہ جم گیا اور کفر کا زور ٹوٹ گیا تب یہ ناپاک گروہ قائم ہوا چنانچہ عبداللہ بن ابی بن سلول تھا تو خزرج کے قبیلے سے لیکن اوس اور خزرج دونوں اسے اپنا بڑا مانتے تھے بلکہ اس کی باقاعدہ سرداری اور بادشاہت کے اعلان کا پختہ ارادہ کر چکے تھے کہ ان دونوں قبیلوں کا رخ اسلام کی طرف پھر گیا اور اس کی سرداری یونہی رہ گئی۔ یہ خار تو اس کے دل میں تھا ہی، اسلام کی روز افزوں ترقی میں لڑائی اور کامیابی نے اسے مخبوط الحواس بنا دیا۔ اب اس نے دیکھا کہ یوں کام نہیں چلے گا، اس نے بظاہر اسلام قبول کر لینے اور باطن میں کافر رہنے کی ٹھانی اور جس قدر جماعت اس کے زیر اثر تھی، سب کو یہی ہدایت کی۔ اس طرح منافقین کی ایک جمعیت مدینہ کے آس پاس قائم ہو گئی۔ ان منافقین میں بھلائی کی مہاجر ایک بھی نہ تھا بلکہ یہ بزرگ تو اپنے اہل و عیال، مال و متاع کو تام اللہ پر قربان کر کے اللہ کے رسول کا ساتھ دے کر آئے تھے رَضِیَ اللہُ عَنْہُمْ اَجْمَعِیْن۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ”یہ منافق اوس اور خزرج کے قبیلوں میں سے تھے اور یہودی بھی جو ان کے طریقے پر تھے۔ قبیلہ اوس اور خزرج کے نفاق کا ان آجوں میں بیان ہے۔“ ابوالعالیہ، حضرت حسن، قتادہ، سدی نے یہی بیان کیا ہے۔

پروردگار عالم نے منافقوں کی بہت سی خصلتوں کا یہاں بیان فرمایا۔ تاکہ ان کے ظاہر حال سے مسلمان دھوکہ میں نہ آ جائیں اور انہیں مسلمان خیال کر کے اپنا نہ سمجھ بیٹھیں جس کی وجہ سے کوئی بڑا فساد پھیل جائے۔ یہ یاد رہے کہ بدکاروں کو نیک سمجھنا بھی بجائے خود بہت برا اور نہایت خوفناک امر ہے۔ جس طرح اس آیت میں فرمایا گیا ہے کہ یہ لوگ زبانی اقرار تو ضرور کرتے ہیں مگردل میں ان کے ایمان نہیں۔ اسی طرح سورہ منافقوں میں بھی کہا گیا ہے کہ اِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ قَالُوا اَنْشَهِدْ اِنَّكَ لَرَسُولُ اللّٰهِ الخ یعنی منافق تیرے پاس آ کر کہتے ہیں کہ ہماری گواہی ہے کہ آپ رسول اللہ ہیں اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ تو اس کا رسول ہے لیکن چونکہ حقیقت میں منافقوں کا قول ان کے عقیدے کے مطابق نہ تھا اس لئے باوجود ان لوگوں کے شاعر اور تائیدی الفاظ کے اللہ تعالیٰ نے انہیں جھٹلادیا اور سورہ منافقوں میں فرمایا وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ لَكَاذِبُوْنَ یعنی اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ بالیقین منافق جھوٹے ہیں۔ اور یہاں بھی فرمایا وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ یعنی دراصل وہ ایماندار نہیں وہ اپنے ایمان کو ظاہر کر کے اور اپنے کفر کو چھپا کر اپنی جہالت سے اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دیتے ہیں اور اسے نفع دینے والی اور اللہ کے ہاں چل جانے والی کاریگری خیال کرتے ہیں جیسے کہ بعض مومنوں پر ان کا یہ مکر چل جاتا ہے۔ قرآن میں اور جگہ ہے یَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِیْعًا فَيَحْلِفُوْنَ لَهُ اَلْخ یعنی قیامت کے دن جبکہ اللہ تعالیٰ ان سب کو کھڑا کرے گا تو جس طرح وہ یہاں ایمان والوں کے سامنے قسمیں کھاتے ہیں اللہ تعالیٰ کے سامنے بھی قسمیں کھائیں گے اور سمجھتے ہیں کہ وہ بھی کچھ ہیں۔ خبردار یقیناً وہ جھوٹے ہیں یہاں بھی ان کے اس غلط عقیدے کی وضاحت میں فرمایا کہ دراصل وہ اپنے اس کام کی برائی کو جانتے ہی نہیں۔ یہ دھوکہ خود اپنی جانوں کو دے رہے

ہیں جیسے کہ اور جگہ ارشاد ہوا - اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ یعنی منافق اللہ کو دھوکہ دیتے ہیں حالانکہ وہ انہیں کو دھوکہ میں رکھنے والا ہے۔ بعض قاریوں نے یَخٰدِعُوْنَ پڑھا ہے اور بعض یُخٰدِعُوْنَ مگر دونوں قراتوں کے معنی کا مطلب ایک ہی ہوتا ہے۔

ابن جریرؒ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کو اور ایمان والوں کو منافق دھوکہ کیسے دیں گے؟ وہ جو اپنے دل کے خلاف ظاہر کرتے ہیں وہ تو صرف بچاؤ کے لئے ہوتا ہے۔ تو جواباً کہا جائے گا کہ اس طرح کی بات کرنے والے کو بھی جو کسی خطرہ سے بچنا چاہتا ہے عربی زبان میں مُخَادِع کہا جاتا ہے۔ چونکہ منافق بھی قتل، قید اور دنیاوی عذابوں سے محفوظ رہنے کے لئے یہ چال چلتے تھے اور باطن کے خلاف ظاہری الفاظ کہتے تھے اس لئے انہیں دھوکہ باز کہا گیا۔ ان کا یہ فعل چاہے کسی کو دنیا میں دھوکا دے بھی دے لیکن درحقیقت وہ خود اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں۔ کیونکہ وہ اسی میں اپنی بھلائی اور کامیابی جانتے ہیں اور دراصل یہ سب ان کے لئے انتہائی برا عذاب اور غضب الہی ہوگا جس کے سہنے کی ان میں طاقت نہیں ہوگی پس یہ دھوکہ حقیقتاً ان پر خود وبال ہوگا وہ جس کام کے انجام کو اچھا جانتے ہیں وہ ان کے حق میں برا اور بہت برا ہوگا۔ ان کے کفر، شک اور تکذیب کی وجہ سے ان کا رب ان سے ناراض ہوگا لیکن افسوس انہیں اس کا شعور ہی نہیں اور یہ اپنے اندھے پن میں ہی مست ہیں۔ ابن جریج اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کا اظہار کر کے وہ اپنی جان اور مال کا بچاؤ کرنا چاہتے ہیں یہ کلمہ ان کے دلوں میں جا گزیر نہیں ہوتا۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں منافقوں کی یہی حالت ہے کہ زبان پر کچھ دل میں کچھ عمل کچھ عقیدہ کچھ صبح کچھ اور شام کچھ اس کشتی کی طرح جو ہوا کے جھونکے سے کبھی ادھر ہو جاتی ہے کبھی ادھر۔

فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۖ
كَانُوا يَكْذِبُونَ ﴿۱۰﴾

ان کے دلوں میں بیماری تھی اللہ تعالیٰ نے انہیں بیماری میں بڑھا دیا اور ان کے جھوٹ کی وجہ سے ان کے لئے دردناک عذاب ہے ○

شک و شبہ بیماری ہے: ☆☆ (آیت: ۱۰) بیماری سے مراد یہاں شک و شبہ ہے حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابن مسعودؓ اور چند صحابہؓ سے یہی مروی ہے۔ حضرت مجاہد عکرمہؒ، حسن بصریؒ ابو العالیہؒ ربیع بن انسؒ قتادہؒ کا بھی یہی قول ہے۔ حضرت عکرمہؒ اور طاؤسؒ نے اس کی تفسیر سے ریا اور ابن عباسؓ سے اس کی تفسیر نفاق بھی مروی ہے۔ زید بن اسلمؒ فرماتے ہیں یہاں دینی بیماری مراد ہے نہ کہ جسمانی۔ انہیں اسلام میں شک کی بیماری تھی اور ان کی ناپاکی میں اللہ تعالیٰ نے اور اضافہ کر دیا جیسے قرآن میں اس کا ذکر ایک اور جگہ ہے فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَرَزَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَهُمْ يَسْتَبْشِرُونَ وَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا إِلَىٰ رِجْسِهِمْ یعنی ایمان والوں کے ایمان کو تقویت پہنچاتی اور وہ خوشیاں مناتے ہیں لیکن بیماری والوں کی ناپاکی اور پلیدی کو اور زیادہ کر دیتی ہے یعنی اس کی بدی اور گمراہی بڑھ جاتی ہے یہ بدلہ بالکل ان کے عمل کے مطابق ہے۔ یہ تفسیر ہی درست ہے ٹھیک اسی کے مثل یہ فرمان بھی ہے وَالَّذِينَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَآثَانًا تَقْوَاهُمْ یعنی ہدایت والوں کو ہدایت میں بڑھا دیتا ہے اور ان کو تقویٰ عطا فرماتا ہے یَكْذِبُونَ کو یَكْذِبُونَ بھی قاریوں نے پڑھا ہے یہ دونوں خصلتیں ان میں تھیں۔ جھٹلاتے بھی تھے اور جھوٹے بھی تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے بعض منافقوں کو اچھی طرح جاننے کے باوجود پھر بھی قتل نہ کرنے کی وجہ وہی ہے جو بخاری و مسلم کی روایت میں ہے کہ حضورؐ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا میں اس بات کو ناپسند کرتا ہوں کہ لوگوں میں یہ چرچے ہوں کہ محمد رسول اللہ ﷺ اپنے ساتھیوں کو قتل کر ڈالتے ہیں مطلب یہ ہے کہ جو اعرابی آس پاس ہیں انہیں یہ تو معلوم نہ ہوگا کہ ان منافقوں کے پوشیدہ کفر کی بنا پر انہیں قتل کیا گیا ہے۔ ان کی نظریں تو صرف ظاہر داری پر ہوں گی جب ان میں یہ بات مشہور ہو

جائے گی کہ حضورؐ اپنے ساتھیوں کو قتل کر ڈالتے ہیں تو خوف ہے کہ کہیں وہ اسلام کے قبول کرنے سے رک نہ جائیں۔

قرطبیؒ فرماتے ہیں ہمارے علماء وغیرہ کا بھی یہی قول ہے، ٹھیک اسی طرح آنحضرت ﷺ مولفۃ القلوب کو جن کے دل اسلام کی جانب مائل کئے جاتے تھے مال عطا فرمایا کرتے تھے حالانکہ آپ جانتے تھے کہ ان کے اعتقاد بد ہیں۔ حضرت امام مالکؒ بھی منافقوں کو قتل نہ کرنے کی یہی وجہ بیان فرماتے ہیں جیسے محمد بن جہمؒ قاضی اسمعیلؒ اور ابہریؒ نے نقل کیا ہے۔ حضرت امام مالکؒ سے بقول ابن ماسونؒ ایک وجہ یہ بھی نقل کی گئی ہے کہ یہ اس لئے تھا کہ آپ کی امت کو معلوم ہو جائے کہ حاکم صرف اپنے علم کی بناء پر فیصلہ نہیں کر سکتا۔ قرطبیؒ فرماتے ہیں گو علماء کا تمام مسائل میں اختلاف ہو لیکن اس مسئلہ میں سب کا اتفاق ہے کہ قاضی صرف اپنی ذاتی معلومات کی بنا پر کسی کو قتل نہیں کر سکتا۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اور وجہ بھی بیان کی ہے آپ فرماتے ہیں کہ حضورؐ کو منافقین کو قتل کرنے سے رکے رہنے کا سبب ان کا اسلام کو اپنی زبان سے ظاہر کرنا تھا، گو آپ کو اس کا علم تھا کہ ان کے دل اس کے خلاف ہیں لیکن ظاہری کلمہ اس پہلی بات کی تردید کرتا تھا جس کی تائید میں بخاری و مسلم وغیرہ کی یہ حدیث بھی پیش کی جاسکتی ہے جس میں کہا ہے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے لڑوں یہاں تک کہ وہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہیں جب وہ اسے کہہ دیں تو وہ مجھ سے اپنی جان اور مال کا امان پالیں گے اور ان کا حساب اللہ عز و جل پر ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اس کلمہ شریف کے کہتے ہی ظاہری احکام اسلام ان پر جاری ہو جائیں گے۔ اب اگر ان کا عقیدہ بھی اس کے مطابق ہے تو آخرت والے دن نجات کا سبب ہوگا ورنہ وہاں کچھ بھی نفع نہ ہوگا لیکن دنیا میں تو مسلمانوں کے احکام ان پر جاری رہیں گے گو یہ لوگ یہاں مسلمانوں کی صفوں میں اور ان کی فہرست میں نظر آئیں لیکن آخرت میں عین بل صراط پر ان سے دور کر دیئے جائیں گے اور اندھیروں میں حیران و پریشان ہوتے ہوئے با آواز بلند مسلمانوں کو پکار کر کہیں گے کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے؟ لیکن انہیں جواب ملے گا کہ تھے تو سہی مگر تم فتنوں میں پڑ گئے اور انتظار میں ہی رہ گئے اور اپنی من مانی خواہشوں کے چکر میں پڑ گئے یہاں تک کہ حکم الہی آپہنچا۔

غرض دار آخرت میں بھی مسلمانوں کے پیچھے پڑے لپٹے رہیں گے لیکن بالاخر ان سے الگ کر دیئے جائیں گے اور ان کی امیدوں پر پانی پھر جائے گا، وہ چاہیں گے کہ مسلمانوں کے ساتھ سجدے میں گر پڑیں لیکن سجدہ نہیں کر سکیں گے، جیسے کہ احادیث میں مفصل بیان آچکا ہے۔ بعض محققین نے کہا ہے کہ ان کے قتل نہ کئے جانے کی یہ وجہ تھی کہ اللہ کے رسولؐ کی موجودگی میں ان کی شرارتیں چل نہیں سکتی تھیں، مسلمانوں کو باری تعالیٰ اپنی وحی کے ذریعہ ان کی برائیوں سے محفوظ کر لیتا تھا لیکن حضورؐ کے بعد اگر خدا نخواستہ ایسے لوگ ہوں کہ ان کا نفاق کھل جائے اور مسلمان بخوبی معلوم کر لیں تو وہ قتل کر دیئے جائیں گے۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ ہے کہ نفاق حضورؐ کے زمانہ میں تھا لیکن آج کل وہ بے دینی اور زندقہ ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ زندقہ کے بارے میں بھی علماء کا اختلاف ہے کہ جب وہ کفر ہی پر مرے تو اس کے قتل سے پہلے تو بے بیش کی جائے یا نہیں؟ اور وہ زندقہ جو لوگوں کو بھی اس کی تعلیم دیتا ہو اور وہ زندقہ جو معلم نہ ہو ان دونوں میں فرق کیا جائے گا یا نہیں؟ اور یہ ارتداد کی کئی مرتبہ ہوا۔ تب یہ حکم ہے یا صرف ایک مرتبہ ہونے پر ہی؟ پھر اس میں بھی اختلاف ہے کہ اسلام لانا اور رجوع کرنا خود اس کی اپنی طرف سے ہو یا اس پر غلبہ پالینے کے بعد بھی یہی حکم ہے؟ غرض ان باتوں میں اختلاف ہے لیکن اس کے بیان کی جگہ احکام کی کتابیں ہیں نہ کہ تفسیریں۔

چودہ مھضوں کے نفاق کا تو آپ کو قطعی علم تھا۔ یہ وہ بد باطن لوگ تھے جنہوں نے غزوہ تبوک میں مشورہ کر کے یہ امر طے کر لیا تھا کہ حضورؐ کے ساتھ دغا بازی کریں۔ آپؐ کے قتل کی پوری سازش کر چکے تھے کہ رات کے اندھیرے میں جب حضورؐ قلاں گھاٹی کے قریب پہنچیں

تو آپ کی اونٹنی کو بدکا دیں اور بھڑک کر بھاگے گی تو حضور گھائی میں گر پڑیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی طرف اسی وقت وحی بھیج کر ان کی اس ناپاک سازش کا علم عطا کر دیا۔ حضور ﷺ نے حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا کر اس واقعہ کی خبر دی اور ان خداریوں کے نام بھی بتلا دیئے۔ پھر بھی آپ نے ان کے قتل کے احکام صادر نہ فرمائے ان کے سوا اور منافقوں کے ناموں کا آپ کو علم نہ تھا چنانچہ قرآن کہتا ہے وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِنَ الْأَعْرَابِ مُنْفِقُونَ وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ مَرَدُوا عَلَى الْيَفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ اِلٰح یعنی تمہارے آس پاس کے بعض اعرابی منافق ہیں اور بعض سرکش مدینہ میں بھی ہیں تم انہیں نہیں جانتے لیکن ہم جانتے ہیں اور دوسری جگہ فرمایا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنْفِقُونَ اِلٰح اگرچہ منافق گندے دل والے اور فساد و تکبر والے اپنی شرارتوں سے باز نہ آئے تو ہم بھی انہیں نہ چھوڑیں گے اور مدینہ میں بہت کم باقی رہ سکیں گے بلکہ ان پر لعنت کی جائے گی جہاں پائے جائیں گے پکڑے جائیں گے اور کھڑے کھڑے کر دیئے جائیں گے۔

ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ حضور کو ان منافقوں کا علم نہ تھا کہ کون کون ہے؟ ہاں ان کی مذموم خصلتیں جو بیان ہوئی تھیں یہ جس میں پائی جاتی تھیں اس پر نفاق صادق آتا تھا جیسے اور جگہ ارشاد فرمایا وَلَوْ نَشَاءُ لَا رَيْبَ لَكُمْ یعنی اگر ہم چاہیں تو ہم تمہیں ان کو دکھا دیں لیکن تم ان کی نشانیوں اور ان کی دہلی بچی زبان سے ہی انہیں پہچان لو گے۔ ان منافقوں میں سب سے زیادہ مشہور عبداللہ بن ابی بن سلول تھا۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی منافقانہ خصلتوں پر حضور کے سامنے گواہی بھی دی تھی باوجود اس کے جب وہ مر گیا تو حضور نے اس کے جنازے کی نماز پڑھائی اور اس کے دفن میں شرکت کی۔^① ٹھیک اسی طرح اور مسلمان صحابیوں کے ساتھ بلکہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب حضور کو ذرا زور سے یاد دلایا تو آپ نے فرمایا میں نہیں چاہتا کہ لوگ چہ میگوئیاں کریں کہ محمد ﷺ اپنے صحابیوں کو مار ڈالا کرتے ہیں^② اور ایک صحیح روایت میں ہے کہ استغفار کا مجھے اختیار دیا گیا کرنے اور نہ کرنے کا۔ تو میں نے استغفار کو پسند کیا۔ ایک اور روایت میں ہے اگر ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کرنے میں بھی اس کی بخشش جانتا تو یقیناً اس سے زیادہ مرتبہ استغفار کرتا۔“

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ قَالُوا إِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُونَ ۚ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُونَ وَلَكِنْ لَا يَشْعُرُونَ ۝

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس زمین میں فساد نہ کرو تو جواب دیتے ہیں کہ ہم تو صرف اصلاح کرنے والے ہیں۔ خبردار ہو یقیناً یہی لوگ فساد کرنے والے ہیں لیکن شعور سمجھ نہیں

سینہ زور چور: ☆☆ (آیت: ۱۱-۱۲) حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور نبی ﷺ کے بعض اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ یہ بیان بھی منافقوں کا ہی ہے ان کا فساد کفر اور معصیت خداوندی تھی مطلب یہ ہے کہ زمین میں اللہ کی نافرمانی کرنا یا نافرمانی کا حکم دینا زمین میں فساد کرنا ہے اور زمین و آسمان میں اصلاح سے مراد اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ انہیں جب اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے روکا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم تو ہدایت و اصلاح پر ہیں۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں اس خصلت کے لوگ اب تک نہیں آئے۔ مطلب یہ ہے کہ حضور کے زمانہ میں یہ بد خصلت لوگ اب تک نہیں آئے۔ مطلب یہ ہے کہ حضور کے زمانہ میں یہ بد خصلت لوگ تھے تو سہی لیکن اب جو آئیں گے وہ ان سے بھی بدتر ہوں گے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ اس وصف کا کوئی حضور کے زمانے میں تھا ہی نہیں۔ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں ان

منافقوں کا فساد برپا کرنا یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں کرتے تھے جس کام سے اللہ تعالیٰ منع فرماتا تھا، اسے کرتے تھے، فرائض ربانی ضائع کرتے تھے، اللہ تعالیٰ کے سچے دین میں شک و شبہ کرتے تھے اس کی حقیقت اور صداقت پر یقین کامل نہیں رکھتے تھے۔ مومنوں کے پاس آ کر اپنی ایمانداری کی ڈیگیں مارتے تھے حالانکہ دل میں طرح طرح کے دوسے ہوتے تھے، موقع پا کر اللہ کے دشمنوں کی امداد و اعانت کرتے تھے اور اللہ کے نیک بندوں کے مقابلہ میں ان کی پاسداری کرتے تھے اور باوجود اس مکاری اور مفسدانہ چلن کے اپنے آپ کو مصلح اور صلح کل کے حامی جانتے تھے۔

قرآن کریم نے کفار سے موالات اور دوستی رکھنے کو بھی زمین میں فساد ہونے سے تعبیر کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَالَّذِينَ كَفَرُوا بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ إِلَّا تَفْعَلُوهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيرٌ یعنی کفار آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں، اگر تم (بھی) ایسا نہ کرو گے یعنی آپس میں دوستی نہ کرو گے تو اس زمین میں بھاری فتنہ اور بڑا فساد پھیل جائے گا۔ اس آیت نے مسلمان اور کفار کے دوستانہ تعلقات منقطع کر دیئے اور جگہ فرمایا۔ ”اے ایمان والو! مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بناؤ۔ کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کی تم پر کھلی حجت ہو جائے یعنی تمہاری دلیل نجات کٹ جائے؟ پھر فرمایا منافق لوگ تو جہنم کے نچلے طبقے میں ہوں گے اور ہرگز تم ان کے لئے کوئی مددگار نہ پاؤ گے۔ چونکہ منافقوں کا ظاہر اچھا ہوتا ہے اس لئے مسلمانوں سے حقیقت پوشیدہ رہ جاتی ہے۔ وہ ایمان داروں کو اپنی چکنی چڑی باتوں سے دھوکہ دے دیتے ہیں اور ان کے بے حقیقت کلمات اور کفار کی پوشیدہ دوستیوں سے مسلمانوں کو خطرناک مصائب جھیلنے پڑتے ہیں، پس بانی فساد یہ منافقین ہوئے۔ اگر یہ اپنے کفر پر ہی رہتے تو ان کی خوفناک سازشوں اور گہری چالوں سے مسلمانوں کو اتنا نقصان ہرگز نہ پہنچتا اور اگر پورے مسلمان ہو جاتے اور ظاہر باطن یکساں کر لیتے تب تو دنیا کے امن و امان کے ساتھ آخرت کی نجات و فلاح بھی پالیتے، باوجود اس خطرناک پالیسی کے جب انہیں یکسوئی کی نصیحت کی جاتی تو جھٹ کھٹکتے کہ ہم تو صلح کن ہیں۔ ہم کسی سے بگاڑنا نہیں چاہتے۔ ہم فریقین کے ساتھ اتفاق رکھتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ وہ کہتے تھے ”ہم ان دونوں جماعتوں یعنی مومنوں اور اہل کتاب کے درمیان صلح کرانے والے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ ان کی نری جہالت ہے جسے یہ صلح سمجھتے ہیں، وہ عین فساد ہے لیکن انہیں شعور ہی نہیں۔“

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ امْنُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ قَالُوا أَنُؤْمِنُ كَمَا آمَنَ السُّفَهَاءُ ۗ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَاءُ وَلَكِن لَّا يَعْلَمُونَ ۝

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ان لوگوں (یعنی صحابہؓ) کی طرح تم بھی ایمان لاؤ تو جواب دیتے ہیں کہ کیا ہم ایسا ایمان لائیں جیسا بیوقوف لائے ہیں؟ خبردار ہو جاؤ

یقیناً یہی بے وقوف ہیں لیکن جانتے نہیں ○

خود فریبی کے شکار لوگ: ☆☆ (آیت ۱۳۰) مطلب یہ ہے کہ جب ان منافقوں کو صحابہؓ کی طرح اللہ تعالیٰ پر اس کے فرشتوں، کتابوں اور رسولوں پر ایمان لانے، موت کے بعد جی اٹھنے، جنت دوزخ کی حقانیت کے تسلیم کرنے، اللہ اور رسولؐ کی تابعداری کر کے نیک اعمال بجا لانے اور برائیوں سے رکے رہنے کو کہا جاتا ہے تو یہ فرقہ ایسے ایمان والوں کو بے وقوف قرار دیتا ہے۔ ابن عباسؓ ابن مسعودؓ اور بعض دیگر صحابہؓ ”ربع“ انس، عبدالرحمن بن زید بن اسلم وغیرہ نے یہی تفسیر بیان کی ہے۔ سُّفَهَاءُ سَفِيفَةِ کی جمع ہے جیسے حکماء حکیم کی اور علماء حلیم کی۔ جاہل، کم عقل اور نفع نقصان کے پوری طرح نہ جاننے والے کو سفیہ کہتے ہیں۔ قرآن میں اور جگہ ہے وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ الْخَبْرَ يَبْذُوكَ عَلَى الْأَنفِ وَلَا يَفْقَهُوا شَيْئًا مِّمَّا تَتْلُو ۖ وَلَا تَقْرَأُ لَهُمْ

اپنے وہ مال نہ دے بیٹھو جو تمہارے قیام کا سبب ہیں۔ عام مفسرین کا قول ہے کہ اس آیت میں سفہاء سے مراد عورتیں اور بچے ہیں۔ ان منافقین کے جواب میں یہاں بھی خود پروردگار عالم نے جواب دیا اور تاکیدِ احصر کے ساتھ فرمایا کہ بیوقوف تو یہی ہیں لیکن ساتھ ہی جاہل بھی ایسے ہیں کہ اپنی بیوقوفی کو جان بھی نہیں سکتے۔ نہ اپنی جہالت و ضلالت کو سمجھ سکتے ہیں اس سے زیادہ ان کی برائی اور کمال اندھا پن اور ہدایت سے دوری اور کیا ہوگی؟

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْا اٰمَنَّاۤ اَوْ اِذَا خَلَوْاۤ اِلٰی شَيْطٰنِهِمْ
 قَالُوْا اِنَّا مَعَكُمْ اِنْ مَّا نَحْنُ مُّسْتَهْزِءُوْنَ ۝۱۵ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهٖمْ
 وَيَمْدُهِمْ فِى طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝۱۶

اور جب ایمان والوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم بھی ایماندار ہیں اور جب اپنے بڑوں کے پاس جاتے ہیں تو کہتے ہیں ہم تو تمہارے ساتھ ہیں۔ ہم تو ان سے صرف مذاق کرتے ہیں ○ اللہ تعالیٰ بھی ان سے مذاق کرتا ہے اور انہیں ان کی سرکشی اور بہکاوے میں اور بڑھاتا ہے ○

فریب زدہ لوگ: ☆☆ (آیت ۱۴-۱۵) مطلب یہ ہے کہ یہ بد باطن مسلمانوں کے پاس آ کر اپنی ایمان دوستی اور خیر خواہی ظاہر کر کے انہیں دھوکے میں ڈالنا چاہتے ہیں تاکہ مال و جان کا بچاؤ بھی ہو جائے اور بھلائی اور غنیمت کے مال میں حصہ بھی قائم ہو جائے۔ اور جب اپنے ہم مشربوں میں ہوتے ہیں تو ان ہی کی سی کہنے لگتے ہیں۔ خَلَوْا کے معنی یہاں ہیں اِنْصَرَفُوْا ذَهَبُوْا خَلَصُوْا اور مَصْوَاعِنِ لوٹنے ہیں اور بچتے ہیں اور تنہائی میں ہوتے ہیں اور جاتے ہیں پس خلو جو کہ الی کے ساتھ متعدی ہے اس کے معنی لوٹ جانے کے ہیں۔ فعل مضمر اور ملفوظ دونوں پر یہ دلالت کرتا ہے۔ بعض کہتے ہیں الی معنی میں مع کے مترادف ہے مگر اول ہی ٹھیک ہے اور ابن جریر کے کلام کا خلاصہ بھی یہی ہے۔ شیاطین سے مراد رؤساء بڑے اور سردار ہیں جیسے علمائے یہود اور سرداران کفار قریش و منافقین۔

حضرت ابن عباسؓ اور ابن مسعودؓ اور دیگر صحابہؓ کا قول ہے کہ یہ شیاطین ان کے امیر امراء اور سرداران کفر تھے اور ان کے ہم عقیدہ لوگ بھی۔ شیاطین یہود بھی انہیں پیغمبری کے جھٹلانے اور قرآن کی تکذیب کرنے کا مشورہ دیا کرتے تھے۔ مجاہدؒ کہتے ہیں شیاطین سے مراد ان کے وہ ساتھی ہیں جو یا تو مشرک تھے یا منافق۔ قتادہؒ فرماتے ہیں۔ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو برائیوں میں اور شرک میں ان کے سردار تھے۔ ابو العالیہؒ سدیؒ ربیع بن انسؒ بھی یہی تفسیر کرتے ہیں۔ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں ”ہر بہکانے اور سرکشی کرنے والے کو شیطان کہتے ہیں جنوں میں سے ہو یا انسانوں میں سے۔“ قرآن میں شَيْطٰنِ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ آیا ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ ”ہم جنوں اور انسانوں کے شیطانوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔“ ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا یا رسول اللہ کیا انسان کے شیطان بھی ہیں؟ آپؐ نے فرمایا۔ ہاں جب یہ منافق مسلمانوں سے ملتے تو کہتے ہیں ”ہم تمہارے ساتھ ہیں“ یعنی جیسے تم ہو ویسے ہی ہم ہیں اور انہوں سے کہتے ہیں کہ ہم تو ان کے ساتھ نہیں کھیل کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ ربیع بن انسؒ اور قتادہؒ کی یہی تفسیر ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو جواب دیتے ہوئے ان کے اس مکروہ فعل کے مقابلہ میں فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی ان سے ٹھٹھا کرے گا اور انہیں ان کی سرکشی میں بہکنے دے گا۔ جیسے دوسری جگہ ہے کہ قیامت کے روز منافق مرد و عورت ایمان والوں سے کہیں گے ذرا ظہر جاؤ ہم بھی تمہارے نور سے فائدہ اٹھائیں۔ کہا جائے گا اپنے پیچھے لوٹ جاؤ اور نور کی تلاش کرو۔ ان کے لوٹنے ہی درمیان میں ایک اونچی دیوار حائل کر

دی جائے گی جس میں دروازہ ہوگا اس طرف تو رحمت ہوگی اور اس طرف عذاب ہوگا۔ فرمان الہی ہے کافر ہماری ڈھیل کو اپنے حق میں بہتر نہ جانیں۔ اس تاخیر میں وہ اپنی بدکرداریوں میں اور بڑھ جاتے ہیں پس قرآن میں جہاں استہزاء و سخریت یعنی مذاق، مکر و خدایت یعنی دھوکہ کے الفاظ آئے ہیں وہاں یہی مراد ہے۔

ایک اور جماعت کہتی ہے کہ یہ الفاظ صرف ڈانٹ و ڈپٹ اور تنبیہ کے طور پر استعمال کئے گئے ہیں۔ ان کی بدکرداریوں اور کفر و شرک پر انہیں ملامت کی گئی ہے اور مفسرین کہتے ہیں یہ الفاظ صرف جواب میں لائے گئے ہیں جیسے کوئی بھلا آدمی کسی مکار کے فریب سے بچ کر اس پر غالب آ کر کہتا ہے کہو میں نے کیا فریب دیا حالانکہ اس کی طرف سے فریب نہیں ہوتا۔ اسی طرح یہ فرمان الہی ہے کہ **وَمَكْرُؤٌ وَّ مَكْرُؤٌ** اللہ الخ اور اللہ یَسْتَهْزِئُ بِهِمْ ورنہ اللہ کی ذات مکر اور مذاق سے پاک ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کا فن فریب انہی کو برباد کرتا ہے۔ ان الفاظ کا یہ بھی مطلب بیان کیا گیا ہے کہ اللہ ان کی ہنسی دھوکہ، تمسخر اور بھول کا ان کو بدلہ دے گا تو بدلے میں بھی وہی الفاظ استعمال کئے گئے۔ معنی دونوں لفظوں کے دونوں جگہ جدا جدا ہیں۔ دیکھئے قرآن کریم میں ہے **حَزَّاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٍ مِّثْلُهَا** یعنی برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے **فَمَنْ اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ** جو تم پر زیادتی کرے تم بھی اس پر زیادتی کرو۔ تو ظاہر ہے کہ برائی کا بدلہ لینا حقیقتاً برائی نہیں۔ زیادتی کے مقابلہ میں بدلہ لینا زیادتی نہیں۔ لیکن لفظ دونوں جگہ ایک ہی ہے حالانکہ پہلی میں برائی اور زیادتی ”ظلم“ ہے اور دوسری برائی اور زیادتی ”عدل“ ہے لیکن لفظ دونوں جگہ ایک ہے۔ اسی طرح جہاں جہاں کلام اللہ میں ایسی عبارتیں ہیں وہاں یہی مطلب ہے ایک اور مطلب بھی سنئے۔ دنیا میں یہ منافق! اپنی اس ناپاک پالیسی سے مسلمانوں کے ساتھ مذاق کرتے تھے اللہ نے بھی ان کے ساتھ یہی کیا کہ دنیا میں انہیں امن و امان مل گیا۔ اب یہ مست ہو گئے حالانکہ یہ عارضی امن ہے، قیامت والے دن انہیں کوئی امن نہیں ملے گا۔ گو یہاں ان کے مال اور جانیں بچ گئیں لیکن اللہ کے ہاں یہ دردناک عذاب کا شکار بنیں گے۔ امام ابن جریر نے اسی قول کو ترجیح دی ہے اور اس کی بہت تائید کی ہے اس لئے کہ مکر دھوکہ اور مذاق جو بلا وجہ ہو اس سے تو اللہ کی ذات پاک ہے۔ ہاں انتقام مقابلے اور بدلے کے طور پر یہ الفاظ اللہ کی نسبت کہنے میں کوئی حرج نہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس بھی یہی فرماتے ہیں کہ یہ ان کا بدلہ اور سزا ہے۔ **يُمْدَهُمْ** کا مطلب ڈھیل دینا اور بڑھانا بیان کیا گیا ہے جیسے فرمایا **اَيَحْسَبُونَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهِ** الخ یعنی کیا یہ یوں سمجھ بیٹھے ہیں کہ ان کے مال اور اولاد کی کثرت ان کے لئے باعث خیر ہے نہیں نہیں۔ انہیں صحیح شعور ہی نہیں اور **سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ** اس طرح ہم انہیں آہستہ آہستہ پکڑیں گے کہ انہیں پتہ بھی نہ چلے۔ غرض کہ ادھر یہ گناہ کرتے ہیں ادھر دنیوی نعمتیں زیادہ ہوتی ہیں جن پر یہ پھولے نہیں سماتے حالانکہ وہ حقیقت میں عذاب ہی کی ایک صورت ہوتی ہے۔ قرآن پاک نے اور جگہ فرمایا **فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ فَتَحْنَا عَلَيْهِم ابْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتَّىٰ اِذَا فَرِحُوا بِمَا اَوْتُوا أَخَذْنَاهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُبْلِسُونَ** فَقَطَّعَ دَائِرَ الْقَوْمِ الَّذِينَ ظَلَمُوا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ یعنی جب لوگوں نے نصیحت بھلا دی ہم نے ان پر تمام چیزوں کے دروازے کھول دیئے یہاں تک کہ وہ اپنی چیزوں پر اترانے لگے تو ہم نے انہیں اچانک پکڑ لیا اب گھبرا گئے ظالموں کی بربادی ہوئی اور کہہ دیا گیا کہ تعریفیں رب العالمین کے لئے ہی ہیں۔

ابن جریر فرماتے ہیں کہ انہیں ڈھیل دینے اور انہیں اپنی سرکشی اور بغاوت میں بڑھنے کے لئے ان کو مہلت دی جاتی ہے جیسے اور جگہ فرمایا **وَقَلْبُكَ أَفْئِدَتُهُمُ** الخ طغیان کہتے ہیں کسی چیز میں گھس جانے کو۔ جیسے فرمایا **لَمَّا طَغَا الْمَاءُ** ابن عباس فرماتے ہیں وہ اپنے کفر میں گرے جاتے ہیں۔ عَمَّة کہتے ہیں گمراہی کو تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ ضلالت و کفر میں ڈوب گئے اور اس ناپاکی نے انہیں گھیر لیا۔ اب یہ اسی دلدل میں اترتے جاتے ہیں اور اسی ناپاکی میں پھنسے جاتے ہیں اور اس سے نجات کی تمام راہیں ان پر بند ہو جاتی ہیں۔ بھلا ایسی دلدل

تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ

يُبْصِرُونَ ﴿١٧﴾ صَمٌّ بَكْمٌ عَتَىٰ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ﴿١٨﴾

○ بہرے گونگے اندھے ہیں پس وہ نہیں لوٹتے ○

نکل کر خوف کی اندھیری کوٹھڑی میں اور سنت کے پاکیزہ گلشن سے نکل کر بدعت کے سنسان جنگل میں آ گئے۔

جو منافق گمراہی کو ہدایت کے بدلے اور اندھے پن کو بینائی کے بدلے مول لیتے ہیں، ان کی مثال اس شخص جیسی ہے جس نے اندھیرے میں آگ جلائی، اس کے دائیں بائیں کی چیزیں اسے نظر آنے لگیں، اس کی پریشانی دور ہو گئی اور فائدے کی امید بندھی کہ دفعۃً آگ بجھ گئی اور سخت اندھیرا چھا گیا۔ تو نگاہ کام کر سکے، نہ راستہ معلوم ہو سکے اور باوجود اس کے وہ شخص خود بہرا ہو، کسی کی بات کو نہ سن سکتا ہو، گونگا ہو، کسی سے دریافت نہ کر سکتا ہو، اندھا ہو جو روشنی سے کام نہ چلا سکتا، ہوا بھلا، یہ راہ کیسے پاسکے گا؟ ٹھیک اسی طرح یہ منافق بھی ہیں کہ ہدایت چھوڑ

حضرت ابن عباسؓ، ابن مسعودؓ اور بعض اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین فرماتے ہیں۔ حضورؐ کے مدینہ تشریف لانے کے بعد کچھ لوگ اسلام لے آئے مگر پھر منافق بن گئے۔ ان کی مثال اس شخص جیسی ہے جو اندھیرے میں ہو، پھر آگ جلا کر روشنی حاصل کرے اور اس پاس کی بھلائی برائی کو سمجھنے لگے اور معلوم کرے کہ کس راہ میں کیا ہے؟ کہ اچانک آگ بجھ جائے روشنی جاتی رہے۔ اب معلوم نہیں ہو سکتا کہ کس راہ میں کیا کیا ہے؟ اسی طرح منافق شرک و کفر کی ظلمت میں تھے، پھر اسلام لا کر بھلائی برائی یعنی حلال حرام وغیرہ سمجھنے لگے مگر پھر کافر ہو گئے اور

حرام و حلال، خیر و شر میں کچھ تمیز نہ رہی۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں، نور سے مراد ایمان اور ظلمت سے مراد ضلالت و کفر ہے۔ یہ لوگ ہدایت پر تھے لیکن پھر سرکشی کر کے بہک گئے۔ حضرت مجاہدؓ فرماتے ہیں ایمان داری اور ہدایت کی طرف رخ کرنے کو اس مثال میں آس پاس کی چیز کے روشنی کرنے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ حضرت عطاء خراسانیؓ کا قول ہے کہ منافق کبھی کبھی بھلائی کو دیکھ لیتا ہے اور پہچان بھی لیتا ہے لیکن پھر اس کے دل کی کور چشمی اس پر غالب آ جاتی ہے۔ عکرمہؓ عبدالرحمنؓ حسنؓ سدیؓ اور ربیعؓ سے بھی یہی منقول ہے۔ عبدالرحمنؓ بن زید بن اسلمؓ فرماتے ہیں منافقوں کی یہی حالت ہے کہ ایمان لاتے ہیں اور اس کی پاکیزہ روشنی سے ان کے دل جگمگا اٹھتے ہیں جیسے آگ کے جلانے سے آس پاس کی چیزیں روشن ہو جاتی ہیں لیکن پھر کفر اس روشنی کو کھودیتا ہے جس طرح آگ کا بجھ جانا پھر اندھیرا کر دیتا ہے۔ مندرجہ بالا اقوال تو ہماری اس تفسیر کی تائید میں تھے کہ جن منافقوں کی یہ مثال بیان کی گئی ہے وہ ایمان لا چکے تھے پھر کفر کیا۔ اب امام ابن جریرؒ کی تائید میں جو تفسیر ہے اسے بھی سنئے۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ مثال منافقوں کی ہے کہ وہ اسلام کی وجہ سے عزت پالیتے ہیں۔ مسلمانوں میں نکاح، ورثہ اور تقسیم مال غنیمت میں شامل ہوتے ہیں لیکن مرتے ہی یہ عزت کھو جاتی ہے جس طرح آگ کی روشنی آگ بجھتے ہی جاتی رہتی ہے۔ ابو العالیہؓ فرماتے ہیں جب منافق لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ پڑھتا ہے تو دل میں نور پیدا ہوتا ہے۔ پھر جہاں شک کیا وہ نور گیا جس طرح لکڑیاں جب تک جلتی رہیں روشنی رہی جہاں تمھیں نور گیا۔ ضحاکؓ فرماتے ہیں نور سے مراد یہاں ایمان ہے جو ان کی زبانوں پر تھا۔ قتادہؓ کہتے ہیں لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ان کے لئے روشنی کر دیتا تھا، امن و امان، کھانا پینا، بیوی بچے سب مل جاتے تھے لیکن شک و نفاق ان سے یہ تمام راحیں چھین لیتا ہے جس طرح آگ کا بجھنا روشنی دور کر دیتا ہے۔ حضرت قتادہؓ کا قول ہے کہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہنے سے منافق کو (دنیوی نفع مثلاً مسلمانوں میں لڑکے لڑکی کا لین دین، ورثہ کی تقسیم، جان و مال کی حفاظت وغیرہ) مل جاتا ہے لیکن چونکہ اس کے دل میں ایمان کی جڑ اور اس کے اعمال میں خلوص نہیں ہوتا اس لئے موت کے وقت وہ سب منافع سلب ہو جاتے ہیں جیسے آگ کی روشنی بجھ جائے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں اندھیروں میں چھوڑ دینا سے مراد مرنے کے بعد عذاب پانا ہے۔ یہ لوگ حق کو دیکھ کر زبان سے اس کا اقرار کرتے ہیں اور ظلمت کفر سے نکل جاتے ہیں لیکن پھر اپنے کفر و نفاق کی وجہ سے ہدایت اور حق پر قائم رہنا ان سے چھن جاتا ہے۔ سدیؓ کا قول ہے کہ اندھیرے سے مراد ان کا نفاق ہے۔ حسن بصریؒ فرماتے ہیں، موت کے وقت منافق کی بد اعمالیاں اندھیروں کی طرح اس پر چھا جاتی ہیں اور کسی بھلائی کی روشنی اس کے لئے باقی نہیں رہتی جس سے اس کی توحید کی تصدیق ہو، وہ بہرے ہیں حق کے سننے سے اندھے ہیں راہ راست کو دیکھنے اور سمجھنے سے ہدایت کی طرف لوٹ نہیں سکتے، نہ انہیں توبہ نصیب ہوتی ہے نہ نصیحت حاصل کر سکتے ہیں۔

أَوْ كَصَيْبٍ مِّنَ السَّمَاءِ فِيهِ ظُلُمَاتٌ وَرَعْدٌ وَبَرْقٌ يَّجْعَلُونَ
أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِمْ مِنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ وَاللَّهُ مُحِيطٌ
بِالْكَافِرِينَ ۝ يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ أَبْصَارَهُمْ كُلَّمَا أَضَاءَ لَهُمْ
مَشَوْا فِيهِ وَإِذَا أَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوا وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَذَهَبَ
بِسَمْعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝

یا آسمانی برسات کی طرح جس میں اندھیریاں اور گرج اور بجلی ہو۔ موت سے ڈر کر کڑا کی وجہ سے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ڈال لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا فرس کو گھیرنے والا ہے ○ قریب ہے کہ بجلی ان کی آنکھیں اچک لے جائے جب ان کے لئے روشنی کرنی ہے تو اس میں چلتے پھرتے ہیں اور جب ان پر اندھیرا کرتی ہے تو کھڑے ہو جاتے ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو ان کے کانوں اور آنکھوں کو بیکار کر دے یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے ○

منافقین کی ایک اور پہچان: ☆ ☆ (آیت: ۱۹-۲۰) یہ دوسری مثال ہے جو دوسری قسم کے منافقوں کے لئے بیان کی گئی ہے۔ یہ وہ قوم ہے جن پر کبھی حق ظاہر ہو جاتا ہے اور کبھی پھر شک میں پڑ جاتے ہیں تو شک کے وقت ان کی مثال برسات کی سی ہے۔ صیب کے معنی مینہ اور بارش کے ہیں۔ بعض نے بادل کے معنی بھی بیان کئے ہیں لیکن زیادہ مشہور معنی بارش کے ہی ہیں جو اندھیرے میں برسے۔ غلطات سے مراد شک، کفر و نفاق ہے اور رد سے مراد یعنی گرج ہے جو اپنی خوفناک آواز سے دل دہلا دیتی ہے۔ یہی حال منافق کا ہے کہ اسے ہر وقت ڈر، خوف، گھبراہٹ اور پریشانی ہی رہتی ہے۔

جیسے کہ اور جگہ فرمایا يَحْسُبُونَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ^① یعنی ہر آواز کو اپنے اوپر ہی سمجھتے ہیں۔ ایک اور جگہ ارشاد ہے کہ یہ منافقین اللہ کی قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ وہ تم میں سے ہیں۔ دراصل وہ ڈر پوک لوگ ہیں اگر وہ کوئی جائے پناہ یا راستہ پالیں تو یقیناً اس میں سٹ کر گھس جائیں۔ بجلی کی مثال سے مراد وہ نور ایمان ہے جو ان کے دلوں میں کسی وقت چمک اٹھتا ہے اس وقت وہ اپنی انگلیاں موت کے ڈر سے کانوں میں ڈال لیتے ہیں لیکن ایسا کرنا انہیں کوئی نفع نہ دے گا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کے ارادے کے ماتحت ہیں یہ بچ نہیں سکتے۔ جیسا کہ اور جگہ فرمایا هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْجُنُودِ فِرْعَوْنُ وَ ثَمُودَ الْخَالِ یعنی کیا تمہیں لشکروں کی، فرعون اور ثمود کی روایتیں نہیں پہنچی، بے شک پہنچیں تو ہیں لیکن یہ کافر پھر بھی تکذیب ہی کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بھی انہیں ان کے پیچھے سے گھیر رہا ہے۔ بجلی کا آنکھوں کو اچک لینا اس کی قوت اور سختی کا اظہار ہے اور منافقین کی بینائی کی کمزوری اور ضعف ایمان ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ قرآن کی مضبوط آیتیں ان منافقوں کی قلبی کھول دیں گی اور ان کے چھپے ہوئے عیب ظاہر کر دیں گی اور اپنی نورانیت سے انہیں مبہوت کر دیں گی جب ان پر اندھیرا ہو جاتا ہے تو کھڑے ہو جاتے ہیں یعنی جب ایمان ان پر ظاہر ہو جاتا ہے تو ذرا روشن دل ہو کر پیروی بھی کرنے لگتے ہیں لیکن پھر جہاں شک و شبہ آیا، دل میں کمزورت اور ظلمت بگھٹی اور بھونچکے ہو کر کھڑے رہ گئے۔ اس کا یہ مطلب بھی ہے کہ اسلام کو ذرا عروج ملا تو ان کے دل میں قدرے اطمینان پیدا ہوا لیکن جہاں اس کے خلاف نظر آیا، یہ لائے پیروں کفر کی طرف لوٹنے لگے۔ جیسے ارشاد باری تعالیٰ هُوَ وَمِنَ النَّاسِ مَن يَعْْبُدُ اللَّهَ عَلَىٰ حَرْفٍ اِلٰہِ یعنی بعض لوگ وہ بھی ہیں جو کنارے پر ٹھہر کر اللہ کی عبادت کرتے ہیں اگر بھلائی ملے تو مطمئن ہو جائیں اور اگر برائی پہنچے تو اسی وقت پھر جائیں۔ حضرت ابن عباسؓ یہ بھی فرماتے ہیں کہ ان کا روشنی میں چلنا، حق کو جان کر کلمہ اسلام پڑھنا ہے اور اندھیرے میں ٹھہر جانا، کفر کی طرف لوٹ جانا ہے۔ دیگر بہت سے مفسرین کا بھی یہی قول ہے اور زیادہ صحیح اور ظاہر بھی یہی قول ہے۔ واللہ اعلم۔

روز قیامت بھی ان کا یہی حال رہے گا کہ جب لوگوں کو ان کے ایمان کے اندازے کے مطابق نور ملے گا، بعض کو کئی کئی میلوں تک کا، بعض کو اس سے بھی زیادہ، کسی کو اس سے کم یہاں تک کہ کسی کو اتنا نور ملے گا کہ کبھی روشن ہو اور کبھی اندھیرا، کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جو ذرا سادور چل سکیں گے پھر ٹھہر جائیں گے پھر ذرا سادور کا نور ملے گا۔ پھر بجھ جائے گا اور بعض وہ بے نصیب بھی ہوں گے کہ ان کا نور بالکل بجھ جائے گا، یہ پورے منافق ہوں گے جن کے بارے میں فرمان الہی ہے يَوْمَ يَقُولُ الْمُتَّقُونَ وَالْمُنْفِقُونَ لَلَّذِينَ آمَنُوا نَظَرُونَا لِحٰثِ یعنی جس دن منافق مرد اور منافق عورتیں ایمان والوں کو پکاریں گے اور کہیں گے ذرا رکھو، ہمیں بھی آ لینیے دو تا کہ ہم بھی تمہارے نور سے فائدہ

اٹھائیں تو کہا جائے گا کہ اپنے پیچھے لوٹ جاؤ اور نور ڈھونڈ لاؤ اور مومنوں کے بارے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ يَسْعَىٰ نُورُهُمْ بَارِقًا بِمَضَاهِمِهِمْ یعنی اس دن تو دیکھے گا کہ مومن مرد اور عورتوں کے آگے آگے اور دائیں جانب نور ہوگا اور کہا جائے گا تمہیں آج باغات کی خوشخبری دی جاتی ہے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔ اور فرمایا جس دن نہر سوا کرے گا اللہ تعالیٰ اپنے نبیؐ کو اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ ایمان لائے ان کا نور ان کے آگے اور دائیں ہوگا۔ وہ کہہ رہے ہوں گے اے ہمارے رب ہمارے لئے ہمارا نور پورا کر اور ہمیں بخش یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے۔ ان آیتوں کے بعد اب اس مضمون کی حدیثیں بھی سنئے۔

احادیث میں تذکرہ نور: ☆☆ نبی ﷺ فرماتے ہیں ”بعض مومنوں کو مدینہ سے لے کر عدن تک نور ملے گا“ بعض کو اس سے کم یہاں تک کہ بعض کو اتنا کم کہ صرف پاؤں رکھنے کی جگہ ہی روشن ہوگی“ (ابن جریر) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ”ایمان والوں کو ان کے اعمال کے مطابق نور ملے گا بعض کو کھجور کے درخت جتنا“ کسی کو قد آدم جتنا“ کسی کو صرف اتنا ہی کہ اس کا انگوٹھا ہی روشن ہو“ کبھی بجھ جاتا ہو“ کبھی روشن ہو جاتا ہو۔“ (ابن ابی حاتم) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں انہیں نور ملے گا“ ان کے اعمال کے مطابق“ جس کی روشنی میں وہ پل صراط سے گذریں گے۔ بعض لوگوں کا نور پہاڑ جتنا ہوگا بعضوں کا کھجور جتنا اور سب سے کم نور والا وہ ہوگا جس کا نور اس کے انگوٹھے پر ہوگا کبھی چمک اٹھے گا اور کبھی بجھ جائے گا۔ (ابن ابی حاتم) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ”تمام اہل توحید کو قیامت کے دن نور ملے گا۔ جب منافقوں کا نور بجھ جائے گا تو موحد ذکر کریں گے رَبَّنَا آتِنَا نُورًا یَا رَبِّ ہمارے نور کو پورا کر“ (ابن ابی حاتم) ضحاک بن مزاحمؒ کا بھی یہی قول ہے۔ ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ قیامت والے دن لوگ کئی قسم کے ہوں گے“ خالص مومن وہ جن کا بیان اگلی چار آیتوں میں ہوا“ خالص کفار جن کا ذکر اس کے بعد کی دو آیتوں میں ہے اور منافق جن کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو خالص منافق جن کی مثال آگ کی روشنی سے دی گئی۔ دوسرے وہ منافق جو تردد میں ہیں“ کبھی تو ایمان چمک اٹھتا ہے“ کبھی بجھ جاتا ہے۔ ان ہی کی مثال بارش سے دی گئی ہے یہ پہلی قسم کے منافقوں سے کچھ کم ہیں۔

ٹھیک اسی طرح سورہ نور میں بھی اللہ تبارک و تعالیٰ نے مومن کی اور اس کے دل کے نور کی مثال اس منور چراغ سے دی ہے جو روشن فانوس میں ہو اور خود فانوس بھی چمکتے ہوئے تارے کی طرح ہو۔ چنانچہ ایمان دار کا ایک تو خود دل روشن دوسرے خالص شریعت کی اسے امداد بس روشنی پر روشنی نور پر نور ہو جاتا ہے۔ اسی طرح دوسری جگہ کافروں کی مثال بھی بیان کی جو اپنی نادانی کی وجہ سے اپنے آپ کو کچھ سمجھتے ہیں اور حقیقت میں وہ کچھ نہیں ہوتے۔ فرمایا کافروں کے اعمال کی مثال ریت کے چمکیلے ٹیلوں کی طرح ہے جنہیں پیاسا پانی سمجھتا ہے یہاں تک کہ پاس آ کر دیکھتا ہے تو کچھ بھی نہیں پاتا۔ ایک اور جگہ پر ان جاہل کافروں کی مثال بیان کی جو جہل بلیط میں گرفتار ہیں۔ فرمایا مانند سخت اور اندھیریوں کے جو گہرے سمندر میں ہوں“ جو موجوں پر موجیں مار رہا ہو پھر ابر سے ڈھکا ہوا ہو اور اندھیروں پر اندھیرے چھائے ہوئے ہوں ہاتھ نکالے تو دیکھ بھی نہیں سکتا حقیقت یہ ہے کہ جس کے لئے اللہ کی طرف سے نور نہ ہو اس کے پاس نور کہاں سے آئے؟ پس کفار کی بھی دو قسمیں بیان کیں۔ ایک تو دوسروں کو کفر کی طرف بلانے والے دوسرے ان کی تقلید کرنے والے۔ جیسے سورہ حج کے شروع میں ہے وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ بعض وہ لوگ ہیں جو اللہ کے بارے میں بغیر علم کے جھگڑتے ہیں اور ہر سرکش شیطان کی پیروی کرتے ہیں۔ ایک اور جگہ فرمایا وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلَا هُدًى وَلَا يَنْبِیْئُ بعض لوگ علم ہدایت اور روشن کتاب کے بغیر اللہ کے بارے میں لڑتے جھگڑتے ہیں۔ سورہ واقعہ کے شروع اور آخر میں اور سورہ انسان میں مومنوں کی بھی دو قسمیں بیان کی ہیں“ سابقین اور اصحاب یمین یعنی مقررین بارگاہ ربانی اور پرہیزگار و نیک کار لوگ۔ پس ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ مومنوں کی دو

جماعتیں ہیں مقرب اور ابرار اور کافروں کی بھی دو قسمیں ہیں کفر کی طرف بلانے والے اور ان کی تقلید کرنے والے اور منافقوں کی بھی دو قسمیں ہیں۔ خالص اور کچے منافق اور وہ منافق جن میں نفاق کی ایک آدھ شاخ ہے۔

صحیحین میں حدیث ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ تین خصلتیں ایسی ہیں جس میں یہ تینوں ہوں وہ پختہ منافق ہے اور جس میں ایک ہو اس میں نفاق کی ایک خصلت ہے جب تک اسے نہ چھوڑے۔ بات کرنے میں جھوٹ بولنا وعدہ خلافی کرنا امانت میں خیانت کرنا۔ اس سے ثابت ہوا کہ انسان میں کبھی نفاق کا کچھ حصہ ہوتا ہے خواہ وہ نفاق عملی ہو خواہ اعتقادی جیسے کہ آیت وحدیث سے معلوم ہوتا ہے۔ سلف کی ایک جماعت اور علماء کرام کے ایک گروہ کا یہی مذہب ہے۔ اس کا بیان پہلے بھی گذر چکا ہے اور آئندہ بھی آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دل چار قسم کے ہیں۔ ایک تو صاف دل جو روشن چراغ کی طرح چمک رہا ہو دوسرے وہ دل جو غلاف آلود ہیں تیسرے وہ دل جو الٹے ہیں چوتھے وہ دل جو مخلوط ہیں۔ پہلا دل مؤمن کا ہے جو پوری طرح نورانی ہے۔ دوسرا کافر کا دل ہے جس پر پردے پڑے ہوئے ہیں۔ تیسرا دل خالص منافقوں کا ہے جو جانتا ہے اور انکار کرتا ہے۔ چوتھا دل اس منافق کا ہے جس میں ایمان و نفاق دونوں جمع ہیں۔ ایمان کی مثال اس سبزے کی طرح ہے جو پاکیزہ پانی سے بڑھ رہا ہو اور نفاق کی مثال اس پھوڑے کی طرح ہے جس میں پیپ اور خون بڑھتا ہی جاتا ہو اب جو مادہ بڑھ جائے وہ دوسرے پر غالب آ جاتا ہے۔ اس حدیث کی اسناد بہت ہی عمدہ ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں اگر اللہ چاہے تو ان کے کان اور آنکھیں برباد کر دے۔ مطلب یہ ہے کہ جب انہوں نے حق کو جان کر اسے چھوڑ دیا تو اللہ ہر چیز پر قادر ہے یعنی اگر چاہے تو عذاب و سزا دے چاہے تو معاف کر دے۔ یہاں قدرت کا بیان اس لئے کیا کہ پہلے منافقوں کو اپنے عذاب اپنی جبروت سے ڈرایا اور کہہ دیا کہ وہ انہیں گھیر لینے پر قادر ہے اور ان کے کانوں کو بہرا کرنے اور آنکھوں کو اندھا کرنے پر قادر ہے۔ قدیر کے معنی قادر کے ہیں جیسے علیم کے معنی عالم کے ہیں۔ امام ابن جریر فرماتے ہیں یہ دو مثالیں ایک ہی قسم کے منافقوں کی ہیں۔ اور معنی میں ایک ہے۔ جیسے فرمایا وَلَا تُطِيعُ مِنْهُمْ اِنَّمَا اَوْ كَفُورًا يٰهَا لَفْظِ اَوْ اختیار کے لئے ہے یعنی خواہ یہ مثال بیان کر دے خواہ وہ مثال بیان کر دے اختیار ہے۔ قرطبی فرماتے ہیں او یہاں پر تساوی یعنی برابری کے لئے ہے جیسے عربی زبان کا محاورہ ہے جَالَسَ الْحَسَنَ اَوْ ابْنَ سَيْرِينَ۔ زمخشری بھی یہی توجیہ کرتے ہیں تو مطلب یہ ہوگا کہ ان دونوں مثالوں میں سے جو مثال چاہو بیان کر دو دونوں ان کے مطابق ہیں۔ میں کہتا ہوں یہ باعتبار منافقوں کی اقسام کے ہے۔ ان کے احوال و صفات طرح طرح کے ہیں۔

جیسے کہ سورہ برات میں وَمِنْهُمْ وَمِنْهُمْ وَمِنْهُمْ کر کے ان کی بہت سی قسمیں بہت سے افعال اور بہت سے اقوال بیان کیے ہیں تو یہ دونوں مثالیں دو قسم کے منافقوں کی ہیں جو ان کے احوال اور صفات سے بالکل مشابہ ہیں واللہ اعلم۔ جیسے کہ سورہ نور میں دو قسم کے کفار کی مثالیں بیان کیں۔ ایک کفر کی طرف بلانے والے دوسرے مقلد۔ فرمایا وَالَّذِينَ كَفَرُوا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيعَةٍ يَحْرُفُ فَرَمَا اَوْ كَظُلُمٍ فِي بَهِيمٍ مُّسْتَضِيٍّ لِّلنَّارِ یعنی ریت کے تودے کی کفر کی طرف بلانے والوں کی ہے جو جہل مرکب میں پھنسے ہوئے ہیں۔ دوسری مثال مقلدین کی ہے جو جہل بسیط میں مبتلا ہیں۔ واللہ اعلم۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ
لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝ الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ الْأَرْضَ فِرَاشًا وَالسَّمَاءَ
بِنَآءٍ ۖ وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ
رِزْقًا لَكُمْ ۖ فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَنْدَادًا وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝

اے لوگو! اپنے اس رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلے کے سب کو پیدا کیا، یہی تمہارا بچاؤ ہے ۝ جس نے تمہارے لئے زمین کو چھوڑنا بنایا اور آسمان کو
چھت اور آسمان سے پانی اتار کر اس سے پھل پیدا کر کے تمہیں روزی دی۔ خبردار باوجود جاننے کے اللہ کے شریک مقرر نہ کرو ۝

تعارف اللہ بربان اللہ: ☆ ☆ (آیت ۲۱-۲۲) یہاں سے اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی الوہیت کا بیان شروع ہوتا ہے۔ وہی اپنے بندوں کو عدم سے وجود میں لایا، اسی نے ہر طرح کی ظاہری و باطنی نعمتیں عطا فرمائیں، اسی نے زمین کو فرش بنایا اور اس میں مضبوط پہاڑوں کی میخیں گاڑ دیں اور آسمان کو چھت بنایا۔ جیسے کہ دوسری آیت میں آیا کہ وَجَعَلْنَا السَّمَاءَ سَقْفًا مَحْفُوظًا اِیٰن آسمان کو محفوظ چھت بنایا اس کے باوجود وہ نشانوں سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ آسمان سے پانی اتارنے کا مطلب بادل نازل فرمانا ہے۔ اس وقت جبکہ لوگ اس کے پورے محتاج ہوں۔ پھر اس پانی سے طرح طرح کے پھل پھول پیدا کرنا ہے جس سے لوگ فائدہ اٹھائیں اور ان کے جانور بھی۔ جیسے کہ قرآن مجید میں جگہ جگہ اس کا بیان آیا ہے۔ ایک جگہ فرمان ہے اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا ۚ اِیٰن اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت بنایا اور تمہیں پیاری پیاری صورتیں عطا فرمائیں اور بھلی بھلی روزیاں پہنچائیں، یہی اللہ ہے جو برکتوں والا اور تمام عالم کو پالنے والا ہے۔ پس سب کا خالق، سب کا رازق، سب کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے اور اس لئے شرک سے مبرا ہر تم کی عبادت کا وہی مستحق ہے اور فرمایا اللہ تعالیٰ کے شریک نہ ٹھہراؤ جبکہ تم جانتے ہو۔

صحیحین میں حدیث ہے، حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ پوچھتے ہیں حضورؐ سب سے بڑا گناہ کونسا ہے؟ فرمایا اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو تمہارا خالق ہے، کسی کو شریک ٹھہرانا۔ حضرت معاذ والی حدیث میں ہے۔ جانتے ہو کہ اللہ کا حق بندوں پر کیا ہے؟ یہ کہ اسی کی عبادت کریں اور کسی کو اس کی عبادت میں شریک نہ کریں۔ دوسری حدیث میں ہے تم میں سے کوئی یہ نہ کہے کہ جو اللہ چاہے اور فلاں چاہے بلکہ یوں کہے جو کچھ اللہ اکیلا چاہے۔ طفیل بن سخرہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سوتیلے بھائی فرماتے ہیں، میں نے خواب میں چند یہودیوں کو دیکھا اور ان سے پوچھا تم کون ہو؟ انہوں نے کہا ہم یہودی ہیں، میں نے کہا افسوس تم میں یہ بڑی خرابی ہے کہ تم حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہتے ہو، انہوں نے کہا تم بھی اچھے لوگ ہو لیکن افسوس تم کہتے ہو جو اللہ چاہے اور محمد ﷺ چاہیں، پھر میں نصرانیوں کی جماعت کے پاس گیا اور ان سے بھی اسی طرح پوچھا۔ انہوں نے بھی یہی جواب دیا۔ میں نے ان سے کہا افسوس تم بھی مسیح علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا مانتے ہو، انہوں نے بھی یہی جواب دیا میں نے صبح اپنے اس خواب کا ذکر کچھ لوگوں سے کیا پھر دربار نبوی میں حاضر ہو کر آپؐ سے بھی یہی خواب بیان کیا۔ آپؐ نے پوچھا کیا کسی اور سے بھی تم نے اس کا ذکر کیا ہے؟ میں نے کہا ہاں حضورؐ آپؐ کھڑے ہو گئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنائیاں کی اور فرمایا طفیل نے ایک خواب دیکھا اور تم میں سے بعض کو بیان بھی کیا۔ میں چاہتا تھا کہ تمہیں اس کلمہ کے کہنے سے روک دوں لیکن فلاں فلاں کاموں کی وجہ سے میں اب تک نہ کہہ سکا۔ یاد رکھو، اب ہرگز ہرگز اللہ چاہے اور اس کا رسول، کبھی نہ کہنا بلکہ یوں کہو کہ

صرف اللہ تعالیٰ اکیلا جو چاہے (ابن مردویہ)۔

ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے کہا جو اللہ تعالیٰ چاہے اور آپ چاہیں آپ نے فرمایا: کیا تو مجھے اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتا ہے؟ یوں کہہ جو اللہ تعالیٰ اکیلا چاہے (ابن مردویہ) ایسے تمام کلمات توحید کے سراسر خلاف ہیں۔ توحید باری کی اہمیت کے بارے میں یہ سب احادیث بیان ہوئی ہیں۔ واللہ اعلم۔

تمام کفار اور منافقوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کا حکم دیا اور فرمایا اللہ کی عبادت کرو یعنی اس کی توحید کے پابند ہو جاؤ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو جو نہ نفع دے سکے نہ نقصان پہنچا سکے اور تم جاننے ہو کہ اس کے سوا کوئی رب نہیں جو تمہیں روزی پہنچا سکے اور تم جاننے ہو کہ اللہ کے رسول ﷺ تمہیں اس توحید کی طرف بلا رہے ہیں جس کے حق اور سچ ہونے میں کوئی شک نہیں۔ شرک اس سے بھی زیادہ پوشیدہ ہے جیسے چیونٹی جو رات کے اندھیرے میں کسی صاف پتھر پر چل رہی ہو قسم ہے اللہ کی اور قسم ہے آپ کی حیات کی۔ یہ بھی شرک ہے انسان کا یہ کہنا اگر یہ کتیا نہ ہوتی تو چور رات کو ہمارے گھر میں گھس آتے، یہ بھی شرک ہے آدمی کا یہ قول کہ اگر بلخ گھر میں نہ ہوتی تو چوری ہو جاتی، یہ بھی شرک کا کلمہ ہے کسی کا یہ قول کہ جو اللہ چاہے اور آپ یہ بھی شرک ہے کسی کا یہ کہنا کہ اگر اللہ نہ ہوتا اور فلاں نہ ہوتا۔ یہ سب کلمات شرک ہیں۔ صحیح حدیث میں ہے کہ کسی نے رسول اللہ ﷺ سے کہا جو اللہ چاہے اور جو آپ چاہیں تو آپ نے فرمایا کیا تو مجھے اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتا ہے؟ دوسری حدیث میں ہے تم اچھے لوگ ہوتے اگر تم شرک نہ کرتے۔ تم کہتے ہو جو اللہ چاہے اور فلاں چاہے۔^(۱) ابو العالیہؒ فرماتے ہیں انداد کے معنی شریک اور برابر کے ہیں۔ مجاہد فرماتے ہیں تم تو راۃ اور انجیل پڑھتے ہو اور جاننے ہو کہ اللہ تعالیٰ ایک اور لا شریک ہے۔ پھر جاننے ہوئے کیوں اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہو؟

پانچ احکام: ☆☆ مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ عز وجل نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو پانچ چیزوں کا حکم دیا کہ ان پر عمل کرو اور بنی اسرائیل کو بھی ان پر عمل کرنے کا حکم دو قریب تھا کہ وہ اس میں غفلت کریں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انہیں یاد دلایا کہ آپ کو پروردگار عالم کا حکم تھا کہ ان پانچ چیزوں پر کاربند ہو کر دوسروں کو بھی حکم دو۔ لہذا یا تو آپ کہہ دیجئے یا میں پہنچا دوں۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام نے فرمایا: مجھے ڈر ہے کہ اگر آپ سبقت لے گئے تو کہیں مجھے عذاب نہ دیا جائے یا زمین میں دھنسا نہ دیا جائے پس یحییٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو بیت المقدس کی مسجد میں جمع کیا۔ جب مسجد پر ہو گئی تو آپ اونچی جگہ پر بیٹھ گئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کر کے کہا اللہ تعالیٰ نے مجھے پانچ باتوں کا حکم کیا ہے کہ خود بھی عمل کروں، تم سے بھی ان پر عمل کراؤں۔

ایک یہ کہ اللہ ایک کی عبادت کرو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص خاص اپنے مال سے کسی غلام کو خریدے اور غلام کام کاج کرے لیکن جو کچھ حاصل ہوا اسے کسی اور کو دے دے کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس کا غلام ایسا ہو؟ ٹھیک اسی طرح تمہارا پیدا کرنے والا تمہیں روزی دینے والا تمہارا حقیقی مالک اللہ تعالیٰ وحدہ لا شریک ہے۔ پس تم اسی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔

دوسری یہ کہ نماز کو ادا کرو۔ اللہ تعالیٰ کی نگاہ بندے کی طرف ہوتی ہے جب تک کہ وہ نماز میں ادھر ادھر منہ پھیرے جب تم نماز میں ہو تو خبردار ادھر ادھر التفات نہ کرنا۔

تیسرا حکم یہ ہے کہ روزے رکھا کرو۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص کے پاس مشک کی تھیلی بھری ہوئی ہو جس سے اس کے تمام ساتھیوں کے دماغ معطر ہیں۔ یاد رکھو روزے دار کے منہ کی خوشبو اللہ تعالیٰ کو مشک کی خوشبو سے بھی زیادہ پسند ہے۔

چوتھا حکم یہ ہے کہ صدقہ دیتے رہا کرو۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص کو دشمنوں نے قید کر لیا اور گردن کے ساتھ اس کے ہاتھ باندھ دیئے، گردن مارنے کے لئے لے جانے لگے تو وہ کہنے لگا کہ تم مجھ سے فدیہ لے لو اور مجھے چھوڑ دو چنانچہ جو کچھ تھا کم زیادہ دے کر اپنی جان چھڑالی۔

پانچواں اس کا حکم یہ ہے کہ بہ کثرت اس کے نام کا ذکر کیا کرو۔ اس کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس کے پیچھے تیزی کے ساتھ دشمن دوڑتا آتا ہے اور وہ ایک مضبوط قلعہ میں گھس جاتا ہے اور وہاں امن و امان پالیتا ہے۔ اسی طرح بندہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کے وقت شیطان سے بچا ہوا ہوتا ہے۔ یہ فرما کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اب میں بھی تمہیں پانچ باتوں کا حکم کرتا ہوں جن کا حکم جناب باری نے مجھے دیا ہے۔ مسلمانوں کی جماعت کو لازم پکڑے رہنا، اللہ اور اس کے رسول اور مسلمان حاکم و مقتدر کے احکام سننا اور جاننا، ہجرت کرنا اور جہاد کرنا، جو شخص جماعت سے ایک بالشت بھر نکل جائے وہ اسلام کے پئے کو اپنے گلے سے اتار پھینکے گا ہاں یہ اور بات ہے کہ رجوع کر لے۔ جو شخص جاہلیت کی پکار پکارے وہ جہنم کا کوڑا کرکٹ ہے لوگوں نے کہا حضور اگر چہ روزے دار اور نمازی ہو۔ فرمایا اگرچہ نماز پڑھتا ہو اور روزے بھی رکھتا ہو اور اپنے آپ کو مسلمان سمجھتا ہو۔ مسلمانوں کو ان کے ان ناموں کے ساتھ پکارتے رہو جو خود اللہ تبارک و تعالیٰ نے رکھے ہیں، مسلمین، مومنین اور عباد اللہ۔ یہ حدیث حسن ہے۔ اس آیت میں بھی یہی بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی نے تمہیں پیدا کیا ہے، وہی تمہیں روزی دیتا ہے پس عبادت بھی اسی کی کرو۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ عبادت میں توحید باری تعالیٰ کا پورا خیال رکھنا چاہئے۔ کسی اور کی عبادت نہ کرنی چاہئے۔ ہر ایک عبادت کے لائق صرف وہی ہے۔

اثبات وجود الہ العلمین: ☆☆ امام رازیؒ وغیرہ نے اللہ تعالیٰ کے وجود پر بھی اس آیت سے استدلال کیا ہے۔ اور فی الواقع یہ آیت اللہ تعالیٰ کے وجود پر بہت بڑی دلیل ہے۔ زمین اور آسمان کی مختلف شکل و صورت، مختلف رنگ، مختلف مزاج اور مختلف نفع کی موجودات، ان میں سے ہر ایک کا نفع بخش ہونا اور خاص حکمت کا حامل ہونا، ان کے خالق کے وجود کا اور اس کی عظیم الشان قدرت، حکمت، زبردست سطوت اور سلطنت کا ثبوت ہے۔ کسی بدوی سے پوچھا گیا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی موجودگی کی کیا دلیل ہے؟ تو اس نے کہا یا سُبْحَانَ اللَّهِ إِنَّ الْبَعْرَ لَيَدُلُّ عَلَى الْبُعْبُورِ - وَإِنَّ أَثَرَ الْأَقْدَامِ لَيَدُلُّ عَلَى الْمَسِيرِ - فَسَمَاءٌ ذَاتُ أَبْرَاجٍ وَأَرْضٌ ذَاتُ فَجَاجٍ - وَبَحَارٌ ذَاتُ أَمْوَاجٍ لَا يَدُلُّ ذَالِكَ عَلَى وُجُودِ اللَّطِيفِ الْخَبِيرِ - یعنی بیگنی سے اونٹ معلوم ہو سکے اور پاؤں کے نشان زمین پر دیکھ کر معلوم ہو جائے کہ کوئی آدمی گیا ہے تو کیا یہ برجوں والا آسمان، یہ راستوں والی زمین یہ موجیں مارنے والے سمندر اللہ تعالیٰ باریک بین اور باخبر کے وجود پر دلیل نہیں بن سکتے؟ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے ہارون رشید نے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کے وجود پر کیا دلیل ہے۔ آپ نے فرمایا زبانوں کا مختلف ہونا، آوازوں کا جدا گانہ ہونا، نغموں کا الگ ہونا ثابت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی سوال ہوتا ہے تو آپ جواب دیتے ہیں کہ چھوڑ دو میں کسی اور سوچ میں ہوں۔ لوگوں نے مجھ سے کہا ہے کہ ایک بہت بڑی کشتی جس میں طرح طرح کی تجارتی چیزیں ہیں نہ کوئی اس کا نگہبان ہے نہ چلانے والا ہے باوجود اس کے وہ برابر آ جا رہی ہے اور بڑی بڑی موجوں کو خود بخود چیرتی چھاڑتی گزر جاتی ہے، ٹھہرنے کی جگہ پر ٹھہر جاتی ہے، چلنے کی جگہ چلتی رہتی ہے نہ اس کا کوئی ملاح ہے نہ منتظم۔ سوال کرنے والے دہریوں نے کہا آپ کس سوچ میں پڑ گئے۔ کوئی عقلمند ایسی بات کہہ سکتا ہے کہ اتنی بڑی کشتی اتنے بڑے نظام کے ساتھ تلاطم والے سمندر میں آئے جائے اور کوئی اس کا چلانے والا نہ ہو۔ آپ نے فرمایا: افسوس تمہاری عقلوں پر ایک کشتی تو

بغیر چلانے والے کے نہ چل سکے لیکن یہ ساری دنیا آسمان و زمین کی سب چیزیں ٹھیک اپنے کام پر لگی رہیں اور ان کا مالک حاکم خالق کوئی نہ ہو؟ یہ جواب سن کر وہ لوگ ہکا بکا ہو گئے اور حق معلوم کر کے مسلمان ہو گئے۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی سوال ہوا تو آپ نے جواب دیا کہ توت کے پتے ایک ہی ہیں، ایک ہی ذائقہ کے ہیں، کیڑے اور شہد کی مکھی اور گائیں بکریاں ہرن وغیرہ سب اس کو چباتے کھاتے اور چرتے چکتے ہیں، اسی کو کھا کر ریشم کا کیڑا ریشم تیار کرتا ہے، مکھی شہد بناتی ہے، ہرن میں مشک پیدا ہوتا ہے اور گائیں بکریاں میٹگنیاں دیتی ہیں۔ کیا یہ اس امر کی صاف دلیل نہیں کہ ایک پتے میں یہ مختلف خواص پیدا کرنے والا کوئی ہے؟ اور اسی کو ہم اللہ تبارک و تعالیٰ مانتے ہیں، وہی موجد اور صانع ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ایک مرتبہ وجود باری تعالیٰ پر دلیل طلب کی گئی تو آپ نے فرمایا۔ سنو یہاں ایک نہایت مضبوط قلعہ ہے جس میں کوئی دروازہ نہیں، نہ کوئی راستہ ہے بلکہ سوار خ تنگ نہیں، باہر سے چاندی کی طرح چمک رہا ہے اور اندر سے سونے کی طرح دمک رہا ہے، اوپر نیچے دائیں بائیں، چاروں طرف سے بالکل بند ہے، ہوا تک اس میں نہیں جاسکتی اچانک اس کی ایک دیوار گرتی ہے اور ایک جاندار آکھوں، کانوں والا خوبصورت شکل اور پیاری بولی والا چلتا پھرتا نکل آتا ہے۔ بتاؤ اس بند اور محفوظ مکان میں اسے پیدا کرنے والا کوئی ہے یا نہیں؟ اور وہ ہستی انسانی ہستیوں سے بالاتر اور اس کی قدرت غیر محدود ہے یا نہیں؟ آپ کا مطلب یہ تھا کہ انڈے کو دیکھو۔ چاروں طرف سے بند ہے۔ پھر اس میں پروردگار خالق کیلک جاندار بچہ پیدا کر دیتا ہے۔ یہی دلیل ہے اللہ کے وجود پر اور اس کی توحید پر۔ حضرت ابو نواس سے جب یہ مسئلہ پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا آسمان سے بارش برسا، اس سے درختوں کا پیدا ہونا اور ان ہری ہری شاخوں پر خوش ذائقہ میوؤں کا لگنا ہی اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی وحدانیت کی کافی دلیل ہے۔ ابن المعتز فرماتے ہیں۔ افسوس اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور اس کی تکذیب پر لوگ کیسے دلیر ہو جاتے ہیں حالانکہ ہر چیز اس پروردگار کے موجود اور لاشریک ہونے پر گواہ ہے۔

بزرگوں کا مقولہ ہے کہ آسمانوں کو دیکھو، ان کی بلندی، ان کی وسعت ان کے چھوٹے بڑے چمکیلے اور روشن ستاروں پر نظریں ڈالو۔ ان کے چمکنے، دکنے، ان کے چلنے پھرنے، ٹھہر جانے، ظاہر ہونے اور چھپ جانے کا مطالعہ کرو۔ سمندروں کو دیکھو جو موجیں مارتے ہوئے زمین کو گھیرے ہوئے ہیں۔ اونچے نیچے مضبوط پہاڑوں کو دیکھو جو زمین میں گڑے ہوئے ہیں اور اسے پلٹے نہیں دیتے، جن کے رنگ جن کی صورتیں مختلف ہیں۔ قسم قسم کی دوسری مخلوقات پر نظر ڈالو، ادھر سے ادھر پھر جانے والی کھیتوں اور باغوں کو شاداب کرنے والی خوشنما نہروں کو دیکھو۔ کھیتوں باغوں کی سبزیوں اور ان کے طرح طرح کے پھل پھول، مزے مزے کے میوؤں پر غور کرو۔ زمین ایک پانی ایک، لیکن شکلیں، صورتیں، خوشبوئیں، رنگ، ذائقہ، فائدہ الگ الگ۔ کیا یہ تمام مصنوعات تمہیں نہیں بتاتیں کہ ان کا صانع کوئی ہے؟ کیا یہ تمام موجودات با آواز بلند نہیں کہہ رہیں کہ ان کا موجد کوئی ہے؟ کیا یہ ساری مخلوق اپنے خالق کی ہستی، اس کی ذات اور اس کی توحید پر دلالت نہیں کرتی۔ یہ ہیں وہ زوردار دلائل جو اللہ جل و علانے اپنی ذات کے منوانے کے لئے ہر نگاہ کے سامنے پیش کر دیئے ہیں جو اس کی زبردست قدرتوں، اس کی پرزور حکمتوں، اس کی لامتناہی رحمتوں، اس کے بے نظیر انعاموں، اس کے لازوال احسانوں پر دلالت کرنے کے لئے کافی دانی ہیں۔ ہم اقرار کرتے ہیں کہ نہ اس کے سوا کوئی پالنے والا ہے، نہ اس کے سوا کوئی پیدا کرنے والا، نہ اس کے سوا کوئی معبود برحق، نہ اس کے سوا کوئی معبود لاشک۔ ہاں دنیا کے لوگو! سن لو میرا توکل اور بھروسہ اسی پر ہے۔ میری انابت اور التجا اسی کی طرف ہے، میرا جھکنا اور پست ہونا اسی کے سامنے ہے، میری تمناؤں کا مرکز، میری امیدوں کا آسرا، میرا مادی و ملباوی ایک ہے، اس کے دست رحمت کو تکتا ہوں اور اسی کا نام جیتا ہوں۔

وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّثْلِهِ
وَادْعُوا شُهَدَاءَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۵۰﴾
فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوا وَلَنْ تَفْعَلُوا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا
النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۖ إِعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ ﴿۵۱﴾

ہم نے جو کچھ اپنے بندے پر اتارا ہے اس میں اگر تمہیں شک ہو اور تم سچے ہو تو تم اس جیسی ایک سورت تو بنا لاؤ۔ تمہیں اختیار ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور اپنے مددگاروں کو بھی بلا لو ۵۰ پس اگر تم نے نہ کیا اور تم ہرگز نہیں کر سکتے تو (اسے سچا مان کر) اس آگ سے بچو جس کا ایندھن انسان ہیں اور پتھر۔ جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے ۵۱

تصدیق نبوت اعجاز قرآن ☆ ☆ (آیت: ۲۳-۲۴) توحید کے بعد اب نبوت کی تصدیق کی جا رہی ہے۔ کفار مکہ کو خطاب کر کے فرمایا جا رہا ہے کہ ہم نے جو قرآن پاک اپنے بندے حضرت محمد ﷺ پر اتارا ہے اسے اگر تم ہمارا کلام نہیں مانتے تو تم اور تمہارے مددگار سب مل کر پورا قرآن نہیں صرف ایک سورت تو اس جیسی بنا لاؤ۔ جب تم ایسا نہیں کر سکتے اور اس سے عاجز ہو تو پھر اس قرآن کے کلام اللہ ہونے میں کیوں شک کرتے ہو؟ اپنے ہم فکر اور مددگار سب کو جمع کر دو تو بھی تم سب ناکام رہو گے۔ مطلب یہ ہے کہ جنہیں تم نے اپنا معبود بنا رکھا ہے انہیں بھی بلا لو اور ان سے بھی مدد چاہو پھر اس جیسی ایک سورت ہی تو بنا لاؤ۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ تم اپنے حاکموں اور اپنے زباں داں فصیح و بلیغ لوگوں سے بھی مدد لے لو۔

قرآن پاک کے اس معجزے کا اظہار اور ایسا انداز خطاب کئی جگہ ہے سورہ قصص میں ہے فَاتُّوا بِكِتَابٍ مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ هُوَ أَهْدَىٰ مِنْهُمَا أَتَّبِعُهُ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ یعنی اگر تم سچے ہو تو ان دونوں سے (یعنی توریت و قرآن سے) زیادہ ہدایت والی کوئی اور اللہ کی کتاب لاؤ تو میں بھی اس کی تابعداری کروں گا۔ سورہ سجان میں فرمایا قُلْ لِّئِنْ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ أَنْ يَأْتُوا بِمِثْلِ هَذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا لِّئِنْ اجْتَمَعَتِ جُنَاتُ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَزْدُ مَا فَتَرْنَا مِنْهُ لَفُتِّرُوا بِهِ مِثْلَهُ مُفْتَرِيًّا وَادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ یعنی کیا یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ قرآن کو خود اس پیغمبر نے گھڑ لیا۔ تم کہو کہ اگر تم سچے ہو تو تم سب مل کر اور اللہ کے سوا جنہیں تم بلا سکتے ہو بلا کر اس جیسی دس سورتیں ہی بنا لاؤ۔

سورہ یونس میں ہے وَمَا كَانَ هَذَا الْقُرْآنُ أَنْ يُفْتَرَىٰ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَكِنْ تَصْدِيقُ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلُ الْكِتَابِ لَا رَيْبَ فِيهِ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ اَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ قُلْ فَاتُّوا بِسُورَةٍ مِّثْلِهِ وَادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ یعنی یہ قرآن اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کی طرف سے گھڑا ہوا نہیں بلکہ یہ اگلی کتابوں کی تصدیق کرنے والا اور کتاب تفصیل ہے جس کے اللہ کی کلام ہونے میں کوئی شک نہیں جو رب العالمین کی طرف سے ہے کیا یہ لوگ اسے خود ساختہ کہتے ہیں؟ ان سے کہو کہ اللہ کے سوا ہر شخص کو بلا کر اس قرآن کی سیکنڈوں سورتوں میں سے ایک چھوٹی سی سورت جیسی سورت تو بنا لاؤ تاکہ تمہارا جحظ ظاہر ہو۔

یہ تمام آیتیں مکہ مکرمہ میں نازل ہوئیں اور اہل مکہ کو اس کے مقابلہ میں عاجز ثابت کر کے پھر مدینہ شریف میں بھی اس مضمون کو

دوہرایا گیا۔ اوپر کی آیت مثلاً کی ضمیر کو بعض نے قرآن کی طرف لوٹایا ہے یعنی کوئی سورت اس قرآن جیسی لاؤ۔ بعض نے یہ ضمیر محمد ﷺ کی طرف لوٹائی ہے یعنی آپ جیسا کوئی امی ایسا ہو ہی نہیں سکتا ہے کہ کچھ پڑھا ہوا نہ ہونے کے باوجود وہ کلام کہے جس کا مثل کسی سے نہ بن سکے لیکن صحیح قول پہلا ہی ہے۔ مجاہد، قتادہ، عمرو بن مسعود، ابن عباس، حسن بصری اور اکثر محققین کا یہی قول ہے۔ امام ابن جریر، طبری، زحری، رازی نے بھی اسی کو پسند کیا ہے۔ اس کی ترجیح کی وجہیں بہت سی ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس میں سب کو ڈانٹ ڈپٹ ہے، جمع کر کے اور الگ الگ بھی خواہ وہ امی اور ان پڑھ ہوں یا اہل کتاب اور پڑھے لکھے ہوں، اس میں اس معجزے کا کمال ہے اور بہ نسبت اس کے کہ صرف ان پڑھ لوگوں کو عاجز کیا جائے اس میں زیادہ مبالغہ ہے پھر دس سورتوں کا مطالبہ کرنا، اس کی مثل نہ لاسکنے کی پیشین گوئی کرنا بھی اسی کو ثابت کرتا ہے کہ اس سے مراد قرآن ہے نہ کہ ذات رسول اللہ ﷺ۔ پس اس عام اعلان سے جو بار بار کیا گیا اور ساتھ ہی پیشین گوئی بھی کر دی گئی کہ یہ لوگ اس پر قادر نہیں، مکہ میں اور مدینہ میں بارہا اس کا اعادہ کیا گیا اور وہ لوگ جن کی مادری زبان عربی تھی، جنہیں اپنی فصاحت اور بلاغت پر ناز تھا، جو لوگ آپ کی اور آپ کے دین کی دشمنی پر ادھار کھائے بیٹھے تھے وہ درحقیقت اس سے عاجز آ گئے نہ پورے قرآن کا جواب دے سکے نہ دس سورتوں کا نہ ایک سورت کا۔

پس ایک معجزہ تو یہ ہے کہ اس جیسی ایک چھوٹی سی سورت بھی وہ نہ بنا سکے۔ دوسرا معجزہ یہ ہے کہ پیشین گوئی سچ ثابت ہوئی کہ یہ ہرگز اس جیسا نہیں بنا سکتے، گو سب جمع ہو جائیں اور قیامت تک محنت کریں۔ پس ایسا ہی ہوا نہ تو اس زمانہ میں کسی کو یہ جرأت ہوئی نہ اس کے بعد سے آج تک اور نہ قیامت تک کسی سے یہ ہو سکے گا اور بھلا کیسے ہو سکتا؟ جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات بے مثل اسی طرح اس کا کلام بھی۔ حقیقت بھی یہ ہے کہ قرآن پاک کو بیک نظر دیکھنے سے اس کے ظاہری اور باطنی، لفظی اور معنوی ایسے ایسے کمالات ظاہر ہوتے ہیں جو مخلوق کے بس کے نہیں۔ خود رب العالمین فرماتا ہے الرَّكِيبُ أُنْكِمْتُ أَيْنَهُ ثُمَّ فُصِّلْتُ اِنْ لِّعَنِ اس کتاب کی آیتیں جو حکمت والے ہر طرح کی خبریں جاننے والے اللہ کی طرف سے نازل شدہ ہیں، محکم، مضبوط اور مفصل الگ الگ ہیں۔ پس الفاظ محکم اور معانی مفصل یا الفاظ مفصل اور معانی محکم۔ پس قرآن اپنے الفاظ میں اور اپنے مضامین میں بے نظیر ہے جس کے مقابلے معارضے اور مثل سے دنیا عاجز اور بے بس ہے۔

اس پاک کلام میں اگلی خبریں جو دنیا سے پوشیدہ تھیں، وہ ہو ہو بیان کی گئیں، آنے والے امور کے تذکرے کئے گئے جو لفظ بہ لفظ پورے اترے۔ تمام بھلائیوں کا حکم تمام برائیوں سے ممانعت اس میں ہے۔ سچ ہے وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدْلًا یعنی خبروں میں صداقت اور احکام میں عدل، تیرے رب کے کلام میں پورا پورا ہے۔ پاکیزہ قرآن تمام تر حق و صداقت و ہدایت سے پر ہے نہ اس میں واهی تو اہی باتیں ہیں نہ ہنس مذاق نہ کذب و افتراء جو شاعروں کے کلام میں عموماً پایا جاتا ہے بلکہ ان کے اشعار کی قدر و قیمت ہی اسی پر ہے۔ مقولہ مشہور ہے کہ اعذبہ اکذبہ جوں جھوٹ زیادہ اتنا ہی مزیدار۔ تم دیکھو گے کہ لمبے لمبے پر زور قصیدے مبالغہ اور کذب آمیز یا تو عورتوں کی تعریف و توصیف میں ہوں گے یا گھوڑوں کی اور شراب کی ستائش میں ہوں گے یا کسی انسان کی بڑی چڑھی مدح و تعریف میں ہوں گے یا اونٹنیوں کی آرائش و زیبائش یا بہادری کے مبالغہ آمیز گیت یا لڑائیوں کی چال بازیوں یا ڈر خوف کے خیالی منظروں کے بیان میں ہوں گے جن سے کوئی فائدہ نہیں۔ نہ دین کا، نہ دنیا کا، صرف شاعر کی زبان دانی اور اس کی قدرت کلام ظاہر ہوتی ہے نہ اخلاق پران سے کوئی عمدہ اثر نہ اعمال پر۔

پھر نفس مضمون کے بھی پورے قصیدے میں بمشکل دو ایک شعر ہوتے ہیں۔ باقی سب بھرتی کے اور ادھر ادھر کی لائینی اور فضول بکواس

برخلاف اس کے قرآن پاک پر نظر ڈالو تو دیکھو گے کہ اس کا ایک ایک لفظ فصاحت و بلاغت سے دین و دنیا کے نفع سے خیر و برکت سے پر ہے۔ پھر کلام کی ترتیب و تہذیب الفاظ کی بندش عبارت کی روانی معانی کی نورانیت مضمون کی پاکیزگی سونے پر سہاگہ ہے۔ اس کی خبروں کی حلاوت اس کے بیان کردہ واقعات کی سلاست، مردہ دلوں کی زندگی ہے۔ اس کا اختصار کمال کا اعلیٰ نمونہ اور اس کی تفصیل معجزے کی جان ہے۔ اس کا کسی چیز کو دوہرانا قدر کرنا کمزور دیتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے گویا سچے موتیوں کی بارش برس رہی ہے۔ بار بار پڑھو دل نہ اکتائے مزے لیتے جاؤ اور ہر وقت نیا مزہ پاؤ۔ مضامین سمجھتے جاؤ اور ختم نہ ہوں۔ یہ قرآن پاک کا ہی خاصہ ہے اس چاشنی کا ذائقہ اس مٹھاس کا مزہ کوئی اس سے پوچھے جنہیں عقل و حواس، علم و فضل کا کچھ حصہ قدرت نے عطا فرمایا۔ اس کی تندیر دھکا دوا، تعذیب اور پکڑ دھکڑ کا بیان مضبوط پہاڑوں کو ہلادے۔ انسانی دل کیا ہیں۔ اس کے وعدے اور خوشخبریاں، نعمتوں اور رحمتوں کا بیان دلوں کی پڑمردہ کلی کو کھلا دینے والا شوق و تمنا کے دبے جذبات کو ابھار دینے والا جنٹوں اور راحتوں کے پیارے پیارے مناظر کو آنکھوں کے سامنے کر لانے والا ہے۔ دل کھل جاتے ہیں کان لگ جاتے ہیں اور آنکھیں کھل جاتی ہیں۔

رغبت دیتے ہوئے وہ فرماتا ہے فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ لَّخ كَوْنُیَ کیا جانے کہ اس کے نیک اعمال کے بدلے اس کی آنکھوں کی کھٹک کا کیا کیا سامان چپکے چپکے تیار کیا جا رہا ہے۔ فرماتا ہے وَفِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ الْأَنْفُسُ الْخ اس دائمی جنت میں ہر وہ چیز ہے جو دل کو بھائے اور آنکھوں میں کھب جائے۔ ڈراتے اور دھمکاتے ہوئے فرماتا ہے أَفَأَمِنْتُمْ أَن يَخْصِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ^۱ فرمایا اَمِنْتُمْ مِّنْ فِي السَّمَاءِ أَن يَخْصِفَ بِكُمْ الْأَرْضَ فَإِذَا هِيَ تَمُورُ اَمِنْتُمْ مِّنْ فِي السَّمَاءِ أَن يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا فَسَتَعْلَمُونَ كَيْفَ نَذِيرٌ کیا تم اپنے دھنسائے جانے یا آسمان سے پتھر برسائے جانے سے نڈر ہو گئے ہو؟ کیا آسمانوں والا اس پر قادر نہیں؟ اسے محض دھمکی ہی نہ سمجھو بلکہ اس کی حقیقت عنقریب تم پر کھل جائے گی۔ زجر و توبخ، ڈانٹ ڈپٹ کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے فَكَلَّا أَخَذْنَا بِذُنُوبِهِ أَكَيْفَ نَكْفِيهِمْ مَّا كَانُوا يُوْعَدُونَ مَّا أَغْنَىٰ عَنْهُمْ مَّا كَانُوا يَمْتَعُونَ اگر ہم نے کچھ سال انہیں فائدہ نہیں دیا تو کیا ہوا؟ آخر وعدے کی گھڑی آ پہنچی اور اس جاہ و جلال نے کوئی نفع نہ بخشا۔ غرض کوئی کہاں تک بیان کرے۔ جس مضمون کا ذکر کیا اسے کمال تک پہنچا کر چھوڑا اور طرح طرح کی فصاحت و بلاغت، حلاوت و حکمت سے معمور کر دیا۔ احکام کے حکم اور روک ٹوک کو دیکھئے۔ ہر حکم اچھائی بھلائی، نفع اور پاکیزگی کا جامع ہے۔ ہر ممانعت قباح، رذالت اور خباثت کی قاطع ہے۔

ابن مسعود وغیرہ اسلاف امت کا قول ہے کہ جب قرآن میں يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا آئے تو کان لگا دو۔ یا تو کسی اچھائی کا حکم ہوگا یا کسی برائی سے منع کیا جائے گا۔ خود پروردگار عالم فرماتا ہے يٰۤاَمْرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اَصْرَهُمْ وَالْاَغْلَالَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ الخ یعنی بھلائیوں کا حکم دیتا ہے برائیوں سے روکتا ہے پاکیزہ چیزیں حلال قرار دیتا ہے خبیث چیزیں حرام کرتا ہے وہ بوجھل بیڑیاں جو پاؤں میں تھیں، وہ سخت طوق جو گلوں میں تھے اتار پھینکتا ہے قیامت کے بیان کی آیتیں ہیں کہ ہولناک مناظر، جنت و دوزخ کا بیان، رحمتوں اور رحمتوں کا پورا پورا وصف، اولیاء اللہ کے لئے طرح طرح کی نعمتیں، دشمنان اللہ کے لئے طرح طرح کے عذاب کہیں بشارت ہے کہیں ڈراوا ہے کہیں نیکیوں کی طرف رغبت ہے کہیں بدکاریوں سے ممانعت ہے کہیں دنیا کی طرف سے زہد کرنے کی کہیں آخرت کی طرف رغبت کرنے کی تعلیم ہے۔ یہی وہ تمام آیتیں ہیں جو راہ راست دکھاتی ہیں اور بہتر رہنمائی کرتی ہیں۔ اللہ کی پسندیدہ شریعت کی طرف جھکاؤ ہیں اور دلوں کو جلا بخشتی ہیں اور شیطانی دروازوں کو

بند کر دیتی ہیں اور برے اثرات کو زائل کرتی ہیں۔

صحیح بخاری و مسلم میں بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر نبی کو ایسے معجزے دیئے گئے کہ جنہیں دیکھ کر لوگ ان پر ایمان لائے اور میرا معجزہ اللہ کی وحی یعنی قرآن پاک ہے۔ اس لئے مجھے امید ہے کہ میرے تابعدار بہ نسبت اور نبیوں کے بہت زیادہ ہوں گے اس لئے کہ اور انبیاء کے معجزے ان کے ساتھ چلے گئے لیکن حضور کا یہ معجزہ قیامت تک باقی رہے گا۔ لوگ اسے دیکھتے جائیں گے اور اسلام میں داخل ہوتے جائیں گے۔ حضور کا یہ فرمان کہ میرا معجزہ وحی ہے جو مجھ کو دی گئی ہے کا مطلب یہ ہے کہ مجھ کو اس کے ساتھ مخصوص کیا گیا ہے اور قرآن کریم مجھی کو ملا ہے جو اپنے معارضے اور مقابلے میں تمام دنیا کو عاجز کر دینے والا ہے۔ بخلاف دوسری آسمانی کتابوں کے۔ وہ اکثر علماء کے نزدیک اس وصف سے خالی ہیں۔ واللہ اعلم۔ آنحضرت ﷺ کی نبوت آپ کی صداقت اور دین اسلام کی حقانیت پر اس معجزے کے علاوہ بھی اس قدر دلائل ہیں جو گئے بھی نہیں جاسکتے۔ للہ الحمد والمنة۔

بعض متکلمین نے قرآن کریم کے اعجاز کو ایسے انداز سے بیان کیا ہے جو اہل سنت کے اور معتزلہ کے قول پر مشترک ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یا تو یہ قرآن فی نفسہ معجزہ ہے۔ انسان کے امکان میں ہی نہیں کہ اس جیسا بنایا سکے انہیں اس کا معارضہ کرنے کی قدرت و طاقت ہی نہیں۔ یا یہ کہ گواس کا معارضہ ممکن ہے اور انسانی طاقت سے باہر نہیں لیکن باوجود اس کہ انہیں معارضہ کا چیلنج دیا جاتا ہے اس لئے کہ وہ عداوت اور دشمنی میں بڑھے ہوئے ہیں دین حق کو مٹانے ہر وقت ہر طاقت کے خرچ کرنے اور ہر چیز کے برباد کرنے کے لئے تیار ہیں لیکن تاہم قرآن کا معارضہ اور مقابلہ ان سے نہیں ہو سکتا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن اللہ کی جانب سے ہے۔ اگر قدرت و طاقت ہو بھی تو بھی وہ انہیں روک دیتا ہے اور وہ قرآن کا مثل پیش کرنے سے عاجز ہو جاتے ہیں۔ گو یہ پچھلی وجہ اتنی پسندیدہ نہیں تاہم اگر اسے بھی مان لیا جائے تو اس سے بھی قرآن پاک کا معجزہ ہونا ثابت ہے جو بطریق خنزیر حمایت حق اور مناظرے کی خاطر صلاحیت رکھتا ہے۔ امام رازیؒ نے بھی چھوٹی چھوٹی سورتوں کے سوال کے جواب میں یہی طریقہ اختیار کیا ہے۔

جنہم کا ایندھن: ☆☆ وَقُودُ کے معنی ایندھن کے ہیں جس سے آگ جلائی جائے۔ جیسے چمپائیاں لکڑیاں وغیرہ۔ قرآن کریم میں ایک جگہ ہے۔ وَأَمَّا الْفَالَسُطُونَ فَكَانُوا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ظالم لوگ جنہم کی لکڑیاں ہیں۔ اور جگہ فرمایا: تم اور تمہارے معبود جو اللہ کے سوا ہیں جنہم کی لکڑیاں ہیں تم سب اس میں وارد ہو گے۔ اگر وہ سچے معبود ہوتے تو وہاں وارد نہ ہوتے۔ دراصل یہ سب کے سب اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ اور حِجَارَةٌ کہتے ہیں پتھر کو۔ یہاں مراد گندھک کے تخت سیاہ اور بڑے بڑے اور بدبودار پتھر ہیں جن کی آگ بہت تیز ہوتی ہے اللہ تعالیٰ ہمیں محفوظ رکھے۔ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں ان پتھروں کو زمین و آسمان کی پیدائش کے ساتھ ہی آسمان اول پر پیدا کیا گیا ہے (ابن جریر، ابن ابی حاتم، مستدرک حاکم) ابن عباسؓ، ابن مسعودؓ اور چند اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے صدی کے نقل کیا ہے کہ جنہم میں یہ سیاہ گندھک کے پتھر بھی ہیں جن کی سخت آگ سے کافروں کو عذاب کیا جائے گا۔ حضرت مجاہدؓ فرماتے ہیں ان پتھروں کی بدبودار کی بو سے بھی زیادہ ہے۔ محمد بن علیؓ اور ابن جریجؓ بھی کہتے ہیں کہ مراد گندھک کے بڑے بڑے اور سخت پتھر ہیں۔ بعض نے کہا ہے مراد وہ پتھر جن کی سورتیاں بنائی جاتی ہیں اور پھر ان کی پرتش کی جاتی تھی۔ جیسے اور جگہ ہے أَنْكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ حَصْبُ جَهَنَّمَ الخ تم اور تمہارے وہ معبود جو اللہ کے سوا ہیں جنہم کی لکڑیاں ہیں۔ قرطبیؒ اور رازیؒ نے اسی قول کو ترجیح دی ہے اور کہا ہے کہ گندھک کے پتھر جو کسی شکل میں بھی اللہ کے سوا پوجے جاتے ہوں لیکن یہ وجہ کوئی قوی وجہ نہیں۔ اس لئے کہ جب آگ گندھک کے پتھروں سے سلگائی

جائے تو ظاہر ہے کہ اس کی تیزی اور حرارت معمولی آگ سے بہت زیادہ ہوگی۔ اس کا بھڑکنا، جلنا، سوزش اور شعلے بھی بہت زیادہ ہوں گے۔ علاوہ اس کے پھر سلف سے بھی اس کی تفسیر یہی مروی ہے۔ اسی طرح ان پتھروں میں آگ کا لگنا بھی ظاہر ہے اور آیت کا مقصود آگ کی تیزی اور اس کی سوزش کا بیان کرنا ہے اور اس کے بیان کے لئے بھی یہاں پتھر سے مراد گندھک کے پتھر لینا زیادہ مناسب ہے تاکہ وہ آگ تیز ہو اور اس سے بھی عذاب میں سختی ہو۔ قرآن کریم میں ہے **كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنَهُمْ سَعِيرًا** جہاں شعلے بلکے ہوئے کہ ہم نے اور بھڑکا دیا۔

ایک حدیث میں ہے ہر موزی آگ میں ہے لیکن یہ حدیث محفوظ اور معروف نہیں۔ قرطبیؒ فرماتے ہیں اس کے دو معنی ہیں۔ ایک یہ کہ ہر وہ شخص جو دوسروں کو ایذا دے، جہنمی ہے دوسرے یہ کہ ہر ایذا دہندہ چیز جہنم کی آگ میں موجود ہوگی جو جہنمیوں کو عذاب دے گی۔ **أَعَدَّتْ** یعنی تیار کی گئی سے مراد بظاہر یہی معلوم ہوتی ہے کہ وہ آگ کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مراد پتھر ہوں یعنی وہ پتھر جو کافروں کے لئے تیار کئے گئے ہیں۔ ابن مسعود کا یہی قول ہے اور فی الحقیقت دونوں معنی میں کوئی اختلاف نہیں اس لئے کہ پتھروں کا تیار کیا جانا آگ کے جلانے کے لئے ہے اور آگ کی تیاری کے لئے پتھروں کا تیار کیا جانا ضروری ہے لہذا دونوں ایک دوسرے کے ساتھ لازم و ملزوم ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ہر وہ شخص جو کفر پر ہوا اس کے لئے وہ آگ تیار ہے۔ اس آیت سے استدلال کیا گیا ہے کہ جہنم اب موجود اور پیدا شدہ ہے کیونکہ ”**أَعَدَّتْ**“ کا لفظ ہی اس کی دلیل میں آیا ہے۔ بہت سی حدیثیں بھی ہیں۔ ایک مطول حدیث میں ہے۔ جنت اور دوزخ میں جھگڑا ہوا دوسری حدیث میں ہے جہنم نے اللہ تعالیٰ سے دوسائس لینے کی اجازت چاہی اور اسے سردی میں ایک سائس لینے اور گرمی میں دوسرا سائس لینے کی اجازت دے دی گئی۔ تیسری حدیث میں ہے صحابہؓ کہتے ہیں ہم نے ایک مرتبہ بڑے زور کی ایک آواز سنی۔ حضورؐ سے پوچھا یہ کس چیز کی آواز ہے۔ آپؐ نے فرمایا ستر سال پہلے ایک پتھر جہنم میں پھینکا گیا تھا آج وہ تہہ کو پہنچا۔ چوتھی حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے سورج گرہن کی نماز پڑھتے ہوئے جہنم کو دیکھا۔ پانچویں حدیث میں ہے کہ آپؐ نے شب معراج میں جہنم کو اور اس میں عذابوں کے سلسلے کو ملاحظہ فرمایا۔ اسی طرح اور بہت سی صحیح متواتر حدیثیں مروی ہیں۔ معتزلہ اپنی جہالت کی وجہ سے انہیں نہیں مانتے۔ قاضی انیس منذر بن سعید بلوطی نے بھی ان سے اتفاق کیا ہے۔ فائدہ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ یہاں اور سورہ یونس میں جو کہا گیا ہے کہ ایک ہی سورت کے مانند لاؤ۔ اس میں ہر چھوٹی بڑی آیت شامل ہے۔ اس لئے عربیت کے قاعدے کے مطابق جو اسم مکرر ہو اور شرط کے طور پر لایا گیا ہو وہ عمومیت کا فائدہ دیتا ہے جیسے کہ نکرہ نفی کی تحت میں استغراق کا فائدہ دیتا ہے۔ پس لمبی سورتوں اور چھوٹی سورتوں سب میں اعجاز ہے اور اس بات پر سلف و خلف کا اتفاق ہے۔

امام رازیؒ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اگر کوئی کہے کہ سورت کا لفظ سورہ کوثر اور سورہ العصر اور سورہ قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ جیسی چھوٹی سورتوں پر بھی مشتمل ہے اور یہ بھی یقین ہو کہ اس جیسی یا اس کے قریب قریب کسی سورت کا بنالینا ممکن ہے تو اسے انسانی طاقت سے خارج کہنا نری ہٹ دھرمی اور بے جا طرف داری ہے۔ تو ہم جواب دیں گے کہ ہم نے اس کے معجز نما ہونے کے دو طریقے بیان کر کے دوسرے طریقہ کو اسی لئے پسند کیا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ اگر یہ چھوٹی سورتیں بھی فصاحت و بلاغت میں اسی پایہ کی ہیں کہ وہ معجزہ کہی جاسکیں اور انکار تعارض ممکن نہ ہو تو مقصود حاصل ہو گیا اور اگر یہ سورتیں ایسی نہیں تو بھی ہمارا مقصود حاصل ہے اس لئے کہ ان جیسی سورتوں کو بنانے کی انسانی قدرت ہونے پر بھی سخت دشمنی اور زبردست کوششوں کے باوجود نام نہاں اس بات کی صاف دلیل ہے کہ یہ قرآن مع اپنی چھوٹی چھوٹی سورتوں کے سراسر معجزہ ہے۔ یہ تو ہے کلام رازی کا لیکن صحیح قول یہ ہے کہ قرآن پاک کی ہر بڑی چھوٹی سورت فی الواقع معجزہ ہے اور انسان اس کی مانند بنانے

سے محض عاجز اور بالکل بے بس ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر لوگ غور و تدبر سے عقل و ہوش سے سورہ العصر کو سمجھ لیں تو انتہائی کافی ہے۔ حضرت عمر دین عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب وفد میں شامل مسیلہ کذاب کے پاس گئے (تب یہ خود بھی مسلمان نہیں ہوئے تھے) تو مسیلہ نے ان سے پوچھا کہ تم مکہ سے آرہے ہو نہ تازہ تو آج کل کوئی تازہ وحی بھی نازل ہوئی ہے؟ انہوں نے کہا ابھی ابھی ایک مختصری سورت نازل ہوئی ہے جو بے حد فصیح و بلیغ اور جامع اور مانع ہے۔

پھر سورہ العصر پڑھ کر سنائی تو مسیلہ نے کچھ دیر سوچ کر اس کے مقابلہ میں کہا مجھ پر بھی ایک ایسی ہی سورت نازل ہوئی ہے انہوں نے کہا ہاں تم بھی سناؤ تو اس نے کہا یَا وَبَرِّ یَا وَبَرِّ اِنَّمَا اَنْتَ اُذُنَانِ وَصَدْرٌ وَسَآءَ لِرُکِّ حَقَرٌ فَقَرِّ لَیْنِ اے جنگلی چوہے اے جنگلی چوہے تیرا جو دسوائے دو کانوں اور سینے کے اور کچھ بھی نہیں۔ باقی تو سراسر بالکل ناچیز ہے۔ پھر فرخیر نے کہنے لگا کہو اے عمر کیسی کہی؟ انہوں نے کہا مجھ سے کیا پوچھتے ہو۔ تو خود جانتا ہے کہ یہ سراسر کذب و بہتان ہے۔ بھلا کہاں یہ فضول کلام اور کہاں حکمتوں سے بھرپور وہ کلام؟

وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ
تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ كُلَّمَا رُزِقُوا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِزْقًا قَالُوا
هَذَا الَّذِي رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ وَأُتُوا بِهِ مُتَشَابِهًا وَلَهُمْ فِيهَا
أَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَهُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۲۵﴾

ایمانداروں اور نیک عمل کرنے والوں کو ان جنتوں کی خوشخبریاں دو جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔ جب کبھی پھلوں کی روزیاں دیئے جائیں گے تو کہیں گے یہ وہی ہے جو ہم اس سے پہلے دیئے گئے تھے اور ہم مشکل لائے جائیں گے اور ان کے لئے بیویاں ہیں صاف ستھری اور وہ ان جنتوں میں ہمیشہ رہنے والی ہیں ○

اعمال وجہ بشارت: ☆ ☆ (آیت ۲۵) چونکہ پہلے کافروں اور دشمنان دین کی سزا عذاب اور رسوائی کا ذکر ہوا تھا اس لئے یہاں ایمانداروں اور نیک صالح لوگوں کی جزا ثواب اور سرخروئی کا بیان کیا گیا ہے۔ قرآن کے مثانی ہونے کے ایک معنی یہ بھی ہیں جو صحیح تر قول بھی ہے کہ اس میں ہر مضمون تقابلی جائزہ کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ اس کا مفصل بیان بھی کسی مناسب جگہ آئے گا۔ مطلب یہ ہے کہ ایمان کے ساتھ ہی کفر کا کفر کے ساتھ ایمان کا نیکوں کے ساتھ بدوں کا اور بدوں کے ساتھ نیکوں کا ذکر ضرور آتا ہے۔ جس چیز کا بیان ہوتا ہے اس کے مقابلہ کی چیز کا بھی ذکر کر دیا جاتا ہے چاہے معنی میں مُتَشَابِه ہوں یہ دونوں لفظ قرآن کے اوصاف میں وارد ہوئے ہیں۔ اسے مثانی بھی کہا گیا ہے اور متشابہ بھی فرمایا گیا ہے۔ جنتوں میں نہریں بہنا اس کے درختوں اور بالاحانوں کے نیچے بہنا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ نہریں بہتی ہیں لیکن گڑھائیں اور حدیث میں ہے کہ نہر کوثر کے دونوں کنارے سچے موتیوں کے قبے ہیں۔ اس کی مٹی مشک خالص ہے اور اس کی کنکریاں لولو اور جواہر ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہمیں بھی یہ نعمتیں عطا فرمائے۔ وہ احسان کرنے والا اور بڑا رحیم ہے۔

حدیث میں ہے جنت کی نہریں مشکي پہاڑوں کے نیچے سے جاری ہوتی ہیں (ابن ابی حاتم) حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی یہ مروی ہے جنتیوں کا یہ قول کہ پہلے بھی ہم کو یہ میوے دیئے گئے تھے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ دنیا میں بھی یہ میوے ہمیں ملے تھے صحابہؓ اور

ابن جریرؒ نے بھی اس کی تائید کی ہے۔ بعض کہتے ہیں مطلب یہ ہے کہ ہم اس سے پہلے یعنی کل بھی یہی دیئے گئے تھے۔ یہ اس لئے کہیں گے کہ ظاہری صورت و شکل میں وہ بالکل مشابہ ہوں گے۔ یحییٰ بن کثیرؒ کہتے ہیں کہ ایک پیالہ آئے گا۔ کھائیں گے۔ پھر دوسرا آئے گا تو کہیں گے یہ تو ابھی کھایا ہے۔ فرشتے کہیں گے۔ کھائیے تو۔ اگرچہ صورت و شکل میں یکساں ہیں لیکن مزہ اور ہے۔ فرماتے ہیں جنت کی گھاس زعفران ہے۔ اس کے نیلے مشک کے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے خوبصورت غلمان ادھر ادھر سے میوے لالا کر پیش کر رہے ہیں وہ کھا رہے ہیں۔ وہ پھر پیش کرتے ہیں تو یہ کہتے ہیں اسے تو ابھی کھایا ہے۔ وہ جواب دیتے ہیں حضرت رنگ روپ ایک ہے لیکن ذائقہ اور ہی ہے چمک کر دیکھئے۔ کھاتے ہیں تو اور ہی لطف پاتے ہیں۔ یہی معنی ہیں کہ ہم شکل لائے جائیں گے۔ دنیا کے میووں سے بھی اور نام شکل اور صورت میں بھی ملتے جلتے ہوں گے لیکن مزہ کچھ دوسرا ہی ہوگا۔

حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ صرف نام میں مشابہت ہے ورنہ کہاں یہاں کی چیز کہاں وہاں کی؟ یہاں تو فقط نام ہی ہے عبدالرحمنؓ کا قول ہے دنیا کے پھلوں جیسے پھل دیکھ کر کہہ دیں گے کہ یہ تو دنیا میں کھا چکے ہیں مگر جب چکھیں گے تولذت کچھ اور ہی ہوگی۔ وہاں جو بیویاں انہیں ملیں گی وہ گندگی ناپاکی، حیض و نفاس، پیشاب، پاخانہ، تھوک، رینٹ، منی وغیرہ سے پاک صاف ہوں گی۔ حضرت حوا علیہا السلام بھی حیض سے پاک تھیں لیکن نافرمانی سرزد ہوتی ہی یہ بلا آگئی۔ یہ قول سنداً غریب ہے۔ ایک غریب مرفوع حدیث میں ہے کہ حیض پاخانہ تھوک رینٹ سے وہ پاک ہیں۔ اس حدیث کے راوی عبدالرزاق بن عمر بزمی ہیں۔ مستدرک حاکم میں بیان کیا جنہیں ابو حاتم البستی نے احتجاج کے قابل نہیں سمجھا۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مرفوع حدیث نہیں بلکہ حضرت قتادہ کا قول ہے۔ واللہ اعلم۔ ان تمام نعمتوں کے ساتھ اس زبردست نعمت کو دیکھئے کہ نہ یہ نعمتیں فنا ہوں نہ نعمتوں والے فنا ہوں۔ نہ نعمتیں ان سے چھینیں۔ نہ یہ نعمتوں سے الگ کئے جائیں۔ نہ موت ہے نہ خاتمہ ہے نہ آخر ہے نہ ٹوٹنا اور کم ہونا ہے۔ اللہ رب العالمین جو اود کریم بردرجم سے التجا ہے کہ وہ مالک ہمیں بھی اہل جنت کے زمرے میں شامل کرے اور انہی کے ساتھ ہمارا حشر کرے۔ آمین۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيِي أَنْ يَضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوضَةً فَمَا فَوْقَهَا
فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ وَأَمَّا الَّذِينَ
كَفَرُوا فَيَقُولُونَ مَاذَا أَرَادَ اللَّهُ بِهَذَا مَثَلًا يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا
وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ ۝ الَّذِينَ
يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ
اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوَصَّلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ۝

یقیناً اللہ تعالیٰ کسی مثال کے بیان کرنے سے نہیں شرماتا خواہ پھر کی ہو یا اس سے بھی ہلکی چیز کی۔ ایماندار تو اسے اپنے رب کی جانب سے صحیح سمجھتے ہیں اور کفار کہتے ہیں کہ اس مثال سے اللہ نے کیا مراد لی ہے۔ اسی کے ساتھ یہ بتوں کو گمراہ کرتا ہے اور اکثر لوگوں کو راہ راست پر لاتا ہے اور گمراہ تو صرف فاسقوں کو ہی کرتا ہے جو لوگ اللہ تعالیٰ کے مضبوط عہد کو توڑ دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کے جوڑنے کا حکم دیا ہے انہیں توڑتے ہیں اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں۔ یہی لوگ

اللہ جل شانہ کی مثالیں اور دنیا ☆☆ (آیت: ۲۶-۲۷) ابن عباس، ابن مسعود اور چند اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ جب اوپر کی تین آیتوں میں منافقوں کی دو مثالیں بیان ہوئیں یعنی آگ کی اور پانی کی تو وہ کہنے لگے کہ ایسی ایسی چھوٹی مثالیں اللہ تعالیٰ ہرگز بیان نہیں کرتا۔ اس پر یہ دونوں آیتیں نازل ہوئیں۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب قرآن پاک میں کڑی اور مکھی کی مثال بیان ہوئی تو مشرک کہنے لگے، بھلا ایسی حقیر چیزوں کے بیان کی قرآن جیسی اللہ کی کتاب میں کیا ضرورت؟ تو جواباً یہ آیتیں اتریں اور کہا گیا کہ حق کے بیان سے اللہ تعالیٰ نہیں شرماتا خواہ وہ کم ہو یا زیادہ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت مکہ میں اتری حالانکہ ایسا نہیں۔ واللہ اعلم۔ اور بزرگوں سے بھی اس طرح کا شان نزول مروی ہے۔

ربیع بن انسؓ فرماتے ہیں یہ خود ایک مستقل مثال ہے جو دنیا کے بارے میں بیان کی گئی۔ مچھر جس وقت بھوکا ہوتا ہے زندہ رہتا ہے۔ جہاں موٹا تازہ ہوا مرا۔ اسی طرح یہ لوگ ہیں کہ جب دنیاوی نعمتیں دل کھول کر حاصل کر لیتے ہیں وہیں اللہ کی پکڑ آ جاتی ہے جیسے اور جگہ فرمایا فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ اتَّخَذَ اللَّهُ جُنُودًا لَّهُمْ فَهَزَمُوهُمُ ذَرْوًا سَدًّا وَلَمْ يَجْعَلْ لَهُمْ فِيهِ مَوْجِبَ عَمَلٍ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ۔ الخ جب یہ ہماری نصیحت بھول جاتے ہیں تو ہم ان پر تمام چیزوں کے دروازے کھول دیتے ہیں یہاں تک کہ اترانے لگتے ہیں اب دفعۃً ہم انہیں پکڑ لیتے ہیں (ابن جریر ابن ابی حاتم) امام ابن جریرؒ نے پہلے قول کو پسند فرمایا ہے اور مناسبت بھی اسی کی زیادہ اچھی معلوم ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔ تو مطلب یہ ہوا کہ مثال چھوٹی سے چھوٹی ہو یا بڑی سے بڑی بیان کرنے سے اللہ تعالیٰ نہ رکتا ہے نہ جھجھکتا ہے۔ لفظ ما یہاں پر کی کے معنی بتانے کے لئے ہے اور بَعُوْضَهُ کا زبر بدلیت کی بنا پر عربی قاعدے کے مطابق ہے جو ادنیٰ سے ادنیٰ چیز پر صادق آ سکتا ہے یا ”ما“ مکرہ موصوفہ ہے اور ”بَعُوْضَهُ“ صفت ہے۔ ابن جریرؒ ”ما“ کا موصولہ ہونا اور ”بَعُوْضَهُ“ کا اسی اعراب سے معرب ہونا پسند فرماتے ہیں اور کلام عرب میں یہ بکثرت رائج ہے کہ وہ ما اور من کے صلہ کو انہی دونوں کا اعراب دیا کرتے ہیں اس لئے کہ کبھی یہ مکرہ ہوتے ہیں اور کبھی معرفہ جیسے حسان بن ثابت کے شعروں میں ہے۔

يَكْفِيٰ بِنَا فَضْلًا عَلٰی مَنْ غَيْرِنَا حَبِ النَّبِيِّ مُحَمَّدٍ اَيَانَا

ہمیں غیروں پر صرف یہی فضیلت کافی ہے کہ ہمارے دل حب نبیؐ سے پر ہیں۔

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ”بَعُوْضَهُ“ منصوب ہو حذف جار کی بنا پر اور اس سے پہلے اور بین کا لفظ مقدر مانا جائے۔ کسائی اور قرعاء اسی کو پسند کرتے ہیں۔ ضحاکؒ اور ابراہیم بن عبد اللہ ”بَعُوْضَهُ“ پڑھتے ہیں۔ ابن حصیؒ کہتے ہیں یہ ”ما“ کا صلہ ہوگا اور عائد حذف مانی جائے گی جیسے تَمَامًا عَلٰی الَّذِيْ اَحْسَنَ فِيْهَا فَوْقَهَا کے دو معنی بیان کئے ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس سے بھی ہلکی اور ردی چیز۔ جیسے کسی شخص کی نجلی کا ایک شخص ذکر کرے تو دوسرا کہتا ہے وہ اس سے بھی بڑھ کر ہے تو مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ اس سے بھی زیادہ گرا ہوا ہے۔ کسائی اور ابو عبیدہؒ بھی کہتے ہیں۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ اگر دنیا کی قدر اللہ کے نزدیک ایک مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو کسی کا فر کو ایک گھونٹ پانی بھی نہیں پلاتا۔ دوسرے یہ معنی ہیں کہ اس سے زیادہ بڑی اس لئے کہ بھلا مچھر سے ہلکی اور چھوٹی چیز اور کیا ہوگی؟ قتادہؒ بن وعامہ کا یہی قول ہے۔ ابن جریرؒ بھی اسی کو پسند فرماتے ہیں۔ صحیح مسلم میں حدیث ہے کہ جس کسی مسلمان کو کاٹنا چھپے یا اس سے زیادہ تو اس پر بھی اس کے درجے بڑھتے ہیں اور گناہ مٹتے ہیں۔ اس حدیث میں بھی یہی لفظ فَوْقَهَا ہے تو مطلب یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ ان چھوٹی بڑی چیزوں کے پیدا کرنے سے شرماتا نہیں اور نہ رکتا ہے۔ اسی طرح انہیں مثال کے طور پر بیان کرنے سے بھی اسے عار نہیں۔ ایک جگہ قرآن میں کہا گیا ہے کہ اے لوگو ایک مثال بیان کی جاتی ہے۔ کان لگا کر سنو۔ جنہیں اللہ کے سوا پکار سکتے ہو وہ سارے کے سارے جمع ہو جائیں تو بھی ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے بلکہ مکھی اگر ان سے کچھ چھین لے جائے تو یہ اس سے واپس نہیں لے سکتے۔ عابد اور معبود دونوں ہی بے حد کمزور ہیں۔

دوسری جگہ فرمایا، ان لوگوں کی مثال جو اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کو مددگار بناتے ہیں، مکاری کے جالے جیسی ہے جس کا گھر تمام گھروں سے زیادہ بودا اور کمزور ہے۔ دوسری جگہ فرمایا، اللہ تعالیٰ نے مکہ طیبہ کی مثال پاک درخت سے دی جس کی جڑ مضبوط ہو اور جس کی شاخیں آسمان میں ہوں جو بحکم اللہ ہر وقت پھل دیتا ہوں۔ ان مثالوں کو اللہ تعالیٰ لوگوں کے غور و تدبر کے لئے بیان فرماتا ہے اور ناپاک کلام کی مثال ناپاک درخت جیسی ہے جو زمین کے اوپر اور پر ہی ہو اور جڑیں مضبوط نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو مضبوط بات کے ساتھ دنیا اور آخرت میں برقرار رکھتا ہے اور ظالموں کو گمراہ کرتا ہے اللہ جو چاہے کرے۔ دوسری جگہ فرمایا، اللہ تعالیٰ اس مملوک غلام کی مثال پیش کرتا ہے جسے کسی چیز پر اختیار نہیں۔ اور جگہ فرمایا۔ دو شخصوں کی مثال اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے جن میں سے ایک تو گونا گونا اور بالکل گرا پڑا بے طاقت ہے جو اپنے آقا پر بوجھ ہے۔ جہاں جائے برائی ہی لے کر آئے اور دوسرا وہ جو عدل و حق کا حکم کرے، کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ دوسری جگہ ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لئے خود تمہاری مثال بیان فرماتا ہے۔ کیا تم اپنی چیزوں میں اپنے غلاموں کو بھی اپنا شریک اور برابر کا حصہ دار سمجھتے ہو؟ اور جگہ ارشاد ہے، اس شخص کی مثال اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے جس کے بہت سے برابر کے شریک ہوں۔ اور جگہ ارشاد ہے ان مثالوں کو ہم لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں اور انہیں (پوری طرح) صرف علم والے ہی سمجھتے ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سی مثالیں قرآن پاک میں بیان ہوئی ہیں۔ بعض سلف صالحین فرماتے ہیں: جب میں قرآن کی کسی مثال کو سنتا ہوں اور سمجھ نہیں سکتا تو مجھے رونا آتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمادیا ہے کہ ان مثالوں کو صرف عالم ہی سمجھ سکتے ہیں۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں، مثالیں خواہ چھوٹی ہوں خواہ بڑی، ایمانداران پر ایمان لاتے ہیں اور انہیں حق جانتے ہیں اور ان سے ہدایت پاتے ہیں۔ قتادہ کا قول ہے کہ وہ انہیں اللہ کا کلام سمجھتے ہیں۔ ”انہ“ کی ضمیر کا مرجع مثال ہے یعنی مومن اس مثال کو اللہ کی جانب سے اور حق سمجھتے ہیں اور کافر بائیں بناتے ہیں جیسے سورہ مدثر میں ہے وَمَا جَعَلْنَا أَصْحَابَ النَّارِ لُحُومًا لِّمَنْ يَأْكُلُ لَحْمَهَا وَلَافِرْشَتُوهَا وَاللَّهُ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَاللَّهُ عَلِيمٌ ذَكِيمٌ۔ ہم نے آگ والے فرشتوں کی کتھی کو کفار کی آزمائش کا سبب بنایا ہے۔ اہل کتاب یقین کرتے ہیں۔ ایماندار ایمان میں بڑھ جاتے ہیں۔ ان دونوں جماعتوں کو کوئی شک نہیں رہتا لیکن بیمار دل اور کفار کہہ اٹھتے ہیں کہ اس مثال سے کیا مراد؟ اسی طرح اللہ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ تیرے رب کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ یہاں بھی اسی ہدایت و ضلالت کو بیان کیا۔

ایک ہی مثال کے دو رد عمل کیوں؟ ☆☆ صحابہ کرامؓ سے مروی ہے کہ اس سے گمراہ منافق ہوتے ہیں اور مومن راہ پاتے ہیں۔ گمراہ اپنی گمراہی میں بڑھ جاتے ہیں کیونکہ اس مثال کے درست اور صحیح ہونے کا علم ہونے کے باوجود اسے جھٹلاتے ہیں اور مومن اقرار کر کے ہدایت و ایمان کو بڑھالیتے ہیں۔ فَبَسِّقُفْنِ سے مراد منافق ہیں۔ بعض نے کہا ہے کافر مراد ہیں جو پہچانتے ہیں اور انکار کرتے ہیں۔ حضرت سعدؓ کہتے ہیں مراد خوارج ہیں۔ اگر اس قول کی سند حضرت سعد بن ابی وقاصؓ تک صحیح ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ یہ تفسیر معنوی ہے۔ اس سے مراد خوارج نہیں ہیں بلکہ یہ ہے کہ یہ فرقہ بھی فاسقوں میں داخل ہے جنہوں نے نہروان میں حضرت علیؓ پر چڑھائی کی تھی تو یہ لوگ گنزدل آیت کے وقت موجود نہ تھے لیکن اپنے بدترین وصف کی وجہ سے معنا فاسقوں میں داخل ہیں۔ انہیں خارجی اس لئے کہا گیا ہے کہ امام کی اطاعت سے نکل گئے تھے اور شریعت اسلام کی پابندی سے آزاد ہو گئے تھے۔ لغت میں فاسق کہتے ہیں اطاعت اور فرمانبرداری سے نکل جانے کو۔ جب چھلکا ہٹا کر خوشہ لگتا ہے تو عرب کہتے ہیں فَسَقْتُ۔ چوہے کو بھی فَوَيْسَقَهُ کہتے ہیں کیونکہ وہ اپنے بل سے نکل کر فساد کرتا ہے۔

صحیحین کی حدیث ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، پانچ جانور فاسق ہیں حرم میں اور حرم کے باہر قتل کر دیئے جائیں۔ کو، چیل، بچھو، چوہا اور کالا کتا۔ پس لفظ فاسق کافر کو اور ہر نافرمان کو شامل ہے لیکن کافر کا فسق زیادہ سخت اور زیادہ برا ہے اور آیت میں مراد فاسق سے کافر ہے۔ واللہ اعلم۔ اس کی بڑی دلیل یہ ہے کہ بعد میں ان کا وصف یہ بیان فرمایا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا عہد توڑتے ہیں۔ اس کے فرمان کا نٹتے ہیں اور

ابو العالیہؒ فرماتے ہیں: عہد ربانی کو توڑنا منافقوں کا کام ہے جن میں یہ چھ خصلتیں ہوتی ہیں۔ بات کرنے میں جھوٹ بولنا، وعدہ خلافی کرنا، امانت میں خیانت کرنا، اللہ کے عہد کو مضبوطی کے بعد توڑ دینا، اللہ تعالیٰ نے جن رشتوں کے ملانے کا حکم دیا ہے انہیں نہ ملانا، زمین میں فساد پھیلانا۔ یہ چھ خصلتیں ان کی اس وقت ظاہر ہوتی ہیں جب کہ ان کا غلبہ ہو اور جب وہ مغلوب ہوتے ہیں تو تین اگلے کام کرتے ہیں۔

سدیٰؒ فرماتے ہیں: قرآن کے احکام کو پڑھنا، جاننا سچ کہنا، پھر نہ ماننا بھی عہد کو توڑنا تھا، اللہ تعالیٰ نے جن کاموں کے جوڑنے کا حکم دیا ہے ان سے مراد صلہ رحمی کرنا، قرابت کے حقوق ادا کرنا وغیرہ ہے جیسے اور جگہ قرآن مجید میں ہے فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوا فِي الْاَرْضِ وَتَقَطَّعُوا اَرْحَامَكُمْ قریب ہے کہ تم اگر لوگوں کو زمین میں فساد کرو اور رشتے ناتے توڑ دو۔ ابن جریرؒ اسی کو ترجیح دیتے ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آیت عام ہے یعنی جسے ملانے اور ادا کرنے کا حکم دیا تھا، انہوں نے اسے توڑا اور حکم عدولی کی۔ خاسرون سے مراد آخرت

میں نقصان اٹھانے والے ہیں جیسے فرمان باری ہے اُولَئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوءُ الدَّارِ ان لوگوں کے لئے لعنت ہے اور ان کے لئے برا گھر ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ہے کہ اہل اسلام کے سوا جہاں دوسروں کے لئے یہ لفظ آیا ہے وہاں مراد گنہگار ہیں۔ خاصرون جمع ہے خاسر کی۔ چونکہ ان لوگوں نے نفسانی خواہشوں اور دنیوی لذتوں میں پڑ کر رحمت الہی سے علیحدگی کر لی اس لئے انہیں نقصان یافتہ کہا گیا جیسے وہ شخص جسے اپنی تجارت میں گھانا آئے۔ اسی طرح یہ کافر و منافق ہیں یعنی قیامت والے دن جب رحم و کرم کی بہت ہی حاجت ہوگی اس دن رحمت الہی سے محروم رہ جائیں گے۔

كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۲۸﴾

تم اللہ کے ساتھ کیسے کفر کرتے ہو حالانکہ تم مردہ تھے۔ اس نے تمہیں زندہ کیا پھر تمہیں مار ڈالے گا پھر زندہ کرے گا پھر اسی کی طرف لوٹا کر لائے جاؤ گے

ٹھوس دلائل پر مبنی دعوت: ☆ ☆ (آیت: ۲۸) اس بات کا ثبوت دیتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ موجود ہے وہ قدرتوں والا ہے وہی پیدا کرنے والا اور اختیار والا ہے۔ اس آیت میں فرمایا تم اللہ تعالیٰ کے وجود سے انکار کیسے کر سکتے ہو؟ یا اس کے ساتھ دوسرے کو عبادت میں شریک کیسے کر سکتے ہو؟ جبکہ تمہیں عدم سے وجود میں لانے والا ایک وہی ہے۔ دوسری جگہ فرمایا کیا یہ بغیر کسی چیز کے پیدا کئے گئے؟ یا یہ خود پیدا کرنے والے ہیں؟ انہوں نے زمین و آسمان بھی پیدا کیا ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ یہ بے یقین لوگ ہیں۔ اور جگہ ارشاد ہوتا ہے هَلْ اَنَّىٰ عَلٰى الْاِنْسَانِ حِينٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُورًا یقیناً انسان پر وہ زمانہ بھی آیا ہے جس وقت یہ قابل ذکر چیز ہی نہ تھا۔ اور بھی اس طرح کی بہت سی آیتیں ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کفار جو کہیں گے رَبَّنَا اَمَتْنَا اِنَّتَنِيْ اِلٰہِ اللہ و دفعہ تو نے ہمیں مارا اور دفعہ جلایا۔ ہمیں اپنے گناہوں کا اقرار ہے۔ اس سے مراد یہی ہے جو اس آیت وَ كُنْتُمْ اَمْوَاتًا اِنَّا اَحْيَاکُمْ ثُمَّ یُمِيتُکُمْ میں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تم اپنے باپوں کی پیٹھ میں مردہ تھے یعنی کچھ بھی نہ تھے۔ اس نے تمہیں زندہ کیا یعنی پیدا کیا پھر تمہیں مارے گا یعنی موت ایک روز ضرور آئے گی۔ پھر تمہیں قبروں سے اٹھائے گا۔ پس ایک حالت مردہ پن کی دنیا میں آنے سے پہلے پھر دوسری دنیا میں مرنے اور قبروں کی طرف جانے کی پھر قیامت کے روز اٹھ کھڑے ہونے کی۔ دوزندگیاں اور دوزموتیں۔ ابوصالحؒ فرماتے ہیں کہ قبر میں انسان کو زندہ کر دیا جاتا ہے۔ عبدالرحمن بن زید کا بیان ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی پیٹھ میں انہیں پیدا کیا پھر ان سے عہد و پیمان لے کر بے جان کر دیا۔ پھر ماں کے پیٹ میں انہیں پیدا کیا۔ پھر دنیوی موت ان پر آئی۔ پھر قیامت والے دن انہیں زندہ کرے گا لیکن یہ قول غریب ہے۔ پہلا قول ہی درست ہے۔ ابن مسعودؓ ابن عباسؓ اور تابعینؓ کی ایک جماعت کا یہی قول ہے۔

قرآن میں اور جگہ ہے قُلِ اللّٰهُ يُحْيِیْکُمْ ثُمَّ یُمِيتُکُمْ ثُمَّ یَجْمَعُکُمْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَمَةِ اِن اللہ ہی تمہیں پیدا کرتا ہے پھر مارتا ہے پھر تمہیں قیامت کے دن جمع کرے گا۔ ان پتھروں اور تصویروں کو جنہیں مشرکین پوجتے تھے قرآن نے مردہ کہا۔ فرمایا اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَاءٍ وہ سب مردہ ہیں زندہ نہیں۔ زمین کے بارے میں فرمایا وَ اَیَّۃٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الَّتِیْ نَمِيتُہَا اِن کے لئے مردہ زمین بھی ہماری صداقت کی نشانی ہے جسے ہم زندہ کرتے ہیں اور اس سے دانے نکالتے ہیں جسے یہ کھاتے ہیں۔

هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ فَسَوَّاهُنَّ سَبْعَ سَمَوَاتٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ٥١

وہی اللہ جس نے تمہارے لئے زمین کی کل چیزوں کو پیدا کیا پھر آسمان کی طرف قصد کیا اور ان ساتوں کو ٹھیک ٹھاک کیا اور وہ ہر چیز کو جانتا ہے ○

کچھ اور دلائل: ☆☆ (آیت ۲۹) اوپر کی آیات میں ان دلائل قدرت کا بیان تھا جو خود انسان کے اندر ہیں۔ اب اس مبارک آیت میں ان دلائل کا بیان ہو رہا ہے جو روزمرہ آنکھوں کے سامنے ہیں۔ ”استواء“ یہاں قصد کرے اور متوجہ ہونے کے معنی میں ہے اس لئے کہ اس کا صلا ”الی“ ہے۔ ”سَوَّاهُنَّ“ کے معنی درست کرنے اور ساتوں آسمان بنانے کے ہیں۔ سماء اسم جنس ہے۔ پھر بیان فرمایا کہ اس کا علم محیط کل ہے جیسے ارشاد ہے اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَہے علم ہو کیسے سکتا ہے جو خالق ہو؟ سورہ سجدہ کی آیت اَنْتُمْ لَتَكْفُرُوْنَ گویا اس آیت کی تفصیل ہے جس میں فرمایا ہے کیا تم اس اللہ کے ساتھ کفر کرتے ہو جس نے زمین کو صرف دودن میں پیدا کیا۔ تم اس کے لئے شریک ٹھہراتے ہو جو رب العالمین ہے۔ جس نے زمین میں مضبوط پہاڑ اوپر سے گاڑ دیے جس نے زمین میں برکتیں اور روزیاں رکھیں اور چاردن میں زمین کی سب چیزیں درست کر دیں۔ جس میں دریافت کرنے والوں کی تفسی ہے۔ پھر آسمانوں کی طرف متوجہ ہو کر جو دھویں کی شکل میں تھے فرمایا کہ اے زمینو اور آسمانو خوشی یا ناخوشی سے آؤ تو دونوں نے کہا باری تعالیٰ ہم تو برضا و خوشی حاضر ہیں۔ دودن میں ان ساتوں آسمانوں کو پورا کر دیا اور ہر آسمان میں اس کا کام بانٹ دیا اور دنیا کے آسمان کو ستاروں کے ساتھ مزین کر دیا اور انہیں (شیطانوں سے) بچاؤ کا سبب بنایا۔ یہ ہے اعجازہ اس اللہ کا جو بہت بڑا غالب اور بہت بڑے علم والا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ پہلے زمین پیدا کی۔ پھر ساتوں آسمان اور ہم دیکھتے ہیں کہ ہر عمارت کا یہی قاعدہ ہے کہ پہلے نیچے کا حصہ بنایا جائے پھر اوپر کا۔ مفسرین نے بھی اس کی تصریح کی ہے جس کا بیان بھی ابھی آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ لیکن یہ سمجھ لینا چاہئے کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے اَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمَ السَّمَاءِ الخ تمہاری پیدائش مشکل ہے یا آسمانوں کی؟ اللہ تعالیٰ نے اس کی خلا کو بلند کر کے انہیں ٹھیک ٹھاک کیا اور ان میں سے رات دن پیدا کیا۔ پھر اس کے بعد زمین پھیلائی۔ اس سے پانی اور چارہ نکالا اور پہاڑوں کو گاڑا جو سب تمہارے اور تمہارے جانوروں کے کام کی چیزیں ہیں۔ اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ زمین کی پیدائش آسمان کے بعد ہے تو بعض بزرگوں نے تو فرمایا ہے کہ مندرجہ بالا آیت میں ”ثُمَّ“ صرف عطف خبر کے لئے ہے۔ عطف فعل کے لئے نہیں یعنی یہ مطلب نہیں کہ زمین کے بعد آسمان کی پیدائش شروع کی بلکہ صرف خبر دینا مقصود ہے کہ آسمانوں کو بھی پیدا کیا اور زمینوں کو بھی۔ عرب شاعروں کے اشعار میں یہ موجود ہے کہ کہیں ”ثُمَّ“ صرف خبر کا خبر پر عطف ڈالنے کے لئے ہوتا ہے، تقدیم تاخیر مراد نہیں ہوتی۔ اور بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ آیت ”اَنْتُمْ“ میں آسمانوں کی پیدائش کے بعد زمین کا پھیلاؤ اور بچھانا وغیرہ بیان ہوا ہے نہ کہ پیدا کرنا۔ تو ٹھیک یہ ہے کہ پہلے زمین کو پیدا کیا، پھر آسمان کو پھر زمین کو ٹھیک ٹھاک کیا اس طرح دونوں آیتیں ایک دوسرے کے مخالف نہ رہیں گی۔ اس عیب سے اللہ کا کلام بالکل محفوظ ہے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہی معنی بیان فرمائے ہیں (یعنی پہلے زمین کی پیدائش پھر آسمانوں کی۔ البتہ زمین کی درستی وغیرہ یہ بعد کی چیز ہے) حضرت ابن مسعودؓ حضرت ابن عباسؓ اور دیگر صحابہؓ سے مروی ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا عرش پانی پر تھا اور کسی چیز کو پیدا نہیں کیا تھا۔ جب اور مخلوق کو پیدا کرنا چاہا تو پانی سے دھواں بلند کیا۔ وہ اونچا چڑھا اور اس سے آسمان بنائے پھر پانی خشک ہو گیا اور اس کی زمین بنائی۔ پھر اس کو الگ الگ کر کے سات زمینیں بنائیں۔ اتوار اور پیر کے دودن میں یہ ساتوں زمینیں بن گئیں۔ زمین مچھلی پر ہے اور مچھلی وہ ہے جس کا

صحیح مسلم اور نسائی میں حدیث میں ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑا اور فرمایا: منیٰ کو اللہ تعالیٰ نے ہفتہ والے دن پیدا کیا، پہاڑوں کو اتوار کے دن، درختوں کو پیر کے دن، براہیوں کو منگل کے دن، نور کو بدھ کے دن، جانوروں کو جمعرات کے دن، آدم کو جمعہ کے دن اور عصر کے بعد جمعہ کی آخری ساعت میں عصر کے بعد سے رات تک۔ یہ حدیث غرائب میں سے ہے۔ امام ابن مدینی، امام بخاری وغیرہ نے اس پر بحث کی ہے اور فرمایا ہے کہ کعب کا اپنا قول ہے اور حضرت ابو ہریرہؓ نے کعب کا یہ قول سنا ہے اور بعض راویوں نے اسے غلطی سے مرفوع حدیث قرار دے لیا ہے۔ امام بیہقی یہی کہتے ہیں۔

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً ۖ قَالُوا أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ۖ قَالَ إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝

جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں تو انہوں نے کہا 'ایسے شخص کو کیوں پیدا کرتا ہے جو زمین میں فساد کرے اور خون بہائے اور ہم تیری تسبیح و تحمید اور پاکیزگی بیان کرنے والے ہیں' اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے ○

خلافت آدم کا مفہوم: ☆ ☆ (آیت: ۳۰) اللہ تعالیٰ کے اس احسان کو دیکھو کہ اس نے آدم کو پیدا کرنے سے پہلے فرشتوں میں ان کا ذکر کیا جس کا بیان اس آیت میں ہے۔ فرماتا ہے کہ انے نبی تم یاد کرو اور اپنی امت کو یہ خبر پہنچاؤ۔ ابو عبیدہ تو کہتے ہیں کہ لفظ "اذ" یہاں زائد ہے لیکن ابن جریر وغیرہ مفسرین اس کی تردید کرتے ہیں۔ خَلِيفَہ سے مراد یہ ہے کہ ان کے یکے بعد دیگرے بعض کے بعض جانشین ہوں گے اور ایک زمانہ کے بعد دوسرے زمانہ میں یونہی صدیوں تک یہ سلسلہ رہے گا۔ جیسے اور جگہ ارشاد ہے هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُم خَلِيفَۃَ الْاَرْضِ دوسری جگہ فرمایا وَيَجْعَلْ لَكُمْ خُلَفَاءَ الْاَرْضِ یعنی تمہیں اس نے زمین کا خلیفہ بنا دیا اور ارشاد ہے کہ ان کے بعد ان کے خلیفہ یعنی جانشین برے لوگ ہوں گے۔ ایک شاذ قرات میں خَلِيفَۃً بھی ہے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ خلیفہ سے مراد صرف حضرت آدم ہیں لیکن اس بارے میں تفسیر رازی کے مفسر نے اختلاف کیا ہے۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مطلب نہیں۔ اس کی ایک دلیل تو فرشتوں کا یہ قول ہے کہ وہ زمین میں فساد کریں گے اور خون بہائیں گے تو ظاہر ہے کہ انہوں نے اولاد آدم کی نسبت یہ فرمایا تھا نہ کہ خاص حضرت آدم کی نسبت۔ یہ اور بات ہے کہ اس کا علم فرشتوں کو کیونکر ہوا؟ یا تو کسی خاص ذریعہ سے انہیں یہ معلوم ہوا یا بشری طبیعت کے اقتضا کو دیکھ کر انہوں نے یہ فیصلہ کیا ہوگا کیونکہ یہ فرمایا گیا تھا کہ اس کی پیدائش مٹی سے ہوگی یا لفظ خلیفہ کے مفہوم سے انہوں نے سمجھ لیا ہوگا کہ وہ فیصلے کرنے والا مظالم کی روک تھام کرنے والا اور حرام کاموں اور گناہوں کی باتوں سے روکنے والا ہوگا یا انہوں نے چونکہ پہلی مخلوق کو دیکھا تھا اسی پر اسے قیاس کیا ہوگا۔

یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ فرشتوں کی یہ عرض بطور اعتراض تھی نہ بنی آدم سے حسد کے طور پر تھی۔ جن لوگوں کا یہ خیال ہے وہ قطعی غلطی کر رہے ہیں۔ فرشتوں کی شان میں قرآن فرماتا ہے لَا يَسْبِقُونَهُ بِالْقَوْلِ ① یعنی جس بات کے دریافت کرنے کی انہیں اجازت نہ ہو اس میں وہ لب نہیں ہلاتے (اور یہ بھی ظاہر ہے کہ فرشتوں کی طبیعت حسد سے پاک ہے) بلکہ صحیح مطلب یہ ہے کہ یہ سوال صرف اس حکمت کے معلوم کرنے کے لئے اور اس راز کے ظاہر کرانے کے لئے تھا جو ان کی سمجھ سے بالاتر تھا۔ یہ تو جانتے تھے کہ اس مخلوق میں فساد کی لوگ بھی ہوں گے تو اب باادب سوال کیا کہ پروردگار ایسی مخلوق کے پیدا کرنے میں کوئی حکمت ہے؟ اگر عبادت مقصود ہے تو عبادت تو ہم کرتے ہی ہیں، تسبیح و تقدیس و تحمید ہر وقت ہماری زبانوں پر ہے اور پھر فساد وغیرہ سے پاک ہیں تو پھر اور مخلوق جن میں فساد اور خونی بھی ہوں گے کس مصلحت پر پیدا کی جا رہی ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے سوال کا جواب دیا کہ باوجود اس کے فساد کے، پھر بھی اسے جن مصلحتوں اور حکمتوں کی بنا پر میں پیدا کر رہا ہوں انہیں میں ہی جانتا ہوں، تمہارا علم ان تک نہیں پہنچ سکتا۔ میں جانتا ہوں کہ ان میں انبیاء اور رسول ہوں گے۔ ان میں صدیق اور شہید ہوں گے۔ ان میں عابد زائد اولیاء ابرار نیکوکار مقرب بارگاہ علماء صلحاء متقی پرہیزگار خوف الہی حب باری تعالیٰ رکھنے والے بھی ہوں گے۔ میرے احکام کی بسر و چشم تعمیل کرنے والے میرے نبیوں کے ارشاد پر لبیک پکارنے والے بھی ہوں گے۔ صحیحین کی حدیث میں ہے کہ دن کے فرشتے صبح صادق کے وقت آتے ہیں اور عصر کو چلے جاتے ہیں تب رات کے فرشتے آتے ہیں اور صبح کو جاتے

ہیں۔ آنے والے جب آتے ہیں تب بھی اور جب جاتے ہیں تب بھی صبح کی اور عصر کی نماز میں لوگوں کو پاتے ہیں اور دربار الہی میں پروردگار کے سوال کے جواب میں دونوں جماعتیں یہی کہتی ہیں کہ گئے تو نماز میں پایا اور آئے تو نماز میں چھوڑ کر آئے، یہی وہ مصلحت الہی ہے جسے فرشتوں کو بتایا گیا کہ میں جانتا ہوں اور تم نہیں جانتے۔ ان فرشتوں کو اسی چیز کو دیکھنے کے لئے بھیجا جاتا ہے اور دن کے اعمال رات سے پہلے اور رات کے دن سے پہلے الہ العالمین کی خدمت میں پیش کئے جاتے ہیں۔

غرض تفصیلی حکمت جو پیدائش انسان میں تھی اس کی نسبت فرمایا کہ یہ میرے مخصوص علم میں ہے۔ جو تمہیں معلوم نہیں بعض کہتے ہیں یہ جواب فرشتوں کے اس قول کا ہے کہ ہم تیری تسبیح وغیرہ کرتے رہتے ہیں تو انہیں فرمایا گیا کہ میں ہی جانتا ہوں تم جیسا سب کو یکساں سمجھتے ہو ایسا نہیں بلکہ تم میں ایک ابلیس بھی ہے۔ ایک تیسرا قول یہ ہے کہ فرشتوں کا یہ سب کہنا دراصل یہ مطلب رکھتا تھا کہ ہمیں زمین میں بسایا جائے تو جواباً کہا گیا کہ تمہاری آسمانوں میں رہنے کی مصلحت میں ہی جانتا ہوں اور مجھے علم ہے کہ تمہارے لائق جگہ یہی ہے۔ واللہ اعلم۔

حسن، قدادہ وغیرہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو خبر دی۔ سدی کہتے ہیں مشورہ لیا۔ لیکن اس کے معنی بھی خبر دینے کے ہو سکتے ہیں۔ اگر نہ ہوں تو پھر یہ بات بے وزن ہو جاتی ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب مکہ سے زمین پھیلانے اور بچھانے لگی تو بیت اللہ شریف کا طواف سب سے پہلے فرشتوں نے کیا اور زمین میں خلیفہ بنانے سے مراد مکہ میں خلیفہ بنانا ہے۔ یہ حدیث مرسل ہے۔ پھر اس میں ضعف ہے اور مد رج ہے یعنی زمین سے مراد مکہ لینا راوی کا اپنا خیال ہے۔ واللہ اعلم۔ بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ زمین سے ساری زمین مراد ہے۔ فرشتوں نے جب یہ سنا تو پوچھا تھا کہ وہ خلیفہ کیا ہوگا؟ اور جواب میں کہا گیا تھا کہ اس کی اولاد میں ایسے لوگ بھی ہوں گے جو زمین میں فساد کریں، حسد بغض کریں، قتل و خون کریں، ان میں وہ عدل و انصاف کرے گا اور میرے احکام جاری کرے گا تو اس سے مراد حضرت آدم ہیں۔ جو ان کے قائم مقام اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور مخلوق میں عدل و انصاف کرنے میں ہیں لیکن فساد پھیلانے اور خون بہانے والے خلیفہ نہیں۔ لیکن یہ یاد رہے کہ یہاں مراد خلافت سے ایک زمانہ جو دوسرے زمانہ کے بعد آتا ہے۔ خلیفہ فعیلہ کے وزن پر ہے۔ جب ایک کے بعد دوسرا اس کے قائم مقام ہو تو عرب کہتے ہیں خَلَفَ فُلَانًا فُلَانٌ شَخْصٌ کا خلیفہ ہوا جیسے قرآن میں ہے کہ ہم ان کے بعد تمہیں زمین کا خلیفہ بنا کر دیکھتے ہیں کہ تم کیسے عمل کرتے ہو اور اسی لئے سلطان اعظم کو خلیفہ کہتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ اگلے بادشاہ کا جانشین ہوتا ہے۔ محمد بن اسحاق کہتے ہیں مراد یہ ہے کہ زمین کا ساکن اس کی آبادی کرنے والا ہے۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں پہلے زمین میں جنات بستے تھے۔ انہوں نے اس میں فساد کیا اور خون بہایا اور قتل و غارت کیا۔ ابلیس کو بھیجا گیا اس نے اور اس کے ساتھیوں نے انہیں مار مار کر جزیروں اور پہاڑوں میں بھگا دیا پھر حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کر کے زمین میں بسایا تو گویا یہ ان پہلے والوں کے خلیفہ اور جانشین ہوئے۔ پس فرشتوں کے قول سے مراد اولاد آدم ہیں جس وقت ان سے کہا گیا کہ میں زمین کو اور اس میں بسنے والی مخلوق کو پیدا کرنا چاہتا ہوں۔ اس وقت زمین تھی لیکن اس میں آبادی نہ تھی۔ بعض صحابہؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں معلوم کرایا تھا کہ اولاد آدم ایسے ایسے کام کرے گی تو انہوں نے یہ پوچھا۔ اور یہ بھی مروی ہے کہ جنات کے فساد پر انہوں نے بنی آدم کے فساد کو قیاس کر کے یہ سوال کیا۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آدم علیہ السلام سے دو ہزار سال پہلے سے جنات زمین میں آباد تھے۔ ابوالعالیہ فرماتے ہیں فرشتے بدھ کے دن پیدا ہوئے اور جنات کو جمعرات کے دن پیدا کیا اور جمعہ کے دن آدم علیہ السلام پیدا ہوئے۔ حضرت حسن اور حضرت قدادہ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں خبر دی تھی کہ ابن آدم ایسا ایسا کریں گے اس بنا پر انہوں نے سوال کیا۔

ابو جعفر محمد بن علی فرماتے ہیں، بھل نامی ایک فرشتہ ہے جس کے ساتھی ہاروت ماروت تھے۔ اسے ہر دن تین مرتبہ لوح محفوظ پر نظر ڈالنے کی اجازت تھی۔ ایک مرتبہ اس نے آدم علیہ السلام کی پیدائش اور دیگر امور کا جب مطالعہ کیا تو چپکے سے اپنے ان دونوں ساتھیوں کو بھی خبر کر دی۔ اب جو اللہ تعالیٰ نے اپنا ارادہ ظاہر فرمایا تو ان دونوں نے یہ سوال کیا لیکن یہ روایت غریب ہے اور صحیح مان لینے پر بھی ممکن ہے کہ ابو جعفر نے اسے اہل کتاب یہود و نصاریٰ سے اخذ کیا ہو۔ بہر صورت یہ ایک واهی تو اہی روایت ہے اور قابل تردید ہے۔ واللہ اعلم۔ پھر اس روایت میں ہے کہ دو فرشتوں نے یہ سوال کیا۔ یہ قرآن کی روانی عبارت کے بھی خلاف ہے۔ یہ بھی روایت مروی ہے کہ یہ کہنے والے فرشتے دس ہزار تھے اور وہ سب کے سب جلادیئے گئے۔ یہ بھی بنی اسرائیلی روایت ہے اور بہت ہی غریب ہے۔ امام ابن جریر فرماتے ہیں اس سوال کی انہیں اجازت دی گئی تھی اور یہ بھی معلوم کر دیا گیا تھا کہ یہ مخلوق نافرمان بھی ہوگی، تو انہوں نے نہایت تعجب کے ساتھ مصلحت الہی معلوم کرنے کے لئے یہ سوال کیا، نہ کہ کوئی مشورہ دیا یا انکار کیا یا اعتراض کیا ہو۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب آدم علیہ السلام کی پیدائش شروع ہوئی تو فرشتوں نے کہا ناممکن ہے کہ کوئی مخلوق ہم سے زیادہ بزرگ اور عالم ہو تو اس پر یہ امتحان اللہ کی طرف سے آیا اور کوئی مخلوق امتحان سے نہیں چھوٹی۔ زمین اور آسمان پر بھی امتحان آیا تھا اور انہوں نے سرخم کر کے اطاعت الہی کے لئے آمادگی ظاہر کی۔ فرشتوں کی تسبیح و تقدیس سے مراد اللہ تبارک و تعالیٰ کی پاکی بیان کرنا، نماز پڑھنا، بے ادبی سے بچنا، بڑائی اور عظمت کرنا ہے۔ فرماں برداری کرنا، سُبُوْحٌ قُدُّوْسٌ وغیرہ پڑھنا ہے۔ قدس کے معنی پاک کے ہیں۔ پاک زمین کو مقدس کہتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ سے سوال ہوتا ہے کہ کونسا کلام افضل ہے۔ جواب دیتے ہیں، وہ جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں کے لئے پسند فرمایا ہے سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ^① (صحیح مسلم) حضور ﷺ نے معراج والی رات آسمانوں پر فرشتوں کی یہ تسبیح سنی سُبْحَانَ الْعَلِيِّ الْأَعْلَى سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى۔

خلیفہ کے فرائض اور خلافت کی نوعیت: ☆☆ امام قرطبیؒ وغیرہ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ خلیفہ کا مقرر کرنا واجب ہے تاکہ وہ لوگوں کے اختلافات کا فیصلہ کرے، ان کے جھگڑے چکائے، مظلوم کا بدلہ ظالم سے لے حدیس قائم کرے، برائیوں کے مرتکب لوگوں کو ڈانٹے، ڈپٹے وغیرہ۔ وہ بڑے بڑے کام جو بغیر امام کے انجام نہیں پاسکتے۔ چونکہ یہ کام واجب ہیں اور یہ بغیر امام کے پورے نہیں ہو سکتے اور جس چیز کے بغیر واجب پورا نہ ہو وہ بھی واجب ہو جاتی ہے پس خلیفہ کا مقرر کرنا واجب ثابت ہوا۔

امامت یا تو قرآن و حدیث کے ظاہری لفظوں سے ملے گی جیسے کہ اہل سنت کی ایک جماعت کا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت خیال ہے کہ ان کا نام حضورؐ نے خلافت کے لئے لیا تھا یا قرآن حدیث سے اس کی جانب اشارہ ہو۔ جیسے اہل سنت ہی کی دوسری جماعت کا خلیفہ اول کی بابت یہ خیال ہے کہ اشارۃً ان کا ذکر حضور ﷺ نے خلافت کے لئے کیا ہے۔ یا ایک خلیفہ اپنے بعد دوسرے کو نامزد کر جائے جیسے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا جانشین مقرر کر دیا تھا۔ یا وہ صالح لوگوں کی ایک کمیٹی بنا کر انتخاب کا کام ان کے سپرد کر جائے جیسے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا تھا یا اہل حل و عقد (یعنی بااثر سرداران لشکر علماء و صلحاء وغیرہ) اس کی بیعت پر اجماع کر لیں یا ان میں سے کوئی اس کی بیعت کر لے تو جمہور کے نزدیک اس کا لازم پکڑنا واجب ہو جائے گا۔ امام الحرمینؒ نے اس پر اجماع نقل کیا ہے واللہ اعلم۔ یا کوئی شخص لوگوں کو بزور و جبر اپنی ماتحتی پر بے بس کر دے تو بھی واجب ہو جاتا ہے کہ اس کے ہاتھ پر بیعت کر لیں تاکہ جھوٹ اور اختلاف نہ پھیلے۔

امام شافعیؒ نے صاف لفظوں میں فیصلہ کیا ہے۔ اس بیعت کے وقت گواہوں کی موجودگی کے واجب ہونے میں اختلاف ہے۔ بعض

تو کہتے ہیں یہ شرط نہیں، بعض کہتے ہیں شرط ہے اور دو گواہ کافی ہیں۔ جبائی کہتا ہے بیعت کرنے والے اور جس کے ہاتھ پر بیعت ہو رہی ہے ان دونوں کے علاوہ چار گواہ چاہئیں جیسے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ نے شوری کے چھ ارکان مقرر کئے تھے پھر انہوں نے حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مختار کر دیا اور آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر باقی چاروں کی موجودگی میں بیعت کی لیکن اس استدلال میں اختلاف ہے۔ واللہ اعلم۔

امام کا مرد ہونا، آزاد ہونا، بالغ ہونا، عقلمند ہونا، مسلمان ہونا، عادل ہونا، مجتہد ہونا، آنکھوں والا ہونا، صحیح سالم اعضاء والا ہونا، فنون جنگ سے اور رائے سے خبردار ہونا، قریشی ہونا، واجب ہے اور یہی صحیح ہے۔ ہاں ہاشمی ہونا اور خطا سے معصوم ہونا شرط نہیں۔ یہ دونوں شرطیں تشدد رافضی لگاتے ہیں۔ امام اگر فاسق ہو جائے تو اسے معزول کر دینا چاہئے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے اور صحیح یہ ہے کہ معزول نہ کیا جائے کیونکہ حدیث میں آچکا ہے کہ جب تک ایسا کھلا کفر نہ دیکھ لو جس کے کفر ہونے کی ظاہر دلیل اللہ کی طرف سے تمہارے پاس ہو۔ اسی طرح خود امام اپنے آپ معزول ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اس میں بھی اختلاف ہے۔ حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود بخود آپ ہی معزول ہو گئے تھے اور امر امامت حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سونپ دیا تھا لیکن یہ عذر کے باعث تھا جس پر ان کی تعریف کی گئی ہے۔ روئے زمین پر ایک سے زیادہ امام ایک وقت میں نہیں ہو سکتے۔ آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے کہ جب تم میں اتفاق ہو اور کوئی اگر تم میں جدائی ڈالنی چاہے تو اسے قتل کر دو خواہ کوئی بھی ہو۔ جمہور کا یہی مذہب ہے اور بہت سے بزرگوں نے اس پر اجماع نقل کیا ہے جن میں سے ایک امام الحرمین ہیں۔ کرامیہ (شیعہ) کا قول ہے کہ دو اور زیادہ بھی ایک وقت میں امام ہو سکتے ہیں جیسے کہ حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما دونوں اطاعت کے لائق تھے۔ یہ گروہ کہتا ہے کہ جب ایک وقت میں دو دو اور زیادہ نبیوں کا ہونا جائز ہے تو اماموں کا ہونا جائز کیوں نہ ہو؟ نبوت کا مرتبہ تو یقیناً امامت کے مرتبے سے بہت زیادہ ہے (لیکن صحیح مسلم والی حدیث آپ ابھی اوپر پڑھ چکے ہیں کہ دوسرے کو قتل کر ڈالو۔ اس لئے صحیح مذہب وہی ہے جو پہلے بیان ہوا) امام الحرمینؑ نے استاذ ابواسحاق سے بھی حکایت کی ہے کہ وہ دو اور زیادہ اماموں کا مقرر کرنا اس وقت جائز جانے ہیں جب مسلمانوں کی سلطنت بہت بڑی وسیع ہو اور چاروں طرف پھیلی ہوئی ہو اور دو اماموں کے درمیان کئی ملکوں کا فاصلہ ہو۔ امام الحرمین اس میں تردد میں ہیں۔ خلفائے بنی عباس کا عراق میں اور خلفائے بنی فاطمہ کا مصر میں اور خاندان بنی امیہ کا مغرب میں میرے خیال سے یہی حال تھا۔ اس کی بسط و تفصیل ان شاء اللہ کتاب الاحکام کی کسی مناسب جگہ ہم کریں گے۔

وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلِكَةِ
فَقَالَ أَتَشْكُرُونَ بِأَسْمَاءٍ هَؤُلَاءِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۖ
سُبْحَنَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ۚ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ
الْحَكِيمُ ۖ قَالَ يَا آدَمُ أَنْبِئْهُمْ بِأَسْمَائِهِمْ فَلَمَّا أَنْبَأَهُمْ بِأَسْمَائِهِمْ
قَالَ أَلَمْ أَقُلْ لَكُمْ إِنِّي آعَلَمُ غَيْبَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ
وَأَعَلَمُ مَا تَبْدُونَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ ۖ

اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو تمام نام سکھا کر ان چیزوں کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور فرمایا اگر تم سچے ہو تو ان چیزوں کے نام بتاؤ۔ ان سب نے کہا 'اے اللہ تیری ذات پاک ہے' ○ ہمیں تو صرف اتنا ہی علم ہے جتنا تو نے ہمیں سکھا رکھا ہے۔ پورے علم و حکمت والا تو تو ہی ہے ○ اللہ تعالیٰ نے (حضرت) آدم (علیہ السلام) سے فرمایا تم ان کے نام بتاؤ۔ جب انہوں نے بتادیئے تو فرمایا 'کیا میں نے تمہیں (پہلے ہی سے) نہ کہا تھا کہ زمین اور آسمان کا غیب میں ہی جانتا ہوں اور میرے علم میں ہے جو تم ظاہر کر رہے ہو اور جو تم چھپاتے تھے ○

آدم علیہ السلام کی وجہ فضیلت: ☆ ☆ (آیت: ۳۱-۳۳) یہاں سے اس بات کا بیان ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک خاص علم میں حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں پر بھی فضیلت دی۔ یہ واقعہ فرشتوں کے سجدہ کرنے کے بعد کا ہے لیکن حکمت الہی جو آپ کے پیدا کرنے میں تھی اور جس کا علم فرشتوں کو نہ تھا اور اس کا اجمالی بیان اوپر کی آیت میں گذرا ہے اس کی مناسبت کی وجہ سے اس واقعہ کو پہلے بیان کیا اور فرشتوں کا سجدہ کرنا جو اس سے پہلے ہوا تھا بعد میں بیان کر دیا تاکہ خلیفہ کے پیدا کرنے کی مصلحت اور حکمت ظاہر ہو جائے اور یہ معلوم ہو جائے کہ یہ شرافت اور فضیلت حضرت آدم کو ملی کہ انہیں وہ علم ہے جس سے یہ فرشتے خالی ہیں۔

فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو تمام نام بتائے یعنی ان کی تمام اولاد کے علاوہ سب جانوروں زمین آسمان پہاڑ تری خشکی گھوڑے گدھے برتن بھانڈے چرند فرشتے تارے وغیرہ تمام چھوٹی بڑی چیزوں کے نام بتائے گئے۔ امام ابن جریر فرماتے ہیں کہ فرشتوں اور انسانوں کے نام معلوم کرائے گئے تھے کیونکہ اس کے بعد عَرَضُهُمْ آتا ہے اور یہ ذی عقل لوگوں کے لئے آتا ہے۔ لیکن یہ کوئی ایسی معقول وجہ نہیں جہاں ذی عقل اور غیر ذی عقل جمع ہوتے ہیں وہاں جو لفظ لایا جاتا ہے وہ عقل و ہوش رکھنے والوں کے لئے ہی لایا جاتا ہے۔ جیسے قرآن میں ہے وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَابَّةٍ مِّنْ مَّاءٍ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی نے تمام جانوروں کو پانی سے پیدا کیا جن میں سے بعض تو پیٹ کے بل گھسٹتے ہیں بعض دو پیروں پر چلتے ہیں بعض چار پاؤں پر چلتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ پس اس آیت سے ظاہر ہے کہ غیر ذی عقل بھی داخل ہیں مگر صیغہ سب ذی عقل کے ہیں۔

علاوہ ازیں عَرَضُهُمْ بھی حضرت عبداللہ بن مسعود کی قرأت میں ہے اور حضرت ابی بن کعب کی قرأت میں عَرَضَهَا بھی ہے۔ صحیح قول یہی ہے کہ تمام چیزوں کے نام سکھائے تھے ذاتی نام بھی صفاتی نام بھی اور کاموں کے نام بھی جیسے کہ حضرت ابن عباس کا قول ہے کہ گوز کا نام تک بھی بتایا گیا تھا۔ صحیح بخاری کتاب التفسیر میں اس آیت کی تفسیر میں حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہ حدیث لائے ہیں۔

مسئلہ شفاعت: ☆ ☆ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ ایمان دار قیامت کے دن جمع ہوں گے اور کہیں گے کیا اچھا ہوگا اگر کسی کو ہم اپنا سفارشی بنا کر اللہ کے پاس بھیجیں چنانچہ یہ سب کے سب حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے۔ اور ان سے کہیں گے کہ آپ ہم سب کے باپ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اپنے فرشتوں سے آپ کو سجدہ کرایا آپ کو تمام چیزوں کے نام سکھائے۔ آپ اللہ تعالیٰ کے سامنے ہماری سفارش لے جائیں جو ہم اس سے راحت پائیں۔ حضرت آدم علیہ السلام یہ سن کر جواب دیں گے کہ میں اس قابل نہیں۔ انہیں اپنا گناہ یاد آ جائے گا۔ تم نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ وہ پہلے رسول ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے زمین والوں کی طرف بھیجا۔ سب لوگ یہ جواب سن کر حضرت نوح علیہ السلام کے پاس آئیں گے۔ آپ بھی یہی جواب دیں گے اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی مرضی کے خلاف اپنے بیٹے کے لئے اپنا دعا مانگنا یاد کر کے شرمائیں گے اور فرمائیں گے۔ تم خلیل الرحمن حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ یہ سب آپ کے پاس آئیں گے لیکن یہاں سے بھی یہی جواب پائیں گے۔ آپ فرمائیں گے تم موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ جن سے اللہ نے کلام کیا اور جنہیں تورات عنایت فرمائی۔ یہ سن کر سب کے سب حضرت موسیٰ کے پاس آئیں گے اور آپ سے بھی یہی درخواست کریں گے لیکن یہاں سے بھی جواب

زمین کی چھپی چیزوں کو نکالتا ہے اور جوتہارے ہر باطن اور ظاہر کو جانتا ہے، اللہ تعالیٰ اکیلا ہی معبود ہے اور وہی عرش عظیم کا رب ہے۔ جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو چھپاتے تھے، اسے بھی میں جانتا ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ ابلیس کے دل میں جو تکبر اور غرور تھا، اسے میں جانتا تھا۔

فرشتوں کا یہ کہنا کہ زمین میں ایسی شخصیت کو کیوں پیدا کرتا ہے جو خدا کرے اور خون بہائے، یہ تو وہ قول تھا جسے انہوں نے ظاہر کیا تھا اور جو چھپایا تھا وہ ابلیس کے دل میں غرور اور تکبر تھا۔ ابن عباس، ابن مسعود اور بعض صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اور مجاہد اور سدی اور ضحاک اور ثوری رحمہم اللہ علیہم کا یہی قول ہے۔ ابن جریرؒ بھی اسی کو پسند فرماتے ہیں اور ابو العالیہؒ ریح بن انسؒ حسنؒ اور قتادہؒ کا قول ہے کہ ان کی باطن بات ان کا یہ کہنا تھا کہ جس مخلوق کو بھی اللہ پیدا کرے گا، ہم اس سے زیادہ عالم اور زیادہ بزرگ ہوں گے لیکن بعد میں ثابت ہو گیا اور خود انہوں نے بھی جان لیا کہ آدم علیہ السلام کو علم اور فضیلت دونوں میں اس پر فوقیت حاصل ہے۔ حضرت عبدالرحمن بن زید بن اسلمؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا، جس طرح تم ان چیزوں کے ناموں سے بے خبر ہو اسی طرح تم یہ بھی نہیں جان سکتے کہ ان میں بھلے برے ہر طرح کے ہوں گے، فرمانبردار بھی ہوں گے اور نافرمان بھی۔ اور میں پہلے ہی لکھ چکا ہوں کہ مجھے جنت دوزخ دونوں کو بھرنا ہے لیکن تمہیں میں نے اس کی خبر نہیں دی۔ اب جب کہ فرشتوں نے حضرت آدم کو دیا ہوا علم دیکھا تو ان کی بندگی کا اقرار کر لیا۔

امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں سب سے اولیٰ قول حضرت ابن عباسؓ کا ہے کہ آسمان وزمین کے غیب کا علم تمہارے ظاہر و باطن کا علم مجھے ہے۔ ان کے ظاہری قول کو اور ابلیس کے باطنی عجب وغرور کو بھی جانتا تھا۔ اس میں چھپانے والا صرف ایک ابلیس ہی تھا لیکن صیغہ جمع کا لایا گیا ہے اسلئے کہ عرب میں یہ دستور ہے اور ان کے کلام میں یہ بات پائی جاتی ہے کہ ایک کے یا بعض کے ایک کام کو سب کی طرف نسبت کر دیا کرتے۔ وہ کہتے ہیں کہ لشکر مارڈالا گیا یا نہیں شکست ہوئی حالانکہ شکست اور قتل ایک کا یا بعض کا ہوتا ہے اور صیغہ جمع کا لاتے ہیں۔ یوحیم کے ایک فحش نے رسول اللہ ﷺ کو آپ کے حجرے کے آگے سے پکارا تھا لیکن قرآن میں اس کا بیان ان لفظوں میں ہے کہ اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْكَ مِنْ وَرَآءِ الْحُجُرٰتِ جُلُوْکُمْ تَمَهِیں اے نبی حجروں کے آگے سے پکارتے ہیں تو دیکھنے کے پکارنے والا ایک تھا اور صیغہ جمع کا لایا گیا۔ اسی طرح وَمَا کُنْتُمْ تُخَشِّمُوْنَ میں بھی اپنے دل میں بدی کو چھپانے والا صرف ایک ابلیس ہی تھا لیکن صیغہ جمع کا لایا گیا۔

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ أَبَىٰ
وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ ﴿٥٥﴾

اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا۔ اس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور وہ تعاصی کافروں میں ○

حضرت آدم علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کے احسانات: ☆ ☆ (آیت: ۳۴) حضرت آدم علیہ السلام کی اس بہت بڑی بزرگی کا ذکر کر کے اللہ تعالیٰ نے انسانوں پر اپنا بہت بڑا احسان فرمایا اور خبر دی کہ اس نے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں۔ اس کی تصدیق میں بہت سی حدیثیں ہیں۔ ایک تو حدیث شفاعت جو ابھی بیان ہوئی۔ دوسری حدیث میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ میری ملاقات حضرت آدم علیہ السلام سے کرادیتے جو خود بھی جنت سے نکلے اور ہم سب کو بھی نکالا۔ جب دونوں پیغمبر جمع ہوئے تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ تم وہ آدم ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور اپنی روح تم میں پھونکی اور اپنے فرشتوں سے تمہیں سجدہ کرایا (آخربک) پوری حدیث عنقریب بیان ہوگی ان شاء اللہ تعالیٰ۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں: اہل بیت فرشتوں کے ایک قبیلہ میں سے تھا جنہیں جن کہتے تھے جو آگ کے شعلوں سے پیدا ہوئے تھے۔ اس کا نام حارث تھا اور جنت کا خازن تھا۔ اس قبیلے کے سوا اور فرشتے

سب کے سب نوری تھے۔ قرآن نے بھی ان جنوں کی پیدائش کا بیان کیا ہے اور فرمایا ہے مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ آگ کے شعلے کی جوتیزی بلند ہوتی ہے اسے مارج کہتے ہیں جس سے جن پیدا کئے گئے تھے اور انسان مٹی سے پیدا کیا گیا۔ زمین میں پہلے جن بستے تھے۔ انہوں نے فساد اور خون ریزی شروع کی تو اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو فرشتوں کا لشکر دے کر بھیجا۔ انہی کو جن کہا جاتا تھا۔ ابلیس نے لڑ بھڑک مارتے اور قتل کرتے ہوئے انہیں سمندر کے جزیروں اور پہاڑوں کے دامنوں میں پہنچا دیا اور ابلیس کے دل میں یہ تکبر سا گیا کہ میں نے وہ کام کیا ہے جو کسی اور سے نہ ہو سکا۔ چونکہ دل کی اس بدی اور اس پوشیدہ خودی کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو تھا۔ جب پروردگار نے فرمایا کہ زمین میں میں خلیفہ پیدا کرنا چاہتا ہوں تو ان فرشتوں نے عرض کیا کہ ایسے کو کیوں پیدا کرتا ہے جو اگلی قوم کی طرح فساد و خون ریزی کریں تو انہیں جواب دیا گیا کہ میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے یعنی ابلیس کے دل میں جو کبر و غرور ہے اس کا مجھ کو علم ہے تمہیں خبر نہیں پھر آدم علیہ السلام کی مٹی اٹھائی گئی جو چکنی اور اچھی تھی۔ جب اس کا خمیر اٹھا تب اس سے حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور چالیس دن تک وہ یونہی پتلے کی شکل میں رہے ابلیس آتا تھا اور اس پر لالت مار کر دیکھتا تھا تو وہ بستی مٹی ہوتی جیسے کوئی کھوکھلی چیز ہو پھر منہ کے سوراخ سے گھس کر پیچھے کے سوراخ سے اور اس کے خلاف آتا جاتا رہا اور کہتا رہا کہ درحقیقت یہ کوئی چیز نہیں اور اگر میں اس پر مسلط کیا گیا تو اسے برباد کر کے چھوڑ دوں گا اور اسے مجھ پر مسلط کیا گیا تو میں ہرگز تسلیم نہ کروں گا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے ان میں روح پھونکی اور وہ سر کی طرف سے نیچے کی طرف آئی تو جہاں جہاں تک پہنچتی گئی خون گوشت بنتا گیا۔ جب ناف تک روح پہنچی تو اپنے جسم کو دیکھ کر خوش ہوئے اور فوراً اٹھنا چاہا لیکن نیچے کے دھڑ میں روح نہیں پہنچی تھی۔ اس لئے اٹھ نہ سکے۔ اسی جلدی کا بیان اس آیت میں ہے وَكَانَ الْإِنْسَانُ عَصُوبًا یعنی انسان بے صبر اور جلد باز ہے نہ تو خوشی نہ رنج میں۔ جب روح جسم میں پہنچی اور چھینک آئی تو کہا الحمد للہ رب العلمین اللہ تعالیٰ نے جواب دیا یرحمک اللہ پھر صرف ابلیس کے ساتھی فرشتوں سے فرمایا کہ آدم کے سامنے سجدہ کرو تو ان سب نے تو سجدہ کیا لیکن ابلیس کا وہ غرور و تکبر ظاہر ہو گیا اس نے نہ مانا اور سجدے سے انکار کر دیا اور کہنے لگا میں اس سے بہتر ہوں۔ اس سے بڑی عمر والا ہوں۔ اور اس سے قوی اور مضبوط ہوں۔ یہ مٹی سے پیدا کیا گیا ہے اور میں آگ سے بنا ہوں اور آگ مٹی سے قوی ہے۔ اس کے انکار پر اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی رحمت سے ناامید کر دیا اور اسی لئے اسے ابلیس کہا جاتا ہے۔ اس کی نافرمانی کی سزا میں اسے راندہ درگاہ شیطان بنا دیا۔

پھر حضرت آدم علیہ السلام کو انسان جانور زمین سمندر پہاڑ وغیرہ کے نام بتا کر ان کو ان فرشتوں کے سامنے پیش کیا جو ابلیس کے ساتھی تھے اور آگ سے پیدا شدہ تھے اور ان سے فرمایا کہ اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ میں زمین میں اسے خلیفہ نہ بناؤں تو ذرا مجھے ان چیزوں کے نام تو بتا دو۔ جب ان فرشتوں نے دیکھا کہ ہماری اگلی بات سے الہ العالمین ناراض ہے تو وہ کہنے لگے کہ اللہ عزوجل اس بات سے پاک ہے کہ تیرے سوا کوئی اور غیب کو جانے ہماری توبہ ہے اور اقرار ہے کہ ہم غیب داں نہیں۔ ہم تو صرف وہی جان سکتے ہیں جس کا علم تو ہمیں دے دے جیسے تو نے ان کے نام صرف حضرت آدم علیہ السلام کو ہی سکھائے ہیں۔ اب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے فرمایا کہ تم انہیں ان تمام چیزوں کے نام بتا دو چنانچہ انہوں نے بتا دیے تو فرمایا اے فرشتو! کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ آسمان و زمین کے غیب کا جاننے والا صرف میں اکیلا ہی ہوں اور کوئی نہیں؟۔ میں ہر پوشیدہ چیز کو بھی دیکھتا ہوں جیسے ظاہر کو اور تم سب اس سے بے خبر ہو۔ لیکن یہ قول بھی غریب ہے اور اس میں بہت سی باتیں ایسی ہیں جن میں خامیاں ہیں ہم اگر انہیں الگ الگ بیان کریں تو مضمون بہت بڑھ جائے گا اور ابن عباسؓ تک اس اثر کی سند بھی وہی ہے جس سے ان کی مشہور تفسیر مروی ہے۔ ایک اور حدیث میں بھی اسی طرح مروی ہے جس کے متن میں کچھ کمی زیادتی بھی ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ زمین کی مٹی لینے کے لئے جب حضرت جبریلؑ گئے تو زمین نے کہا کہ میں اللہ

تعالیٰ کی پناہ مانگتی ہوں کہ تو مجھ میں سے کچھ گھٹائے۔ وہ واپس چلے گئے پھر ملک الموت کو بھیجا۔ زمین نے ان سے بھی یہی کہا لیکن انہوں نے جواب دیا کہ میں بھی اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آتا ہوں کہ میں اللہ کا حکم پورا کئے بغیر واپس چلا جاؤں چنانچہ انہوں نے تمام روئے زمین سے ایک ایک مٹی مٹی لی۔ چونکہ مٹی کا رنگ کہیں سرخ تھا، کہیں سفید، کہیں سیاہ اسی وجہ سے انسانوں کی رنگتیں بھی طرح طرح کی ہوئیں لیکن یہ روایت بھی بنو اسرئیل کی روایات سے پرہے غالباً اس میں بہت سی باتیں نیچے کے لوگوں کی ملائی گئی ہیں۔ صحابی کا بیان ہی نہیں۔ اگر صحابی کا قول بھی ہو تو بھی انہوں نے بعض اگلی کتابوں سے لیا ہوگا۔ واللہ اعلم۔

تعارف ابلیس: ☆☆ حاکم اپنی مستدرک میں بہت سی ایسی روایتیں لائے ہیں اور ان کی سند کو بخاری سے مشروط کیا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ تم حضرت آدم کو سجدہ کرو تو اس خطاب میں ابلیس بھی داخل تھا۔ اس لئے کہ گو وہ ان میں سے نہ تھا لیکن ان ہی جیسا اور ان ہی جیسے کام کرنے والا تھا اس لئے اس خطاب میں داخل تھا اور پھر نافرمانی کی سزا بھگتی۔ اس کی تفصیل ان شاء اللہ تعالیٰ سَکَانَ مِنَ الْحِجْرِ کی تفسیر میں آئے گی۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں نافرمانی سے پہلے وہ فرشتوں میں تھا۔ عزرائیل اس کا نام تھا زمین پر اس کی رہائش تھی اجتہاد اور علم میں بہت بڑا تھا اور اسی وجہ سے دماغ میں رعونت تھی اور اس کی جماعت کا اور اس کا تعلق جنوں سے تھا۔ اس کے چار پر تھے۔ جنت کا خازن تھا زمین اور آسمان کا سلطان تھا۔ حضرت حسنؓ فرماتے ہیں۔ ابلیس کبھی فرشتہ نہ تھا۔ اس کی اصل جنات سے ہے جیسے کہ آدم کی اصل انس سے ہے۔ اس کی اسناد صحیح ہے۔ عبدالرحمن بن زید بن اسلمؓ اور شہر بن حوشبؓ کا بھی یہی قول ہے۔ سعد بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ فرشتوں نے جنات کو جب مارا تب اسے قید کیا تھا اور آسمان پر لے گئے تھے۔ وہاں کی عبادت کی وجہ سے رہ پڑا۔ ابن عباسؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ پہلے ایک مخلوق کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا انہیں حضرت آدم کو سجدہ کرنے کو کہا۔ انہوں نے انکار کیا جس پر وہ جلادئے گئے۔ پھر دوسری مخلوق پیدا کی۔ ان کا بھی یہی حشر ہوا۔ پھر تیسری مخلوق پیدا کی۔ انہوں نے تعمیل ارشاد کی لیکن یہ اثر بھی غریب ہے اور اس کی اسناد بھی تقریباً غیر صحیح ہیں۔ اس میں ایک راوی مبہم ہے۔ اس وجہ سے یہ روایت قابل حجت نہیں کَافِرِیْنَ سے مراد نافرمان ہے۔ ابلیس کی ابتداء آفرینش ہی کفر و ضلالت پر تھی۔ کچھ دن ٹھیک ٹھاک رہا لیکن پھر اپنی اصلیت پر آ گیا۔ سجدہ کرنے کا حکم بجالانا اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور آدم علیہ السلام کا اکرام تھا۔ بعض لوگوں کا قول ہے کہ یہ سجدہ سلام اور عزت و اکرام کا تھا جیسے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں فرمان ہے کہ انہوں نے اپنے ماں باپ کو تخت پر بٹھا لیا اور سب کے سب سجدہ میں گر پڑے اور حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا ابابہی میرے اس خواب کی تعبیر ہے جسے میرے رب نے سچا کر دکھایا۔ اگلی امتوں میں یہ جائز تھا لیکن ہمارے دین میں یہ منسوخ ہو گیا۔ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے شامیوں کو اپنے سرداروں اور علماء کے سامنے سجدہ کرتے ہوئے دیکھا تھا تو حضورؐ سے گزارش کی کہ حضورؐ آپ اس کے زیادہ حقدار ہیں کہ آپ کو سجدہ کیا جائے تو آپؐ نے فرمایا کہ اگر میں کسی انسان کو کسی انسان کے سامنے سجدہ کرنے کی اجازت دینے والا ہوتا تو عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوندوں کو سجدہ کریں کیونکہ ان کا ان پر بہت بڑا حق ہے۔ امام ازہی نے اسی کو ترجیح دی ہے بعض کہتے ہیں کہ سجدہ اللہ تعالیٰ ہی کے لئے تھا۔ حضرت آدمؑ بطور قبۃ (یعنی سمت) کے تھے۔ جیسے قرآن کریم میں ہے اور جگہ ہے اَقِمْ الصَّلَاةَ لِذُلُوكِ الشَّمْسِ لیکن اس میں بھی اختلاف ہے اور پہلے ہی قول کا زیادہ صحیح ہونا اچھا معلوم ہوتا ہے۔ یہ سجدہ حضرت آدم کے اکرام و بڑائی، احترام اور سلام کے طور پر تھا اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ماتحت تھا کیونکہ اس کا حکم تھا جس کی بجا آوری ضروری تھی۔ امام رازیؒ نے بھی اسی قول کو قوی قرار دیا ہے۔ اور اس کے سوا دوسرے اقوال کو ضعیف قرار دیا ہے۔ ایک تو حضرت آدم علیہ السلام کا

بطور قبلہ کے ہونا جس میں کوئی بڑا شرف ظاہر نہیں ہوتا دوسرے سجدے سے مراد پست عاجز ہونا نہ کہ زمین میں ماتھا کا کر حقیقی سجدہ کرنا لیکن یہ دونوں تاویلیں ضعیف ہیں۔ حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں سب سے پہلا گناہ یہی تکبر ہے جو ابلیس سے سرزد ہوا۔ صحیح حدیث میں ہے جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر تکبر ہوگا وہ جنت میں داخل نہ ہوگا۔ اسی تکبر کفر و عناد کی وجہ سے ابلیس کے گلے میں طوق لعنت پڑا اور رحمت سے مایوس ہو کر جناب باری سے دھتکارا گیا۔ یہاں ”كَانَ صَارَ“ کے معنی میں بتلایا گیا ہے جیسے کہ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِينَ اور فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ شاعروں کے شعروں میں بھی اس کا ثبوت ہے تو معنی یہ ہوئے کہ وہ کافر ہو گیا۔ ابن خورک کہتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں کافروں میں سے تھا۔

قرطبیؒ اسی کو ترجیح دیتے ہیں اور یہاں ایک مسئلہ بیان فرماتے ہیں کہ کسی شخص کے ہاتھ سے کچھ کرامتیں سرزد ہو جانا اس کے ولی اللہ ہونے کی دلیل نہیں، گو بعض صوفی اور رافضی اس کے خلاف بھی کہتے ہیں۔ اس لئے کہ ہم اس بات کا کسی کے لئے فیصلہ نہیں کر سکتے کہ وہ ایمان ہی کی حالت میں اللہ سے جا ملے گا۔ اسی شیطان کو دیکھئے۔ ولی چھوڑے، فرشتہ بنا ہوا تھا لیکن آخر سردار کفر و کفار ہو گیا علاوہ ازیں ایسی خلاف عادت و عقل باتیں جو بظاہر کرامات نظر آتی ہیں اولیاء اللہ کے سوا اور لوگوں کے ہاتھوں سے بھی سرزد ہوتی ہیں بلکہ فاسق، فاجر، مشرک کافر سے بھی ظاہر ہو جاتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے سوچا فَاَرْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُحَانٍ مُّبِينٍ کہ آیت دل میں سوچ کر کے جب ابن صیاد کافر سے پوچھا کہ میں نے کیا سوچ ہے تو اس نے کہا تھا دُخ۔ بعض روایات میں ہے کہ غصہ کے وقت وہ اتنا پھول جاتا کہ اس کے جسم سے تمام راستہ رک جاتا تھا۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے اسے مارا۔ دجال کی تو ایسی بہت سی باتیں حدیثوں میں وارد ہیں مثلاً اس کا آسمان سے بارش برسانا، زمین سے پیداوار اگانا، زمین کے خزانوں کا اس کے پیچھے لگنا، ایک نوجوان کو قتل کر کے پھر جلانا وغیرہ وغیرہ۔ حضرت لیث بن سعدؓ اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر تم کسی کو پانی پر چلتے ہوئے اور ہواؤں میں اڑتے ہوئے دیکھو تو اسے ولی نہ سمجھو بیٹھو جب تک کہ اس کے تمام اعمال و افعال قرآن و حدیث کے مطابق نہ پاؤ۔ اس سجدے کا حکم زمین و آسمان کے تمام فرشتوں کو تھا گو ایک جماعت کا قول یہ بھی ہے کہ صرف زمین کے فرشتوں کو یہ حکم تھا لیکن یہ ٹھیک نہیں قرآن کریم میں ہے فَسَجَدَ الْمَلَائِكَةُ كُلُّهُمْ اٰجْمَعُونَ اِلَّا اِبْلِسَ یعنی ابلیس کے سوا تمام فرشتوں نے سجدہ کیا۔ پس اول تو جمع کا صیغہ لانا پھر ”کلہم“ سے تاکید کرنا پھر ”اجمعون“ کہنا اس کے بعد صرف ابلیس کا استثنا کرنا ان چاروں وجوہوں سے صاف ظاہر ہے کہ یہ حکم عام تھا۔ واللہ اعلم۔

وَقُلْنَا يَا اٰدَمُ اَسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا
حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هَذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِيْنَ ۝
فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ وَقُلْنَا
اٰهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ
وَمَتَاعٌ اِلٰی حِيْنٍ ۝

اور ہم نے کہہ دیا کہ اے آدمؑ تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو اور جہاں کہیں سے جا ہو با فراغت کھاؤ پو لیکن اس درخت کے قریب بھی نہ جانا ورنہ ظالم ہو جاؤ گے ○ لیکن شیطان نے بہکا کر وہاں سے نکلوا ہی دیا اور ہم نے کہہ دیا کہ اتر جاؤ۔ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو اور ایک وقت مقرر تک تمہارے لئے زمین میں

اعزاز آدم علیہ السلام: ☆☆ (آیت: ۳۵-۳۶) حضرت آدم علیہ السلام کی یہ اور بزرگی بیان ہو رہی ہے کہ فرشتوں سے سجدہ کرانے کے بعد انہیں جنت میں رکھا اور ہر چیز کی رخصت دے دی۔ ابن مردویہ کی روایت کردہ حدیث میں ہے کہ حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ حضورؐ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ کیا حضرت آدمؑ نبی تھے؟ آپؐ نے فرمایا ہاں! نبی بھی رسول بھی بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان سے آئینے سانے بات چیت کی اور انہیں فرمایا کہ تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو۔ عام مفسرین کا بیان ہے کہ آسمانی جنت میں انہیں بسایا گیا تھا لیکن معتزلہ اور قدریہ کہتے ہیں کہ یہ جنت زمین تھی، سورہ اعراف میں اس کا بیان آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اس عبارت قرآنی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جنت میں رہنے سے پہلے حضرت حواؑ پیدا کی گئی تھیں۔ محمد بن اسحاقؒ فرماتے ہیں کہ اہل کتاب وغیرہ کے علماء سے بروایت ابن عباسؓ مروی ہے کہ ابلیس کے مردود قرار دینے کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کے علم کو ظاہر کر کے پھر ان پر انگٹھ کی کیفیت طاری کر دی گئی اور ان کی بانیں پھلی سے حضرت حواؑ کو پیدا کیا۔ جب آنکھ کھول کر حضرت آدمؑ نے انہیں دیکھا تو اپنے خون اور گوشت کی وجہ سے ان میں انس و محبت ان کے دل میں پیدا ہوئی۔ پھر پروردگار نے انہیں ان کے نکاح میں دیا اور جنت میں رہائش کا حکم عطا فرمایا۔ بعض کہتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کے جنت میں داخل ہو جانے کے بعد حضرت حواؑ پیدا کی گئیں۔

حضرت ابن عباسؓ ابن مسعودؓ وغیرہ صحابہؓ سے مروی ہے کہ ابلیس کو جنت سے نکلنے کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کو جنت میں جگہ دی گئی لیکن تنہا تھے اس وجہ سے ان کی نیند میں حضرت حواؑ کو ان کی پھلی سے پیدا کیا گیا۔ جاگے۔ انہیں دیکھا تو پوچھا تم کون ہو؟ اور کیوں پیدا کی گئی ہو؟ حضرت حواؑ نے فرمایا میں ایک عورت ہوں اور آپ کے ساتھ رہنے اور تسکین کا سبب بننے کے لئے پیدا کی گئی ہوں تو فوراً فرشتوں نے پوچھا فرمائیے ان کا نام کیا ہے؟ حضرت آدمؑ نے کہا ”حوا“ انہوں نے کہا اس نام کی وجہ تسمیہ کیا ہے؟ فرمایا اس لئے کہ یہ ایک زندہ سے پیدا کی گئی ہیں۔ اسی وقت اللہ تعالیٰ کی آواز آئی اے آدم اب تم اور تمہاری بیوی جنت میں با آرام و اطمینان رہو اور جو چاہو کھاؤ۔

ایک خاص درخت سے روکنا دراصل امتحان تھا۔ بعض کہتے ہیں یہ انگور کی تیل تھی۔ کوئی کہتا ہے۔ گیہوں کا درخت تھا کسی نے سنبلہ کہا ہے کسی نے کھجور کسی نے انجیر کہا ہے کسی نے کہا ہے اس درخت کے کھانے سے انسانی حاجت ہوتی تھی جو جنت کے لائق نہیں۔ کسی نے کہا ہے اس درخت کا پھل کھا کر فرشتے ہمیشہ کی زندگی پا گئے ہیں۔ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں کوئی ایک درخت تھا جس سے اللہ نے روک دیا نہ قرآن سے اس کا تعین ثابت ہوتا ہے نہ کسی صحیح حدیث سے۔ مفسرین میں اختلاف ہے اور اس کے معلوم ہونے سے کوئی اہم فائدہ اور نہ معلوم ہونے سے کوئی نقصان نہیں لہذا اس کی جستجو کیا ضرورت؟ اللہ ہی کو اس کا بہتر علم ہے۔ امام رازؒ وغیرہ نے بھی یہی فیصلہ کیا ہے اور ٹھیک بات بھی یہی معلوم ہوتی ہے۔ عَنْہَا کی ضمیر کا مرجع بعض نے جنت کہا ہے اور بعض نے شجرہ۔ ایک قرأت فَازَ الْهُمَا بھی ہے تو معنی یہ ہوئے کہ اس جنت سے ان دونوں کو بے تعلق اور الگ کر دیا اور دوسرے معنی یہ بھی ہوئے کہ اسی درخت کے سبب شیطان نے انہیں بہکا دیا۔

سفر ارضی کا آغاز: ☆☆ لفظ عن سبب کے معنی میں بھی آیا ہے يُوَفِّكُ عَنْہُ میں۔ اس نافرمانی کی وجہ سے جنتی لباس اور وہ پاک مکان نفیس روزی وغیرہ سب چھین گئی اور دنیا میں اتار دیئے گئے اور کہہ دیا گیا کہ اب تو زمین میں ہی تمہارا رزق ہے قیامت تک یہیں پڑے رہو گے اور اس سے فائدہ حاصل کرتے رہو گے۔ سانپ اور ابلیس کا قصہ یعنی ابلیس کس طرح جنت میں پہنچا۔ کس طرح دوسرے ڈالا وغیرہ اس کے بارے میں لمبے چوڑے قصے مفسرین نے لکھے ہیں لیکن وہ سب بنی اسرائیل کے ہاں کا خزانہ ہے تاہم ہم انہیں سورہ اعراف میں بیان کریں گے کیونکہ اس واقعہ کا بیان وہاں کسی قدر تفصیل کے ساتھ ہے۔

ابن ابی حاتم کی ایک حدیث میں ہے کہ درخت کا پھل چکھتے ہی جنتی لباس اتر گیا، اپنے تئیں نگا دیکھ کر ادھر ادھر دوڑنے لگے لیکن چونکہ قد طویل تھا اور سر کے بال لمبے تھے وہ ایک درخت میں انک گئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے آدم کیا مجھ سے بھاگتے ہو؟ عرض کیا، نہیں الہی میں تو شرمندگی سے منہ چھپائے پھرتا ہوں۔ ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اے آدم میرے پاس سے چلے جاؤ مجھے میری عزت کی قسم میرے پاس میرے نافرمان نہیں رہ سکتے، اگر اتنی مخلوق تم میں پیدا کروں کہ زمین بھر جائے اور پھر وہ میری نافرمانی کرے تو یقیناً میں اسے بھی نافرمانوں کے گھر میں پہنچا دوں۔ یہ روایت غریب ہے اور ساتھ ہی اس میں انقطاع بلکہ اعضاء بھی ہے۔

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضرت آدمؑ نماز عصر کے بعد سے لے کر سورج کے غروب ہونے تک کی ایک ساعت ہی جنت میں رہے۔ حضرت حسنؓ فرماتے ہیں یہ ایک ساعت ایک سو تیس سال کی تھی۔ ربیع بن انسؓ فرماتے ہیں نویں یا دسویں ساعت میں حضرت آدمؑ کا اخراج ہوا، ان کے ساتھ جنت کی ایک شاخ تھی اور جنت کے درخت کا ایک تاج سر پر تھا۔ سدیٰ کا قول ہے کہ حضرت آدمؑ ہند میں اترے آپ کے ساتھ حجر اسود تھا اور جنتی درخت کے پتے جو ہند میں پھیلا دیئے اور اس سے خوشبودار درخت پیدا ہوئے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں ہند کے شہر ”دھنا“ میں اترے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ مکہ اور طائف کے درمیان اترے تھے۔ حسن بصریؒ فرماتے ہیں حضرت آدمؑ ہند میں اور مائی حوا جدہ میں اتریں اور ابلیس بصرہ سے چند میل کے فاصلہ پر دستمیاں میں پھینکا گیا اور سانپ اصفہان میں۔ ابن عمرؓ کا قول ہے کہ حضرت آدمؑ صفار پر اور حضرت حوا امرہ پر اترے۔ اترتے وقت دونوں ہاتھ گھٹنوں پر تھے اور سر جھکا ہوا تھا اور ابلیس انگلیوں میں انگلیاں ڈالے آسمان کی طرف نظریں جمائے اترے۔ حضرت ابو موسیٰؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں تمام صفیں سکھا دیں اور پھلوں کا توشہ دیا۔ ایک حدیث میں ہے کہ تمام دنوں میں بہتر دن جمعہ کا دن ہے اسی میں حضرت آدمؑ پیدا کئے گئے اسی میں جنت میں داخل کئے گئے اور اسی دن نکالے گئے۔ ملاحظہ ہو صحیح مسلم اور نسائی۔

امام رازیؒ فرماتے ہیں اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی ناراضی کی وجوہات مضمحل ہیں۔ اول تو یہ سوچنا چاہئے کہ ذرا سی لغزش پر حضرت آدمؑ علیہ السلام کو کس قدر سزا ہوئی۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے کہ تم گناہوں پر گناہ کئے جاتے ہو اور جنت کے طالب ہو کیا تم بھول گئے کہ تمہارے باپ آدمؑ علیہ السلام کو محض ایک ہلکے سے گناہ پر جنت سے نکال دیا گیا؟ ہم تو یہاں دشمن کی قید میں ہیں دیکھئے کب صحت و سلامتی کے ساتھ اپنے وطن پہنچیں۔ فتح موصلی کہتے ہیں ہم جنتی تھے، ابلیس کے بہکانے میں آ کر دنیا کی قید میں آ پھنسے اب سوائے غم و رنج کے یہاں کیا رکھا ہے؟ یہ قید و بند اسی وقت ٹوٹے گی جب ہم وہیں پہنچ جائیں جہاں سے نکالے گئے ہیں۔

اگر کوئی معترض اعتراض کرے کہ جب آدمؑ علیہ السلام آسمانی جنت میں تھے اور ابلیس راندہ درگاہ ہو چکا تھا تو پھر وہ وہاں کیسے پہنچا؟ تو اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ وہ جنت زمین میں تھی لیکن اس کے علاوہ اور بھی بہت سے جواب ہیں کہ بطور اکرام کے اس کا داخل ہونا منع تھا نہ کہ بطور اہانت اور چوری کے۔ چنانچہ توراۃ میں ہے کہ سانپ کے منہ میں بیٹھ کر جنت میں گیا اور یہ بھی جواب ہے کہ وہ جنت میں نہیں گیا تھا بلکہ باہر ہی سے اس نے دوسو سال کے دل میں ڈالا تھا۔ اور بعض نے کہا ہے کہ زمین سے ہی دوسو سال کے دل میں ڈالا۔ قرطبیؒ نے یہاں پر سانپوں کے بارے میں اور ان کے مار ڈالنے کے حکم سے متعلق حدیثیں بھی تحریر کی ہیں جو بہت مفید اور باموقع ہیں۔

فَلَقَمْنِي اَدَمُ مِنْ رَبِّهِ كَلِمَتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ اِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ

الرَّحِيمُ

ہم نے کہا تم سب یہاں سے چلے جاؤ جب کہ کسی تمہارے پاس میری ہدایت پہنچے اس کی تابعداری کرنے والوں پر کوئی خوف و غم نہیں ہوگا ○ اور جو انکار کر کے ہماری

آجوں کو جھٹلائیں وہ جہنمی ہیں اور ہمیشہ اسی میں رہیں گے ○

جنت کے حصول کی شرائط: ☆☆ (آیت: ۳۸-۳۹) جنت سے نکالتے ہوئے جو ہدایت حضرت آدمؑ حضرت حواؑ اور ابلیس کو دی گئی اس کا بیان یہاں ہو رہا ہے کہ ہماری طرف سے کتابیں، انبیاء اور رسول بھیجے جائیں گے، معجزات ظاہر کئے جائیں گے، دلائل بیان فرمائے جائیں گے، راہ حق واضح کر دی جائے گی، آنحضرت محمد ﷺ بھی آئیں گے، آپ پر قرآن کریم بھی نازل فرمایا جائے گا، جو بھی اپنے زمانے کی کتاب اور نبی کی تابعداری کرے گا اسے آخرت کے میدان میں کوئی خوف نہ ہوگا اور نہ ہی دنیا کے کھوجانے پر کوئی غم ہوگا۔ سورہ طہ میں بھی فرمایا گیا ہے کہ میری ہدایت کی پیروی کرنے والے نہ گمراہ ہوں گے نہ بد بخت و بے نصیب مگر میری یاد سے منہ موڑنے والے دنیا کی کشتی اور آخرت کے اندھا پن کے عذاب میں گرفتار ہوں گے۔ یہاں بھی فرمایا کہ انکار اور تکذیب کرنے والے ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ ابن جریر کی حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جو اصلی جہنمی ہیں انہیں تو جہنم میں نہ موت آئے گی نہ ہی خوشگوار زندگی ملے گی ہاں جن موحد، متبع سنت لوگوں کو ان کی بعض خطاؤں پر جہنم میں ڈالا جائے گا یہ جل کر کونلے ہو کر مر جائیں گے اور پھر شفاعت کی وجہ سے نکال لئے جائیں گے۔ صحیح مسلم شریف میں یہ حدیث ہے کہ بعض تو کہتے ہیں دوسری دفعہ جنت سے نکل جانے کے حکم کو ذکر اس لئے کیا گیا ہے کہ یہاں دوسرے احکام بیان کرنا تھے اور بعض کہتے ہیں پہلی مرتبہ جنت سے آسمان اول اتار دیا گیا تھا دوبارہ آسمان اول سے زمین کی طرف اتارا گیا لیکن صحیح قول پہلا ہی ہے۔ واللہ اعلم۔

يٰۤاَيُّهَا اِسْرَآئِيْلُ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ
وَاَوْفُواْ بِعَهْدِيْ اَوْفٍ بِعَهْدِكُمْ وَاِيَّايَ فَاَرْهَبُوْنَ ۝
بِمَا اَنْزَلْتُ مُّصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْا اَوَّلَ كَافِرٍ
بِهٖٔ وَلَا تَشْتَرُوْا بِآيَتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا وَاِيَّايَ فَاتَّقُوْنَ ۝

اے بنی اسرائیل میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر انعام کی اور میرے عہد کو پورا کرو۔ میں تمہارے عہد کو پورا کروں گا اور صرف مجھ ہی سے ڈرو ○ اور اس کتاب پر ایمان لاؤ جو میں نے تمہاری کتابوں کی تصدیق میں نازل فرمائی ہے اور اس کے ساتھ تم ہی پہلے کافر نہ بنو اور آجوں کو تھوڑی تھوڑی قیمت پر نہ بچو اور صرف مجھ ہی سے ڈرتے رہا کرو ○

بنی اسرائیل سے خطاب: ☆☆ (آیت: ۴۰-۴۱) ان آجوں میں بنی اسرائیل کو اسلام قبول کرنے اور حضور علیہ السلام کی تابعداری کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور انتہائی لطیف پیرایہ میں انہیں سمجھایا گیا ہے کہ تم ایک پیغمبر کی اولاد میں سے ہو تمہارے ہاتھوں میں کتاب اللہ موجود ہے اور قرآن اس کی تصدیق کر رہا ہے پھر تمہیں نہیں چاہئے کہ سب سے پہلے انکار تمہیں سے شروع ہو۔ اسرائیل حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام تھا، تو گویا ان سے کہا جاتا ہے کہ تم میرے صالح اور فرمانبردار بندے کی اولاد ہو۔ تمہیں چاہئے کہ اپنے جد امجد کی طرح حق کی تابعداری میں لگ جاؤ۔ جیسے کہا جاتا ہے کہ تم نخی کے لڑکے ہو سخاوت میں آگے بڑھو۔ تم پہلوان کی اولاد ہو۔ داد شجاعت دو۔ تم عالم کے بچے ہو۔ علم میں کمال پیدا کرو۔ دوسری جگہ اسی طرح کلام کو اسی طرح ادا کیا گیا ہے ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا یعنی ہمارے شکر گزار بندے حضرت نوحؑ کے ساتھ جنہیں ہم نے ایک عالمگیر طوفان سے بچایا تھا یہ ان کی اولاد ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ یہودیوں کی ایک جماعت سے حضورؐ نے دریافت کیا کہ کیا تم نہیں جانتے کہ اسرائیل حضرت یعقوبؑ کا نام تھا۔ وہ سب قسم کھا کر کہتے ہیں کہ واللہ یہ سچ ہے۔ حضورؐ نے کہا الہی تو گواہ رہ۔ اسرائیل کے لفظی معنی عبد اللہ کے ہیں۔ ان نعمتوں کو یاد دلایا جاتا ہے جو قدرت کاملہ کی بڑی بڑی نشانیاں تھیں مثلاً پتھر سے نہروں کو جاری کرنا، من و سلوی اتارنا، فرعونوں سے آزاد کرنا، انہیں میں سے انبیاء اور رسولوں کو مبعوث کرنا، ان میں سلطنت اور بادشاہی عطا فرمانا وغیرہ ان کو ہدایت دی جاتی ہے میرے وعدوں کو پورا کرو یعنی میں نے جو عہد تم سے لیا تھا کہ جب محمد ﷺ تمہارے پاس آئیں اور ان پر میری کتاب قرآن کریم نازل ہو تو تم اس پر اور آپؐ کی ذات پر ایمان لانا۔ وہ تمہارے بوجھ ہلکے کریں گے اور تمہاری زنجیریں توڑ دیں گے اور تمہارے طوق اتار دیں گے اور میرا وعدہ بھی پورا ہو جائے گا کہ میں تمہیں اس دین کے سخت احکام کے متبادل آسان دین دوں گا۔ دوسری جگہ اس کا بیان اس طرح ہوتا ہے وَقَالَ اللَّهُ إِنِّي مَعَكُمْ لَئِنْ أَقَمْتُمُ الصَّلَاةَ وَآتَيْتُمُ الزَّكَاةَ وَخَلَيْتُمُ النَّاسَ بَيْنَ وَبَيْنَ فَسَدَّ اللَّهُ أَبْوَابَ الرِّزْقِ عَلَيْكُمْ فَانْقَبَتْ أَبْوَابُ الرَّحْمَةِ عَلَيْكُمْ فَمَنْ أَهْلَكَ مَا كُنْتُمْ تُغْنِي عَنْهُ الرِّزْقُ إِنْ كُنْتُمْ شَاكِرِينَ

حضرت امام رازیؒ نے اپنی تفسیر میں بڑے بڑے انبیاء علیہم السلام سے آپ کی بابت پیشین گوئی نقل کی ہے۔ یہ بھی مروی ہے کہ اللہ کا عہد اسلام کو ماننا اور اس پر عمل کرنا تھا۔ اللہ کا اپنے عہد کو پورا کرنا ان سے خوش ہونا اور جنت عطا فرمانا ہے۔ مزید فرمایا، مجھ سے ڈرو ایسا نہ ہو جو عذاب تم سے پہلے لوگوں پر نازل ہوئے کہیں تم پر بھی نہ آجائیں۔ اس لطیف پیرایہ کو بھی ملاحظہ فرمائیے کہ ترغیب کے بیان کے ساتھ ہی کس طرح ترہیب کے بیان کو ملحق کر دیا گیا ہے۔ رغبت و رہبت دونوں جمع کر کے اتباع حق اور نبوت محمدؐ کی دعوت دی گئی۔ قرآن کے ساتھ نصیحت حاصل کرنے، اس کے بتلائے ہوئے احکام کو ماننے اور اس کے روکے ہوئے کاموں سے رک جانے کی ہدایت کی گئی۔ اسی لئے اس کے بعد ہی فرمایا کہ تم اس قرآن حکیم پر ایمان لاؤ جو تمہاری کتاب کی بھی تصدیق اور تائید کرتا ہے جسے لے کر وہ نبی آئے ہیں جو امی ہیں عربی ہیں جو بشیر ہیں جو نذیر ہیں جو سراج ضمیر ہیں جن کا اسم شریف محمد ہے ﷺ۔ جو توراۃ اور انجیل کو بچ ماننے والے اور حق کو پھیلانے والے ہیں۔ چونکہ توراۃ اور انجیل میں بھی آپ کا ذکر تھا تو آپ کا تشریف لانا توراۃ کی سچائی کی دلیل تھی۔ اس لئے کہا گیا کہ وہ تمہارے ہاتھوں میں موجود کتابوں کی تصدیق کرتے ہیں۔ علم ہونے کے باوجود تم ہی سب سے پہلے انکار نہ کرو بعض کہتے ہیں ”ہ“ کی ضمیر کا مرجع قرآن ہے اور پہلے آ بھی چکا ہے بسما انزلت اور دونوں قول درحقیقت سچے اور ایک ہی ہیں۔ قرآن کو ماننا رسول کو ماننا ہے اور رسول کی تصدیق قرآن کی تصدیق ہے۔ اول کا کافر سے مراد بنی اسرائیل کے اولین منکر ہیں کیونکہ کفار قریش بھی انکار اور کفر کر چکے تھے لہذا بنی اسرائیل کا انکار اہل کتاب میں سے پہلی جماعت کا انکار تھا اس لئے انہیں اول کا کفر کہا گیا۔ ان کے پاس وہ علم تھا جو دوسروں کے پاس نہ تھا۔ میری آیتوں کے بدلے تھوڑا مول نہ لو یعنی دنیا کے بدلے جو قلیل اور فانی ہے میری آیات پر ایمان لانا اور میرے رسول کی تصدیق کرنا نہ چھوڑو اگرچہ دنیا ساری کی ساری بھی مل جائے جب بھی وہ آخرت کے مقابلہ میں تھوڑی بہت تھوڑی ہے اور یہ خود ان کی کتابوں میں بھی موجود ہے۔ سنن ابو داؤد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جو شخص اس علم کو جس سے اللہ کی رضامندی حاصل ہوئی ہے اس لئے سیکھے کہ اس سے دنیا کمائے وہ قیامت کے روز جنت کی خوشبو تک نہ پائے گا۔ علم سکھانے کی اجرت بغیر مقرر کئے ہوئے لینا جائز ہے اسی طرح علم سکھانے والے علماء کو بیت المال سے لینا بھی جائز ہے تاکہ وہ خوش حال رہ سکیں اور اپنی ضروریات پوری کر سکیں۔ اگر بیت المال سے کچھ مال نہ ملتا ہو اور علم سکھانے کی

وجہ سے کوئی کام دھندا بھی نہ کر سکتے ہوں تو پھر اجرت مقرر کر کے لینا بھی جائز ہے اور امام مالکؒ امام شافعیؒ امام احمدؒ اور جمہور علماء کا یہی مذہب ہے۔ اس کی دلیل وہ حدیث بھی ہے جو صحیح بخاری شریف میں حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت سے ہے کہ انہوں نے اجرت مقرر کر لی اور ایک سانپ کے کانٹے ہوئے شخص پر قرآن پڑھ کر دم کیا۔ جب حضورؐ کے سامنے یہ قصہ پیش ہوا تو آپؐ نے فرمایا اِنَّ اَحَقَّ مَا اَخَذْتُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا كِتَابُ اللّٰهِ یعنی جن چیزوں پر تم اجرت لے سکتے ہو ان سب میں زیادہ حقدار کتاب اللہ ہے۔ دوسری مطول حدیث میں ہے کہ ایک شخص کا نکاح ایک عورت سے آپؐ کر دیتے ہیں اور فرماتے ہیں زَوِّجْتُكَهَا بِمَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ میں نے اس کو تیری زوجیت میں دیا اور تو اسے قرآن حکیم جو تجھے یاد ہے اسے بطور حق مہر یاد کرادے۔

ابوداؤد کی ایک حدیث میں ہے ایک شخص نے اہل صفہ میں سے کسی کو کچھ قرآن سکھایا اس نے اسے ایک کمان بطور ہدیہ دی اس نے رسول اللہ ﷺ سے مسئلہ پوچھا۔ آپؐ نے فرمایا اگر تجھے آگ کی کمان لینی ہے تو اسے لے چنانچہ اس نے اسے چھوڑ دیا۔ حضرت ابی بن کعب سے بھی ایسی ہی ایک مرفوع حدیث مروی ہے۔ ان دونوں احادیث کا مطلب یہ ہے کہ جب اس نے خالص اللہ کے واسطے کی نیت سے سکھایا پھر اس پر تحفہ اور ہدیہ لے کر اپنے ثواب کو کھونے کی کیا ضرورت ہے؟ اور جبکہ شروع ہی سے اجرت پر تعلیم دی ہے تو پھر بلا شک و شبہ جائز ہے جیسے اوپر کی دونوں حدیثوں میں بیان ہو چکا ہے۔ واللہ اعلم۔ صرف اللہ ہی ہے ڈرنے کے یہ معنی ہیں کہ اللہ کی رحمت کی امید پر اس کی عبادت و اطاعت میں لگا رہے اور اس کے عذابوں سے ڈر کر اس کی نافرمانیوں کو چھوڑ دے اور دونوں حالتوں میں اپنے رب کی طرف سے دیئے گئے نور پر گامزن رہے۔ غرض اس جملہ سے انہیں خوف دلایا گیا کہ وہ دنیاوی لالچ میں آ کر حضورؐ کی نبوت کی تصدیق کو جو اس کی کتابوں میں ہے نہ چھپائیں اور دنیوی ریاست کی طمع پر آپؐ کی مخالفت پر آمادہ نہ ہوں بلکہ رب سے ڈر کر اظہار حق کرتے رہیں۔

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۸۲﴾ وَأَقِمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ ﴿۸۳﴾

حق کو باطل کے ساتھ غلط ملط نہ کیا کرو اور نہ حق کو چھپاؤ۔ تمہیں تو خود اس کا علم ہے ○ اور نمازوں کو قائم رکھا کرو اور زکوٰۃ دیتے رہا کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کیا کرو ○

بدخو یہودی ☆ ☆ (آیت: ۸۲-۸۳) یہودیوں کی اس بدخصلت پر ان کو تنبیہ کی جا رہی ہے کیونکہ وہ جاننے کے باوجود کبھی تو حق و باطل کو غلط ملط کر دیا کرتے تھے، کبھی حق کو چھپالیا کرتے تھے۔ کبھی باطل کو ظاہر کرتے تھے لہذا انہیں ان ناپاک عادتوں کے چھوڑنے کو کہا گیا ہے اور حق کو ظاہر کرنے اور اسے کھول کھول کر بیان کرنے کی ہدایت کی گئی ہے کہ حق و باطل سچ جھوٹ کو آپس میں نہ ملاؤ اللہ کے بندوں کی خیر خواہی کرو۔ یہودیت و نصرانیت کی بدعات کو اسلام کی تعلیم کے ساتھ نہ ملاؤ۔ رسول اللہ کی بابت پیشین گوئیاں جو تمہاری کتابوں میں پاتے ہو انہیں عوام الناس سے نہ چھپاؤ تَكْتُمُوا مجرم بھی ہو سکتا ہے اور منسوب بھی یعنی اسے اور اسے جمع نہ کرو۔ ابن مسعودؓ کی قرات میں تَكْتُمُونَ بھی ہے۔ یہ حال ہوگا اور اس کے بعد کا جملہ بھی حال ہے۔ معنی یہ ہوئے کہ حق کو حق جانتے ہوئے ایسی بے حیائی نہ کرو۔ اور یہ بھی معنی ہیں کہ علم کے باوجود اسے چھپانے اور ملاوٹ کرنے کا کیسا عذاب ہوگا۔ پھر بھی انفس کو تم بدکرداری پر آمادہ نظر آتے ہو۔

پھر انہیں حکم دیا جاتا ہے کہ حضورؐ کے ساتھ نمازیں پڑھو زکوٰۃ دو اور امت محمدؐ کے ساتھ رکوع سجود میں شامل رہا کرو انہیں میں مل جاؤ اور خود بھی آپ ہی کی امت بن جاؤ۔ اطاعت و اخلاص کو بھی زکوٰۃ کہتے ہیں۔ ابن عباسؓ اس آیت کی تفسیر میں یہی فرماتے ہیں۔ زکوٰۃ دو سو

درہم پر پھر اس سے زیادہ رقم پر واجب ہوتی ہے۔ نماز و زکوٰۃ فرض و واجب ہیں۔ اس کے بغیر سبھی اعمال غارت ہیں۔ زکوٰۃ سے بعض لوگوں نے فطرہ بھی مراد لیا ہے۔ رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کر دے مراد یہ ہے کہ اچھے اعمال میں ایمانداروں کا ساتھ دو اور ان میں بہترین چیز نماز ہے۔ اس آیت سے اکثر علماء نے نماز باجماعت کے فرض ہونے پر بھی استدلال کیا ہے اور یہاں پر امام قرطبیؒ نے مسائل جماعت کو سب سے بیان فرمایا ہے۔

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَسْلُوْنَ الْكِتٰبَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰﴾

کیا لوگوں کو بھلائیوں کا حکم کرتے ہو؟ اور خود اپنے تئیں بھول جاتے ہو؟ باوجودیکہ تم کتاب کو پڑھتے ہو۔ کیا اتنی بھی تم میں سمجھ نہیں؟ ○

دو غلا پن اور یہودی: ☆ ☆ (آیت: ۴۴) یعنی اہل کتاب اس علم کے باوجود جو ”کہے اور نہ کرے“ اس پر کتنا عذاب نازل ہوتا ہے پھر تم خود ایسا کیوں کرنے لگے ہو؟ جیسا دوسروں کو تقویٰ، طہارت اور پاکیزگی سکھاتے ہو خود بھی تو اس کے عامل بن جاؤ، لوگوں کو روزے نماز کا حکم دینا اور خود اس کے پابند نہ ہونا، یہ تو بڑی شرم کی بات ہے۔ دوسروں کو کہنے سے پہلے انسان کو خود عامل ہونا ضروری ہے۔ اپنی کتاب کے ساتھ کفر کرنے سے روکتے ہو لیکن اللہ کے اس نبی کو جھٹلا کر تم خود اپنی ہی کتاب کے ساتھ کفر کیوں کرتے ہو؟ یہ بھی مطلب ہے کہ دوسروں کو اس دین اسلام کو قبول کرنے کے لئے کہتے ہو مگر دنیاوی ڈر خوف سے خود قبول نہیں کرتے۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، انسان پورا سمجھ دار نہیں ہو سکتا جب تک کہ لوگوں کو اللہ کے خلاف کام کرتے ہوئے دیکھ کر ان کا دشمن نہ بن جائے اور اپنے نفس کا ان سے بھی زیادہ۔ ان لوگوں کو اگر رشوت وغیرہ ملتی تو حق بتا دیتے لیکن خود عامل نہ تھے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت کی۔

مبلغین کے لئے خصوصی ہدایات: ☆ ☆ (آیت: ۴۴) یہاں پر یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ اچھی چیز کا حکم دینے پر ان کی برائی نہیں کی گئی بلکہ خود نہ کرنے پر برائی بیان کی گئی ہے۔ اچھی بات کو کہنا تو خود اچھائی ہے بلکہ یہ تو واجب ہے لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ انسان کو خود بھی اس پر عمل کرنا چاہئے جیسے حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا تھا وَمَا اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفْكُمْ اِلٰی مَا اَنْهٰكُمْ عَنْهُ اِلٰی یعنی میں ایسا نہیں ہوں کہ تمہیں جس کام سے روکوں وہ خود کروں۔ میرا ارادہ تو اپنی طاقت کے مطابق اصلاح کا ہے میری توفیق اللہ کی مدد سے ہے میرا بھروسہ اسی پر ہے اور میری رغبت و رجوع بھی اسی کی طرف ہے۔ پس نیک کاموں کے کرنے کے لئے کہنا بھی واجب ہے اور خود کرنا بھی واجب۔ ایک کو نہ کرنے سے دوسرا بھی چھوڑ دینا نہیں چاہئے۔ علماء سلف و خلف کا قول یہی ہے۔ گو بعض کا ایک ضعیف قول یہ بھی ہے کہ برائیوں والا دوسروں کو اچھائیوں کا حکم نہ دے لیکن یہ قول ٹھیک نہیں۔ پھر ان حضرات کا اس آیت سے دلیل پکڑنا تو بالکل ہی ٹھیک نہیں بلکہ صحیح یہی ہے کہ بھلائی کا حکم کرے اور برائی سے روکے اور خود بھی کرے اور کرے۔ اگر دونوں چھوڑے گا تو دودھرا گتہا ہوگا۔ ایک کے ترک پر اکہرا۔ طبرانی کی معجم کبیر میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو عالم لوگوں کو بھلائی سکھائے اور خود عمل نہ کرے اس کی مثال چراغ جیسی ہے کہ لوگ اس کی روشنی سے فائدہ اٹھا رہے ہیں لیکن وہ خود جل رہا ہے۔ یہ حدیث غریب ہے۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں معراج والی رات میں نے دیکھا کہ کچھ لوگوں کے ہونٹ آگ کی قنچنیوں سے کاٹے جا رہے ہیں میں نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں تو کہا گیا کہ یہ آپ کی امت کے خطیب اور واعظ اور عالم ہیں جو لوگوں کو بھلائی سکھاتے تھے مگر خود نہیں کرتے تھے، علم کے

باد جود سمجھتے نہیں تھے۔

دوسری حدیث میں ہے کہ ان کی زبانیں اور ہونٹ دونوں کاٹے جا رہے تھے یہ حدیث صحیح ہے۔ ابن حبان، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ وغیرہ میں موجود ہے۔ ابو داؤدؒ فرماتے ہیں ایک مرتبہ حضرت اسامہؓ سے کہا گیا کہ آپ حضرت عثمانؓ سے کچھ نہیں کہتے؟ آپ نے جواب دیا کہ تمہیں سنا کر ہی کہوں تو ہی کہنا ہوگا، میں تو انہیں پوشیدہ طور پر ہر وقت کہتا رہتا ہوں لیکن میں کسی بات کو پھیلا نا نہیں چاہتا۔ اللہ کی قسم میں کسی شخص کو سب سے افضل نہیں کہوں گا اس لئے کہ میں نے جناب رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ ایک شخص کو قیامت کے دن لایا جائے گا اور اسے جہنم میں ڈالا جائے گا، اس کی آنتیں نکل آئیں گی اور وہ اس کے ارد گرد چکر کھاتا رہے گا، جہنمی جمع ہو کر اس سے پوچھیں گے کہ حضرت آپ تو ہمیں اچھی باتوں کا حکم کرنے والے اور برائیوں سے روکنے والے تھے یہ آپ کی کیا حالت ہے؟ وہ کہے گا افسوس میں تمہیں کہتا تھا لیکن خود نہیں کرتا تھا، میں تمہیں روکتا تھا لیکن خود نہیں روکتا تھا (مسند احمد) بخاری و مسلم میں بھی یہ روایت ہے۔

مسند کی ایک اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پڑھ لوگوں سے اتنا درگزر کرے گا جتنا جاننے والوں سے نہیں کرے گا۔ بعض آثار میں یہ بھی وارد ہے کہ عالم کو ایک دفعہ بخشا جائے تو عام آدمی کو ستر دفعہ بخشا جاتا ہے، عالم جاہل یکساں نہیں ہو سکتے۔ قرآن کریم میں ہے هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُو الْاَلْبَابِ جاننے والے اور انجان برابر نہیں، نصیحت صرف عقلمند لوگ ہی حاصل کر سکتے ہیں۔ ابن عباسؓ میں ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ جنتی لوگ جہنمیوں کو دیکھ کر کہیں گے کہ تمہاری نصیحتیں سن کر ہم تو جنتی بن گئے مگر تم جہنم میں کیوں آ پڑے۔ وہ کہیں گے افسوس ہم تمہیں کہتے تھے لیکن خود نہیں کرتے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک شخص نے کہا حضرت میں بھلائیوں کا حکم کرنا اور برائیوں سے لوگوں کو روکنا چاہتا ہوں، آپ نے فرمایا، کیا تم اس درجہ تک پہنچ گئے ہو؟ اس نے کہا ہاں، آپ نے فرمایا، اگر تم ان تین آیتوں کی نصیحت سے نڈر ہو گئے ہو تو شوق سے وعظ شروع کرو۔ اس نے پوچھا وہ تین آیتیں کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا ایک تو اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ کیا تم لوگوں کو بھلائیوں کا حکم دیتے ہو اور خود اپنے تئیں بھولے جا رہے ہو؟ دوسری آیت لِمَ تَقُولُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ کَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُولُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ کیوں تم وہ کہتے ہو جو خود نہیں کرتے؟ اللہ کے نزدیک یہ بڑی ناپسندیدہ بات ہے کہ تم وہ کہو جو خود نہ کرو۔ تیسری آیت حضرت شعیب علیہ السلام کا فرمان وَمَا اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰی مَا اَنْهٰكُمْ عَنْهُ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاَصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ یعنی میں جن کاموں سے تمہیں منع کرتا ہوں ان میں تمہاری مخالفت کرنا نہیں چاہتا، میرا ارادہ صرف اپنی طاقت بھر اصلاح کرنا ہے، کہو تم ان تینوں آیتوں سے بے خوف ہو؟ اس نے کہا نہیں، فرمایا پھر تم اپنے نفس سے شروع کرو۔ (تفسیر مردویہ) ایک ضعیف حدیث طبرانی میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا، جو لوگوں کو کسی قول فعل کی طرف بلائے اور خود نہ کرے تو اللہ تعالیٰ کے غضب و غصہ میں رہتا ہے یہاں تک کہ وہ خود آپ عمل کرنے لگ جائے۔ حضرت ابراہیمؑ غنیؑ نے بھی حضرت ابن عباسؓ والی تینوں آیتیں پیش کر کے فرمایا ہے کہ میں ان کی وجہ سے قصہ گوئی پسند نہیں کرتا۔

وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۚ وَإِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ ۙ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ۝۵۱

الَّذِيْنَ يٰظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلِقُوْا رَبَّهُمْ ۖ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝۵۲

مبرا اور نماز کے ساتھ مدد طلب کرو۔ یہ بڑی چیز ہے مگر ڈر رکھنے والوں پر ○ جو جانتے ہیں کہ وہ اپنے رب سے ملاقات کرنے والے اور اس کی طرف لوٹ

کر جانے والے ہیں ○

صبر کا مفہوم: ☆ ☆ (آیت: ۴۵-۴۶) اس آیت میں حکم فرمایا جاتا ہے کہ تم دنیا اور آخرت کے کاموں پر نماز اور صبر کے ساتھ مدد طلب کیا کرو، فرائض بجالاؤ اور نماز کو ادا کرتے رہو، روزہ رکھنا بھی صبر کرنا ہے اور اسی لئے رمضان کو صبر کا مہینہ کہا گیا ہے۔ حضور فرماتے ہیں: روزہ آدھا صبر ہے^① صبر سے مراد گناہوں سے رک جانا بھی ہے۔ اس آیت میں اگر صبر سے یہ مراد لی جائے تو برائیوں سے رکتنا اور نیکیاں کرنا دونوں کا بیان ہو گیا، نیکیوں میں سب سے اعلیٰ چیز نماز ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: صبر کی دو قسمیں ہیں مصیبت کے وقت صبر اور گناہوں کے ارتکاب سے صبر اور یہ صبر پہلے سے زیادہ اچھا ہے۔ حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں: انسان کا ہر چیز کا اللہ کی طرف سے ہونے کا اقرار کرنا، ثواب کا طلب کرنا، اللہ کے پاس مصیبتوں کے اجر کا ذخیرہ سمجھنا، یہ صبر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے کام پر صبر کرو اور اسے بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت سمجھو۔ نیکیوں کے کاموں پر نماز سے بڑی مدد ملتی ہے خود قرآن میں ہے اَقِمِ الصَّلَاةَ اِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ نماز کو قائم رکھنا یہ تمام برائیوں اور بدیوں سے روکنے والی ہے اور یقیناً اللہ کا ذکر بہت بڑی چیز ہے۔ حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں جب رسول اللہ ﷺ کو کوئی کام مشکل اور غم میں ڈال دیتا تو آپؐ نماز پڑھا کرتے۔ فوراً نماز میں لگ جاتے۔ جنانچہ جنگ خندق کے موقع پر رات کے وقت جب حضرت حذیفہؓ خدمت نبوی میں حاضر ہوتے ہیں تو آپؐ کو نماز میں پاتے ہیں۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ بدر کی لڑائی کی رات میں نے دیکھا کہ ہم سب سو گئے تھے مگر اللہ کے رسول (اللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلَیْهِ) ساری رات نماز میں مشغول رہے، صبح تک نماز میں اور دعا میں لگے رہے۔

ابن جریرؒ میں ہے: نبی ﷺ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ بھوک کے مارے پیٹ کے درد سے بیتاب ہو رہے ہیں آپؐ نے ان سے (فارسی زبان میں) دریافت فرمایا کہ درد شکم داری؟ کیا تمہارے پیٹ میں درد ہے؟ انہوں نے کہا ہاں آپؐ نے فرمایا: اٹھو نماز شروع کر دو اس میں شفا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سفر میں اپنے بھائی حضرت ثمامہؓ کے انتقال کی خبر ملتی ہے تو آپؐ اِنَّا لِلّٰہ پڑھ کر راستہ سے ایک طرف ہٹ کر اونٹ بٹھا کر نماز شروع کر دیتے ہیں اور بہت لمبی نماز ادا کرتے ہیں۔ پھر اپنی سواری کی طرف جاتے ہیں اور اس آیت کو پڑھتے ہیں۔ غرض ان دونوں چیزوں صبر و صلوٰۃ سے اللہ کی رحمت میسر آتی ہے۔

ان کی ضمیر کا مرجع بعض لوگوں نے تو صلوٰۃ یعنی نماز کو کہا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ مدلول کلام یعنی وصیت اس کا مرجع ہے جیسے قارون کے قصہ میں وَلَا یُلْقَا ھَا کی ضمیر اور برائی کے بدلے بھلائی کرنے کے حکم میں وَمَا یُلْقَا ھَا کی ضمیر۔ مطلب یہ ہے کہ صبر و صلوٰۃ ہر شخص کے بس کی چیز نہیں یہ حصہ اللہ کا خوف رکھنے والی جماعت کا ہے یعنی قرآن کے ماننے والے سچے مومن کا اپنے والے متواضع اطاعت کی طرف جھکنے والے وعدے و وعید کو سچا ماننے والے ہیں اس وصف سے موصوف ہوتے ہیں جیسے حدیث میں ایک سائل کے سوال پر حضورؐ نے فرمایا تھا یہ بری چیز ہے لیکن جس پر اللہ کی مہربانی ہو اس پر آسان ہے۔ ابن جریرؒ نے اس آیت کے معنی کرتے ہوئے اسے بھی یہودیوں سے ہی خطاب قرار دیا ہے لیکن ظاہر بات یہ ہے کہ گویہ بیان انہی کے بارے میں لیکن حکم کے اعتبار سے عام ہے۔ واللہ اعلم۔ آگے جل کر خُشِيعِین کی صفت ہے۔ اس میں ظن معنی میں یقین کے ہے گو ظن شک کے معنی میں بھی آتا ہے جیسے کہ سدفہ اندھیرے کے معنی میں بھی آتا ہے اور روشنی کے معنی میں بھی اور صارخ کا لفظ بھی فریاد رس اور فریاد کن دونوں کے لئے بولا جاتا ہے اور اسی طرح کے بہت سے نام ہیں جو ایسی دو مختلف چیزوں پر بولے جاتے ہیں۔ ظن یقین کے معنی میں عرب شعراء کے شعروں میں بھی آیا ہے۔ خود قرآن کریم میں وَرَا

[illegible]

وَاتَّقُوا يَوْمًا لَا تَجْزِي نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا وَلَا يَقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ﴿٢٨﴾

اس دن سے ڈرتے رہو جب کوئی کسی کو نفع نہ دے سکے گا اور نہ شفاعت اور سفارش قبول ہوگی اور نہ کوئی بدلہ اور فدیہ لیا جائے گا اور نہ وہ مدد کئے جائیں گے ○

حشر کا منظر: ☆☆ (آیت ۲۸) نعمتوں کو بیان کرنے کے بعد اب عذابوں سے ڈرایا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ کوئی کسی کو کچھ فائدہ نہ دے گا جیسے فرمایا وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ یعنی کسی کا بوجھ کسی پر نہ پڑے گا اور فرمایا لِكُلِّ امْرِيٍّ مِنْهُمْ يَوْمَ يُؤْخَذُ شَأْنُهُ يُعْنِيهِ یعنی اس دن ہر شخص نفسا نفسی میں پڑا ہوا ہوگا اور فرمایا اے لوگو! اپنے رب کا خوف کھاؤ اور اس دن سے ڈرو جس دن باپ بیٹے کو اور بیٹا باپ کو کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچا سکے گا۔ ارشاد ہے وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ یعنی کسی کافر کی نہ کوئی سفارش کرے نہ اس کی سفارش قبول ہو اور فرمایا ان کفار کو شفاعت کرنے والوں کی شفاعت فائدہ نہ دے گی۔ دوسری جگہ اہل جہنم کا یہ مقولہ نقل کیا گیا ہے کہ نفوس آج ہمارا نہ کوئی سفارشی ہے نہ دوست۔ یہ بھی ارشاد ہے فدیہ بھی نہ لیا جائے گا اور جو لوگ کفر پر مر جاتے ہیں وہ اگر زمین بھر کر سونا دیں اور ہمارے عذابوں سے چھوٹنا چاہیں تو یہ بھی نہیں ہو سکتا اور جگہ ہے کافروں کے پاس اگر تمام زمین کی چیزیں اور اس کے مثل اور بھی ہوں اور قیامت کے دن وہ اسے فدیہ دے کر عذابوں سے بچنا چاہیں تو بھی کچھ قبول نہ ہوگا اور دردناک عذابوں میں مبتلا رہیں گے۔ اور جگہ ہے۔ گو وہ زبردست فدیہ دیں پھر بھی قبول نہیں۔ اور جگہ ہے آج تم سے نہ بدلہ لیا جائے نہ ہی کافروں سے۔ تمہارا ٹھکانا جہنم ہے۔ اسی کی آگ تمہاری وارث ہے۔

مطلب یہ ہے کہ ایمان بغیر سفارش اور شفاعت کا آسرا بیکار محض ہے۔ قرآن میں ارشاد ہے اس دن سے پہلے نیکیاں کر لو جس دن نہ خرید و فروخت ہوگی نہ دوستی اور شفاعت مزید فرمایا لَا يَبِيعُ فِيهِ وَلَا يَخْلِلُ اس دن نہ بیع ہوگی نہ دوستی۔ عدل کے معنی یہاں بدلے کے ہیں اور بدلہ اور فدیہ ایک ہے۔ حضرت علیؓ والی حدیث میں صرف کے معنی نفل اور دل کے معنی فریضہ مروی ہیں لیکن یہ قول یہاں غریب ہے اور صحیح قول پہلا ہی ہے۔ ایک روایت میں ہے حضورؐ سے پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ عدل کے کیا معنی ہیں؟ آپؐ نے فرمایا فدیہ۔ ان کی مدد بھی نہ کی جائے گی یعنی کوئی حمایتی نہیں ہوگا، قرابتیں کٹ جائیں گی، جاہ و حشم جاتا رہے گا، کسی کے دل میں ان کے لئے رحم نہ رہے گا نہ خود ان میں کوئی قدرت و قوت رہے گی اور جگہ ہے هُوَ يُجِيرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ وہ پناہ دیتا ہے اور اس کی پکڑ سے نجات دینے والا کوئی نہیں۔ اور جگہ ہے آج کے دن نہ اللہ کا سا کوئی عذاب دے سکے نہ اس کی سی قید و بند۔ اور جگہ ہے مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُونَ بَلْ هُمْ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُونَ تم آج کیوں ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے بلکہ وہ سب کے سب آج گردن جھکائے تابع فرمان بنے کھڑے ہیں۔ اور آیت میں ہے فَلَوْ لَا نَصَرَهُمُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ قُرْبَانًا إِلَى اللَّهِ اَللّٰهُ کی نزدیکی کے لئے وہ اللہ کے سوا پوجا پاٹ کرتے تھے۔ آج وہ معبود اپنے عابدوں کی مدد کیوں نہیں کرتے؟ بلکہ وہ تو غائب ہو گئے۔ مطلب یہ ہے کہ محبتیں فنا ہو گئیں، رشتوں کٹ گئیں، شفاعتیں مٹ گئیں، آپس کی امداد و نصرت ناپود ہو گئی، معاملہ اس عادل حاکم، جبار و قہار اللہ تعالیٰ مالک الملک سے پڑا ہے جس کے ہاں سفارشیں اور مددگاروں کی مدد کچھ کام نہ آئے بلکہ اپنی تمام برائیوں کا بدلہ لے لیتا پڑے۔ ہاں یہ اس کی کمال بندہ پروردی اور رحم و کرم انعام و اکرام ہے کہ گناہ کا بدلہ برابر دے اور نیکی کا بدلہ کم از کم دس گنا بڑھا کر دے۔ قرآن کریم میں ایک جگہ ہے کہ وقفہ لینے دو تا کہ ان سے ایک سوال کر لیا جائے گا کہ آج یہ ایک دوسرے کی مدد چھوڑ کر نفسا نفسی میں کیوں مشغول ہیں؟ بلکہ ہمارے سامنے سر جھکائے اور تابع فرمان ہیں۔

وَإِذْ نَجَّيْنَكُمْ مِنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ سُوءَ الْعَذَابِ يَدَبْحُونَ
 آبْنَاءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءَكُمْ وَفِي ذَلِكُمْ بَلَاءٌ مِنْ رَبِّكُمْ
 عَظِيمٌ ۖ وَإِذْ فَرَقْنَا بِكُمْ الْبَحْرَ فَأَنْجَيْنَكُمْ وَاعْرَقْنَا آلَ فِرْعَوْنَ
 وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ ۝

اور جب ہم نے تمہیں فرعونوں سے نجات دی جو تمہیں بدترین عذاب کرتے تھے جو تمہارے لڑکوں کو مار ڈالتے تھے اور تمہاری لڑکیوں کو چھوڑ دیتے تھے اس نجات دینے میں تمہارے رب کی بڑی مہربانی تھی ○ اور جب ہم نے تمہارے لئے دریا چیر دیا اور تمہیں اس سے پار کر دیا اور فرعونوں کو تمہاری نظروں کے سامنے اس میں ڈبو دیا ○

احسانات کی یاد دہانی: ☆ ☆ (آیت: ۴۹-۵۰) ان آیتوں میں فرمان باری ہے کہ اے اولاد یعقوب میری اس مہربانی کو بھی یاد رکھو کہ میں نے تمہیں فرعون کے بدترین عذابوں سے چھٹکارا دیا، فرعون نے ایک خواب دیکھا تھا کہ بیت المقدس کی طرف سے ایک آگ بھڑکی جو مصر کے ہر ہر قطی کے گھر میں گھس گئی اور بنی اسرائیل کے مکانات میں وہ نہیں گئی جس کی تعبیر یہ تھی کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص پیدا ہوگا جس کے ہاتھوں اس کا غرور ٹوٹے گا اس کے خدائی دعویٰ کی بدترین سزا سے ملے گی۔ اس لئے اس ملعون نے چاروں طرف احکام جاری کر دیئے کہ بنی اسرائیل میں جو بچہ بھی پیدا ہو، سرکاری طور سے اس کی دیکھ بھال رکھی جائے۔ اگر لڑکا ہو تو فوراً مار ڈالا جائے اور لڑکی ہو تو چھوڑ دی جائے علاوہ ازیں بنی اسرائیل سے سخت بیگاری جائے۔ ہر طرح کی مشقت کے کاموں کا بوجھ ان پر ڈال دیا جائے۔

یہاں پر عذاب کی تفسیر لڑکوں کے مار ڈالنے سے کی گئی اور سورہ ابراہیم میں ایک کا دوسری پر عطف ڈالا جس کی پوری تشریح ان شاء اللہ سورہ قصص کے شروع میں بیان ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں مضبوطی دے۔ ہماری مدد فرمائے اور تائید کرے آمین۔ یَسُومُونَكُمْ کے معنی مسلسل اور کرنے کے آتے ہیں یعنی وہ برابر دکھ دیئے جاتے تھے۔ چونکہ اس آیت میں پہلے یہ فرمایا تھا کہ میری انعام کی ہوئی نعمت کو یاد کرو اس لئے فرعون کے عذاب کی تفسیر لڑکوں کے قتل کرنے کے طور پر بیان فرمایا اور سورہ ابراہیم کے شروع میں فرمایا تھا کہ تم اللہ کی نعمتوں کو یاد کر ڈالو اس لئے وہاں عطف کے ساتھ بیان فرمایا تاکہ نعمتوں کی تعداد زیادہ ہو۔ یعنی متفرق عذابوں سے اور بچوں کے قتل ہونے سے تمہیں حضرت موسیٰ کے ہاتھوں نجات دلوائی۔ مصر کے جتنے بادشاہ عمالیت وغیرہ کفار میں سے ہوئے تھے ان سب کو فرعون کہا جاتا تھا جیسے کہ روم کے کافر بادشاہ کو قیصر اور فارس کے کافر بادشاہ کو کسریٰ اور یمن کے کافر بادشاہ کو تبع اور حبشہ کے کافر بادشاہ کو نجاشی اور ہند کے کافر بادشاہ کو بطلموس۔ اس فرعون کا نام ولید بن مصعب بن ریان تھا۔ بعض نے مصعب بن ریان بھی کہا ہے۔ عملیق بن اود بن ارم بن سام بن نوح کی اولاد میں سے تھا۔ اس کی کنیت ابو مرہ تھی۔ اصل میں اصطخر کے فارسیوں کی نسل میں تھا۔ اللہ کی پھٹکار اور لعنت اس پر نازل ہو۔

پھر فرمایا کہ اس نجات دینے میں ہماری طرف سے ایک بڑی بھاری نعمت تھی بَلَاءٌ کے اصلی معنی آزمائش کے ہیں لیکن یہاں پر حضرت ابن عباسؓ، حضرت مجاہدؓ، ابو العالیہؓ، ابو مالکؓ، سدیؓ وغیرہ سے نعمت کے معنی منقول ہیں۔ امتحان اور آزمائش، بھلائی برائی دونوں کے ساتھ ہوتی ہے لیکن بلو نہ بلاء کا لفظ عموماً برائی کی آزمائش کے لئے اور اُبْلِیْہُ اِبْلَاءٌ وَبَلَاءٌ کا لفظ بھلائی کے ساتھ کی آزمائش کے لئے آتا ہے۔ یہ کہا گیا ہے کہ اس میں تمہاری آزمائش یعنی عذاب میں اور اس بچوں کے قتل ہونے میں تھی۔ قرطبیؒ اس دوسرے مطلب کو جمہور کا قول کہتے ہیں تو اس میں اشارہ ذبح وغیرہ کی طرف ہوگا اور بلاء کے معنی برائی کے ہوں گے۔ پھر فرمایا کہ ہم نے فرعون سے بچا لیا۔ تم موسیٰ

کے ساتھ شہر سے نکلے اور فرعون تمہیں پکڑنے کو نکلا تو ہم نے تمہارے لئے پانی کو پھاڑ دیا اور تمہیں اس میں سے پارتا کر تمہارے سامنے فرعون کو اس کے لشکر سمیت ڈبو دیا۔ ان سب باتوں کا تفصیل وار بیان سورہ شعراء میں آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

عمر بن میمونؓ اودی فرماتے ہیں کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر نکلے اور فرعون کو خبر ہوئی تو اس نے کہا کہ جب مرغ بولے تب سب نکلے اور سب کو پکڑ کر قتل کر ڈالو لیکن اس رات اللہ تعالیٰ کی قدرت سے صبح تک کوئی مرغ نہ بولا۔ مرغ کی آواز سنتے ہی فرعون نے ایک بکری ذبح کی اور کہا کہ اس کی کلبی سے میں فارغ ہوں۔ اس سے پہلے چھ لاکھ قبیلوں کا لشکر جرار میرے پاس حاضر ہو جانا چاہئے چنانچہ حاضر ہو گیا اور یہ ملعون اتنی بڑی جمیعت کو لے کر بنی اسرائیل کی ہلاکت کے لئے بڑے کروفر سے نکلا اور دریا کے کنارے انہیں پالیا۔ اب بنی اسرائیل پر دنیا تک ہو گئی۔ پیچھے نہیں تو فرعون بنوں کی تلواروں کی بھینٹ چڑھیں۔ آگے بڑھیں تو مچھلیوں کا لقمہ بنیں۔ اس وقت حضرت یوشع بن نونؓ نے کہا کہ اے اللہ کے نبی اب کیا کیا جائے؟ آپؐ نے فرمایا، حکم الہی ہمارا رہنما ہے یہ سنتے ہی انہوں نے اپنا گھوڑا پانی میں ڈال دیا لیکن گہرے پانی میں جب غوطے کھانے لگا تو پھر کنارے کی طرف لوٹ آئے اور پوچھا اے موسیٰ رب کی مدد کہاں ہے؟ ہم نہ آپ کو جھوٹا جانتے ہیں نہ رب کو تین مرتبہ ایسا ہی کہا۔ اب حضرت موسیٰؑ کی طرف وحی آئی کہ اپنا عصا دیا پر مار دے عصا مارتے ہی پانی نے راستہ دے دیا اور پہاڑوں کی طرح کھڑا ہو گیا۔ حضرت موسیٰؑ اور آپؐ کے ماننے والے ان راستوں سے گذر گئے انہیں اس طرح پارا تراتے دیکھ کر فرعون اور فرعون بنوں نے بھی اپنے گھوڑے اسی راستہ پر ڈال دیئے۔ جب تمام کے تمام اس میں داخل ہو گئے تو پانی کو مل جانے کا حکم ہوا پانی کے ملتے ہی تمام کے تمام ڈوب مرے۔ بنی اسرائیل نے قدرت الہی کا یہ نظارہ اپنی آنکھوں سے کنارے پر کھڑے ہو کر دیکھا جس سے وہ بہت ہی خوش ہوئے۔ اپنی آزادی اور فرعون کی بربادی ان کے لئے خوشی کا سبب بنی۔ یہ بھی مروی ہے کہ یہ دن عاشورے کا تھا یعنی محرم کی دسویں تاریخ۔

مسند احمد میں حدیث ہے کہ جب حضور علیہ السلام مدینہ شریف میں تشریف لائے تو دیکھا کہ یہودی عاشورے کا روزہ رکھتے ہیں پوچھا کہ تم اس دن کا روزہ کیوں رکھتے ہو؟ انہوں نے کہا اس لئے کہ اس مبارک دن میں بنی اسرائیل نے فرعون کے ظلم سے نجات پائی اور ان کا دشمن غرق ہوا جس کے شکریہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ روزہ رکھا۔ آپؐ نے فرمایا تم سے بہت زیادہ حقدار موسیٰ علیہ السلام کا میں ہوں پس حضورؐ نے خود بھی اس دن روزہ رکھا اور لوگوں کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ بخاری، مسلم، نسائی، ابن ماجہ وغیرہ میں بھی یہ حدیث موجود ہے۔ ایک اور ضعیف حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس دن اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے لئے سمندر کو پھاڑ دیا تھا۔ اس حدیث کے راوی زید العمی ضعیف ہیں اور ان کے استاد یزید رقاشی ان سے بھی زیادہ ضعیف ہیں۔

وَإِذْ وَعَدْنَا مُوسَىٰ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِن بَعْدِهِ وَأَنتُمْ ظَالِمُونَ ﴿٥٥﴾ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذَلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿٥٦﴾ وَإِذْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿٥٧﴾

ہم نے (حضرت موسیٰؑ سے چالیس راتوں کا وعدہ کیا۔ پھر تم نے اس کے بعد عجلؓ کو اپنا شروع کر دیا اور ظالم بن گئے ○ لیکن ہم نے باوجود اس کے پھر بھی تمہیں

معاف کر دیا۔ تاکہ تم شکر کرو ○ اور ہم نے (حضرت) موسیٰ کو تمہاری ہدایت کے لئے کتاب اور معجزے عطا فرمائے ○

چالیس دن کا وعدہ: ☆ ☆ (آیت: ۵۱-۵۳) یہاں بھی اللہ برتر و اعلیٰ اپنے احسانات یا دولا رہا ہے جب کہ تمہارے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام چالیس دن کے وعدے پر تمہارے پاس سے گئے اور اس کے بعد تم نے گنو سالہ بپتی شروع کر دی۔ پھر ان کے آنے پر جب تم نے اس شرک سے توبہ کی تو ہم نے تمہارے اتنے بڑے کفر کو بخش دیا اور قرآن میں ہے وَوَعَدْنَا مُوسَىٰ ثَلَاثِينَ لَيْلَةً وَأَتَمَمْنَاهَا بِعَشْرِ يُحِیُّ ہم نے حضرت موسیٰ سے تیس راتوں کا وعدہ کیا اور دس بڑھا کر پوری چالیس راتوں کا کیا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ وعدے کا زمانہ ذوالقعدہ کا پورا مہینہ اور دس دن ذوالحجہ کے تھے۔ یہ واقعہ فرعونوں سے نجات پا کر دریا سے بچ کر نکل جانے کے بعد پیش آیا تھا۔ کتاب سے مراد تورات ہے اور فرقان ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو حق و باطل ہدایت و ضلالت میں فرق کرنے کے لئے کتاب بھی اس واقعہ کے بعد ملی جیسے کہ سورہ اعراف کے اس واقعہ کے طرز بیان سے ظاہر ہوتا ہے۔ دوسری جگہ بَعْدَ مَا أَهْلَكْنَا الْقُرُونَ الْأُولَىٰ بھی آیا ہے یعنی ہم نے اگلے لوگوں کو ہلاک کرنے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وہ کتاب دی جو سب لوگوں کے لئے بصیرت افزا اور ہدایت و رحمت ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ واؤ زائد ہے اور خود کتاب کو فرقان کہا گیا ہے لیکن یہ غریب ہے۔ بعض نے کہا ہے کتاب پر ”فرقان“ کا عطف ہے یعنی کتاب بھی دی اور معجزہ بھی دیا۔ دراصل معنی کے اعتبار سے دونوں کا مفاد ایک ہی ہے اور ایسی ایک چیز دونوں سے بطور عطف کے کلام عرب میں آیا کرتی ہے۔ شعراء عرب کے بہت سے اشعار اس کے شاہد ہیں۔

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ يُقَوْمِ إِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ أَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوبُوا إِلَىٰ بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۝

جب (حضرت) موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم مجھ سے کو معبود بنا کر تم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ اب تم اپنے پیدا کرنے والے کی طرف رجوع کرو اور اپنے آپس میں قتل کرو۔ تمہاری بہتری اللہ کے نزدیک اسی میں ہے۔ وہ تمہاری توبہ قبول کرے گا۔ وہ توبہ قبول کرنے والا اور رحم و کرم کرنے والا ہے ○

سخت ترین سزا: ☆ ☆ (آیت: ۵۴) یہاں ان کی توبہ کا طریقہ بیان ہو رہا ہے۔ انہوں نے مجھ سے کو پوجا اور اس کی محبت نے ان کے دلوں کو گھیر لیا۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سمجھانے سے ہوش آیا اور نادام ہوئے اور اپنی گمراہی کا یقین کر کے توبہ استغفار کرنے لگے۔ تب انہیں حکم ہوا کہ تم آپس میں قتل کرو۔ چنانچہ انہوں نے یہی کیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کی اور قاتل و مقتول دونوں کو بخش دیا۔ اس کا پورا بیان سورہ طہ کی تفسیر میں آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ فرمان کہ اپنے خالق سے توبہ کر ڈھٹا رہا ہے کہ اس سے بڑھ کر ظلم کیا ہو گا کہ تمہیں پیدا اللہ تعالیٰ کرے اور تم پوجو غیروں کو۔ ایک روایت میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے انہیں حکم الہی سنایا اور جن جن لوگوں نے مجھ کو پوجا تھا انہیں بٹھا دیا اور دوسرے لوگ کھڑے ہو گئے اور قتل کرنا شروع کیا۔ قدرتی طور پر اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ جب وہ بٹھا اور انہیں روک دیا گیا تو شمار کرنے پر معلوم ہوا کہ ستر ہزار آدمی قتل ہو چکے ہیں اور ساری قوم کی توبہ قبول ہوئی۔ یہ ایک سخت فرمان تھا جسے ان لوگوں نے پورا کیا اور انہوں نے کو یکساں تیغ کیا یہاں تک کہ رحمت الہی نے انہیں بخشا اور موسیٰ علیہ السلام سے فرما دیا کہ اب بس کرو۔ مقتول کو شہید کا اجر دیا۔ قاتل کی اور باقی ماندہ تمام لوگوں کی توبہ قبول فرمائی اور انہیں جہاد کا ثواب دیا۔

موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارونؑ نے جب اسی طرح اپنی قوم کا قتل دیکھا تو دعا کرنی شروع کی کہ اللہ یا اب تو بنی اسرائیل مٹ جائیں گے چنانچہ انہیں معاف فرما دیا گیا اور پروردگار عالم نے فرمایا کہ اے میرے پیغمبر مقتولوں کا غم نہ کرو۔ وہ ہمارے پاس شہیدوں کے درجہ میں ہیں وہ یہاں زندہ ہیں اور روزیاں پارہے ہیں۔ اب آپ کو اور آپ کی قوم کو صبر آیا اور عورتوں اور بچوں کی گریہ و زاری موقوف ہوئی۔ تلوار نیزے چھرے اور چھریاں چلنی بند ہوئیں۔ آپس میں باپ بیٹوں بھائیوں میں قتل و خون موقوف ہوا اور اللہ تواب و رحیم نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔

وَإِذْ قُلْتُمْ لِمُوسَىٰ لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ نَرَىٰ اللَّهَ جَهْرَةً
فَاخَذْنَاكُمْ الصُّعُقَةَ وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ ﴿٥٥﴾ ثُمَّ بَعَثْنَاكَ مِنْ بَعْدِ
مَوْتِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿٥٦﴾

(تم اے بھی یاد کرو کہ) تم نے حضرت موسیٰ سے کہا تھا کہ جب تک ہم اپنے رب کو سامنے نہ دیکھ لیں ہرگز ایمان نہ لائیں گے ○ (جس گستاخی کی سزا میں) تم پر تمہارے دیکھتے ہوئے بجلی گری۔ لیکن پھر اس لئے کہ تم شکر گزاری کرو۔ اس موت کے بعد بھی ہم نے تمہیں زندہ کر دیا ○

ہم بھی اللہ عز و جل کو خود دیکھیں گے: ☆ ☆ (آیت: ۵۵-۵۶) موسیٰ علیہ السلام جب اپنے ساتھ بنی اسرائیل کے ستر شخصوں کو لے کر اللہ کے وعدے کے مطابق کوہ طور پر گئے اور ان لوگوں نے کلام الہی سنا تو حضرت موسیٰ سے کہنے لگے ہم تو جب مانیں جب اللہ تعالیٰ کو اپنے سامنے دیکھ لیں۔ اس گستاخانہ سوال پر ان پر آسمان سے ان کے دیکھتے ہوئے بجلی گری اور ایک سخت ہولناک آواز ہوئی جس سے سب کے سب مر گئے۔ موسیٰ علیہ السلام یہ دیکھ کر گریہ و زاری کرنے لگے اور رو کر جناب باری میں عرض کرنے لگے کہ یا اللہ بنی اسرائیل کو میں کیا جواب دوں گا۔ یہ جماعت تو ان کے سرداروں اور بہترین لوگوں کی تھی پروردگار اگر یہی چاہت تھی تو انہیں اور مجھے اس سے پہلے ہی مار ڈالتا۔ اللہ یا بیوقوفوں کی بیوقوفی کے کام پر ہمیں نہ پکڑ۔ یہ دعا مقبول ہوئی اور آپ کو معلوم کرایا گیا کہ یہ بھی دراصل پچھڑا پوجنے والوں میں سے تھے۔ انہیں سزا مل گئی۔ پھر انہیں زندہ کر دیا اور ایک کے بعد ایک کر کے سب زندہ کئے گئے۔ ایک دوسرے کے زندہ ہونے کو ایک دوسرا دیکھتا رہا۔

محمد بن اسحاقؒ فرماتے ہیں کہ جب موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کے پاس آئے اور انہیں پچھڑا پوجتے ہوئے دیکھا اور اپنے بھائی کو اور سامری کو تنبیہ کی پچھڑے کو جلادیا اور اس کی راکھ دریا میں بہا دی اس کے بعد ان میں سے بہترین لوگوں کو چن کر اپنے ساتھ لیا جن کی تعداد ستر تھی اور کوہ طور پر توبہ کرنے کے لئے چلے۔ ان سے کہا کہ تم توبہ کرو ورنہ روزہ رکھو پاک صاف ہو جاؤ کپڑوں کو پاک کر لو جب بنکام رب ذوالجلال طور سینا پر پہنچے تو ان لوگوں نے کہا کہ اے اللہ کے پیغمبر اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ اپنا کلام ہمیں بھی سنائے جب موسیٰ علیہ السلام پہاڑ کے پاس پہنچے تو ایک بادل نے آ کر سارے پہاڑ کو ڈھک لیا اور آپ اسی کے اندر اندر اللہ کے قریب ہو گئے جب کلام اللہ شروع ہوا تب موسیٰ علیہ السلام کی پیشانی نور سے چمکنے لگی اس طرح کہ کوئی اس طرف نظر اٹھانے کی تاب نہیں رکھتا تھا۔ بادل کی اوٹ ہو گئی اور سب لوگ سجدے میں گر پڑے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے آپ کے ساتھی بنی اسرائیل بھی اللہ کا کلام سننے لگے کہ انہیں حکم احکام ہو رہے ہیں۔ جب کلام الہ العالمین ختم ہوا بادل چھٹ گیا اور موسیٰ علیہ السلام ان کے پاس چلے آئے تو یہ لوگ کہنے لگے موسیٰ ہم تو ایمان نہ لائیں گے جب تک اپنے رب کو اپنے سامنے نہ دیکھ لیں۔ اس گستاخی پر ایک زلزلہ آیا اور سب کے سب ہلاک ہو گئے۔

اب موسیٰ علیہ السلام نے خلوص دل کے ساتھ دعائیں شروع کیں اور کہنے لگے اس سے تو یہی اچھا تھا کہ ہم سب اس سے پہلے ہی

ہلاک ہو جاتے۔ یہ تو قوفوں کے کاموں پر ہمیں ہلاک نہ کر، یہ لوگ ان کے چیدہ اور پسندیدہ لوگ تھے۔ جب میں تنہا بنی اسرائیل کے پاس جاؤں گا تو انہیں کیا جواب دوں گا کون میری اس بات کو سچا سمجھے گا اور پھر اس کے بعد کون مجھ پر ایمان لائے گا؟ اللہ ہماری توبہ ہے۔ تو قبول فرما اور ہم پر فضل و کرم کر۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام یونہی خشوع و خضوع سے دعا مانگتے رہے یہاں تک کہ پروردگار نے ان کی اس دعا کو قبول فرمایا اور ان مردوں کو زندہ کر دیا۔ اب سب نے ایک زبان ہو کر بنی اسرائیل کی طرف سے توبہ شروع کی۔ ان سے فرمایا گیا کہ جب تک یہ اپنی جانوں کو ہلاک نہ کریں اور ایک دوسرے کو قتل نہ کریں میں ان کی توبہ قبول نہیں فرماؤں گا۔ سدی کبیر کہتے ہیں یہ واقعہ بنی اسرائیل کے آپس میں لڑانے کے بعد کا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ خطاب گوعام ہے لیکن حقیقت میں اس سے مراد وہی ستر شخص ہیں۔

رازیؒ نے اپنی تفسیر میں ان ستر شخصوں کے بارے میں لکھا ہے کہ انہوں نے اپنے جینے کے بعد کہا کہ اے نبی اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ ہمیں نبی بنا دے۔ آپ نے دعا کی اور وہ قبول بھی ہوئی لیکن یہ قول غریب ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں سوائے ہارون علیہ السلام کے اور اس کے بعد حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کے کسی اور کی نبوت ثابت نہیں۔ اہل کتاب کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ ان لوگوں نے اپنی دعا کے مطابق اللہ کو اپنی آنکھوں سے اسی جگہ دیکھا۔ یہ بھی غلط ہے اس لئے کہ خود موسیٰ علیہ السلام نے جب دیدار باری کا سوال کیا تو انہیں منع کر دیا گیا۔ پھر بھلا یہ ستر اشخاص دیدار باری کی تاب کیسے لاتے؟ اس آیت کی تفسیر میں ایک دوسرا قول بھی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام توراۃ لے کر آئے جو احکام کا مجموعہ تھی اور ان سے کہا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے۔ اس پر عمل کرو اور مضبوطی کے ساتھ اس کے پابند ہو جاؤ تو وہ کہنے لگے کہ حضرت ہمیں کیا خبر اللہ خود آ کر ظاہر ہو کر ہم سے کیوں نہیں کہتا؟ کیا وجہ ہے کہ وہ آپ سے باتیں کرے اور ہم سے نہ کرے؟ جب تک ہم اللہ کو خود نہ دیکھ لیں ہرگز ایمان نہ لائیں گے اس قول پر ان کے اوپر غضب الہی نازل ہوا اور ہلاک کر دیئے گئے۔ پھر زندہ کئے گئے پھر موسیٰ علیہ السلام نے انہیں کہا کہ اب تو اس توراۃ کو تھام لو۔ انہوں نے پھر انکار کیا۔ اب کی مرتبہ فرشتے پہاڑ اٹھا کر لائے اور ان کے سروں کے اوپر معلق کر دیا کہ اگر نہ مانو گے تو یہ پہاڑ تم پر گر دیا جائے گا اور تم سب پیس ڈالے جاؤ گے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مرنے کے بعد یہ جی اٹھے اور پھر بھی مکلف رہے یعنی احکام الہی ان پر پھر بھی جاری رہے۔ واددی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کی یہ زبردست نشانی دیکھ لی مرنے کے بعد زندہ ہوئے تو پھر تکلیف شرعی ان پر سے ہٹ گئی۔ اس لئے کہ اب تو یہ مجبور تھے کہ سب کچھ مان لیں۔ خود ان پر یہ واردات پیش آئی۔ اب تصدیق ایک بے اختیار امر ہو گیا۔ دوسری جماعت کہتی ہے کہ نہیں بلکہ باوجود اس کے وہ احکام شرع کے مکلف رہے کیونکہ ہر عاقل مکلف ہے۔

قرطبیؒ کہتے ہیں ٹھیک قول یہی ہے۔ یہ امور ان پر قدرتی طور سے آئے تھے جو انہیں پابندی شرع سے آزاد نہیں کر سکتے۔ خود بنی اسرائیل نے بھی بڑے بڑے معجزات دیکھے۔ خود ان کے ساتھ ایسے ایسے معاملات ہوئے جو بالکل نادر اور خلاف قیاس اور زبردست معجزات تھے باوجود اس کے وہ بھی مکلف رہے۔ اسی طرح یہ بھی ٹھیک قول ہے اور واضح امر بھی یہی ہے۔ واللہ اعلم۔

وَضَلَلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ وَأَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّٰ وَالسَّلْوٰ كُلُوا مِنْ
طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَمَا ظَلَمُونَا وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ
يَظْلِمُونَ

ہم نے تم پر بادل کا سایہ کیا اور تم پر من و سلویٰ اتارا (اور کہہ دیا) کہ ہماری دی ہوئی پاکیزہ چیزیں کھاتے رہو۔ انہوں نے ہم پر ظلم نہیں کیا البتہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم

کیا کرتے تھے ○

یہود پہ احسانات الہیہ کی تفصیل: ☆ ☆ (آیت: ۵۷) سابقہ آیات میں بیان ہوا تھا کہ فلاں فلاں بلائیں ہم نے تم پر سے دفع کر دیں۔ اب بیان ہو رہا ہے کہ فلاں فلاں نعمتیں بھی ہم نے تمہیں عطا فرمائیں غَمَامَ غَمَامَہ کی جمع ہے چونکہ یہ آسمان کو چھالیتا ہے اس لئے اسے غمامہ کہتے ہیں۔ یہ ایک سفید رنگ کا بادل تھا جو وادی تہ میں ان کے سروں پر سایہ کئے رہتا تھا جیسے نسائی وغیرہ میں ابن عباسؓ سے ایک لمبی حدیث میں مروی ہے ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ ابن عمرؓ ربيع بن انسؓ ابو مجازؓ ضحاکؓ اور سدیؓ نے بھی یہی کہا ہے۔ حسنؓ اور قتادہؓ بھی یہی کہتے ہیں اور لوگ کہتے ہیں کہ یہ بادل عام بادلوں سے زیادہ ٹھنڈک والا اور زیادہ عمدہ تھا۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں یہ وہی بادل تھا جس میں اللہ تعالیٰ قیامت کے دن آئے گا۔ ابو حذیفہ کا قول بھی یہی ہے هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ فِي ظُلَلٍ مِنَ الْغَمَامِ وَالْمَلَائِكَةُ السَّالِحِينَ اس آیت میں اس کا ذکر ہے کہ کیا ان لوگوں کو اس کا انتظار ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے بادل میں آئیں۔ یہی وہ بادل ہے جس میں بدروالے دن فرشتے نازل ہوئے تھے۔

جو ”من“ ان پر اترا وہ درختوں پر اترا تھا۔ یہ صبح جاتے تھے اور جمع کر کے کھالیا کرتے تھے۔ وہ گوند کی قسم کا تھا۔ کوئی کہتا ہے شبنم کی وضع کا تھا۔ حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں اولوں کی طرح من ان کے گھروں میں اترتا تھا جو دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا تھا۔ صبح صادق سے لے کر آفتاب نکلنے تک اترتا رہتا تھا۔ ہر شخص اپنے گھربار کے لئے اتنی مقدار میں جمع کر لیتا تھا جتنا اس دن کافی ہو اگر کوئی زیادہ لیتا تو بگڑ جاتا تھا۔ جمعہ کے دن وہ دودن کا لے لیتے تھے جمعہ اور ہفتہ کا اس لئے کہ ہفتہ ان کا بڑا دن تھا۔ ربيع بن انسؓ کہتے ہیں ”من“ شہد جیسی چیز تھی جس میں پانی ملا کر پیتے تھے ”سعی“ فرماتے ہیں تمہارا یہ شہد اس ”من“ کا ستر واں حصہ ہے۔ شعروں میں یہی ”من“ شہد کے معنی میں آیا ہے۔ یہ سب اقوال قریب قریب ہیں۔ غرض یہ ہے کہ ایک ایسی چیز تھی جو انہیں بلا تکلیف و تکلف ملتی تھی۔ اگر صرف اسے کھایا جائے تو وہ کھانے کی چیز تھی اور اگر پانی میں ملایا جائے تو پینے کی چیز تھی اور اگر دوسری چیزوں کے ساتھ مرکب کر دی جائے تو اور چیز ہو جاتی تھی لیکن یہاں ”من“ سے مراد یہی من مشہور نہیں۔

صحیح بخاری شریف کی حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ”کھمبی“ ”من“ میں سے ہے اور اس کا پانی آنکھ کے لئے شفا ہے۔ ترمذیؒ اسے حسن صحیح کہتے ہیں۔ ترمذیؒ میں ہے کہ عجمہ جو مدینہ کی کھجوروں کی ایک قسم ہے۔ وہ جنتی چیز ہے اور اس میں زہر کا تریاق ہے اور کھمبی ”من“ میں سے ہے اور اس کا پانی آنکھ کے درد کی دوا ہے یہ حدیث حسن غریب ہے۔ دوسرے بہت سے طریقوں سے بھی مروی ہے۔ ابن مردویہ کی حدیث میں ہے کہ صحابہؓ نے اس درخت کے بارے میں اختلاف کیا جو زمین کے اوپر ہوتا ہے جس کی جڑیں مضبوط نہیں ہوتیں۔ بعض کہنے لگے کھمبی کا درخت ہے۔ آپؐ نے فرمایا ”کھمبی تو من میں سے ہے اور اس کا پانی آنکھ کے لئے شفا ہے۔ سلویٰ ایک قسم کا پرند ہے چڑیا سے کچھ بڑا ہوتا ہے ”سرفی مائل رنگ کا“ جنوبی ہوائیں چلتی تھی اور ان پرندوں کو وہاں لا کر جمع کر دیتی تھیں۔ بنی اسرائیل اپنی ضرورت کے مطابق انہیں پکڑ لیتے تھے اور ذبح کر کے کھاتے تھے۔ اگر ایک دن گذر کر کچا جاتا تو وہ بگڑ جاتا تھا اور جمعہ کے دن دودن کے لئے جمع کر لیتے تھے کیونکہ ہفتہ کا دن ان کے لئے عید کا دن ہوتا تھا اس دن عبادتوں میں مشغول رہنے اور شکار وغیرہ سے بچنے کا حکم تھا۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ یہ پرند کبوتر کے برابر ہوتے تھے ایک میل کی لمبائی چوڑائی میں ایک نیزے کے برابر اونچا ڈھیر ان پرندوں کا ہو جاتا تھا۔ یہ دونوں چیزیں ان پر وادی تہ میں اتری تھیں جہاں انہوں نے اپنے پیغمبر سے کہا تھا کہ اس جنگل میں ہمارے کھانے کا بندوبست کیسے ہوگا تب ان پر من و سلویٰ اتارا گیا اور پانی کے لئے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی گئی تو پروردگار عالم نے فرمایا کہ اس پتھر پر اپنا عصا مارو

عصا لگتے ہی اس سے بارہ چشمے جاری ہو گئے اور بنی اسرائیل کے بارہ ہی فرقے تھے۔ ہر قبیلہ نے ایک ایک چشمہ اپنے لئے بانٹ لیا پھر سایہ کے طالب ہوئے کہ اس چٹیل میدان میں سایہ بغیر گذر مشکل ہے۔ تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے طور پہاڑ کا ان پر سایہ کر دیا، رہ گیا لباس تو قدرت الہی سے جو لباس وہ پہنے ہوئے تھے وہ ان کے قد کے بڑھنے کے ساتھ بڑھتا رہتا تھا۔ ایک سال کے بچہ کا لباس جوں جوں اس کا قد و قامت بڑھتا، لباس بھی بڑھتا جاتا، نہ پھٹتا، نہ خراب ہوتا، نہ میلا ہوتا، ان تمام نعمتوں کا ذکر مختلف جگہ قرآن پاک میں موجود ہے جیسے یہ آیت اور اِذَا سَسُفُیٰ وَالِیٰ آیت وغیرہ۔

ہذیٰ کہتے ہیں کہ سلویٰ شہد کو کہتے ہیں لیکن ان کا یہ قول غلط ہے۔ ثور رُج نے اور جو ہرئی نے بھی یہی کہا ہے اور اس کی شہادت میں عرب شاعروں کے شعر اور بعض لغوی محاورے بھی پیش کئے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ ایک دوا کا نام ہے۔ کسائی کہتے ہیں، سلویٰ واحد کا لفظ ہے اور اس کی جمع سلاویٰ آتی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ جمع میں اور مفرد میں یہی صیغہ رہتا ہے یعنی لفظ سلویٰ۔ غرض یہ اللہ کی دو نعمتیں تھیں جن کا کھانا ان کے لئے مباح کیا گیا لیکن ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کی ناشکری کی اور یہی ان کا اپنی جانوں پر ظلم کرنا تھا باوجودیکہ اس سے پہلے بہت کچھ اللہ کی نعمتیں ان پر نازل ہو چکی تھیں۔

تقابلی جائزہ: ☆ ☆ بنی اسرائیل کی حالت کا یہ نقشہ آنکھوں کے سامنے رکھ کر پھر اصحاب رسول اللہ ﷺ کی حالت پر نظر ڈالو کہ باوجود سخت سے سخت مصیبتیں جھیلنے اور بے انتہا تکلیفیں برداشت کرنے کے وہ اتباع نبیؐ پر اور عبادت الہی پر جے رہے نہ معجزات طلب کئے نہ دنیا کی راحتیں مانگیں نہ اپنے نعیش کے لئے کوئی نئی چیز پیدا کرنے کی خواہش کی۔ جنگ تبوک میں جبکہ بھوک کے مارے بیتاب ہو گئے اور موت کا مزہ آنے لگا تب حضورؐ سے کہا کہ یا رسول اللہ اس کھانے میں برکت کی دعا کیجئے اور جس کے پاس جو کچھ بچا کھچا تھا جمع کر کے حاضر کر دیا۔ جو سب مل کر بھی نہ ہونے کے برابر ہی تھا، حضورؐ نے دعا کی اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے قبول فرما کر اس میں برکت دی انہوں نے خوب کھایا بھی اور تمام توشے دان بھر لئے، پانی کے قطرے قطرے کو جب تر سنے لگے تو اللہ کے رسولؐ کی دعا سے ایک ابر آیا اور ریل پیل کر دی، پیلا پالا اور مشکیں اور مشکیزے سب بھر لئے، پس صحابہؓ کی اس ثابت قدمی، اولوالعزمی، کامل اتباع اور سچی توحید نے ان کی اصحاب موسیٰ علیہ السلام پر قطعی فضیلت ثابت کر دی۔

وَإِذْ قُلْنَا ادْخُلُوا هَذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ
رَغَدًا وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَقُولُوا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيئَتَكُمْ
وَسَنَزِيدُ الْمُحْسِنِينَ ۝ فَبَدَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِي
قِيلَ لَهُمْ فَأَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا رِجْزًا مِنَ السَّمَاءِ بِمَا
كَانُوا يَفْسُقُونَ ۝

ہم نے تم سے کہا کہ اس بستی میں جاؤ اور جو کچھ جہاں کہیں سے چاہو باغراغت کھاؤ پیو اور دروازے میں سے سجدے کرتے ہوئے گدزو اور زبان سے ہطہ کہو ہم تمہاری خطائیں معاف فرمادیں گے اور پھلے لوگوں کو اور زیادہ دیں گے ○ پھر ان ظالموں نے اس بات کو جو ان سے کہی گئی تھی بدل ڈالا ہم نے بھی ان ظالموں پر ان کے فسق و نافرمانی کی وجہ سے آسمانی عذاب نازل کیا ○

یہودی پھر حکم عدولی: ☆☆ (آیت: ۵۸-۵۹) جب موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے آئے اور انہیں ارض مقدس میں داخل ہونے کا حکم ہوا جو ان کی موردی زمین تھی ان سے کہا گیا کہ یہاں جو عیالقی ہیں ان سے جہاد کرو تو ان لوگوں نے نامردی دکھائی جس کی سزا میں انہیں میدان جیمہ میں ڈال دیا گیا جیسے کہ سورہ مائدہ میں ذکر ہے۔ قریہ سے مراد بیت المقدس ہے۔ سدئ ریح، قنادر، ابو مسلم وغیرہ نے یہی کہا ہے قرآن میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم اس پاک زمین میں جاؤ جو تمہارے لئے لکھ دی ہے۔ بعض کہتے ہیں اس سے مراد ریخاء ہے، بعض نے کہا ہے مصر مراد ہے لیکن صحیح قول پہلا ہی ہے کہ مراد اس سے بیت المقدس ہے۔ یہ واقعہ تہہ سے نکلنے کے بعد کا ہے۔ جہ کہ دن شام کو اللہ تعالیٰ نے انہیں اس پر فتح عطا کی بلکہ سورج کو ان کے لئے ذرا سی دیر ٹھہرا دیا تھا تا کہ فتح ہو جائے فتح کے بعد انہیں حکم ہوا کہ اس شہر میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہوں۔ جو اس فتح کے اظہار تشکر کا مظہر ہوگا۔

ابن عباسؓ نے سجدے سے مراد رکوع لیا ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ سجدے سے مراد یہاں پر خشوع خضوع ہے کیونکہ حقیقت پر اسے محمول کرنا ناممکن ہے۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں یہ دروازہ قبلہ کی جانب تھا اس کا نام باب الھط تھا۔ رازیؒ نے یہ بھی کہا ہے کہ دروازے سے مراد جہت قبلہ ہے۔ بجائے سجدے کے اس قوم نے اپنی رانوں پر کھسکا شروع کیا اور کروٹ کے بل داخل ہونے لگے سردوں کو جھکانے کے بجائے اور اونچا کر لیا۔ حطۃ کے معنی بخشش کے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ امر حق ہے۔ عکرمہ کہتے ہیں اس سے مراد لا الہ الا اللہ کہنا ہے۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں ان میں گناہوں کا اقرار ہے۔ حسنؒ اور قنادرؒ فرماتے ہیں اس کے معنی یہ ہیں اللہ ہماری خطاؤں کو ہم سے دور کر دے۔ پھر ان سے وعدہ کیا جاتا ہے کہ اگر تم اسی طرح یہی کہتے ہوئے شہر میں جاؤ گے اور اس فتح کے وقت بھی اپنی ہستی اور اللہ کی نعمت اور اپنے گناہوں کا اقرار کرو گے اور مجھ سے بخشش مانگو گے تو چونکہ یہ چیزیں مجھے بہت ہی پسند ہیں میں تمہاری خطاؤں سے درگزر کر لوں گا۔ فتح مکہ کے موقعہ پر فرمان الہی سورہ اذا جاء نازل ہوئی تھی اور اس میں بھی یہی حکم دیا گیا تھا کہ جب اللہ کی مدد آ جائے مکہ فتح ہو اور لوگ دین الہی میں فوج در فوج آنے لگیں تو اے نبی تم اپنے رب کی تسبیح اور حمد و ثناء بیان کرو اس سے استغفار کرو۔ وہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔ اس سورت میں جہاں ذکر و استغفار کا ذکر ہے وہاں حضورؐ کے آخری وقت کی خبر تھی۔ حضرت ابن عباسؓ نے حضرت عمرؓ کے سامنے اس سورت کا ایک مطلب یہ بھی بیان کیا تھا جسے آپؐ نے فرمایا تھا جب مکہ فتح ہونے کے بعد حضورؐ شہر میں داخل ہوئے تو انتہائی تواضع اور مسکینی کے آثار آپؐ پر تھے یہاں تک کہ سر جھکائے ہوئے تھے اونٹنی کے پالان سے سر لگ گیا تھا۔ شہر میں جاتے ہی غسل کر کے منی کے وقت آٹھ رکعت نماز ادا کی جو منی کی نماز بھی تھی اور فتح کے شکر یہ کی بھی دونوں طرح کے قول محدثین کے ہیں۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب ملک ایران فتح کیا اور کسری کے شاہی محلات میں پہنچے تو اسی سنت کے مطابق آٹھ رکعتیں پڑھیں دودو رکعت ایک سلام سے پڑھنے کا مذہب ہے اور بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ آٹھ ایک ساتھ ایک ہی سلام سے پڑھیں۔ واللہ اعلم۔

صحیح بخاری شریف میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں بنی اسرائیل کو حکم کیا گیا کہ وہ سجدہ کرتے ہوئے اور حطہ کہتے ہوئے دروازے میں داخل ہوں لیکن انہوں نے بدل دیا اور اپنی رانوں پر گھسٹتے ہوئے اور حطہ کی بجائے حبثہ فی شعر کہتے ہوئے جانے لگے۔ نسائی، عبد الرزاق، ابوداؤد، مسلم اور ترمذی میں بھی یہ حدیث بہ اختلاف الفاظ موجود ہے اور سند صحیح ہے۔

حضرت ابوسعید، خدریؓ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جا رہے تھے۔ ذات الحطل نامی گھاٹی کے قریب پہنچے تو آپؐ نے فرمایا کہ اس گھاٹی کی مثال بھی بنی اسرائیل کے اس دروازے جیسی ہے جہاں انہیں سجدہ کرتے ہوئے اور حطہ کہتے ہوئے داخل ہونے کو کہا گیا تھا اور ان کے گناہوں کی معافی کا وعدہ کیا گیا تھا۔ حضرت برآءؓ فرماتے ہیں سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ فِي سَفَهَاءٍ يَعْنِي جَالِئِينَ

مراد یہود ہیں جنہوں نے اللہ کی بات کو بدل دیا تھا۔ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں حِطَّة کے بدلے انہوں نے حِطَّة حَبَّة حَمْرَاءَ فِيْهَا شَعِيْرَةٌ کہا تھا۔ ان کی اپنی زبان میں ان کے الفاظ یہ تھے هطّا سمعانا اذبة مزبا ابن عباسؓ بھی ان کی اس لفظی تبدیلی کو بیان فرماتے ہیں کہ رکوع کرنے کے بدلے وہ رانوں پر گھسٹتے ہوئے اور حِطَّة کے بدلے حنطہ کہتے ہوئے داخل ہوئے۔ حضرت عطاءؓ مجاہدؓ عکرمہؓ ضحاکؓ حسنؓ قتادہؓ ربیعؓ یحییٰؓ نے بھی یہی بیان کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس قول و فعل کا انہیں حکم دیا گیا تھا انہوں نے مذاق اڑایا جو صریح مخالفت اور معاندت تھی۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنا عذاب نازل فرمایا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے ظالموں پر ان کے نفس کی وجہ سے آسمانی عذاب نازل فرمایا۔ رجز سے مراد عذاب ہے کوئی کہتا ہے غضب ہے کسی نے طاعون کہا ہے۔ ایک مرفوع حدیث ہے طاعون رجز ہے اور یہ عذاب تم سے اگلے لوگوں پر اتارا گیا تھا۔ بخاری اور مسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ یہ دکھ اور بیماری رجز ہے تم سے پہلے لوگ انہی سے عذاب دیئے گئے تھے۔

وَإِذِ اسْتَسْقَىٰ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ
فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَّشْرِبَهُمْ
كُلُوا وَاشْرَبُوا مِنْ رِّزْقِ اللَّهِ وَلَا تَعَثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿۵۷﴾

اور جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے لئے پانی مانگا تو ہم نے کہا اپنی لکڑی پتھر پر مارو۔ جس سے بارہ چشمے بہہ نکلے اور ہر گروہ نے اپنا چشمہ پہچان لیا (اور ہم نے کہہ دیا کہ) اللہ تعالیٰ کا رزق کھاتے پیتے رہو اور زمین میں فساد نہ کرتے پھرو ○

یہود پر تسلسل احسانات: ☆ ☆ (آیت ۶۰) یہ ایک اور نعمت یاد دلانی جاری ہے کہ جب تمہارے نبی نے تمہارے لئے پانی طلب کیا تو ہم نے اس پتھر سے چشمے بہا دیئے جو تمہارے ساتھ رہا کرتا تھا اور تمہارے ہر قبیلے کے لئے اس میں سے ایک ایک چشمہ ہم نے جاری کر دیا جسے ہر قبیلہ نے جان لیا اور ہم نے کہہ دیا کہ من و سلویٰ کھاتے رہو اور ان چشموں کا پانی پیتے رہو بے محنت کی روزی کھاپی کر ہماری عبادت میں لگے رہو نافرمانی کر کے زمین میں فساد مت پھیلاؤ ورنہ یہ نعمتیں چھن جائیں گی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یہ ایک چکور پتھر تھا جو ان کے ساتھ ہی تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بحکم اللہ وندی اس پر لکڑی ماری چاروں طرف سے تین تین نہریں بہ نکلیں۔ یہ پتھر بیل کے سر جتنا تھا جو بیل پر لا دیا جاتا تھا۔ جہاں اترتے رکھ دیتے اور عصا کی ضرب لگتے ہی اس میں سے نہریں بہ نکلتیں۔ جب کوچ کرتے اٹھا لیتے نہریں بند ہو جاتیں اور پتھر کو ساتھ رکھ لیتے۔ یہ پتھر طور پہاڑ کا تھا۔ ایک ہاتھ لمبا اور ایک ہاتھ چوڑا تھا۔ بعض کہتے ہیں یہ جنتی پتھر تھا دس دس ہاتھ لمبا چوڑا تھا، دوشاخیں تھیں جو چمکتی رہتی تھیں۔ ایک اور قول میں ہے کہ یہ پتھر حضرت آدمؑ کے ساتھ جنت سے آیا تھا اور یونہی ہاتھوں ہاتھ پہنچتا ہوا حضرت شعیبؑ کو ملا تھا۔ انہوں نے لکڑی اور پتھر دونوں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیئے تھے۔ بعض کہتے ہیں یہ وہی پتھر ہے جس پر حضرت موسیٰ اپنے کپڑے رکھ کر نہا رہے تھے اور بحکم الہی یہ پتھر آپ کے کپڑے لے کر بھاگا تھا اسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت جبرائیل کے مشورہ سے اٹھا لیا تھا جس سے آپ کا معجزہ ظاہر ہوا۔

زخمرئی کہتے ہیں کہ حجر پر الف لام جس کے لئے ہے عہد کے لئے نہیں یعنی کسی ایک پتھر پر عصا مارو یہ نہیں کہ فلاں پتھر ہی پر مارو۔ حضرت حسن سے بھی یہی مروی ہے اور یہی معجزہ کا کمال اور قدرت کا پورا اظہار ہے آپ کی لکڑی لگتے ہی وہ پہنے لگتا اور پھر دوسری لکڑی

لگتے ہی خشک ہو جاتا۔ بنی اسرائیل آپس میں کہنے لگے کہ اگر یہ پتھر گرم ہو گیا تو ہم پیاسے مرنے لگیں گے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم لکڑی نہ مارو صرف زبانی کہوتا کہ انہیں یقین آجائے۔ واللہ اعلم۔

ہر ایک قبیلہ اپنی اپنی نہر کو اس طرح جان لیتا کہ ہر قبیلہ کا ایک ایک آدمی پتھر کے پاس کھڑا رہ جاتا اور لکڑی لگتے ہی اس میں سے چشمے جاری ہو جاتے جس شخص کی طرف جو چشمہ جاتا وہ اپنے قبیلے کو بلا کر کہہ دیتا کہ یہ چشمہ تمہارا ہے یہ واقعہ میدان تیبہ کا ہے۔ سورۃ اعراف میں بھی اس واقعہ کا بیان ہے لیکن چونکہ وہ سورت مکی ہے اس لئے وہاں ان کا بیان غائب کی ضمیر سے کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے جو احسانات ان پر نازل فرمائے تھے وہ اپنے رسول کے سامنے دوہرائے ہیں اور یہ سورت مدنی ہے اس لئے یہاں خود انہیں خطاب کیا گیا ہے۔ سورۃ اعراف میں فَاَنْبَحَسْتُ کہا اور یہاں فَاَنْفَجَحَرْتُ کہا اس لئے کہ وہاں اول اول جاری ہونے کے معنی میں ہے اور یہاں آخری حال کا بیان ہے۔ واللہ اعلم۔ اور ان دونوں جگہ کے بیان میں دس وجہ سے فرق ہے جو فرق لفظی بھی ہے اور معنوی بھی زخمی نے اپنے طور پر ان سب وجوہ کو بیان کیا ہے اور حقیقت اس میں قریب ہے۔ واللہ اعلم۔

وَإِذْ قُلْتُمْ لِمُوسَىٰ لَنْ نَّصْبِرَ عَلَىٰ طَعَامٍ وَاحِدٍ فَانْعَمْنَا بِكَ
وَنُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُثْبِتُ الْأَرْضُ مِنْ بَقْلِهَا وَقِثَّائِهَا وَفُومِهَا
وَعَدَسِهَا وَبَصَلَهَا قَالَ أَسْتَبْدِلُ الْذِي هُوَ أَدْنَىٰ بِالَّذِي هُوَ
خَيْرٌ إِنْ هَبَطُوا مِصْرًا فَإِنَّ لَكُمْ مِمَّا سَأَلْتُمْ

اور جب تم نے کہا کہ اے موسیٰ ہم سے ایک ہی قسم کے کھانے پر ہرگز صبر نہ ہو سکے گا۔ اپنے رب سے دعا کیجئے کہ وہ ہمیں زمین کی پیداوار ساگ، لکڑی، گیہوں، مسور اور پیاز دے آپ نے فرمایا بہتر چیز کے بدلے یہ ادنیٰ چیز کیوں طلب کرتے ہو اچھا کسی شہر میں جاؤ۔ وہاں تمہیں تمہاری چاہت کی یہ سب چیزیں ملیں گی۔

احسان فراموش یہود: ☆☆ (آیت ۶۱) یہاں بنی اسرائیل کی بے صبری اور نعمت اللہ کی ناقدری بیان کی جا رہی ہے کہ من وسلوی جیسے پاکیزہ کھانے پر ان سے صبر نہ ہو سکا اور ردی چیزیں مانگنے لگے ایک طعام سے مراد ایک قسم کا کھانا یعنی من وسلوی ہے۔ فوم کے معنی میں اختلاف ہے ابن مسعود کی قرات میں فوم ہے مجاہد نے فوم کی تفسیر ثوم کے ساتھ کی ہے یعنی لہسن، حضرت ابن عباسؓ سے بھی یہ تفسیر مردی ہے۔ اگلی لغت کی کتابوں میں فوموالنا کے معنی اخْتَبَرُوا یعنی ہماری روٹی پکاؤ کے ہیں امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں اگر یہ صحیح ہو تو یہ حروف مبدلہ میں سے ہیں جیسے عَاثُورُ شَرٌّ عَاثُورُ شَرٌّ، اَثَافِیْ، اَثَانِیْ، مَغَافِیْرُ، مَغَاثِیْرُ وغیرہ جن میں ف سے ت اور ث بدلا گیا کیونکہ یہ دونوں مخرج کے اعتبار سے بہت قریب ہیں۔ ① واللہ اعلم۔ اور لوگ کہتے ہیں فوم کے معنی گیہوں کے ہیں حضرت ابن عباسؓ سے بھی یہی تفسیر منقول ہے اور اچھے کے شعر میں بھی فوم گیہوں کے معنی میں آیا ہے۔ بنی ہاشم کی زبان میں فوم گیہوں کے معنی میں مستعمل تھا۔ فوم کے معنی روٹی کے بھی ہیں بعض نے سنبلہ کے معنی کئے ہیں۔

حضرت قتادہؒ اور حضرت عطاءؒ فرماتے ہیں جس اناج کی روٹی پکتی ہے اسے فوم کہتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں فوم ہر قسم کے اناج کو کہتے ہیں حضرت موسیٰ نے اپنی قوم کو ڈانٹا کہ تم ردی چیز کو بہتر کے بدلے کیوں طلب کرتے ہو؟ پھر فرمایا شہر میں جاؤ وہاں یہ سب چیزیں پاؤ گے۔

جمہور کی قرات ”مصر“ ہی ہے اور تمام قرأتوں میں یہی لکھا ہوا ہے۔

ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ شہروں میں سے کسی شہر میں چلے جاؤ۔ ابی بن کعبؓ اور ابن مسعودؓ سے مصر کی قرات بھی ہے اور اس کی تفسیر مصر شہر سے کی گئی ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مصر اسے بھی مراد مخصوص شہر مصر لیا گیا ہو اور یہ الف مصر کا ایسا ہو جیسا قواریرا قواریرا میں ہے۔ مصر سے مراد عام شہر لینا ہی بہتر معلوم ہوتا ہے تو مطلب یہ ہوا کہ جو چیز تم طلب کرتے ہو یہ تو آسان چیز ہے جس شہر میں جاؤ گے یہ تمام چیزیں وہاں پالو گے۔ میری دعا کی بھی کیا ضرورت ہے؟ کیونکہ ان کا یہ قول محض تکبر سرکشی اور بڑائی کے طور پر تھا۔ اس لئے انہیں کوئی جواب نہیں دیا گیا واللہ اعلم۔

وَضَرَبْتُ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةَ وَالْمَسْكَنَةَ وَبَاَيْتُ بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ
ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّنَ
بِغَيْرِ الْحَقِّ ذَلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ إِنَّ الَّذِينَ
آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالطَّغْيِيَّانَ وَالضَّالِّينَ مَنَ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ
الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ
وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ

ان پر ذلت اور مسکینی ڈالی گئی اور اللہ کا غضب لے کر وہ لوٹے۔ یہ اس لئے کہ وہ اللہ کی آیتوں کے ساتھ کفر کرتے تھے اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے۔ یہ ان کی نافرمانیوں اور زیادتیوں کا نتیجہ ہے ○ مسلمان ہوں یہودی ہوں نصاریٰ ہوں یا صابئی ہوں جو کوئی بھی اللہ تعالیٰ پر قیامت کے دن پر ایمان لائے اور نیک عمل کرے اس کے اجر ان کے رب کے پاس ہیں اور ان پر نہ تو کوئی خوف ہے اور نہ اداسی ○

پاداش عمل ☆ ☆ (آیت: ۶۱) مطلب یہ ہے کہ ذلت اور مسکینی ان کا مقدر بنا دی گئی۔ اہانت و پستی ان پر مسلط کر دی گئی جزیہ ان سے وصول کیا گیا، مسلمانوں کے قدموں تلے انہیں ڈال دیا گیا، فاقہ کشی اور بھیک کی نوبت پہنچی۔ اللہ کا غضب و غصہ ان پر اترا۔ ”آباؤ“ کے معنی لوٹنے اور ”رجوع کیا“ کے ہیں۔ باہر کبھی بھلائی کے صلہ کے ساتھ اور کبھی برائی کے صلہ کے ساتھ آتا ہے۔ یہاں برائی کے صلہ کے ساتھ ہے۔ یہ تمام عذاب ان کے تکبر، عناد حق کی قبولیت سے انکار اللہ کی آیتوں سے کفر، انبیاء اور ان کے تابعداروں کی اہانت اور ان کے قتل کی بنا پر تھا۔ اس سے زیادہ بڑا کفر اور کون سا ہوگا کہ اللہ کی آیتوں سے کفر کرتے اور اس کے نبیوں کو بلا وجہ قتل کرتے۔ رسول اللہ فرماتے ہیں، تکبر کے معنی حق کو چھپانے اور لوگوں کو ذلیل سمجھنے کے ہیں۔ مالک بن مرارہ رہادیؓ ایک روز خدمت رسولؐ میں عرض کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ میں خوبصورت آدمی ہوں۔ میرا دل نہیں چاہتا کہ کسی کی جوتی کا تسمہ بھی مجھ سے اچھا ہو تو کیا یہ تکبر اور سرکشی ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں بلکہ تکبر اور سرکشی حق کو رد کرنا اور لوگوں کو حقیر سمجھنا ہے چونکہ بنی اسرائیل کا تکبر کفر و قتل انبیاء تک پہنچ گیا تھا اس لئے اللہ کا غضب ان پر لازم ہو گیا، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک ایک بنی اسرائیل ان میں موجود تین تین سونبیوں کو قتل کر ڈالتے تھے۔ پھر بازاروں میں جا کر اپنے لین دین میں مشغول ہو جاتا (ابوداؤد طیلسی)

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں سب سے زیادہ سخت عذاب قیامت کے دن اس شخص کو ہوگا جسے کسی نبی نے قتل کیا ہو یا اس نے کسی نبی کو مار ڈالا ہو اور مگر اسی کا وہ امام جو قصور میں بنانے والا یعنی مصور ہوگا۔ یہ ان کی نافرمانیوں اور ظلم و زیادتی کا بدلہ تھا یہ دوسرا سبب ہے کہ وہ منع کئے ہوئے کاموں کو کرتے تھے اور حد سے بڑھ جاتے تھے۔ واللہ اعلم۔

فرماں برداروں کے لئے بشارت: ☆☆ (آیت: ۶۲) اوپر چونکہ نافرمانوں کے عذاب کا ذکر تھا تو یہاں ان میں جو لوگ نیک تھے ان کے ثواب کا بیان ہو رہا ہے۔ نبی کی تابعداری کرنے والوں کے لئے یہ بشارت تا قیامت ہے کہ نہ مستقبل کا ڈر نہ یہاں حاصل نہ ہونے والی اشیاء کا افسوس و حسرت۔ اور جگہ ہے اَلَا اِنَّ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ یعنی اللہ کے دوستوں پر کوئی خوف و غم نہیں اور وہ فرشتے جو مسلمان کی روح نکلنے کے وقت آتے ہیں یہی کہتے ہیں کہ لَا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَاَبَشِّرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنْتُمْ تَوَعَدُونَ تم ڈرو نہیں تم اس اداس نہ ہو تمہیں ہم اس جنت کی خوشخبری دیتے ہیں جس کا تم سے وعدہ کیا تھا۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہونے سے پہلے جن ایمان والوں سے ملا تھا ان کی عبادت اور نماز روزے وغیرہ کا ذکر کیا تو یہ آیت اتری (ابن ابی حاتم) ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت سلمانؓ نے ان کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ وہ نمازی روزہ دار ایماندار اور اس بات کے معتقد تھے کہ آپؐ مبعوث ہونے والے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ وہ جہنمی ہیں حضرت سلمانؓ کو اس سے بڑا رنج ہوا۔ وہیں یہ آیت نازل ہوئی لیکن یہ واضح رہے کہ یہودیوں میں سے ایماندار وہ ہے جو توراہ کو ماننا ہو اور سنت موسیٰ علیہ السلام کا عامل ہو لیکن جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام آجائیں تو ان کی تابعداری کرے اور ان کی نبوت کو برحق سمجھے۔ اگر اب بھی وہ توراہ اور سنت موسیٰ پر جمار ہے اور حضرت عیسیٰؑ کا انکار کرے اور تابعداری نہ کرے تو پھر بے دین ہو جائے گا۔

اسی طرح نصرانیوں میں سے ایماندار وہ ہے جو انجیل کو کلام اللہ مانے، شریعت عیسوی پر عمل کرے اور اگر اپنے زمانے میں پیغمبر آخر الزمان حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو پالے تو آپؐ کی تابعداری اور آپؐ کی نبوت کی تصدیق کرے۔ اگر اب بھی وہ انجیل کو اور اتباع عیسوی کو نہ چھوڑے اور حضورؐ کی رسالت کو تسلیم نہ کرے تو ہلاک ہوگا۔ (ابن ابی حاتم) سدی نے یہی روایت کی ہے اور سعید بن جبیرؓ بھی یہی فرماتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ہر نبی کا تابعدار اس کا ماننے والا ایماندار اور صالح ہے اور اللہ کے ہاں نجات پانے والا ہے لیکن جب دوسرا نبی آئے اور وہ اس سے انکار کرے تو کافر ہو جائے گا۔

قرآن کی ایک آیت تو یہ جو آپؐ کے سامنے ہے اور دوسری وہ آیت جس میں بیان ہے وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَسِرِينَ^(۱) یعنی جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کا طالب ہو اس سے قبول نہ کیا جائے گا اور آخرت میں وہ نقصان اٹھانے والا ہوگا۔ ان دونوں آیتوں میں یہی تطبیق ہے۔ کسی شخص کا کوئی عمل، کوئی طریقہ مقبول نہیں تا وقتیکہ وہ شریعت محمدیہؐ کے مطابق نہ ہو مگر یہ اس وقت ہے جب کہ آپؐ مبعوث ہو کر دنیا میں آ گئے۔ آپؐ سے پہلے جس نبی کا جو زمانہ تھا اور جو لوگ اس زمانہ میں تھے ان کے لئے ان کے زمانہ کے نبی کی تابعداری اور اس کی شریعت کی مطابقت شرط ہے۔

یہود کون ہیں؟ ☆☆ لفظ یہود یہودا سے ماخوذ ہے جس کے معنی مودہ اور دوستی کے ہیں یا یہ ماخوذ ہے یہود سے جس کے معنی توبہ کے ہیں جیسے قرآن میں ہے اِنَّا هٰذِنَا اِلَيْكَ^(۲) حضرت موسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں ہم اے اللہ تیری طرف توبہ کرتے ہیں پس انہیں ان دونوں وجوہات کی بنا پر سے یہود کہا گیا ہے توبہ کی وجہ اور آپس میں دوستی کی وجہ سے اور بعض کہتے ہیں یہ یہودا کی اولاد میں سے تھے اس لئے انہیں یہود کہا گیا ہے یہود حضرت یعقوبؑ کے بڑے لڑکے کا نام تھا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ توراہ پڑھتے وقت ملتے تھے۔ اس بنا پر انہیں یہود یعنی

حرکت کرنے والا کہا گیا ہے۔

جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا زمانہ آیا تو بنی اسرائیل پر آپ کی نبوت کی تصدیق اور آپ کے فرمان کی اتباع واجب ہوئی۔ تب ان کا نام نصاریٰ ہوا کیونکہ انہوں نے آپ میں ایک دوسرے کی نصرت یعنی تائید اور مدد کی تھی۔ انہیں انصار بھی کہا گیا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول ہے مَنْ أَنْصَارِيَ إِلَى اللَّهِ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنْصَارُ اللَّهِ اللہ کے دین میں میرا مددگار کون ہے؟ حواریوں نے کہا ہم ہیں۔ بعض کہتے ہیں یہ لوگ جہاں اترے تھے اس زمین کا نام ناصرہ تھا۔ اس لئے انہیں نصاریٰ کہا گیا۔ قنادہ اور ابن جریجؒ کا یہی قول ہے۔ ابن عباسؓ سے بھی مروی ہے۔ واللہ اعلم۔

نصاریٰ نصران کی جمع ہے جیسے نشوان کی جمع نشاویں اور سکران کی جمع سکاریں۔ اس کا مونث نصرانہ آتا ہے۔ اب جبکہ خاتم النبیین ﷺ کا زمانہ آیا اور آپ تمام دنیا کی طرف رسول و نبی بنا کر بھیجے گئے تو ان پر بھی اور دوسرے سب پر بھی آپ کی تصدیق و اتباع واجب قرار دی گئی اور ایمان و یقین کی پختگی کی وجہ سے آپ کی امت کا نام مومن رکھا گیا اور اس لئے بھی کہ ان کا ایمان تمام اگلے انبیاء پر بھی ہے اور تمام آنے والی باتوں پر بھی۔ صابی کے معنی ایک تو بے دین اور لامذہب کئے گئے ہیں اور اہل کتاب کے ایک فرقہ کا نام بھی یہ تھا جو زبور پڑھا کرتے تھے۔ اسی بنا پر ابو حنیفہؒ اور اسحقؒ کا مذہب ہے کہ ان کے ہاتھ کا ذبیحہ ہمارے لئے حلال ہے اور ان کی عورتوں سے نکاح کرنا بھی۔ حضرت حسن اور حضرت حکم فرماتے ہیں یہ گروہ مجوسیوں کی مانند ہے۔ یہ بھی مروی ہے کہ یہ لوگ فرشتوں کے پجاری تھے۔ زیاد نے جب یہ سنا تھا کہ یہ لوگ پانچ وقت نماز قبلہ کی جانب رخ کر کے پڑھا کرتے ہیں تو ارادہ کیا کہ انہیں جزیہ معاف کر دے لیکن ساتھ ہی معلوم ہوا کہ وہ مشرک ہیں تو اپنے ارادہ سے باز رہے۔

ابو الزناد فرماتے ہیں یہ لوگ عراقی ہیں۔ بکوئی کے رہنے والے سب نیویوں کو مانتے ہیں ہر سال تیس روزے رکھتے ہیں اور یمن کی طرف منہ کر کے ہردن میں پانچ نمازیں پڑھتے ہیں۔ وہ بن مہب کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو یہ لوگ جانتے ہیں لیکن کسی شریعت کے پابند نہیں اور کفار بھی نہیں۔ عبدالرحمن بن زید کا قول ہے کہ یہ بھی ایک مذہب ہے۔ جزیہ موصل میں یہ لوگ تھے۔ لا الہ الا اللہ پڑھتے تھے اور کسی کتاب یا نبی کو نہیں مانتے تھے اور نہ کوئی خاص شرع کے حامل تھے۔

مشرکین اسی بنا پر آنحضور اور آپ کے صحابہ کو لا الہ الا اللہ صابی کہتے تھے یعنی کہنے کی بنا پر۔ ان کا دین نصرانیوں سے ملتا جلتا تھا۔ ان کا قبلہ جنوب کی طرف تھا۔ یہ لوگ اپنے آپ کو حضرت نوحؑ کے دین پر بتاتے تھے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ یہود مجوس کے دین کا غلط ملط یہ مذہب تھا۔ ان کا ذبیحہ کھانا اور ان کی عورتوں سے نکاح کرنا ممنوع ہے۔ قرطبی فرماتے ہیں مجھے جہاں تک معلوم ہوا ہے کہ یہ لوگ موحد تھے لیکن تاروں کی تاثیر اور نجوم کے معتقد تھے۔

ابوسعید اصطخریؒ نے ان پر کفر کا فتویٰ صادر کیا ہے۔ رازی فرماتے ہیں یہ ستارہ پرست لوگ تھے کشرائین میں سے تھے جن کی جانب حضرت ابراہیم علیہ السلام بھیجے گئے تھے۔ حقیقت حال کا علم تو محض اللہ تعالیٰ کو ہے مگر بظاہر یہی قول اچھا معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ نہ یہودی تھے نہ نصرانی نہ مجوسی نہ مشرک بلکہ یہ لوگ فطرت پر تھے کسی خاص مذہب کے پابند نہ تھے اور اسی معنی میں مشرکین اصحاب رسول اللہ ﷺ کو صابی کہا کرتے تھے یعنی ان لوگوں نے تمام مذاہب ترک کر دیئے تھے۔ بعض علماء کا قول ہے کہ صابی وہ ہیں جنہیں کسی نبی کی دعوت نہیں پہنچی۔ واللہ اعلم۔

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ
بِقُوَّةٍ وَاذْكُرُوا مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿٦٥﴾ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِمَّنْ بَعْدَ ذَلِكَ
فَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَكُنْتُمْ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿٦٦﴾
وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِينَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ
كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ ﴿٦٧﴾ فَجَعَلْنَاهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا
خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ ﴿٦٨﴾

اور جب ہم نے تم سے وعدہ لیا اور تم پر طور پہاڑ لا کر کھڑا کر دیا (اور کہا) جو ہم نے تمہیں دیا ہے اسے مضبوطی سے تھام لو اور جو کچھ اس میں ہے اسے یاد کرو تا کہ تم حق
سکو لیکن تم اس کے بعد بھی پھر گئے۔ پس اگر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی تو تم نقصان والے ہو جاتے ○ یقیناً تمہیں ان لوگوں کا علم بھی ہے جو تم
میں سے ہفتہ کے بارے میں حد سے بڑھ گئے اور ہم نے بھی کہہ دیا کہ تم ذلیل بندر بن جاؤ ○ اسے ہم نے انگوں پچھلوں کے لئے عبرت کا سبب بنایا اور پرہیز
گاروں کے لئے وعظ و نصیحت کا ○

عہد شکن یہود: ☆ ☆ (آیت: ۶۳-۶۴) ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کو ان کے عہد و پیمان یاد دلایا ہے کہ میری عبادت اور
میرے نبی کی اطاعت کا وعدہ میں تم سے لے چکا ہوں اور اس وعدے کو پورا کرانے اور منوانے کے لئے میں نے طور پہاڑ کو تمہارے سروں پر
لا کر کھڑا کر دیا تھا جیسے اور جگہ ہے وَإِذْ تَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ اَلْحَبْلُ جب ہم نے ان کے سروں پر سائبان کی طرح پہاڑ لا کر کھڑا کیا اور وہ
یقین کر چکے کہ اب پہاڑ ان پر گر کر انہیں کچل ڈالے گا۔ اس وقت ہم نے کہا ہمارے دی ہوئی چیز کو مضبوط تھا مواد اور اس میں جو کچھ ہے اسے یاد
کر دو تو حق جاؤ گے طور سے مراد پہاڑ ہے جیسے سورہ اعراف کی آیت میں ہے اور جیسے صحابہؓ اور تابعین نے اس کی تفسیر کی ہے ثابت یہی ہے کہ
طور اس پہاڑ کو کہتے ہیں جس پر بنزہ اگتا ہو۔ حدیث فتون میں براویت ابن عباسؓ مروی ہے کہ جب انہوں نے اطاعت سے انکار کیا اس
وقت یہ پہاڑ ان کے سروں پر لا کر کھڑا کیا گیا کہ اب تو احکامات سنیں۔ سدی کہتے ہیں ان کے سجدے سے انکار کرنے کے باعث ان کے سر پر
پہاڑ آ گیا لیکن اسی وقت یہ سب سجدے میں گر پڑے اور مارے ڈر کے کٹکھیلوں سے اوپر کی طرف دیکھتے رہے اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم فرمایا اور
پہاڑ ہٹالیا اس وجہ سے وہ اسی سجدے کو پسند کرتے ہیں کہ آدھا دھڑ سجدے میں ہو اور دوسری طرف سے اونچے دیکھ رہے ہوں۔ جو ہم نے دیا
اس سے مراد توراۃ ہے۔ قوت سے مراد اطاعت ہے یعنی توراۃ پر مضبوطی سے جم کر عمل کرنے کا وعدہ کرو ورنہ پہاڑ تم پر گر دیا جائے گا اور اس
میں جو ہے اسے یاد کرو اور اس پر عمل کرو یعنی توراۃ پڑھتے پڑھاتے رہو۔ لیکن ان لوگوں نے اتنے پختہ ميثاق اتنے اعلیٰ عہد اور اس قدر
زبردست وعدے کے بعد بھی کچھ پرواہ نہ کی۔ اور عہد شکنی کی۔ اب اگر اللہ تعالیٰ کی کرم فرمائی اور رحمت نہ ہوتی اگر وہ تو بے قبول نہ فرماتا اور
نبیوں کے سلسلہ کو برابر جاری نہ رکھتا تو یقیناً تمہیں زبردست نقصان پہنچتا۔ اس وعدے کو توڑنے کی بنا پر دنیا اور آخرت میں تم برباد ہو جاتے۔
صورتیں منہ مخ کر دی گئیں: ☆ ☆ (آیت: ۶۵-۶۶) اس واقعہ کا بیان تفصیل کے ساتھ سورہ اعراف میں ہے جہاں فرمایا وَسُئِلُهُمْ
عَنِ الْفَرِيَّةِ اَلَّتِي اَلْحَوْسِ اس کی تفسیر بھی پوری بیان ہوگی ان شاء اللہ تعالیٰ۔ یہ ایلیہ بستی کے باشندے تھے۔ ان پر ہفتہ کے دن تعظیم
ضروری کی گئی تھی۔ اس دن کا شکار منع کیا گیا تھا اور حکم باری تعالیٰ سے مچھلیاں اسی دن بکثرت آیا کرتی تھیں تو انہوں نے مکاری کی۔

گڑھے کھود لئے، رسیاں اور کانٹے ڈال دیئے۔ ہفتہ والے دن وہ آگئیں۔ یہاں پھنس گئیں۔ اتوار کی رات کو جا کر پکڑ لیا، اس جرم پر اللہ نے ان کی شکلیں بدل دیں۔

حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں، صورتیں نہیں بدلی تھیں بلکہ دل مسخ ہو گئے تھے۔ یہ صرف بطور مثال کے ہے جیسے عمل نہ کرنے والے علماء کو گدھوں سے مثال دی ہے لیکن یہ قول غریب ہے اور عبارت قرآن کے ظاہر الفاظ کے بھی خلاف ہے۔ اس آیت پر پھر سورہ اعراف کی آیت وَ سَلَّلْنَاهُمْ اِلٰی يَوْمِ الْقِيَامَةِ اِلٰی جَهَنَّمَ الْقِرَدَةَ الخ پر نظر ڈالو۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جو ان لوگ بندر بن گئے اور بوڑھے سور بنا دیئے گئے۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں، یہ تمام مرد اور عورت دم والے بندر بنا دیئے گئے۔ آسمانی آواز آئی کہ تم سب بندر بن جاؤ چنانچہ سب کے سب بندر بن گئے۔ جو لوگ انہیں اس مکروہ حیلہ سے روکتے تھے وہ اب آئے اور کہنے لگے دیکھو ہم پہلے سے تمہیں منع کرتے تھے؟ تو وہ سر ہلاتے تھے یعنی ہاں۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں، تھوڑی مدت میں وہ سب ہلاک ہو گئے ان کی نسل نہیں ہوئی۔ تین دن سے زیادہ کوئی مسخ شدہ قوم زندہ نہیں رہتی۔ یہ سب بھی تین دن میں ہی یونہی ناک رگڑتے رگڑتے مر گئے۔ کھانا پینا اور نسل سب منقطع ہو گئی۔ یہ بندر جواب ہیں اور جو اس وقت بھی تھے، یہ تو جانور ہیں جو اسی طرح پیدا کئے گئے تھے اللہ تعالیٰ جو چاہے اور جس طرح چاہے پیدا کرتا ہے اور جسے جس طرح کا چاہے بنا دیتا ہے (اللہ اپنے غضب و غصہ سے اور اپنی پکڑ دھکڑ سے اور اپنے دنیوی اور اخروی عذابوں سے نجات دے۔ آمین) خاصین کے معنی ذلیل اور کمینہ۔ ان کا واقعہ تفصیل کے ساتھ حضرت ابن عباسؓ وغیرہ نے جو بیان کیا ہے، وہ سب سن لیجئے۔ ان پر جمعہ کی عزت و ادب کو فرض کیا گیا لیکن انہوں نے جمعہ کے دن کو پسند نہ کیا اور ہفتہ کا دن رکھا۔ اس دن کی عظمت کے طور پر ان پر شکار کھیلنا وغیرہ اس دن حرام کر دیا گیا۔ اور اللہ کی آزمائش کی بنا پر ہفتہ والے دن تمام مچھلیاں اوپر آ جایا کرتی تھیں اور کوئی اچھلتی رہتی تھیں لیکن باقی دنوں میں کوئی نظر ہی نہیں آتی تھی۔ ایک مدت تک تو یہ لوگ خاموش رہے اور شکار کرنے سے رکے رہے۔

ازال بعد ان میں سے ایک شخص نے یہ حیلہ نکالا کہ ہفتہ والے دن مچھلی کو پکڑ لیا اور پھندے میں پھانس کر ڈوری کو کنارے پر کسی چیز سے باندھ دیا۔ اتوار والے دن جا کر نکال لایا اور پکا کر کھائی۔ لوگوں نے خوشبو پا کر پوچھا تو اس نے کہا، میں نے تو آج اتوار کو شکار کیا ہے۔ آخر یہ راز کھلا تو اور لوگوں نے بھی اس حیلہ کو پسند کیا اور اس طرح وہ سب مچھلیوں کا شکار کرنے لگے۔ پھر تو بعض نے دریا کے آس پاس گڑھے کھود لئے، ہفتہ والے دن جب مچھلیاں اس میں آ جاتیں تو اسے بند کر دیتے اور اتوار والے دن پکڑ لاتے، کچھ لوگ جو ان میں نیک دل اور سچے مسلمان تھے، وہ انہیں روکتے اور منع کرتے رہے لیکن ان کا جواب یہی ہوتا تھا کہ ہم ہفتہ کو شکار ہی نہیں کھیلتے۔ ہم تو اتوار والے دن پکڑتے ہیں۔ ان شکار کھیلنے والوں اور ان منع کرنے والوں کے سوا ایک گروہ ان میں اور بھی تھا جو مصلحت وقت برتنے والا اور دونوں فرقوں کو راضی رکھنے والا وہ تو ان کا پورا ساتھ دیتا تھا۔ ان کا نہ شکار کھیلتے تھے نہ شکاریوں کو روکتے تھے بلکہ روکنے والوں سے کہتے تھے کہ اس قوم کو کیوں وعظ و نصیحت کرتے ہو جنہیں اللہ ہلاک کرے گا یا سخت عذاب کرے گا اور تم اپنا فرض بھی ادا کر چکے، انہیں منع کر چکے جب نہیں مانتے تو اب انہیں چھوڑو۔ یہ جواب دیتے کہ ایک تو اللہ کے ہاں ہم معذور ہو جائیں اس لئے اور دوسرے اس لئے بھی کہ شاید آج نہیں تو کل اور کل نہیں تو برسوں یہ مان جائیں اور عذاب الہی سے نجات پائیں۔

بالاخر اس مسلم جماعت نے اس حیلہ جو فرقہ کا بالکل بایکاٹ کر دیا اور ان سے بالکل الگ ہو گئے۔ بستی کے درمیان ایک دیوار کھینچ لی اور دروازہ اپنے آنے جانے کا رکھا اور ایک دروازہ ان حیلہ جو نافرمانوں کے لئے، اس پر بھی ایک مدت اسی طرح گزر گئی۔ ایک دن صبح مسلمان جاگے۔ دن چڑھ گیا لیکن اب تک ان لوگوں نے اپنا دروازہ نہیں کھولا تھا اور نہ ان کی آوازیں آ رہی تھیں۔ یہ لوگ

متحیر تھے کہ آج کیا بات ہے؟ آخر جب زیادہ دیر لگ گئی تو ان لوگوں نے دیوار پر چڑھ کر دیکھا تو وہاں عجب منظر نظر آیا۔ دیکھا کہ وہ تمام لوگ مع عورتوں بچوں کے بندر بن گئے ہیں، ان کے گھر جو راتوں کو بند تھے اسی طرح بند ہیں اور اندر وہ کل انسان بندر کی صورتوں میں ہیں، جن کی دیش نگلی ہوئی ہیں، بچے چھوٹے بندروں کی شکل میں مرد بڑے بندروں کی صورت میں، عورتیں بندریاں بنی ہوئی ہیں اور ہر ایک پہچانا جاتا ہے کہ یہ فلاں مرد ہے یہ فلاں عورت ہے یہ فلاں بچہ ہے وغیرہ۔ یہ بھی یاد رہے کہ جب یہ عتاب آیا تو نہ صرف وہی ہلاک ہوئے جو شکار کھیلتے تھے بلکہ ان کے ساتھ وہ بھی ہلاک ہوئے جو انہیں منع نہ کرتے تھے اور خاموش بیٹھے ہوئے تھے اور میل جول ترک نہ کیا تھا۔ صرف وہ بچے جو انہیں منع کرتے رہے اور ان سے الگ تھلگ ہو گئے تھے۔ یہ تمام اقوال اور قرآن کریم کی کئی ایک آیتیں وغیرہ شاہد ہیں کہ صحیح بات یہی ہے کہ ان کی صورتیں بدل دی گئی تھیں۔ سچ بچ بندر بنا دیئے گئے نہ یہ کہ معنوی مسخ تھا یعنی ان کے دل بندروں جیسے ہو گئے تھے جیسے کہ مجاہد کا قول ہے۔ ٹھیک تفسیر یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں سور اور بندر بنا دیا تھا اور ظاہری صورتیں بھی ان کی ان بد جانوروں جیسی ہو گئیں۔ واللہ اعلم۔

فَجَعَلْنَا هَا فِي هَا کی ضمیر کا مرجع قِرَدَة ہے یعنی ہم نے ان بندروں کو سب عبرت بنایا۔ اس کا مرجع جِنَّتَان ہے یعنی ان مچھلیوں کو یا اس کا مرجع عُقُوبَة ہے یعنی اس سزا کو اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا مرجع قِرَدَة ہے یعنی اس بستی کو ہم نے اگلے پچھلوں کے لئے عبرت نکال کر امر واقعہ بنا دیا اور صحیح بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ قریہ مراد ہے اور قریہ سے مراد اہل قریہ ہیں۔

نکال کہتے ہیں عذاب و سزا کو جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں فَآخَذَهُ اللَّهُ نَكَالَ الْآخِرَةِ وَالْأُولَى اس کو عبرت کا سبب بنایا، آگے پیچھے والی بستیوں کے لئے۔ جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرَىٰ اِلَّا هَمَّ نَارُهَا لَمْ تَسْجُدْ لِرَبِّهَا فَنَزَلْنَا النَّارُ بِطَرَفِهَا فَكَانَتْ سَمِيمًا اور فرماتا ہے اَوَّلَكُمْ يَوْمًا اَنَا نَاتِي الْاَرْضَ الْخَاوِرِيَّةَ بِمَنْ يَحْيَا فِيهَا فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ اِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا وَاَوْفُوا بِالْعَهْدِ اِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ اور فرماتا ہے اَوَّلَكُمْ يَوْمًا اَنَا نَاتِي الْاَرْضَ الْخَاوِرِيَّةَ بِمَنْ يَحْيَا فِيهَا فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ اِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا وَاَوْفُوا بِالْعَهْدِ اِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ عبرت ناک واقعہ دلیل راہ بن جائے۔

گو بعض لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ بعد میں آنے والوں کے لئے یہ واقعہ کو کتنا ہی زبردست عبرت ناک ہوا، گلوں کے لئے دلیل نہیں بن سکتا اس لئے کہ وہ تو گذر چکے تو ٹھیک قول یہی ہے کہ یہاں مراد مکان اور جگہ ہے یعنی آس پاس کی بستیاں اور یہی تفسیر ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ کی۔ واللہ اعلم۔

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَذْبَحُوا بَقَرَةً ۖ قَالُوا أَتَتَّخِذُنَا هُرُوجًا ۚ قَالَ أَعُوذُ بِاللَّهِ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ ۝

(حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے جب اپنی قوم سے کہا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ایک گائے کو ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے تو انہوں نے کہا آپ ہم سے مذاق کیوں کرتے ہیں؟ جواب دیا کہ میں ایسا جاہل ہونے سے اللہ کی پناہ پڑتا ہوں) ○

اور یہ بھی معنی بیان کئے گئے ہیں کہ ان کے اگلے گناہ اور ان کے بعد آنے والے لوگوں کے ایسے ہی گناہوں کے لئے ہم نے اس سزا کو عبرت کا سبب بنایا۔ لیکن صحیح قول وہی ہے جس کی صحت ہم نے بیان کی یعنی آس پاس کی بستیاں۔ قرآن فرماتا ہے وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرَىٰ اِلَّا هَمَّ نَارُهَا لَمْ تَسْجُدْ لِرَبِّهَا فَنَزَلْنَا النَّارُ بِطَرَفِهَا فَكَانَتْ سَمِيمًا اور فرمان ہے اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاتِي الْاَرْضَ اِلَّا

غرض یہ عذاب ان کے زمانے والوں کے لئے اور بعد میں آنے والوں کے لئے ایک سبق ہے اور اسی لئے فرمایا وَمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ یعنی یہ جو بعد میں آئیں گے ان پر ہیز گاروں کے لئے موجب نصیحت ہو۔ موجب نصیحت یہاں تک کہ امت محمد ﷺ کے لئے بھی کہ یہ لوگ ڈرتے رہیں کہ جو عذاب و سزائیں ان پر ان کے حیلوں کی وجہ سے ان کے مکر و فریب سے حرام کو حلال کر لینے کے باعث نازل ہوئیں اس کے بعد بھی جو ایسا کرے گا ایسا نہ ہو کہ وہی سزا اور وہی عذاب اس پر بھی آجائیں۔

ایک صحیح حدیث امام ابو عبد اللہ بن بطہ نے وارد کی ہے کہ رسول اللہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے فرمایا لَا تَرْتَكِبُوا مَا ارْتَكَبَتِ الْيَهُودُ فَتَسْتَحِلُُّوا مَا حَارَمَ اللَّهُ بِأَذْنِي الْحَبِيلِ یعنی تم نہ کرو جو یہودیوں نے کیا یعنی حیلے حوالوں سے اللہ کے حرام کو حلال نہ کر لیا کرو۔ یعنی شرعی احکام میں حیلہ جوئی سے بچو۔ یہ حدیث بالکل صحیح ہے اور اس کے سب راوی ثقہ ہیں۔ واللہ اعلم۔

قاتل کون؟ ☆ ☆ (آیت: ۶۷) اس کا پورا واقعہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص بہت مالدار اور تو نگر تھا۔ اس کی کوئی زینہ اور لاد نہ تھی صرف ایک لڑکی تھی اور ایک بھتیجا تھا۔ بھتیجے نے جب دیکھا کہ بڑا ہمارتا ہی نہیں تو درشہ کے لالچ میں اسے خیال آیا کہ میں ہی اسے کیوں نہ مار ڈالوں؟ اور اس کی لڑکی سے نکاح بھی کر لوں۔ قتل کی تہمت دوسروں پر رکھ کر دیت بھی وصول کروں اور مقتول کے مال کا مالک بھی بن جاؤں۔ اس شیطانی خیال میں وہ پختہ ہو گیا اور ایک دن موقعہ پا کر اپنے چچا کو قتل کر ڈالا۔ بنی اسرائیل کے بھلے لوگ ان کے جھگڑوں بکھیروں سے تنگ آ کر یکسو ہو کر ان سے الگ ایک اور شہر میں رہتے تھے۔ شام کو اپنے قلعہ کے پھاٹک بند کر دیا کرتے تھے اور صبح کھولتے تھے۔ کسی مجرم کو اپنے ہاں گھسنے بھی نہیں دیتے تھے۔ اس بھتیجے نے اپنے چچا کی لاش کو لے جا کر اس قلعہ کے پھاٹک کے سامنے ڈال دیا اور یہاں آ کر اپنے چچا کو ڈھونڈنے لگا پھر ہائے دہائی مچادی کہ میرے چچا کو کسی نے مار ڈالا۔ آخر کار ان قلعہ والوں پر تہمت لگا کر ان سے دیت کا روپیہ طلب کرنے لگا۔ انہوں نے اس قتل سے اور اس کے علم سے بالکل انکار کیا لیکن یہ اڑ گیا یہاں تک کہ اپنے ساتھیوں کو لے کر ان سے لڑائی کرنے پر قتل گیا۔ یہ لوگ عاجز آ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے اور واقعہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ شخص خواہ مخواہ ہم پر ایک قتل کی تہمت لگا رہا ہے حالانکہ ہم بری الذمہ ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔ وہاں سے وحی نازل ہوئی کہ ان سے کہو ایک گائے ذبح کریں۔ انہوں نے کہا اے اللہ کے نبی کہاں قاتل کی تحقیق اور کہاں آپ گائے کے ذبح کا حکم دے رہے ہیں؟ کیا آپ ہم سے مذاق کرتے ہیں؟ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اِعْزِزْنَا اللہ (مسائل شرعیہ کے موقعہ پر) مذاق جاہلوں کا کام ہے۔ اللہ عز و جل کا حکم یہی ہے۔ اب اگر یہ لوگ جا کر کسی گائے کو ذبح کر دیں تو کافی تھا لیکن انہوں نے سوالات کا دروازہ کھولا اور کہا وہ گائے کیسی ہونی چاہئے؟ اس پر حکم ہوا کہ وہ نہ بہت بڑھیا ہے نہ بچہ ہے جو ان عمر کی ہے۔ انہوں نے کہا حضرت ایسی گائیں تو بہت ہیں یہ بیان فرمائیے کہ اس کا رنگ کیا ہے؟ وحی اتری کہ اس کا رنگ بالکل صاف زردی مائل ہے۔ ہر دیکھنے والے کی آنکھوں میں چھتی جاتی ہے۔ پھر کہنے لگے حضرت ایسی گائیں بھی بہت سی ہیں۔ کوئی اور ممتاز وصف بیان فرمائیے وحی نازل ہوئی کہ وہ کبھی ہل میں نہیں جوتی گئی۔ کھیتوں کو پانی نہیں پلایا، ہر عیب سے پاک ہے۔ یک رنگی ہے۔ کوئی داغ دھبہ نہیں، جوں جوں وہ سوالات بڑھاتے گئے حکم میں سختی ہوتی گئی۔

احترام والدین پر انعام الہی: ☆ ☆ اب ایسی گائے ڈھونڈنے کو نکلے تو وہ صرف ایک لڑکے کے پاس ملی۔ یہ بچہ اپنے ماں باپ کا نہایت فرمانبردار تھا۔ ایک مرتبہ جبکہ اس کا باپ سویا ہوا تھا اور نقدی والی بیٹی کی کنجی اس کے سر ہانے تھی۔ ایک سوداگر ایک قیمتی ہیرا بیچتا ہوا آیا اور کہنے لگا کہ میں اسے بیچنا چاہتا ہوں۔ لڑکے نے کہا۔ میں خریدوں گا۔ قیمت ستر ہزار طے ہوئی۔ لڑکے نے کہا۔ ذرا ٹھہرو۔ جب میرے والد جاگیں گے تو میں ان سے کنجی لے کر آپ کو قیمت ادا کر دوں گا۔ اس نے کہا، ابھی دے دو تو دس ہزار کم کر دیتا ہوں اس نے کہا

نہیں حضرت میں اپنے والد کو جگاؤں گا نہیں۔ تم اگر ٹھہر جاؤ تو میں بجائے ستر ہزار کے اسی ہزار دوں گا۔ یونہی ادھر سے کی اور ادھر سے زیادتی ہونی شروع ہوتی ہے یہاں تک کہ تاجر تیس ہزار قیمت لگا دیتا ہے کہ اگر تم اب جگا کر مجھے روپیہ دے دو میں تیس ہزار میں دیتا ہوں۔ لڑکا کہتا ہے اگر تم ٹھہر جاؤ یا ٹھہر کر آؤ۔ میرے والد جاگ جائیں تو میں تمہیں ایک لاکھ دوں گا۔ آخر وہ ناراض ہو کر اپنا ہیرا واپس لے کر چلا گیا۔ باپ کی اس بزرگی کے احساس اور ان کو آرام پہنچانے کی کوشش کرنے اور ان کا ادب و احترام کرنے سے پروردگار اس لڑکے سے خوش ہو جاتا ہے اور اسے یہ گائے عطا فرماتا ہے۔

جب بنی اسرائیل اس قسم کی گائے ڈھونڈنے نکلے ہیں تو سوا اس لڑکے کے اور کسی کے پاس نہیں پاتے اس سے کہتے ہیں کہ اس ایک گائے کے بدلے دو گائیں لے لو۔ یہ انکار کرتا ہے۔ پھر کہتے ہیں۔ تین لے لو۔ چار لے لو لیکن یہ راضی نہیں ہوتا دس تک کہتے ہیں مگر پھر بھی نہیں مانتا۔ یہ آ کر حضرت موسیٰ سے شکایت کرتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں جو یہ مانگے دو اور اسے راضی کر کے گائے خریدو۔ آخر گائے کے وزن کے برابر سونا دیا گیا تب اس نے اپنی گائے بچی۔ یہ برکت اللہ نے ماں باپ کی خدمت کی وجہ سے اسے عطا فرمائی جبکہ یہ بہت محتاج تھا۔ اس کے والد کا انتقال ہو گیا تھا اور اس کی بیوہ ماں غربت اور تنگی کے دن بسر کر رہی تھی۔ غرض اب یہ گائے خرید لی گئی اور اسے ذبح کیا گیا اور اس کے جسم کا ایک ٹکڑا لے کر مقتول کے جسم سے لگایا گیا تو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے وہ مردہ جی اٹھا۔ اس سے پوچھا گیا کہ تمہیں کس نے قتل کیا ہے۔ اس نے کہا میرے بھتیجے نے۔ اس لئے کہ وہ میرا مال لے لے اور میری لڑکی سے نکاح کر لے بس اتنا کہہ کر وہ پھر مر گیا اور قاتل کا پتہ چل گیا اور بنی اسرائیل میں جو جنگ و جدال ہونے والی تھی وہ رک گئی اور یہ فتنہ دب گیا۔ اس بھتیجے کو لوگوں نے پکڑ لیا۔ اس کی عیاری اور مکاری کھل گئی اور اسے اس کے بدلے میں قتل کر ڈالا گیا۔ یہ قصہ مختلف الفاظ سے مروی ہے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بنی اسرائیل کے ہاں کا واقعہ ہے جس کی تصدیق تکذیب ہم نہیں کر سکتے۔ ہاں روایت جائز ہے تو اس آیت میں یہی بیان ہو رہا ہے کہ اے بنی اسرائیل میری اس نعمت کو بھی نہ بھولو کہ میں نے عادت کے خلاف بطور معجزے کے ایک گائے کے جسم کو لگانے سے ایک مردہ کو زندہ کر دیا اس مقتول نے اپنے قاتل کا پتہ بتا دیا اور ایک ابھرنے والا فتنہ دب گیا۔

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا هِيَ ۖ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَا فَارِصٌ وَلَا يَكْفُرُ عَوَانٌ بَيْنَ ذَلِكَ ۖ فَافْعَلُوا مَا تُؤْمَرُونَ ۝ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا لَوْنُهَا ۚ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَاءٌ فَاقِعٌ لَوْنُهَا تَسُرُّ النَّاظِرِينَ ۝ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا هِيَ ۚ إِنَّ الْبَقَرَ تَشْبَهُ عَلَيْنَا ۚ وَإِنَّا إِن شَاءَ اللَّهُ لَمُهْتَدُونَ ۝

انہوں نے کہا اے موسیٰ دعا کیجئے کہ اللہ ہمارے لئے اس کی ماہیت بیان کر دے۔ آپ نے فرمایا سنو وہ گائے نہ تو بالکل بڑھیا ہے نہ بچہ بلکہ درمیانی عمر کی نو جوان ہے پس اب جو تمہیں حکم دیا جاتا ہے بجالاؤ ۝ پھر وہ کہنے لگے کہ دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ بیان کرے کہ اس کا رنگ کیا ہے۔ فرمایا وہ کہتا ہے کہ وہ گائے زرد رنگ ہے۔ چمکیلا اور دیکھنے والوں کو بھلا لگنے والا اس کا رنگ ہے ۝ وہ کہنے لگے کہ اپنے رب سے اور دعا کیجئے کہ ہمیں اس کی مزید ماہیت بتلائے۔ اس قسم کی گائیں تو بہت ساری

ہیں۔ پتہ نہیں چلتا اگر اللہ نے چاہا تو ہم ہدایت والے ہو جائیں گے ○

حجت بازی کا انجام: ☆☆ (آیت: ۶۸-۷۱) بنی اسرائیل کی سرکشی، سرتابی اور حکم الہی، امر الہی وضاحت کے ساتھ یہاں بیان ہو رہا ہے کہ حکم پاتے ہی اس پر عمل نہ کر ڈالا بلکہ شقیں نکالنے اور بار بار سوال کرنے لگے۔ ابن جریج فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ حکم ملتے ہی وہ اگر کسی گائے کو بھی ذبح کر ڈالتے تو کافی تھا لیکن انہوں نے پے در پے سوالات شروع کئے اور کام میں سختی بڑھتی گئی یہاں تک کہ آخر میں وہ ان شاء اللہ نہ کہتے تو کبھی بھی سختی نہ ملتی اور مطلوبہ گائے ملنا اور مشکل ہو جاتی۔ پہلے سوال کے جواب میں کہا گیا کہ نہ تو وہ بڑھیا ہے نہ بالکل کم عمر ہے۔ بلکہ درمیانی عمر کی ہے پھر دوسرے سوال کے جواب میں اس کا رنگ بیان کیا گیا کہ وہ زرد اور چمکدار رنگ کی ہے جو دیکھنے والوں کے دل کو بہت پسند آئے۔ حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ جو زرد جوتی پہننے وہ ہر قیمت خوش و خرم رہے گا اور اس جملہ سے استدلال کیا ہے تَسْرُ النَّظَرَيْنِ بعض نے کہا ہے کہ مراد سخت سیاہ رنگ ہے لیکن اول قول ہی صحیح ہے۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ ہم یوں کہیں کہ اس کی شونی اور چکیلے پن سے وہ مثل کالے رنگ کے لگتا تھا۔ وہ ب بن منہ کہتے ہیں اس کا رنگ اس قدر شوخ اور گہرا تھا کہ یہ معلوم ہوتا تھا گویا سورج کی شعائیں اس سے اٹھ رہی ہیں تو راقۃ میں اس کا رنگ سرخ بیان کیا گیا ہے لیکن شاید عربی کرنے والوں کی غلطی ہے۔ واللہ اعلم۔

چونکہ اس رنگ اور اس عمر کی گائیں بھی انہیں بکثرت نظر آئیں تو انہوں نے پھر کہا اے اللہ کے نبی کوئی اور نشانی بھی پوچھئے تاکہ شبہ مٹ جائے ان شاء اللہ اب ہمیں رستہ مل جائے گا اگر یہ ان شاء اللہ نہ کہتے تو انہیں قیامت تک پتہ نہ چلتا اور اگر یہ سوالات ہی نہ کرتے تو اتنی سختی ان پر عائد نہ ہوتی بلکہ جس گائے کو ذبح کر دیتے، کفایت ہو جاتی۔ یہ مضمون ایک مرفوع حدیث میں بھی ہے لیکن اس کی سند غریب ہے۔ صحیح بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ یہ حضرت ابو ہریرہؓ کا اپنا کلام ہے۔ واللہ اعلم۔

اب کی مرتبہ اس کے اوصاف بیان کئے گئے کہ وہ بل میں نہیں جتی، پانی نہیں سینچا، اس کے چمڑے پر کوئی داغ دھبہ نہیں۔ ایک نگی ہے۔ سارے بدن میں کہیں دوسرا رنگ نہیں اس کے ہاتھ پاؤں اور کل اعضاء بالکل درست اور توانا ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ گائے کام کرنے والی نہیں ہاں کھیتی کا کام کرتی ہے لیکن پانی نہیں پلاتی مگر یہ قول غلط ہے اس لئے کہ ذلول کی تفسیر یہ ہے کہ وہ بل نہیں جوتی اور نہ پانی پلاتی ہے اس میں نہ کوئی داغ دھبہ ہے۔ اب اتنی بڑی کدو کاوش کے بعد بادل خواستہ وہ اس کی قربانی کی طرف متوجہ ہوئے۔ اسی لئے فرمایا کہ یہ ذبح کرنا نہیں چاہتے تھے اور ذبح نہ کرنے کے بہانے تلاش کرتے تھے کسی نے کہا ہے اس لئے کہ انہیں اپنی رسوائی کا خیال تھا کہ نہ جانیں کون قاتل ہو۔ بعض کہتے ہیں اس کی قیمت سن کر گھبرا گئے تھے لیکن بعض روایتوں میں آیا ہے کہ کل تین دینار اس کی قیمت لگی تھی لیکن یہ تین دینار والی گائے کے وزن کے برابر سونے والی دونوں روایتیں بنی اسرائیلی روایتیں ہیں۔ ٹھیک بات یہی ہے کہ ان کا ارادہ حکم کی بجا آوری کا تھا ہی نہیں لیکن اب اس قدر وضاحت کے بعد اور قتل کا مقدمہ ہونے کی وجہ سے انہیں یہ حکم ماننا ہی پڑا۔ واللہ اعلم۔

اس آیت سے اس مسئلہ پر بھی استدلال ہو سکتا ہے کہ جانوروں کو دیکھے بغیر ادھار دینا جائز ہے اس لئے کہ صفات کا حصر کر دیا گیا اور اوصاف پورے بیان کر دیئے گئے جیسے کہ حضرت امام مالکؒ امام اوزاعیؒ امام لیثؒ امام شافعیؒ امام احمدؒ اور جمہور علماء کا مذہب ہے۔ اسلاف اور متاخرین کا بھی اور اس کی دلیل صحیحین کی یہ حدیث بھی ہے کہ کوئی عورت کسی اور عورت کے اوصاف اس طرح اپنے خاندان کے سامنے بیان نہ کرے کہ گویا وہ اسے دیکھ رہا ہے۔ ایک حدیث میں نبی ﷺ نے دیت کے افواہوں کے اوصاف بھی بیان فرمائے ہیں قتل خطا اور وہ قتل جو مشابہ ”عمد“ کے ہے ہاں امام ابو حنیفہؒ اور دوسرے کوئی اور امام ثوریؒ وغیرہ بیع سلم کے قاتل نہیں وہ کہتے ہیں کہ جانوروں کے اوصاف و احوال

پوری طرح ضبط نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح کی حکایت ابن مسعودؓ، حذیفہ بن یمانؓ اور عبدالرحمن بن سمرہؓ وغیرہ سے بھی کی جاتی ہے۔

قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَا ذَلُولَ تُثِيرُ الْأَرْضَ وَلَا تَسْقِي
الْحَرْثَ مُسَلَّمَةٌ لَا شِيَةَ فِيهَا قَالُوا لَنْ جِنَّتْ بِالْحَقِّ
فَذَبْحُوهَا وَمَا كَادُوا يَفْعَلُونَ ۖ وَإِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادَرَأْتُمُ
فِيهَا وَاللَّهُ مُخْرِجٌ مَا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ ۖ فَقُلْنَا اضْرِبُوهُ
بِبَعْضِهَا كَذَلِكَ يُخَيِّ اللَّهُ الْمَوْتَى وَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ
تَعْقِلُونَ ۝

آپ نے فرمایا اللہ کا فرمان ہے کہ وہ گائے کام کرنے والی زمین میں مل جوتے والی اور کھیتیوں کو پانی پلانے والی نہیں۔ وہ تندرست اور بے داغ ہے۔ انہوں نے کہا اب آپ نے حق واضح کر دیا گو وہ حکم برداری کے قریب نہ تھے لیکن اسے مانا اور وہ گائے ذبح کر دی ۝ جب تم نے ایک شخص کو قتل کر ڈالا۔ پھر اس میں اختلاف کرنے لگے اور تمہاری پوشیدگی کو اللہ ظاہر کرنے والا تھا ۝ ہم نے کہا اس گائے کے جسم کا ایک ٹکڑا مقتول کے جسم پر لگاؤ (وہ جی اٹھے گا) اسی طرح اللہ مردوں کو زندہ کر کے تمہیں تمہاری عقلندی کے لئے اپنی نشانیاں دکھاتا ہے ۝

بلاوجہ تجسس موجب عتاب ہے: ☆☆ (آیت: ۷۲-۷۳) صحیح بخاری شریف میں ”ادارء تم“ کے معنی ”تم نے اختلاف کیا“ کے ہیں۔^① حضرت مجاہد وغیرہ سے بھی یہی مروی ہے مسیب بن رافع کہتے ہیں کہ جو شخص سات گھروں میں چھپ کر بھی کوئی نیک عمل کرے گا، اللہ اس کی نیکی کو ظاہر کر دے گا۔ اسی طرح اگر کوئی سات گھروں میں گھس کر بھی کوئی برائی کرے گا، اللہ تعالیٰ اسے بھی ظاہر کر دے گا۔

پھر یہ آیت تلاوت کی وَاللَّهُ مُخْرِجٌ مَا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ یہاں وہی واقعہ چچا بھتیجے کا بیان ہو رہا ہے جس کے باعث انہیں ذبیحہ گاؤ کا حکم ہوا تھا اور کہا جاتا ہے کہ اس کا کوئی ٹکڑا لے کر مقتول کے جسم پر لگاؤ۔ وہ ٹکڑا کونسا تھا؟ اس کا بیان تو قرآن میں نہیں ہے نہ کسی صحیح حدیث میں اور نہ ہمیں اس کے معلوم ہونے سے کوئی فائدہ ہے اور معلوم نہ ہونے سے کوئی نقصان ہے سلامت روئی اسی میں ہے کہ جس چیز کا بیان نہیں، ہم بھی اس کی تلاش و تفتیش میں نہ پڑیں، بعض نے کہا ہے کہ وہ غضروف کی ہڈی نرم تھی، کوئی کہتا ہے ہڈی نہیں بلکہ ران کا گوشت تھا، کوئی کہتا ہے دونوں شانوں کے درمیان کا گوشت تھا، کوئی کہتا ہے زبان کا گوشت، کوئی کہتا ہے دم کا گوشت وغیرہ لیکن ہماری بہتری اسی میں ہے جسے اللہ نے مبہم رکھا ہے، ہم بھی مبہم ہی رکھیں۔ اس ٹکڑے کے لگتے ہی وہ مردہ جی اٹھا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے جھگڑے کا فیصلہ بھی اسی سے کیا اور قیامت کے دن جی اٹھنے کی دلیل بھی اسی کو بنایا۔ اسی سورت میں پانچ جگہ مرنے کے بعد جینے کا بیان ہوا ہے۔ ایک تو آیت ثُمَّ بَعَثْنَاهُمْ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهِمْ^② میں اور دوسرا اس قسے میں تیسرے ان کے قسے میں جو ہزاروں کی تعداد میں نکلے تھے اور ایک اجازتہی پر ان کا گذر ہوا تھا، چوتھے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چار پرندوں کے مار ڈالنے کے بعد زندہ ہو جانے میں پانچویں زمین کی مردنی کے بعد روئیدگی کو موت و زینت سے تشبیہ دینے میں۔

ابوداؤد طیالسی کی ایک حدیث میں ہے، ابو رزین عقیلیؓ نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ مردوں کو اللہ تعالیٰ کس

طرح جلائے گا۔ فرمایا کبھی تم بغیر زمین پر گذرے ہو؟ کہا۔ ہاں فرمایا پھر کبھی اس کو سرسبز و شاداب بھی دیکھا ہے؟ کہا ہاں فرمایا اسی طرح موت کے بعد زیست ہے۔ قرآن کریم میں اور جگہ ہے **وَآيَةٌ لَهُمُ الْأَرْضُ الْمَيِّتَةُ** الخ یعنی ان منکرین کے لئے مردہ زمین میں بھی ایک نشانی ہے جسے ہم زندہ کرتے ہیں اور اس میں سے دانے نکالتے ہیں جسے یہ کھاتے ہیں اور جس میں ہم کھجوروں اور انگوروں کے باغ پیدا کرتے ہیں اور چاروں طرف نہروں کی ریل پیل کر دیتے ہیں تاکہ وہ ان پھلوں کو مزے مزے سے کھائیں حالانکہ یہ ان کے ہاتھوں کا بنایا ہوا یا پیدا کیا ہوا نہیں۔ کیا پھر بھی یہ شکر گزاری نہ کریں گے؟ کوئی زخمی شخص اگر کہے کہ فلاں شخص نے مجھے برا بھختی کے باعث قتل کیا ہے تو اس کا یہ قول ثبوت سمجھا جائے گا۔ اس مسئلہ پر اس آیت سے استدلال کیا گیا ہے اور حضرت امام مالک کے مذہب کو اس سے تقویت پہنچائی گئی ہے اس لئے کہ مقتول کے جی اٹھنے کے بعد اس نے دریافت کرنے پر جسے قاتل بتایا اسے قتل کیا گیا اور مقتول کا قول باور کیا گیا۔ ظاہر ہے کہ دم آخر ایسی حالت میں انسان عموماً جی بولتا ہے اور اس وقت اس پر تہمت نہیں لگائی جاتی۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک یہودی نے ایک لڑکی کا سر پتھر پر رکھ کر دوسرے پتھر سے پکل ڈالا اور اس کے کڑے اتار لے گیا۔ جب اس کا پتہ نبی ﷺ کو لگا تو آپ نے فرمایا اس لڑکی سے پوچھو کہ اسے کس نے مارا ہے۔ لوگوں نے پوچھا شروع کیا کہ کیا تجھے فلاں نے مارا فلاں نے مارا؟ وہ اپنے سر کے اشارے سے انکار کرتی جاتی تھی یہاں تک کہ جب اسی یہودی کا نام آیا تو اس نے سر کے اشارے سے کہا ہاں چنانچہ اس یہودی کو گرفتار کیا گیا اور باصرار پوچھنے پر اس نے اقرار کیا تو حضور نے حکم دیا کہ اس کا سر بھی اسی طرح دو پتھروں کے درمیان پکل دیا جائے اور امام مالک کے نزدیک جب یہ برا بھختی کے باعث ہو تو مقتول کے وارثوں کو قسم کھلائی جائے گی بطور قسامہ کے لیکن جمہور اس کے مخالف اور مقتول کے قول کو اس بارے میں ثبوت نہیں جانتے۔

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً ۚ وَإِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْأَنْهَارُ ۚ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشْقُقُ فَيُخْرِجُ مِنْهُ الْمَاءُ ۚ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ ۚ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۷۵﴾

پھر اس کے بعد تمہارے دل پتھر جیسے بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت ہو گئے۔ بعض پتھروں سے تو نہریں بہہ نکلتی ہیں اور بعض پھٹ جاتے ہیں اور ان سے پانی نکل آتا ہے اور بعض اللہ کے ڈر سے گر گر پڑتے ہیں۔ تم اللہ تعالیٰ کو اپنے اعمال سے غافل نہ جانو ○

پتھر دل لوگ: ☆ ☆ (آیت: ۷۴) اس آیت میں بنی اسرائیل کو جزو توبخ کی گئی ہے کہ اس قدر زبردست معجزے اور قدرت کی نشانیاں دیکھ کر پھر بھی بہت جلد تمہارے دل سخت پتھر بن گئے۔ اسی لئے ایمان والوں کو اس طرح کی سختی سے روکا گیا اور کہا گیا **لَا يَزِيدُ الْإِيمَانَ إِلَّا فِي الْقُلُوبِ الَّتِي لَا يَلْمِزُهَا** الخ یعنی ایمان صرف ان لوگوں میں ہی بڑھتا ہے جن کے دل اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اللہ کے نازل کردہ حق سے کانپ اٹھیں؟ اور اگلے اہل کتاب کی طرح نہ ہو جائیں جن کے دل لمبا زمانہ گزرنے کے بعد سخت ہو گئے اور ان میں سے اکثر فاسق ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ اس مقتول کے جتنیچے نے اپنے چچا کے دوبارہ زندہ ہونے اور بیان دینے کے بعد جب مر گیا تو

کہا کہ اس نے جھوٹ کہا اور پھر کچھ وقت گزر جانے کے بعد بنی اسرائیل کے دل پھر پتھر سے بھی زیادہ سخت ہو گئے کیونکہ پتھروں سے تو نہریں نکلتی اور بہنے لگتی ہیں بعض پتھر پھٹ جاتے ہیں چاہے وہ بہنے کے قابل نہ ہوں۔ بعض پتھر خوفِ الہی سے گر پڑتے ہیں لیکن ان کے دل کسی وعظ و نصیحت سے کسی ہند و موعظت سے نرم ہی نہیں ہوتے۔ یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ پتھروں میں ادراک اور سمجھ ہے۔ اور جگہ ہے تُسَبِّحُ لَهُ السَّمَوَاتُ السَّبْعُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلَكِنْ لَا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيحَهُمْ إِنَّهُ كَانَ خَلِيماً غَفُوراً یعنی ساتوں آسمان اور زمینیں اور ان کی تمام مخلوق اور ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتی ہے لیکن تم ان کی تسبیح سمجھتے نہیں ہو۔ اللہ تعالیٰ حلم و بردباری والا اور بخشش و عفو والا ہے۔ ابوعلی جبائی نے پتھر کے خوف سے گر پڑنے کی تاویل اولوں کے برسنے سے کی ہے لیکن یہ ٹھیک نہیں رازی بھی غیر درست بتلاتے ہیں اور فی الواقع یہ تاویل صحیح نہیں کیونکہ اس میں لفظی معنی بے دلیل کو چھوڑنا لازم آیا ہے۔ واللہ اعلم۔ نہریں بہہ نکلنا زیادہ رونا ہے۔ پھٹ جانا اور پانی کا نکلنا اس سے کم رونا ہے۔ گر پڑنا دل سے ڈرنا۔ بعض کہتے ہیں یہ مجازاً کہا گیا جیسے اور جگہ ہے يُرِيدُ أَنْ يُنْفِضَ الْعَيْنِ دِيَّوَارَ گر پڑنا چاہ رہی تھی۔ ظاہر ہے کہ یہ مجاز ہے۔ حقیقتاً دیوار کا ارادہ ہی نہیں ہوتا۔

رازی رحمۃ اللہ علیہ، قرطبی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کہتے ہیں ایسی تاویلوں کی کوئی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ جو صفت جس چیز میں چاہے پیدا کر سکتا ہے۔ دیکھئے اس کا فرمان ہے اِنَّا عَرَضْنَا الْاِمَانَةَ الْاٰخِرَةَ لِمَنْ يَّشَاءُ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ یعنی ہم نے امانت کو آسمانوں زمینوں اور پہاڑوں کے سامنے پیش کیا۔ انہوں نے اس کے اٹھانے سے مجبوری ظاہر کی اور ڈر گئے۔ اوپر آیت گذر چکی کہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتی ہیں۔ جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ^{۷۰} یعنی اکاس نبل اور درخت اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتے ہیں اور فرمایا يَتَفَتَّحُوْا ظِلُّهُ الْاُخْرٰى فَرَمٰى قَالَتَا اٰتَيْنَا طٰآبِعَيْنِ زَمِيْنٍ وَّآسْمٰنٍ نے کہا ہم خوش خوشی حاضر ہیں اور جگہ ہے کہ پہاڑ بھی قرآن سے متاثر ہو کر ڈر کے مارے پھٹ جاتے۔ جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں وَقَالُوْا الْجُلُوْدُ هُمْ الْاٰخِرَةُ لَعَلَّكُمْ تَعْلَمُوْنَ کہ لوگ اپنے جسموں سے کہیں گے تم نے ہمارے خلاف شہادت کیوں دی؟ وہ جواب دیں گے کہ ہم سے اس اللہ نے بات کرائی جو ہر چیز کو بولنے کی طاقت عطا فرماتا ہے۔

ایک صحیح حدیث میں ہے کہ احد پہاڑ کی نسبت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ پہاڑ ہم سے محبت رکھتا ہے اور ہم بھی اس سے محبت رکھتے ہیں۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ جس کعبور کے تنے پر ٹیک لگا کر حضور جمعہ کا خطبہ پڑھا کرتے تھے جب منبر بنا اور وہ تباہ ہوا دیا گیا تو وہ تباہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ صحیح مسلم شریف کی حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں میں کہہ کے اس پتھر کو پہچانتا ہوں جو میری نبوت سے پہلے مجھے سلام کیا کرتا تھا، حجر اسود کے بارے میں ہے کہ جس نے اسے حق کے ساتھ بوسہ دیا ہوگا یہ اس کے ایمان کی گواہی قیامت والے دن دے گا اور اس طرح کی بہت سی آیات اور حدیثیں ہیں جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان چیزوں میں ادراک و حس ہے اور یہ تمام باتیں حقیقت پر محمول ہیں نہ کہ مجاز پر۔ آیت میں لفظ ”اَوْ“ جو ہے اس کی بابت قرطبی اور رازی تو کہتے ہیں کہ یہ تغیر کے لئے ہے یعنی ان کے دلوں کو خواہ جیسے پتھر سمجھ لو یا اس سے بھی زیادہ سخت۔ رازی نے ایک وجہ یہ بھی بیان کی ہے کہ یہ ابہام کے لئے ہے گویا مخاطب کے سامنے باوجود ایک بات کا پختہ علم ہونے کے دو چیزیں بطور ابہام پیش کی جا رہی ہیں۔ بعض کا قول ہے کہ مطلب یہ ہے کہ بعض دل پتھر جیسے اور بعض اس سے زیادہ سخت ہیں۔ واللہ اعلم۔

اس لفظ کے جو معنی یہاں پر ہیں وہ بھی سن لیجئے۔ اس پر تو اجماع ہے کہ آتش کے لئے نہیں۔ یا تو یہ معنی میں واو کے ہے یعنی اس کے دل پتھر جیسے اور اس سے بھی زیادہ سخت ہو گئے جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں لَا تَطْعَمُ مِنْهُمْ اِثْمًا اَوْ كَفُوْرًا

أَفَتَطْمَعُونَ أَنْ يُؤْمِنُوا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ
يَسْمَعُونَ كَلِمَ اللَّهِ ثُمَّ يُحَرِّفُونَهُ مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوهُ وَهُمْ
يَعْلَمُونَ ﴿٧٥﴾ وَإِذَا لقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ
إِلَى بَعْضٍ قَالُوا اتَّحَدِثُوا أَنفُسَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ لِيُخَاجِبَكُمْ
بِهِ عِندَ رَبِّكُمْ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿٧٦﴾ أَوَلَا يَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ
يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ﴿٧٧﴾

یہودی کردار کا تجزیہ: ☆☆ (آیت: ۷۵-۷۷) اس گمراہ قوم یہود کے ایمان سے اللہ تعالیٰ اپنے نبیؐ اور آپ کے صحابہؓ کو ناپسند کر رہے ہیں۔ جب ان لوگوں نے اتنی بڑی نشانیاں دیکھ کر بھی اپنے دل سخت پتھر جیسے بنا لئے، اللہ کے کلام کو سن کر سمجھ کر پھر بھی اس کی تحریف اور تبدیلی کر ڈالی تو ان سے تم کیا امید رکھتے ہو؟ ٹھیک اس آیت کی طرح اور جگہ فرمایا فَبِمَا نَقْضُهِمْ مِيثَاقَهُمْ اَنْ يَتَّبِعُوا احْکَامَی اللہ ہم نے ان پر لعنت کی اور ان کے دل سخت کر دیئے یہ اللہ کے کلام کو رد و بدل کر ڈالا کرتے تھے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں یہاں اللہ تعالیٰ نے کلام اللہ سننے کو فرمایا۔ اس سے مراد حضرت موسیٰؑ کے صحابیوں کی وہ جماعت ہے جنہوں نے آپ سے اللہ کا کلام اپنے کانوں سے

سننے کی درخواست کی تھی اور جب وہ پاک صاف ہو کر روزہ رکھ کر حضرت موسیٰ کے ساتھ طور پہاڑ پر پہنچ کر کرجدے میں گر پڑے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنا کلام سنایا۔ جب یہ واپس آئے اور نبی اللہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کا یہ کلام بنی اسرائیل میں بیان کرنا شروع کیا تو ان لوگوں نے اس کی تحریف اور تبدیلی شروع کر دی۔ سدیٰ فرماتے ہیں ان لوگوں نے توراۃ میں تحریف کی تھی۔ یہی عام معنی ٹھیک ہیں جس میں وہ لوگ بھی شامل ہو جائیں گے اور اس بدخصلت والے دوسرے یہودی بھی۔ قرآن میں اور جگہ ہے فَاجْرُهُ حَتَّى يَسْمَعَ كَلَمَ اللَّهِ یعنی مشرکوں میں سے کوئی اگر تجھ سے پناہ طلب کرے تو تو اسے پناہ دے یہاں تک کہ وہ کلام اللہ سن لے تو اس سے یہ مراد نہیں کہ اللہ کا کلام اپنے کانوں سے سنے بلکہ قرآن سننے تو یہاں بھی کلام اللہ سے مراد توراۃ ہے۔ یہ تحریف کرنے والے اور چھپانے والے ان کے علماء تھے۔ آنحضرتؐ کے جو اوصاف ان کی کتاب میں تھے ان سب میں انہوں نے تاویلیں کر کے اصل مطلب دور کر دیا تھا اسی طرح حلال کو حرام، حرام کو حلال، حق کو باطل، باطل کو حق لکھ دیا کرتے تھے۔ رشوتیں لینی اور غلط مسائل بتانے کی عادت ڈال لی تھی ہاں کبھی کبھی جبکہ رشوت ملنے کا امکان نہ ہوتا ریاست کے جانے کا خوف نہ ہوتا، مریدوں سے بھی الگ ہوتے تو حق بات بھی کہہ دیا کرتے۔ مسلمانوں سے ملنے تو کہہ دیا کرتے کہ تمہارے نبی سچے ہیں۔ یہ برحق رسول ہیں لیکن پھر آپس میں بیٹھ کر کہتے عربوں سے یہ باتیں کیوں کہتے ہو۔ پھر تو یہ تم پر چھا جائیں گے۔ اللہ کے ہاں بھی تمہیں لا جواب کر دیں گے۔ تو ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان بیوقوفوں کو کیا اتنا علم نہیں کہ ہم تو پوشیدہ اور ظاہر سب کو جانتے ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مدینہ میں ہمارے پاس سوائے ایمان والوں کے اور کوئی نہ آئے تو ان کافروں اور یہودیوں نے کہا جاؤ کہہ دو ہم بھی ایمان لاتے ہیں اور یہاں آؤ تو پھر ویسے ہی رہو۔ جیسے تھے۔ پس یہ لوگ صبح آ کر ایمان کا دعویٰ کرتے تھے اور شام کو جا کر کفار میں شامل ہو جاتے تھے۔ قرآن میں ہے وَقَالَتْ طَائِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ آمِنُوا بِاللَّهِ یعنی اہل کتاب کی ایک جماعت نے کہا ایمان والوں پر جو اتر رہے اس پردن کے شروع حصہ میں ایمان لاؤ پھر آخر میں کفر کرو تا کہ خود ایمان والے بھی اس دین سے پھر جائیں۔ یہ لوگ اس فریب سے یہاں کے راز معلوم کرنا اور انہیں اپنے والوں کو بتانا چاہتے تھے اور مسلمانوں کو بھی گمراہ کرنا چاہتے تھے مگر ان کی یہ چال لاکہ نہ چلی اور یہ راز اللہ نے کھول دیا۔ جب یہ یہاں ہوتے اور اپنا ایمان اسلام ظاہر کرتے تو صحابہ ان سے پوچھتے کیا تمہاری کتاب میں حضورؐ کی بشارت وغیرہ نہیں؟ وہ اقرار کرتے۔ جب اپنے بڑوں کے پاس جاتے تو وہ انہیں ڈانٹتے اور کہتے اپنی باتیں ان سے کہہ کر کیوں ان کی اپنی مخالفت کے ہاتھوں میں ہتھیار دے رہے ہو؟ مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے قرظہ والے دن یہودیوں کے قلعہ تلے کھڑے ہو کر فرمایا اے بندر اور خنزیر اور طاغوت کے عابدوں کے بھائیو! تو وہ آپس میں کہنے لگے یہ ہمارے گھر کی باتیں انہیں کس نے بتا دیں خبردار اپنی آپس کی خبریں انہیں نہ دور نہ انہیں اللہ کے سامنے تمہارے خلاف دلائل میسر آ جائیں گے۔ اب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ گوتم چھپاؤ لیکن مجھ سے تو کوئی چیز چھپ نہیں سکتی۔ یہ جو چپکے چپکے اپنے والوں سے کہتے ہو کہ اپنی باتیں ان تک نہ پہنچاؤ اور اپنی کتاب کی باتوں کو چھپاتے ہو تو میں تمہارے اس برے کام سے بخوبی آگاہ ہوں اور تم جو اپنا ایمان ظاہر کرتے ہو۔ تمہارے اس اعلان کی حقیقت کا علم بھی مجھے اچھی طرح ہے۔

وَمِنْهُمْ اٰمِيُوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّا اٰمَانِيْنَ وَاِنْ
هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ۝۷۸ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ
بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا

قَلِيلًا قَوْلٍ لَّهُمْ مِمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِمَّا يَكْسِبُونَ ﴿٥٧﴾

ان میں سے بعض ان پڑھ ایسے بھی ہیں جو کتاب کے صرف ظاہری الفاظ کو ہی جانتے ہیں اور صرف گمان اور انکل ہی پر ہیں ○ ان لوگوں کے لئے ویل ہے جو اپنے ہاتھوں کی لکھی ہوئی کتاب کو اللہ کی طرف کی کہتے ہیں اور اس طرح دنیا کھاتے ہیں ان کے ہاتھوں کی لکھائی کو اور ان کی کمائی کو ویل اور افسوس ہے ○

امی کا مفہوم اور ویل کے معنی ☆ ☆ (آیت: ۷۸-۷۹) امی کے معنی وہ شخص جو اچھی طرح لکھنا نہ جانتا ہو امیون اس کی جمع ہے۔ آنحضرت ﷺ کی مفتوں میں ایک مفت ”امی“ بھی آئی ہے اس لئے کہ آپ بھی لکھنا نہیں جانتے تھے۔ قرآن کہتا ہے وَمَا كُنْتُمْ تَتْلُوا مِنْ قَبْلِهِ مِنْ كِتَابٍ وَلَا تَخُطُّهُ بِيَمِينِكُمْ إِذَا لَارْتَابَ الْمُبْطِلُونَ یعنی تو اے نبی اس سے پہلے نہ تو پڑھ سکتا نہ لکھ سکتا تھا اگر ایسا ہوتا تو شاید ان باطل پرستوں کے شبہ کی گنجائش ہو جاتی۔ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں ہم امی اور ان پڑھ لوگ ہیں نہ لکھنا جانیں نہ حساب، مہینہ بھی اتنا ہوتا ہے اور کبھی اتنا پہلی بار تو آپ نے دونوں ہاتھوں کی کل انگلیاں تین بار نیچے کی طرف جھکا ئیں یعنی تیس دن کا دوبارہ اور تیسری مرتبہ میں انگوٹھے کا حلقہ بنا لیا یعنی انیس دن کا مطلب یہ ہے کہ ہماری عبادتیں اور ان کے وقت حساب کتاب پر موقوف نہیں۔ قرآن کریم نے اور جگہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے ان پڑھوں میں ایک رسول انہی میں سے بھیجا۔ امام ابن جریر فرماتے ہیں کہ اس لفظ میں بے پڑھے آدمی کو ماں کی طرف منسوب کیا گیا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے ایک روایت ہے کہ یہاں پر امی انہیں کہا گیا ہے جنہوں نے نہ تو کسی رسول کی تصدیق کی تھی نہ کسی کتاب کو مانا تھا اور اپنی لکھی ہوئی کتابوں کو اوروں سے کتاب اللہ کی طرح منوانا چاہتے تھے لیکن اول تو یہ قول محاورات عرب کے خلاف ہے۔ دوسرے اس قول کی سند ٹھیک نہیں۔ امامانی کے معنی باتیں اور اقوال ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے ”کذب“، ”آرزو“، ”جھوٹ کے معنی بھی کئے گئے ہیں تلاوت اور ظاہری الفاظ کے معنی بھی مروی ہیں جیسے قرآن مجید میں اور جگہ ہے إِلَّا إِذَا تَمَنَّىٰ تَبْهَاهَا تِلَاوَتُكَ کے معنی صاف ہیں۔ شعراء کے شعروں میں بھی یہ لفظ تلاوت کے معنی میں ہے اور وہ صرف گمان ہی پر ہیں یعنی حقیقت کو نہیں جانتے اور اس پر ناحق کا گمان کرتے ہیں اور اوٹ پٹانگ باتیں بناتے ہیں۔ پھر یہودیوں کی ایک دوسری قسم کا بیان ہو رہا ہے جو پڑھے لکھے لوگ تھے اور گمراہی کی طرف دوسروں کو بلاتے تھے اور اللہ پر جھوٹ باندھتے تھے اور مریدوں کا مال ہڑپ کرتے تھے۔

ویل کے معنی ہلاکت اور بربادی کے ہیں اور جہنم کے گڑھے کا نام بھی ہے جس کی آگ اتنی تیز ہے کہ اگر اس میں پہاڑ ڈالے جائیں تو دھول ہو جائیں۔ ابن ابی حاتم کی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جہنم کی ایک دادی کا نام ویل ہے جس میں کافر ڈالے جائیں گے۔ چالیس سال کے بعد تلے میں پہنچیں گے، اتنی گہرائی ہے لیکن سند کے اعتبار سے یہ حدیث غریب بھی ہے مکر بھی ہے اور ایک غریب حدیث میں ہے کہ جہنم کے ایک پہاڑ کا نام ویل ہے یہودیوں نے توراۃ کی تحریف کردی۔ اس میں کمی یا زیادتی کی؟ آنحضرت ﷺ کا نام نکال ڈالا اس لئے اللہ کا غضب ان پر نازل ہوا اور توراۃ اٹھالی گئی اور اللہ تعالیٰ نے فرمادیا کہ ان کے ہاتھوں کے لکھے اور ان کی کمائی برباد اور ہلاک ہو۔ ویل کے معنی سخت عذاب، برائی، ہلاکی، افسوس، درد، دکھ، رنج و ملال وغیرہ کے بھی آتے ہیں۔ ویل و یح و یس و یہ و یلک و یب سب ایک ہی معنی میں ہیں۔ گو بعض نے ان الفاظ کے جدا جدا معنی بھی کئے ہیں لفظ ویل مکرہ ہے اور مکرہ مبتدا نہیں بن سکتا لیکن چونکہ یہ معنی میں بددعا کے ہے اس لئے اسے مبتدا بنادیا گیا ہے۔ بعض لوگوں نے اسے نصب دینا بھی جائز سمجھا ہے لیکن ویلا کی قرأت نہیں۔ یہاں یہودیوں کے علماء کی بھی مذمت ہو رہی ہے کہ وہ اپنی باتوں کو اللہ کا کلام کہتے تھے اور اپنے والوں کو خوش کر

کے دنیا کماتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ تم اہل کتاب سے کچھ بھی کیوں پوچھو؟ اللہ کی تازہ کتاب تمہارے ہاتھوں میں ہے۔ اہل کتاب نے تو کتاب اللہ میں تحریف کی اپنی ہاتھ کی لکھی ہوئی باتوں کو اللہ عزوجل کی طرف منسوب کر دیا اس کی تشہیر کی۔ پھر تمہیں اپنی محفوظ کتاب کو چھوڑ کر ان کی تبدیل کردہ کتاب کی کیا ضرورت؟ افسوس کہ وہ تم سے نہ پوچھیں اور تم ان سے ہدایت کرتے پھر وہ تھوڑے مول سے مراد ساری دنیا لے جائے تو بھی آخرت کے مقابلہ میں کمتر ہے۔ اور جنت کے مقابلہ میں بے حد حقیر چیز ہے۔ پھر فرمایا کہ ان کے اس فعل کی وجہ سے کہ وہ اپنی باتوں کو اللہ رب العزت کی باتوں کی طرح لوگوں سے منواتے ہیں اور اس پر دنیا کماتے ہیں ہلاکت اور بربادی ہے۔

وَقَالُوا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَةً قُلْ أَتَّخَذْتُمْ
عِنْدَ اللَّهِ عَهْدًا فَلَنْ يُخْلِفَ اللَّهُ عَهْدَهُ أَمْ تَقُولُونَ
عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝

یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم تو صرف چند روز آگ میں رہیں گے۔ ان سے کہو کہ کیا تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کا کوئی پروانہ ہے؟ اگر ہے تو یقیناً اللہ اپنے وعدے کا خلاف نہیں کرے گا (ہرگز نہیں) بلکہ تم تو بے علمی سے اللہ تعالیٰ کے ذمہ باتیں گھڑ لیا کرتے ہو ○

چالیس دن کا جہنم ☆ ☆ (آیت: ۸۰) حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں یہودی لوگ کہا کرتے تھے کہ دنیا کی کل مدت سات ہزار سال ہے۔ ہر ہزار سال کے بدلے ایک دن ہمیں عذاب ہوگا تو صرف سات دن ہمیں جہنم میں رہنا پڑے گا۔ اس قول کی تردید میں یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ بعض کہتے ہیں یہ لوگ چالیس دن تک آگ میں رہنا مانتے تھے کیونکہ ان کے بڑوں نے چالیس دن تک بچھڑے کی پوجا کی تھی بعض کا قول ہے کہ یہ دھوکہ انہیں اس سے لگا تھا کہ وہ کہتے تھے کہ تو ماہ میں ہے کہ جہنم کے دونوں طرف زقوم کے درخت تک چالیس سال کا راستہ ہے تو وہ کہتے تھے کہ اس مدت کے بعد عذاب اٹھ جائیں گے۔ ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے حضورؐ کے سامنے آ کر کہا کہ چالیس دن تک تو ہم جہنم میں رہیں گے۔ پھر دوسرے لوگ ہماری جگہ آجائیں گے یعنی آپؐ کی امت۔ آپؐ نے ان کے سروں پر ہاتھ رکھ کر فرمایا نہیں بلکہ تم ہی تم ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں پڑے رہو گے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں فتح خیبر کے بعد حضورؐ کی خدمت میں بطور ہدیہ بکری کا پکا ہوا زہراؓ لود گوشت آیا۔ آپؐ نے فرمایا۔ یہاں کے یہودیوں کو جمع کرلو۔ پھر ان سے پوچھا تمہارا باپ کون ہے؟ انہوں نے کہا فلاں۔ آپؐ نے فرمایا جھوٹے ہو بلکہ تمہارا باپ فلاں ہے۔ انہوں نے کہا بجا ارشاد ہوا۔ وہی ہمارا باپ ہے آپؐ نے فرمایا دیکھو اب میں کچھ اور پوچھتا ہوں سچ جتنا انہوں نے کہا اے ابوالقاسمؑ اگر جھوٹ کہیں گے تو آپؐ کے سامنے نہ چل سکے گا۔ ہم تو آزمائے۔ آپؐ نے فرمایا بتاؤ جنہی کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا کچھ دن تو ہم ہیں پھر آپؐ کی امت آپؐ نے فرمایا غلو ہرگز نہیں پھر فرمایا اچھا بتلاؤ اس گوشت میں تم نے زہر ملایا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں۔ اگر آپؐ سچے ہیں تو یہ زہر آپؐ کو ہرگز ضرر نہ دے گا اور اگر جھوٹے ہیں تو ہم آپؐ سے نجات حاصل کر لیں گے۔ (مسند احمد بخاری نسائی)

بَلَىٰ مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَأَحَاطَتْ بِهِ خَطِيئَتُهُ فَأُولَٰئِكَ
أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا

الْصَّلٰحَتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۸۲

یقیناً جو بھی برے کام اور اس کی نافرمانیاں اسے گھیر لیں وہ ہمیشہ کے لئے جہنمی ہے اور جو لوگ ایمان لائیں اور نیک کام کریں وہ جنتی ہیں جو جنت میں ہمیشہ رہیں گے ○

جہنمی کون؟ ☆☆ (آیت: ۸۱-۸۲) مطلب یہ ہے کہ جس کے اعمال سراسر بد ہیں جو نیکیوں سے خالی ہے وہ جہنمی ہے اور جو شخص اللہ رسول پر ایمان لائے اور سنت کے مطابق عمل کرے وہ جنتی ہے۔ جیسے ایک جگہ فرمایا لَيْسَ بِأَمَانِيْكُمْ اِلَّا بِعَمَلِكُمْ یعنی نہ تو تمہارے منصوبے چل سکیں گے اور نہ اہل کتاب کے ہر برائی کرنے والا اپنی برائی کا بدلہ دیا جائے گا اور ہر بھلائی کرنے والا ثواب پائے گا۔ اپنی نیکو کاری کا اجر پائے گا مگر برے کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔ کسی مرد کا عورت کا اور بھلے آدمی کا کوئی عمل برباد نہ ہوگا۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں یہاں برائی سے مطلب کفر ہے اور ایک روایت میں ہے کہ مراد شرک ہے۔ ابوہریرہؓ ابوہریرہؓ ابوہریرہؓ عکرمہؓ حسنؓ قتادہؓ ربیع بن انسؓ وغیرہ سے یہی مروی ہے۔ سہمی کہتے ہیں مراد کبیرہ گناہ ہیں جو تہہ بہ تہہ ہو کر دل کو گندہ کر دیں۔ حضرت ابوہریرہؓ وغیرہ فرماتے ہیں مراد شرک ہے جس کے دل پر بھی قابض ہو جائے۔ ربیع بن عظیمؓ کا قول ہے جو گناہوں پر ہی مرے اور توبہ نصیب نہ ہو۔ مسند احمد میں حدیث ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں گناہوں کو حقیر نہ سمجھا کر وہ جمع ہو کر انسان کی ہلاکت کا سبب بن جاتے ہیں دیکھتے نہیں ہو کہ اگر کوئی آدمی ایک ایک لکڑی لے کر آئیں تو انبار لگ جاتا ہے۔ پھر اگر اس میں آگ لگائی جائے تو بڑی بڑی چیزوں کو جلا کر خاکستر کر دیتا ہے۔ پھر ایمانداروں کا حال بیان فرمایا کہ جو تم ایسے عمل نہیں کرتے بلکہ تمہارے کفر کے مقابلہ میں ان کا ایمان پختہ ہے۔ تمہاری بد اعمالیوں کے مقابلہ میں ان کے پاکیزہ اعمال مستحکم ہیں انہیں اب دی راحۃں اور ہمیشہ کی مسکن جنتیں ملیں گی۔ اور اللہ کے عذاب و ثواب دونوں لازوال ہیں۔

وَ اِذْ اَخَذْنَا مِثَاقَ بَنِيْ اِسْرَآئِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ
وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّ ذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسْكِيْنَ
وَقَوْلُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَآتُوا الزَّكٰوةَ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ
اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝۸۳

اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے وعدہ لیا کہ تم اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ بھلا سلوک کرنا اسی طرح قرابت داروں یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ بھی اور لوگوں کو اچھی باتیں کہنا۔ نمازیں قائم رکھنا اور زکوٰۃ دینے سے رہا کرنا۔ لیکن تمھوڑے سے لوگوں کے علاوہ تم نسب پھر گئے اور منہ موڑ لیا ○

معبودان باطل سے بچو: ☆☆ (آیت: ۸۳) بنی اسرائیل کو جو حکم احکام دیئے گئے اور ان سے جن چیزوں پر عہد لیا گیا ان کا بیان ہو رہا ہے اور ان کی عہد شکنی کا ذکر ہو رہا ہے۔ انہیں حکم دیا گیا تھا کہ وہ توحید کو تسلیم کریں۔ اللہ کے سوا کسی دوسرے کی عبادت نہ کریں یہ حکم صرف بنو اسرائیل کو ہی نہیں بلکہ تمام مخلوق کو دیا گیا ہے فرمان ہے وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحٰى اِلَيْهِ اِنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا فَاعْبُدُوْنَ یعنی تمام رسولوں کو ہم نے یہی حکم دیا کہ وہ اعلان کر دیں کہ قابل عبادت میرے سوا اور کوئی نہیں۔ سب لوگ میری ہی عبادت کریں اور فرمایا وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنْ اَعْبُدُوْا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ یعنی ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا کہ اللہ ہی کی عبادت کرو اور اس کے سوا دوسرے معبودان باطل سے بچو۔ سب سے بڑا حق اللہ تعالیٰ ہی کا ہے اور اس کے تمام حقوق میں بڑا حق یہی ہے کہ

بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَاءُ مَنْ يَفْعَلُ
 ذَلِكَ مِنْكُمْ إِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيَمَةِ يُرَدُّونَ
 إِلَى أَشَدِّ الْعَذَابِ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ۝ أُولَٰئِكَ
 الَّذِينَ اشْتَرُوا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ فَلَا يَخَفُ عَنْهُمْ الْعَذَابُ
 وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ۝

ع

اور جب ہم نے تم سے وعدہ لیا کہ آپس میں قتل نہ کرنا اور آپس والوں کو بلا وطن نہ کرنا۔ تم نے اس کا اقرار کیا اور تم اس کے شاہد بنے ○ لیکن پھر بھی تم نے آپس میں قتل کیا اور آپس کے ایک فریق کو جلا وطن بھی کیا اور گناہ اور زیادتی کے کاموں میں ان کے خلاف دوسروں کی طرفداری کی۔ ہاں قیدی بن کر تہارے پاس آئے تو تم نے ان کے فدیے دیے لیکن ان کا نکالنا جو تم پر حرام تھا (اس کا کچھ خیال نہ کیا) کیا بعض احکام پر ایمان رکھتے ہو اور بعض کے ساتھ کفر کرتے ہو؟ تم میں سے جو بھی ایسا کرے اس کی سزا اس کے سوا کیا ہو کہ دنیا میں رسوائی اور قیامت کے دن سخت عذابوں کی مار اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں ○ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت کے بدلے مول لیا ہے۔ ان سے نہ تو عذاب ہلکے ہوں گے اور نہ ان کی مدد کی جائے گی ○

اوس و خزرج اور دیگر قبائل کو دعوت اتحاد: ☆ ☆ (آیت: ۸۳-۸۶) اوس اور خزرج انصار مدینہ کے دو قبیلے تھے۔ اسلام سے پہلے ان دونوں قبیلوں کی آپس میں کبھی بنتی نہ تھی۔ آپس میں ہمیشہ جنگ و جدال رہتا تھا۔ مدینے کے یہودیوں کے بھی تین قبیلے تھے۔ بنی قبیصاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ۔ بنو قبیصاع اور بنی نضیر تو خزرج کے طرف دار اور ان کے بھائی بند بنے ہوئے تھے۔ بنی قریظہ کا بھائی چارہ اوس کے ساتھ تھا۔ جب اوس و خزرج میں جنگ ٹھن جاتی تو یہودیوں کے یہ تینوں گروہ بھی اپنے اپنے حلیف کا ساتھ دیتے اور ان سے مل کر ان کے دشمن سے لڑتے۔ دونوں طرف کے یہودی یہودیوں کے ہاتھ مارے بھی جاتے اور موقعہ پا کر ایک دوسرے کے گھروں کو بھی اجاڑ ڈالتے، دیس نکالا بھی دے دیا کرتے تھے اور مال و دولت پر بھی قبضہ کر لیا کرتے تھے۔ جب لڑائی موقوف ہوتی تو مغلوب فریق کے قیدیوں کا فدیہ دے کر چھڑا لیتے اور کہتے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ ہم میں سے جب کوئی قید ہو جائے تو ہم فدیہ دے کر چھڑا لیں اس پر جناب باری تعالیٰ انہیں فرماتا ہے کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ میرے اس ایک حکم کو تو تم نے مان لیا لیکن میں نے کہا تھا کہ آپس میں کسی کو قتل نہ کرو گھروں سے نہ نکالو۔ اسے کیوں نہیں مانتے؟ کسی حکم پر ایمان لانا اور کسی کے ساتھ کفر کرنا یہ کہاں کی ایمانداری ہے؟ آیت میں فرمایا کہ اپنے خون نہ بہاؤ اور اپنے آپ کو اپنے گھروں سے نہ نکالو۔ یہ اس لئے کہ ہم مذہب سارے کے سارے ایک جان کے مانند ہیں۔ حدیث میں بھی ہے کہ تمام ایماندار دوستی اخوت، صلہ رحمی اور رحم و کرم میں ایک جسم کے مثل ہیں۔ کسی ایک عضو کے درد سے تمام جسم بے تاب ہو جاتا ہے۔ بخار چڑھ جاتا ہے۔ راتوں کی نیند اچاٹ ہو جاتی ہے۔ اسی طرح ایک مسلمان کے لئے سارے جہان کے مسلمانوں کو تڑپ اٹھنا چاہئے۔

عبد خیر کہتے ہیں، ہم سلمان بن ربیعہؓ کی ماتحتی میں ”بخمر“ میں جہاد کر رہے تھے۔ محاصرہ کے بعد ہم نے اس شہر کو فتح کیا جس میں بہت سے قیدی بھی ملے۔ حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان میں سے ایک یہودی لونڈی کو سات سو میں خرید لیا۔ اس الجالوت

کے پاس جب ہم پہنچے تو حضرت عبداللہ اس کے پاس گئے اور فرمایا یہ لونڈی تیری ہم مذہب ہے۔ میں نے اسے سات سو میں خریدا ہے۔ اب تم اسے مجھ سے خرید لو اور آزاد کرو۔ اس نے کہا بہت اچھا۔ میں چودہ سو دیتا ہوں۔ آپ نے فرمایا میں تو چار ہزار سے کم نہیں بیچوں گا۔ اس نے کہا پھر میں نہیں خریدتا۔ آپ نے کہا 'سن یا تو' تو اسے خرید ورنہ تیرا دین جاتا رہے گا۔ تو راۃ میں لکھا ہوا ہے کہ بنو اسرائیل کا کوئی بھی شخص گرفتار ہو جائے تو اسے خرید کر آزاد کیا کرو۔ اگر وہ قیدی ہو کر تمہارے پاس آئیں تو فدیہ دے کر چھڑا لیا کرو اور انہیں ان کے گھر سے بے گھر بھی نہ کیا کرو۔ اب یا تو تو راۃ کو مان کر اسے خرید یا تو راۃ کا منکر ہونے کا اقرار کر۔ وہ سمجھ گیا اور کہنے لگا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم شاید عبداللہ بن سلام ہو۔ آپ نے فرمایا ہاں چنانچہ وہ چار ہزار لے آیا۔ آپ نے دو ہزار لے لئے اور دو ہزار لوٹا دیئے۔

بعض روایتوں میں ہے کہ اس الجالوت کو فہ میں تھا۔ یہ ان لونڈیوں کا فدیہ نہیں دیتا تھا جو عرب سے نہ بنی ہوں۔ اس پر حضرت عبداللہ نے اسے تو راۃ کی یہ آیت سنائی۔ غرض آیت میں یہودیوں کی مذمت ہے کہ وہ احکام الہیہ کو جانتے ہوئے پھر بھی پس پشت ڈال دیا کرتے تھے۔ امانتداری اور ایمانداری ان سے اٹھ چکی تھی۔ نبی ﷺ کی صفیں آپ کی نشانیاں آپ کی نبوت کی تصدیق آپ کی جائے پیدائش جائے ہجرت وغیرہ وغیرہ سب چیزیں ان کی کتاب میں موجود تھیں لیکن یہ ان سب کو چھپائے ہوئے تھے اور اتنا ہی نہیں بلکہ حضور کی مخالفت کرتے تھے۔ اسی باعث ان پر دنیوی رسوائی آئی اور کم نہ ہونے والے اور دائمی آخرت کا عذاب بھی۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَقَفَّيْنَا مِنْ بَعْدِهِ بِالرُّسُلِ وَآتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنَاتِ وَأَيَّدْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ أَفَكُلَّمَا جَاءَكُمْ رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْوَى أَنْفُسُكُمْ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِقْنَا كَذَّبْتُمْ وَفَرِقْنَا تَقْتُلُونَ ۝

ہم نے (حضرت) موسیٰ کو کتاب دی اور ان کے پیچھے اور رسول بھی بھیجے اور ہم نے (حضرت) عیسیٰ بن مریم کو روشن دلیلیں دیں اور روح القدس سے اس کی تائید کرائی لیکن جب بھی تمہارے پاس رسول وہ چیز لائے جو تمہاری طبیعتوں کے خلاف تھی تو تم نے جھٹ سے تکبر کیا۔ بعض کو تو جھٹلایا اور بعض کو قتل بھی کر ڈالا ○

خود پرست اسرائیلی ☆ ☆ (آیت: ۸۷) بنی اسرائیل کے عناد و تکبر اور ان کی خواہش پرستی کا بیان ہو رہا ہے کہ تو راۃ میں تحریف و تبدل کیا حضرت موسیٰ کے بعد انہی کی شریعت اور آنے والے انبیاء کی بھی مخالفت کی چنانچہ فرمایا اِنَّا اَنْزَلْنَا التَّوْرَةَ اِلٰح یعنی ہم نے تو راۃ نازل فرمائی جس میں ہدایت اور نور تھا جس پر انبیاء خود بھی عمل کرتے اور یہودیوں کو بھی ان کے علماء اور رویش ان پر عمل کرنے کا حکم کرتے تھے۔ غرض پے در پے یکے بعد دیگرے انبیاء کرام بنی اسرائیل میں آتے رہے یہاں تک کہ یہ سلسلہ عیسیٰ علیہ السلام پر ختم ہوا۔ انہیں انجیل ملی جس میں بعض احکام تو راۃ کے خلاف بھی تھے۔ اسی لئے انہیں نئے نئے معجزات بھی ملے جیسے مردوں کو بحکم رب العزت زندہ کر دینا، مٹی سے پرندہ بنا کر اس میں پھونک مار کر بحکم رب العزت اڑا دینا، بیماروں کو اپنے دم جھاڑے سے اللہ کے حکم سے اچھا کر دینا، بعض بعض غیب کی خبریں رب العزت کے معلوم کرانے سے دینا وغیرہ آپ کی تائید پر روح القدس یعنی حضرت جبریل کو لگا دیا لیکن بنی اسرائیل اپنے کفر اور تکبر میں اور بڑھ گئے اور زیادہ حسد کرنے لگے اور ان تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ برے سلوک سے پیش آئے۔ کہیں جھٹلاتے اور کہیں مار ڈالتے تھے محض اس بنا پر کہ انبیاء کی تعلیم ان کی طبیعتوں کے خلاف ہوا کرتی تھی۔ ان کی رائے اور ان کے قیاسات اور ان کے بنائے ہوئے اصول و

احکام ان کی قبولیت سے ٹکراتے تھے۔ اس لئے دشمنی پرتل جاتے تھے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ محمد بن کعبؓ اسماعیل بن خالدؓ سدۃ بن انسؓ عطیہ عوفیؓ اور قتادہؓ وغیرہ کا قول یہی ہے کہ روح القدس سے مراد حضرت جبرئیل ہیں جیسے قرآن شریف میں اور جگہ ہے نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ یعنی اسے لے کر روح امین اترے ہیں۔ صحیح بخاری میں تعلیقاً مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسانؓ شاعر کے لئے مسجد میں منبر رکھوایا۔ وہ مشرکین کی جو کا جواب دیتے تھے اور آپؐ ان کے لئے دعا کرتے تھے کہ اے اللہ عزوجل حسان کی مدد روح القدس سے فرما جیسے کہ یہ تیرے نبی کی طرف سے جواب دیتے ہیں۔

صحیحین کی ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلافت فاروقی کے زمانے میں ایک مرتبہ مسجد نبویؐ میں کچھ اشعار پڑھ رہے تھے حضرت عمرؓ نے آپؐ کی طرف تیز نگاہیں اٹھائیں تو آپؐ نے فرمایا میں تو اس وقت بھی ان شعر کو یہاں پڑھتا تھا جب یہاں تم سے بہتر شخص موجود تھے پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف دیکھ کر فرمایا ابو ہریرہ تمہیں اللہ کی قسم کیا تم نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے نہیں سنا؟ کہ اے حسان تو مشرکوں کے اشعار کا جواب دے اے اللہ تو حسان کی تائید روح القدس سے کر۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا ہاں اللہ کی قسم میں نے حضورؐ سے یہ سنا ہے۔

بعض روایتوں میں یہ بھی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا حسان تم ان مشرکین کی جو کرو۔ جبرئیل بھی تمہارے ساتھ ہیں۔ حضرت حسان کے شعر میں بھی جبرئیل کو روح القدس کہا گیا ہے ایک اور حدیث میں ہے کہ جب یہودیوں نے رسول اللہ ﷺ سے روح کی بابت پوچھا تو آپؐ نے فرمایا تمہیں اللہ کی قسم اللہ کی نعمتوں کو یاد کر کے کہو۔ کیا خود تمہیں معلوم نہیں کہ وہ جبرئیل ہیں اور وہی میرے پاس بھی وحی لاتے ہیں۔ ان سب نے کہا بیشک (ابن اسحاق) ابن حبان میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جبرئیل علیہ السلام نے میرے دل میں کہا کہ کوئی شخص اپنی روزی اور زندگی پوری کئے بغیر نہیں مرتا۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور دنیا کمانے میں دین کا خیال رکھو۔

بعض نے روح القدس سے مراد اسم اعظم لیا ہے۔ بعض نے کہا ہے فرشتوں کا ایک سردار فرشتہ ہے۔ بعض کہتے ہیں قدس سے مراد اللہ تعالیٰ اور روح سے مراد جبرئیل ہے کسی نے کہا ہے قدس یعنی برکت کسی نے کہا ہے پاک کسی نے کہا ہے روح سے مراد انجیل ہے جیسے فرمایا وَكَذَلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا یعنی اسی طرح ہم نے تیری طرف روح کی وحی اپنے حکم سے کی۔ امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا فیصلہ یہی ہے کہ یہاں مراد روح القدس سے حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں جیسے اور جگہ ہے إِذَا أَيْدُكَ بِرُوحِ الْقُدُسِ ائْتِ اس آیت میں روح القدس کی تائید کے ذکر کے ساتھ کتاب و حکمت و توراۃ و انجیل کے سکھانے کا بیان ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ اور چیز ہے اور وہ اور چیز علاوہ ازیں روانی عبارت بھی اس کی تائید کرتی ہے۔

قدس سے مراد مقدس ہے جیسے حَاتِمٌ جَوْدٌ اور رَجُلٌ صِدْقٌ میں روح القدس کہنے میں اور روح منہ کہنے میں قربت اور بزرگی کی ایک خصوصیت پائی جاتی ہے۔ یہ اس لئے بھی کہا گیا ہے کہ یہ روح مردوں کی بیٹیوں اور حیض والے رحموں سے بے تعلق رہی ہے۔ بعض مفسرین نے اس سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پاکیزہ روح لی ہے۔

پھر فرمایا کہ ایک فرقتے کو تم نے جھٹلایا اور ایک فرقتے کو تم قتل کرتے ہو جھٹلانے میں ماضی کا صیغہ لائے لیکن قتل میں مستقبل کا اس لئے کہ ان کا حال آیت کے نزول کے وقت بھی یہی رہا چنانچہ حضور ﷺ نے اپنے مرض الموت میں فرمایا کہ اس زہر آلود لقمہ کا اثر برابر مجھ پر رہا جو میں نے خیر میں کھایا تھا اس وقت اس نے رک رک کر جان کاٹ دی۔

تھے۔ منتظر بھی تھے لیکن آپ ﷺ کے آنے کے بعد حسد اور تکبر سے اپنی ریاست کے کھوئے جانے کے ڈر سے صاف انکار کر بیٹھے۔

بِسْمَا اشْتَرَوْا بِهِمْ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَكْفُرُوا بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ
يُنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهِ عَلٰى مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ فَبَاٍ وَّ يَغْضِبِ
عَلٰى غَضَبٍ وَلِلْكَافِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِينٌ ۝

بہت بری ہے وہ چیز جس کے بدلے انہوں نے اپنے تئیں بیچ ڈالا وہ ان کا کفر کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ چیز کے ساتھ محض اس بات سے جل کر کہ اللہ نے اپنا فضل اپنے جس بندہ پر چاہا نازل فرمایا۔ اس باعث یہ لوگ غضب پر غضب کے متحق ہو گئے اور ان کافروں کے لئے رسوا کرنے والے عذاب ہیں ○

براہو حسد کا: ☆ ☆ (آیت: ۹۰) مطلب یہ ہے کہ ان یہودیوں نے حضور کی تصدیق کے بدلے تکذیب کی اور آپؐ پر ایمان لانے کے بدلے کفر کیا۔ آپؐ کی نصرت و امداد کے بدلے مخالفت اور دشمنی کی۔ اس وجہ سے اپنے آپ کو جس غضب الہی کا سزاوار بنایا وہ بدترین چیز ہے جو بہترین چیز کے بدلے انہوں نے لی اور اس کی وجہ سوائے حسد و بغض، تکبر و عناد کے اور کچھ نہیں چونکہ حضورؐ ان کے قبیلہ میں سے نہ تھے بلکہ آپؐ عرب میں سے تھے۔ اس لئے یہ منہ موڑ کر بیٹھ گئے حالانکہ اللہ پر کوئی حاکم نہیں۔ وہ رسالت کے حق دار کو خوب جانتا ہے۔ وہ اپنا فضل و کرم اپنے جس بندے کو چاہے عطا فرماتا ہے۔ پس ایک تو توراۃ کے احکام کی پابندی نہ کرنے کی وجہ سے ان پر غضب نازل ہوا۔ دوسرا حضورؐ کے ساتھ کفر کرنے کے سبب نازل ہوا۔ یا یوں سمجھ لیجئے کہ پہلا غضب حضرت عیسیٰؑ کو بغیر نہ ماننے کی وجہ سے اور دوسرا غضب حضرت محمدؐ کو بغیر تسلیم نہ کرنے کے سبب سے، سدئی کا خیال ہے کہ پہلا غضب پچھڑے کے پوجنے کی بابت تھا دوسرا غضب حضورؐ کی مخالفت کی بنا پر۔ چونکہ یہ حسد و بغض کی وجہ سے حضورؐ کی نبوت سے انکاری ہوئے تھے اور اس حسد و بغض کا اصلی باعث ان کا تکبر تھا اس لئے انہیں ذلیل عذابوں میں مبتلا کر دیا گیا تاکہ گناہ کا پورا بدلہ ہو جائے جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ میری عبادت سے جو بھی تکبر کریں گے وہ ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، تکبر لوگوں کا حشر قیامت کے دن انسانی صورت میں چوٹیوں کی طرح ہوگا جنہیں تمام چیزیں روندتی ہوئی چلیں گی اور جہنم کے ”بولس“ نامی قید خانے میں ڈال دیئے جائیں گے جہاں کی آگ دوسری تمام آگوں سے تیز ہوگی اور جہنمیوں کا لہو پیپ وغیرہ انہیں پلایا جائے گا۔

وَ اِذَا قِيلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نُوْمِنُ بِمَا اَنْزَلَ
عَلَيْنَا وَ يَكْفُرُوْنَ بِمَا وَّرَاہُ ۚ وَ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ۗ
قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝
وَلَقَدْ جَاءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِہِ
وَ اَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی اتاری ہوئی کتاب پر ایمان لاؤ تو کہہ دیتے ہیں جو ہم پر اتاری گئی اس پر ہمارا ایمان ہے حالانکہ اس کے بعد والی کے ساتھ جو

ان کی کتاب کی تصدیق کرنے والی ہے کفر کرتے ہیں۔ اچھا ان سے یہ تو دریافت کرو کہ اگر تمہارا ایمان پہلی کتابوں پر ہے تو پھر تم نے اگلے انبیاء کو کیوں قتل کیا ○
تمہارے پاس تو موسیٰ یہی دلیل لے کر آئے لیکن تم نے پھر بھی پھڑپھڑاؤ جا تم ہو ہی ظالم ○

خود پسند یہودی مورد عتاب: ☆ ☆ (آیت: ۹۱-۹۲) یعنی جب ان سے قرآن پر اور نبی آخر الزمان ﷺ پر ایمان لانے کو کہا جاتا ہے تو کہہ دیتے ہیں کہ ہمیں تو راتۃ انجیل پر ایمان رکھنا کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ اس میں بھی جھوٹے ہیں۔ قرآن تو ان کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے اور خود ان کی کتابوں میں بھی حضور کی تصدیق موجود ہے جیسے فرمایا الَّذِينَ اتَيْنَهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ آبَاءَهُمْ یعنی اہل کتاب آپ کو اس طرح جانتے ہیں جس طرح اپنی اولاد کو پہچانتے ہیں پس آپ کے انکار کا مطلب تو راتۃ انجیل سے بھی انکار کے مترادف ہے۔ اس حجت کو قائم کر کے اب دوسری طرح حجت قائم کی جاتی ہے کہ اچھا تو راتۃ اور انجیل پر اگر تمہارا ایمان ہے پھر اگلے انبیاء جو انہی کی تصدیق اور تابعداری کرتے ہوئے بغیر کسی نئی شریعت اور نئی کتاب کے آئے تو تم نے انہیں قتل کیوں کیا؟ معلوم ہوا کہ تمہارا ایمان نہ تو اس کتاب پر ہے نہ اس کتاب پر۔ تم محض خواہش کے بندے، نفس کے غلام، اپنی رائے قیاس کے غلام ہو۔ پھر فرمایا کہ اچھا موسیٰ علیہ السلام سے تو تم نے بڑے بڑے معجزے دیکھے، طوفان، ٹنڈیاں، جوئیں، مینڈک، خون وغیرہ جو ان کی بددعا سے بطور معجزے ظاہر ہوئے۔ لکڑی کا سانپ بن جانا، ہاتھ کا روشن چاند بن جانا، دریا کو چر دینا اور پانی کو پتھر کی طرح بنادینا، بادلوں کا سایہ کرنا، من و سلویٰ اتارنا، پتھر سے نہریں جاری کرنا وغیرہ تمام بڑے بڑے معجزات جو ان کی نبوت کی اور اللہ کی توحید کی روشن دلیلیں تھیں سب اپنی آنکھوں سے دیکھیں لیکن ادھر حضرت موسیٰ علیہ السلام طور پہاڑ پر گئے، ادھر تم نے پتھرے کو اللہ بنا لیا۔ اب بتاؤ کہ خود تو راتۃ پر اور خود حضرت موسیٰ پر بھی تمہارا ایمان کہاں گیا؟ کیا یہ بدکاریاں تمہیں ظالم کہلوانے والی نہیں؟ مِّنْ بَعْدِهِ سے مراد موسیٰ علیہ السلام کے طور پر جانے کے بعد ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوسَىٰ الرَّحْمٰنِ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے طور پر جانے کے بعد آپ کی قوم نے پتھرے کو معبود بنا لیا اور اپنی جانوں پر اس گنہگار پرستی سے واضح ظلم کیا جس کا احساس بعد میں خود انہیں بھی ہوا جیسے فرمایا وَلَمَّا سَقَطَ فِيْ اَيْدِيْهِمْ یعنی جب انہیں ہوش آیا نادام ہوئے اور اپنی گمراہی کو محسوس کرنے لگے۔ اس وقت کہا اے اللہ یا اگر تو ہم پر رحم نہ کرے اور ہماری خطانہ بخشے تو ہم زیاں کار ہو جائیں گے۔

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْفَكُمْ الظُّورَ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ
بِقُوَّةٍ وَاسْمَعُوا قَالُوا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَأَشْرَبُوا فِي قُلُوبِهِمُ
الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ قُلْ بِئْسَمَا يَأْمُرُكُمْ بِهِ إِيمَانُكُمْ إِنْ كُنْتُمْ
مُؤْمِنِينَ ۝ قُلْ إِنْ كَانَتْ لَكُمْ الدَّارُ الْآخِرَةُ عِنْدَ اللَّهِ
خَالِصَةً مِّنْ دُونِ النَّاسِ فَتَمَنَّوْا الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝
وَلَنْ يَّتَمَّنَّوْهُ أَبَدًا ۖ بِمَا قَدَّمْتُمْ أَيْدِيَهُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ۝

جب ہم نے تم سے وعدہ لیا اور تم پر طور کو کھڑا کر دیا (اور کہہ دیا) کہ ہماری دی ہوئی چیز کو مضبوط تھا مگر تمہارا سنو تو انہوں نے کہا ہم نے سنا اور نافرمانی کی اور ان کے دلوں

میں ان کے کفر کی وجہ سے پھڑے کی محبت (گویا) پلا دی گئی۔ ان سے کہہ دو کہ تمہارا ایمان تمہیں برا حکم دے رہا ہے اگر تم ایماندار ہو ○ کہہ دو کہ اگر آخرت کا گھر صرف تمہارے ہی لئے ہے اور کسی کے لئے نہیں تو آؤ اپنی سچائی کے ثبوت میں موت طلب کرو ○ لیکن اپنے کفو توں کو دیکھتے ہوئے کبھی بھی موت نہیں مانگیں گے۔ اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جانتا ہے ○

صدائے بازگشت: ☆ ☆ (آیت ۹۳) اللہ تبارک و تعالیٰ بنی اسرائیل کی خطائیں مخالفتیں، سرکشی اور حق سے روگردانی بیان فرما رہا ہے کہ طور پہاڑ جب سروں پر دیکھا تو اقرار کر لیا۔ جب وہ ہٹ گیا تو پھر منکر ہو گئے۔ اس کی تفسیر بیان ہو چکی ہے۔ پھڑے کی محبت ان کے دلوں میں رچ گئی۔ جیسے کہ حدیث میں ہے کہ کسی چیز کی محبت انسان کو اندھا بہرہ بنا دیتی ہے۔^① حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس پھڑے کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے جلا کر اس کی راکھ کو ہوا میں اڑا کر دریا میں ڈال دیا تھا جس پانی کو بنی اسرائیل نے پی لیا اور اس کا اثر ان پر ظاہر ہوا، گو پھڑا نیست و نابود کر دیا گیا لیکن ان کے دلوں کا تعلق اب بھی اس معبود باطل سے لگا رہا۔ دوسری آیت کا مطلب یہ ہے کہ تم ایمان کا دعویٰ کس طرح کرتے ہو؟ اپنے ایمان پر نظر نہیں ڈالتے؟ بار بار کی عہد شکنیاں، کئی بار کے کفر بھول گئے؟ حضرت موسیٰ کے سامنے تم نے کفر کیا۔ ان کے بعد کے پیغمبروں کے ساتھ تم نے سرکشی کی یہاں تک کہ افضل الانبیاء ختم المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی نبوت کو بھی نہ مانا جو سب سے بڑا کفر ہے۔

مباہلہ اور یہودی مع نصاریٰ: ☆ ☆ (آیت ۹۴) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ان یہودیوں کو نبی ﷺ کی زبانی پیغام دیا گیا کہ اگر تم سچے ہو تو مقابلہ میں آؤ۔ ہم تم مل کر اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ جو ہم میں سے جھوٹا ہے اسے ہلاک کر دے۔ لیکن ساتھ ہی پیشین گوئی بھی کر دی کہ یہ لوگ ہرگز اس پر آمادہ نہیں ہوں گے۔ چنانچہ یہی ہوا کہ یہ لوگ مقابلہ پر نہ آئے اس لئے کہ وہ دل سے حضور کو اور آسمانی کتاب قرآن کریم کو سچا جانتے تھے۔ اگر یہ لوگ اس اعلان کے ماتحت مقابلہ میں نکلتے تو سب کے سب ہلاک ہو جاتے۔ روئے زمین پر ایک یہودی باقی نہ رہتا۔ ایک مرفوع حدیث میں بھی آیا ہے کہ اگر یہودی مقابلہ پر آتے اور جھوٹے کے لئے موت طلب کرتے تو سب کے سب مر جاتے اور اپنی جگہ جہنم میں دیکھ لیتے۔ اسی طرح جو نصرانی آپ کے پاس آئے تھے وہ بھی اگر مباہلہ کے لئے تیار ہوتے تو وہ لوٹ کر اپنے اہل و عیال اور مال و دولت کا نام و نشان بھی نہ پاتے (مسند احمد)

سورہ جمعہ میں بھی اسی طرح کی دعوت انہیں دی گئی ہے آیت قُلْ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ هَادُوا آخِزْكُمْ بِذُنُوبِكُمْ لَا تَزُولُ مِنْكُمْ حَتَّى تَكُونُوا مِنَ الْغَالِبِينَ۔ ان کا دعویٰ تھا کہ نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ ہم تو اللہ کی اولاد اور اس کے پیارے ہیں۔ یہ کہا کرتے تھے لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ كَانَ هُودًا أَوْ نَصْرَانًى جنت میں صرف یہودی اور نصاریٰ ہی جائیں گے اس لئے انہیں کہا گیا کہ آؤ اس کا فیصلہ اس طرح کر لیں کہ دونوں فریق میدان میں نکل کر اللہ سے دعا کریں کہ ہم میں سے جھوٹے کو ہلاک کر لیکن چونکہ اس جماعت کو اپنے جھوٹ کا علم تھا۔ اس لئے تیار نہ ہوئی اور اس کا کذب سب پر کھل گیا۔ اسی طرح جب نجران کے نصرانی حضور کے پاس آئے۔ بحث مباحثہ ہو چکا تو ان سے بھی یہی کہا گیا کہ تَعَالَوْ اَنْدَعْ اَبْنَاءَ نَا وَابْنَاتِكُمْ آؤ ہم تم دونوں اپنی اپنی اولادوں بیویوں کو لے کر نکلیں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ جھوٹوں پر اپنی لعنت نازل فرمائے لیکن وہ آپس میں کہنے لگے کہ ہرگز اس نبی سے مباہلہ نہ کرو۔ فوراً برباد ہو جاؤ گے چنانچہ مباہلہ سے انکار دیا۔ جھک کر صلح کر لی اور دب کر جزیہ دینا منظور کر لیا۔ آپ نے حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کے ساتھ امین بنا کر بھیج دیا۔

اسی طرح مشرکین عرب سے بھی کہا گیا قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلَالَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمَنُ مَدًّا لَّيْسَ لَهُ شِرْكٌ۔ یعنی ہم میں سے جو گمراہ ہو اللہ تعالیٰ اس کی گمراہی بڑھادے اس کی پوری تفسیر اس آیت کے ساتھ بیان ہوگی ان شاء اللہ تعالیٰ۔ مندرجہ بالا آیت کی تفسیر میں ایک مرجوح

قول یہ بھی ہے کہ تم خود اپنی جانوں کے لئے موت طلب کرو کیونکہ بقول تمہارے آخرت کی بھلائیاں صرف تمہارے لئے ہی ہیں۔ انہوں نے اس کا انکار کیا لیکن یہ قول کچھ دل کو نہیں لگتا۔ اس لئے کہ بہت سے اچھے اور نیک آدمی بھی زندگی چاہتے ہیں بلکہ حدیث میں ہے کہ تم میں سے بہتر وہ ہے جس کی لمبی عمر ہوئی ہو اور اعمال اچھے ہوں علاوہ ازیں یہی قول یہودی بھی کہہ سکتے تھے تو بات فیصلہ کن نہ ہوتی۔ ٹھیک تفسیر وہی ہے جو پہلے بیان ہوئی کہ دونوں فریق مل کر جھوٹے کی ہلاکت اور اس کی موت کی دعا کریں اور اس اعلان کے سنتے ہی یہود تو ٹھنڈے پڑ گئے اور تمام لوگوں پر ان کا جھوٹ کھل گیا اور وہ پیشین گوئی بھی سچی ثابت ہوئی کہ یہ لوگ ہرگز موت طلب نہیں کریں گے۔ اس مبالغہ کا نام اصطلاح میں تمہی رکھا گیا کیونکہ ہر فریق باطل پرست کی موت کی آرزو کرتا ہے۔

وَلْتَجِدْنَهُمْ أَحْرَصَ النَّاسِ عَلَى حَيَاتِهِ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا
يُوَدُّ أَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ أَلْفَ سَنَةٍ وَمَا هُوَ بِمُزَحِّزٍهُ مِنَ الْعَذَابِ
أَنْ يُعَمَّرَ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿۹۶﴾

بلکہ سب سے زیادہ دنیا کی زندگی کا حریص اے نبی تو انہی کو پائے گا۔ یہ حرص زندگی میں مشرکوں سے زیادہ ہیں۔ ان میں سے تو ہر شخص ایک ایک ہزار سال کی عمر چاہتا ہے گو یہ عمر دیا جانا بھی انہیں عذابوں سے نہیں چھٹا سکتا۔ اللہ تعالیٰ ان کے کاموں کو بخوبی دیکھ رہا ہے ○

(آیت: ۹۶) پھر فرمایا کہ یہ تو مشرکین سے بھی زیادہ طویل عمر کے خواہاں ہیں کیونکہ ان کفار کے لئے دنیا جنت ہے اور ان کی تمنا اور کوشش ہے کہ یہاں زیادہ رہیں۔ خوبہ حسن بصری فرماتے ہیں، منافق کو حیات دنیوی کی حرص کا کافر سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔ یہ یہودی تو ایک ہزار سال کی عمریں چاہتے ہیں حالانکہ اتنی لمبی عمر بھی انہیں ان عذابوں سے نجات نہیں دے سکتی چونکہ کفار کو تو آخرت پر یقین ہی نہیں ہوتا تھا انہیں یقین تو تھا لیکن ان کی اپنی سیاہ کاریاں بھی ان کے سامنے تھیں۔ اس لئے موت سے بہت زیادہ ڈرتے تھے لیکن ابلیس کے برابر بھی عمر پالیں تو کیا ہوا عذاب سے تو نہیں بچ سکتے۔ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال سے بے خبر نہیں۔ تمام بندوں کے تمام بھلے برے اعمال کو وہ بخوبی جانتا ہے اور ویسا ہی بدلہ دے گا۔

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَى قَلْبِكَ بِإِذْنِ
اللَّهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَبُشْرَى لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿۹۷﴾
مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَجِبْرِيلَ وَمِيكَلَ
فَإِنَّ اللَّهَ عَدُوٌّ لِلْكَافِرِينَ ﴿۹۸﴾

(اے نبی) تم کہہ دو کہ جو جبرئیل کا دشمن ہو جس نے تیرے دل میں پیغام باری اتارا ہے جو پیغام ان کے پاس کی کتاب کو سچا بتانے والا اور ایمان والوں کو ہدایت و خوشخبری دینے والا ہے ○ تو اللہ بھی اس کا دشمن ہے ○ جو شخص اللہ کا اور اس کے فرشتوں اور اس کے رسولوں اور جبرئیل اور میکائیل کا دشمن ہو ایسے کافروں کا دشمن خود اللہ ہے ○

خصوصیت جبرئیل علیہ السلام موجب کفر و عصیان: ☆☆ (آیت: ۹۷-۹۸) امام جعفر طبری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس پر تمام

مفسرین کا اتفاق ہے کہ جب یہودیوں نے حضرت جبرئیل کو اپنا دشمن اور حضرت میکائیل کو اپنا دوست بتایا تھا، اس وقت ان کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی لیکن بعض کہتے ہیں کہ امر نبوت کے بارے میں جو گفتگو ان کی حضورؐ سے ہوئی تھی، اس میں انہوں نے یہ کہا تھا۔ بعض کہتے ہیں عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان کا جو مناظرہ حضورؐ کی نبوت کے بارے میں ہوا تھا، اس میں انہوں نے یہ کہا تھا۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: یہودیوں کی ایک جماعت رسول مقبول ﷺ کے پاس آئی اور کہا کہ ہم آپ سے چند سوال کرتے ہیں جن کے صحیح جواب نبیؐ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ اگر آپ سچے نبی ہیں تو ان کے جوابات دیجئے۔ آپؐ نے فرمایا: بہتر ہے جو چاہو پوچھو مگر عہد کرو کہ اگر میں ٹھیک ٹھیک جواب دوں گا تو تم میری نبوت کا اقرار کر لو گے اور میری فرمانبرداری کے پابند ہو جاؤ گے۔ انہوں نے آپ سے وعدہ کیا اور عہد دیا۔ اس کے بعد آپ نے حضرت یعقوبؑ کی طرح اللہ کی شہادت کے ساتھ ان سے پختہ وعدہ لے کر انہیں سوال کرنے کی اجازت دی۔ انہوں نے کہا پہلے تو یہ بتائیے کہ توراۃ نازل ہونے سے پہلے حضرت اسرائیل علیہ السلام نے اپنے نفس پر کس چیز کو حرام کیا تھا؟ آپؐ نے فرمایا جب حضرت یعقوب علیہ السلام عرق النساء کی بیماری میں سخت بیمار ہوئے تو نذر مانگی کہ اگر اللہ مجھے اس مرض سے شفا دے تو میں اپنی کھانے کی سب سے زیادہ مرغوب چیز اور سب سے زیادہ محبوب چیز پینے کی چھوڑ دوں گا۔ جب تندرست ہو گئے تو اونٹ کا گوشت کھانا اور اونٹنی کا دودھ پینا جو آپ کو پسند خاطر تھا، چھوڑ دیا، تمہیں اللہ کی قسم جس نے حضرت موسیٰؑ پر توراۃ اتاری، بتاؤ یہ سچ ہے؟ ان سب نے قسم کھا کر کہا کہ ہاں حضور سچ ہے۔ بجا ارشاد ہوا۔ اچھا اب ہم پوچھتے ہیں کہ عورت مرد کے پانی کی کیا کیفیت ہے؟ اور کیوں کبھی لڑکا پیدا ہوتا ہے اور کبھی لڑکی؟ آپؐ نے فرمایا: سنو مرد کا پانی گاڑھا اور سفید ہوتا ہے اور عورت کا پانی پتلا اور زردی مائل ہوتا ہے جو بھی غالب آجائے اسی کے مطابق پیداؤںش ہوتی ہے اور شبیہ بھی۔ جب مرد کا پانی عورت کے پانی پر غالب آجائے تو حکم الہی سے اولاد ذریعہ ہوتی ہے اور جب عورت کا پانی مرد کے پانی پر غالب آجائے تو حکم الہی سے اولاد لڑکی ہوتی ہے۔ تمہیں اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں سچ بتاؤ میرا جواب صحیح ہے؟ سب نے قسم کھا کر کہا بیشک آپؐ نے بجا ارشاد فرمایا۔

آپؐ نے ان دو باتوں پر اللہ کو گواہ بنایا۔ انہوں نے کہا: اچھا یہ فرمائیے کہ توراۃ میں جس نبی امی کی خبر ہے اس کی خاص نشانی کیا ہے؟ اور اس کے پاس کونسا فرشتہ وحی لے کر آتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا اس کی خاص نشانی یہ ہے کہ اس کی آنکھیں جب سوئی ہوئی ہوں اس وقت میں اس کا دل جاگتا رہتا ہے۔ تمہیں اس رب کی قسم جس نے حضرت موسیٰؑ کو توراۃ دی، بتاؤ تو میں نے ٹھیک جواب دیا؟ سب نے قسم کھا کر کہا آپؐ نے بالکل صحیح جواب دیا۔ اب ہماری اس سوال کی دوسری شق کا جواب بھی عنایت فرما دیجئے۔ اسی پر بحث کا خاتمہ ہے۔ آپؐ نے فرمایا: میرا ولی جبرئیل ہے۔ وہی میرے پاس وحی لاتا ہے اور وہی تمام انبیاء کرام کے پاس پیغام باری لاتا رہا۔ سچ کہو اور قسم کھا کر کہو کہ میرا یہ جواب بھی درست ہے؟ انہوں نے قسم کھا کر کہا کہ جواب تو درست ہے لیکن جبرئیل ہمارا دشمن ہے، وہ سختی اور خون ریزی وغیرہ لے کر آتا رہتا ہے اس لئے ہم اس کی نہیں مانیں گے، نہ آپ کی مانیں گے۔ ہاں اگر آپ کے پاس حضرت میکائیلؑ وحی لے کر آتے جو رحمت، بارش، پیداوار وغیرہ لے کر آتے ہیں، ہمارے دوست ہیں تو ہم آپ کی تابعداری اور تصدیق کرتے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ بعض روایتوں میں ہے کہ انہوں نے یہ بھی سوال کیا تھا کہ رعد کیا چیز ہے؟ آپؐ نے فرمایا وہ ایک فرشتہ ہے جو بادلوں پر مقرر ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق انہیں ادھر ادھر لے جاتا ہے۔ انہوں نے کہا یہ گرج کی آواز کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا یہ اسی فرشتے کی آواز ہے۔ ملاحظہ ہو مسند احمد وغیرہ۔

صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ جب حضور علیہ السلام مدینہ میں تشریف لائے، اس وقت حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ

تعالیٰ عنداہنے باغ میں تھے اور یہودیت پر قائم تھے۔ انہوں نے جب آپ کی آمد کی خبر سنی تو حضورؐ کے پاس حاضر ہوئے اور کہا حضور یہ فرمائیے کہ قیامت کی پہلی شرط کیا ہے؟ اور جنتیوں کا پہلا کھانا کیا ہے؟ اور کونسی چیز بچہ کو کبھی ماں کی طرف کھینچتی ہے اور کبھی باپ کی طرف۔ آپ نے فرمایا ان تینوں سوالوں کے جواب ابھی ابھی جبرئیل نے مجھے بتلائے ہیں۔ سنو۔ حضرت عبداللہ بن سلام نے کہا وہ تو ہمارا دشمن ہے۔ آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ پھر فرمایا۔ پہلی نشانی قیامت کی ایک آگ ہے جو لوگوں کے پیچھے لگے گی اور انہیں مشرق سے مغرب کی طرف اکٹھا کر دے گی۔ جنتیوں کی پہلی خوراک مچھلی کی کبھی بطور ضیافت ہوگی۔ جب مرد کا پانی عورت کے پانی پر سبقت کر جاتا ہے تو لڑکا پیدا ہوتا ہے اور جب عورت کا پانی مرد کے پانی سے سبقت لے جاتا ہے تو لڑکی ہوتی ہے یہ جواب سنتے ہی حضرت عبداللہ مسلمان ہو گئے اور پکار اٹھے اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ پھر کہنے لگے حضور یہودی بڑے بیوقوف لوگ ہیں۔ اگر انہیں میرا اسلام لانا پہلے معلوم ہو جائے گا تو وہ مجھے کہیں گے آپ پہلے انہیں ذرا قائل کر لیجئے۔ اس کے بعد آپ کے پاس جب یہودی آئے تو آپ نے ان سے پوچھا کہ عبداللہ بن سلام تم میں کیسے شخص ہیں؟ انہوں نے کہا بڑے بزرگ اور دانشور آدمی ہیں بزرگوں کی اولاد میں سے ہیں۔ وہ تو ہمارے سردار ہیں اور سرداروں کی اولاد میں سے ہیں۔ آپ نے فرمایا اچھا اگر وہ مسلمان ہو جائیں پھر تو تمہیں اسلام قبول کرنے میں تامل نہیں ہوگا؟ کہنے لگے اعموذ باللہ اعموذ باللہ وہ مسلمان ہی کیوں ہونے لگے؟ حضرت عبداللہؓ جواب تک چھپے ہوئے تھے باہر آ گئے اور زور سے کلمہ پڑھا۔ تو تمام کے تمام شور مچانے لگے کہ یہ خود بھی برا ہے۔ اس کے باپ دادے بھی برے تھے۔ یہ بڑا نیچے درجہ کا آدمی ہے۔ خاندانی کمینہ ہے۔ حضرت عبداللہ نے فرمایا حضور اسی چیز کا مجھے ڈر تھا۔

صحیح بخاری میں ہے حضرت عمرؓ عمر مغموم ماتے ہیں حَبِيزُ مَيْلَکْ اِسْرَافُ کے معنی عبد یعنی بندے کے ہیں اور ایل کے معنی اللہ کے ہیں تو جبرئیل وغیرہ کے معنی عبد اللہ ہوئے، بعض لوگوں نے اس کے معنی الٹ بھی کئے ہیں۔ وہ کہتے ہیں ایل کے معنی عبد کے ہیں اور اس سے پہلے کے الفاظ اللہ کے نام ہیں جیسے عربی میں عبد اللہ، عبد الرحمن، عبد الملک، عبد القدوس، عبد السلام، عبد الکافی، عبد الجلیل وغیرہ لفظ عبد ہر جگہ باقی رہا اور اللہ کے نام بدلتے رہے اس طرح ایل ہر جگہ باقی ہے اور اللہ کے اسماء حسنہ بدلتے رہتے ہیں۔ غیر عربی زبان میں مضاف الیہ پہلے آتا ہے اور مضاف بعد میں۔ اسی قاعدے کے مطابق ان ناموں میں بھی ہے جیسے جبرئیل، میکائیل، اسرافیل، عزرائیل وغیرہ۔

اب مفسرین کی دوسری جماعت کی دلیل سنئے جو لکھتے ہیں کہ یہ گفتگو جناب عمرؓ سے ہوئی تھی۔ شعبہ کہتے ہیں حضرت عمرؓ روحاء میں آئے۔ دیکھا کہ لوگ دوڑ بھاگ کر ایک پتھروں کے تودے کے پاس جا کر نماز ادا کر رہے ہیں۔ پوچھا کہ یہ کیا بات ہے جواب ملا کہ اس جگہ رسول اللہ ﷺ نے نماز ادا کی ہے۔ آپ بہت ناراض ہوئے کہ حضورؐ کو جہاں کہیں نماز کا وقت آتا تھا پڑھ لیا کرتے تھے پہلے چلے جایا کرتے تھے۔ اب ان مقامات کو تبرک سمجھ کر خواہ مخواہ ہیں جا کر نماز ادا کرنا کس نے بتلایا؟ پھر آپ اور باتوں میں لگ گئے فرمانے لگے۔

میں یہودیوں کے مجمع میں کبھی کبھی چلا جایا کرتا اور یہ دیکھتا رہتا تھا کہ کس طرح قرآن تو راۃ کی اور تو راۃ قرآن کی سچائی کی تصدیق کرتی ہے۔ یہودی بھی مجھ سے محبت ظاہر کرنے لگے اور اکثر بات چیت ہوا کرتی تھی۔ ایک دن میں ان سے باتیں کر رہی رہا تھا تو راستے سے حضورؐ نکلے۔ انہوں نے مجھ سے کہا تمہارے نبیؐ وہ جارہے ہیں۔ میں نے کہا میں ان کے پاس جاتا ہوں لیکن تم یہ تو تلاوت تمہیں اللہ وحدہ کی قسم اللہ جل شانہ برحق کو مد نظر رکھو۔ اس کی نعمتوں کا خیال کرو۔ اللہ کی کتاب تم میں موجود ہے۔ ذرا رب کی قسم کھا کر بتاؤ کیا تم حضورؐ کو رسول نہیں مانتے؟ اب سب خاموش ہو گئے۔ ان کے بڑے عالم نے جو ان سب میں علم میں بھی کامل تھا اور سب کا سردار بھی تھا اس نے کہا اس شخص نے

اتنی سخت قسم دی ہے۔ تم صاف اور سچا جواب کیوں نہیں دیتے؟ انہوں نے کہا، حضرت آپ ہی ہمارے بڑے ہیں۔ ذرا آپ ہی جواب دیجئے۔ اس لاث پادری نے کہا سنئے جناب۔ آپ نے زبردست قسم دی ہے لہذا سچ تو یہی ہے کہ ہم دل سے جانتے ہیں کہ حضور اللہ کے سچے رسول ہیں۔ میں نے کہا افسوس جب یہ جانتے ہو تو پھر مانتے کیوں نہیں۔ کہا صرف اس وجہ سے کہ ان کے پاس آسمانی وحی لے کر آنے والے جبرئیل ہیں جو نہایت سخت، تنگی، شدت، عذاب اور تکلیف کے فرشتے ہیں۔ ہم ان کے اور وہ ہمارے دشمن ہیں۔ اگر وحی لے کر حضرت میکائیل آتے جو رحمت و رافت، تخفیف و راحت والے فرشتے ہیں تو ہمیں ماننے میں تامل نہ ہوتا۔ میں نے کہا اچھا بتاؤ تو ان دونوں کی اللہ کے نزدیک کیا قدر و منزلت ہے؟ انہوں نے کہا، ایک تو جناب باری کے داہنے بازو ہے اور دوسرا دوسری طرف۔ میں نے کہا اللہ کی قسم جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں، جو ان میں سے کسی کا دشمن ہو۔ اس کا دشمن اللہ بھی ہے اور دوسرا فرشتہ بھی کیونکہ جبرئیل کے دشمن سے میکائیل دوستی نہیں رکھ سکتا اور میکائیل کا دشمن جبرئیل کا دوست نہیں ہو سکتا۔ نہ ان میں سے کسی کا دشمن اللہ تبارک و تعالیٰ کا دوست ہو سکتا ہے نہ ان دونوں میں سے کوئی ایک باری تعالیٰ کی اجازت کے بغیر زمین پر آ سکتا ہے نہ کوئی کام کر سکتا ہے۔ واللہ مجھے نہ تم سے لالچ ہے نہ خوف۔ سنو جو شخص اللہ تعالیٰ کا دشمن ہو اس کے فرشتوں، اس کے رسولوں اور جبرائیل و میکائیل کا دشمن ہو تو اس کا کفر کا اللہ وحدہ لا شریک بھی دشمن ہے۔ اتنا کہہ کر میں چلا آیا۔ حضور ﷺ کے پاس پہنچا تو آپ نے مجھے دیکھتے ہی فرمایا اے ابن خطاب مجھ پر تازہ وحی نازل ہوئی ہے۔ میں نے کہا حضور سنائیے۔ آپ نے یہی آیت پڑھ کر سنائی۔ میں نے کہا حضور آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں۔ یہی باتیں ابھی ابھی یہودیوں سے میری ہو رہی تھیں۔ میں تو چاہتا ہی تھا بلکہ اسی لئے حاضر خدمت ہوا تھا کہ آپ کو اطلاع کروں مگر میرے آنے سے پہلے لطیف و خبیر سننے دیکھنے والے اللہ نے آپ کو خبر پہنچا دی۔ ملاحظہ ہوا بن ابی حاتم وغیرہ مگر یہ روایت منقطع ہے۔ سند متصل نہیں۔ فتحی نے حضرت عمر کا زمانہ نہیں پایا۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ جبرائیل علیہ السلام اللہ کے امین فرشتے ہیں۔ اللہ کے حکم سے آپ کے دل میں اللہ کی وحی پہنچانے پر مقرر ہیں۔ وہ فرشتوں میں سے اللہ کے رسول ہیں۔ کسی ایک رسول سے عداوت رکھنے والا سب رسولوں سے عداوت رکھنے والا ہوتا ہے جیسے ایک رسول پر ایمان سب رسولوں پر ایمان لانے کا نام ہے اور ایک رسول کے ساتھ کفر تمام نبیوں کے ساتھ کفر کرنے کے برابر ہے۔ خود اللہ تعالیٰ نے بعض رسولوں کے نہ ماننے والوں کو کافر فرمایا ہے۔ فرماتا ہے إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيُرِيدُونَ أَنْ يُتْرَكُوا لِمَا هُمْ يَفْعَلُونَ أُولَٰئِكَ هُمُ الَّذِينَ يَرِيدُونَ أَنْ يُبَدِّلُوا كَلِمَاتِ اللَّهِ فَيَكُونُوا لَهَا حُكْمًا أُولَٰئِكَ هُمُ الَّذِينَ يَرِيدُونَ أَنْ يُبَدِّلُوا كَلِمَاتِ اللَّهِ فَيَكُونُوا لَهَا حُكْمًا أُولَٰئِكَ هُمُ الَّذِينَ يَرِيدُونَ أَنْ يُبَدِّلُوا كَلِمَاتِ اللَّهِ فَيَكُونُوا لَهَا حُكْمًا۔ قرآن فرماتا ہے وَمَا نَنْزِلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ فَرَمَاتَا هِ وَأَنَّهُ تَنْزِيلُ اللَّهِ لَعَلَّ يَكُونُوا لَهَا حُكْمًا۔ یہ نازل کیا ہوا رب العالمین کا ہے جسے لے کر روح الامین آتے ہیں اور تیرے دل میں ڈالتے ہیں تاکہ تو لوگوں کو ہوشیار کر دے۔ صحیح بخاری کی حدیث قدسی میں ہے میرے دوستوں سے دشمنی کرنے والا مجھ سے لڑائی کا اعلان کرنے والا ہے۔ قرآن کریم کی یہ بھی ایک صفت ہے کہ وہ اپنے سے پہلی تمام ربانی کلام کی تصدیق کرتا ہے اور ایمانداروں کے دلوں کی ہدایت اور ان کے لئے جنت کی خوش خبری دیتا ہے جیسے فرمایا هُوَ لِلَّذِينَ آمَنُوا هُدًى وَشِفَاءً فَرَمَا وَنَزَّلَ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءً وَرَحْمَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ یعنی یہ قرآن ایمان والوں کے لئے ہدایت و شفا ہے۔ رسولوں میں انسانی رسول اور ملکی رسول سب شامل ہیں جیسے فرمایا اللَّهُ يَصْطَفِي مِنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا وَمِنَ النَّاسِ اللہ تعالیٰ فرشتوں میں سے اور انسانوں میں سے اپنے رسول چھانت لیتا ہے۔ جبرئیل اور میکائیل بھی فرشتوں میں ہیں لیکن ان کا خصوصاً نام لیا تاکہ مسئلہ بالکل صاف ہو جائے اور یہودی جان لیں کہ ان میں سے

ایک کا دشمن دوسرے کا دشمن ہے بلکہ اللہ بھی اس کا دشمن ہے۔ حضرت میکائیل بھی کبھی کبھی انبیاء کے پاس آتے رہے ہیں جیسے کہ نبی ﷺ کے ساتھ شروع شروع میں تھے لیکن اس کام پر مقرر حضرت جبریل ہیں۔ جیسے حضرت میکائیل روئیدگی اور بارش وغیرہ پر اور جیسے حضرت اسرافیل صور پھونکنے پر۔ ایک صحیح حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ رات کو جب تہجد کی نماز کے لئے کھڑے ہوتے تب یہ دعا پڑھتے اَللّٰهُمَّ رَبَّ جِبْرِائِیلَ وَمِیْکَائِیلَ وَاسْرَافِیلَ فَاطِیْرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَالِمِ الْغَیْبِ وَالشَّہَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ بَیْنَ عِبَادِكَ فِیْمَا کَانُوْا فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ اِهْدِنِیْ لِمَا اخْتَلَفَ فِیْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِكَ اِنَّکَ تَهْدِیْ مَنْ تَشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُسْتَقِیْمٍ اے اللہ! اے جبرائیل! میکائیل! اسرافیل! کے رب! اے زمین و آسمان کے پیدا کرنے والے! اے ظاہر و باطن کو جاننے والے! اپنے بندوں کے اختلاف کا فیصلہ تو ہی کرتا ہے۔ اے اللہ! اختلافی امور میں اپنے حکم سے حق کی طرف میری رہبری کر تو جسے چاہے سیدھی راہ دکھا دیتا ہے۔ لفظ جبرئیل وغیرہ کی تحقیق اور اس کے معانی پہلے بیان ہو چکے ہیں۔ حضرت عبدالعزیز بن عمر فرماتے ہیں، فرشتوں میں حضرت جبرئیل کا نام خادم اللہ ہے۔ ابوسلمانی دارانی یہ سن کر بہت ہی خوش ہوئے اور فرمانے لگے یہ ایک روایت میری روایتوں کے ایک دفتر سے مجھے زیادہ محبوب ہے۔ جبرئیل اور میکائیل کے لفظ میں بہت سارے لغت ہیں اور مختلف قرأت ہیں جن کے بیان کی مناسب جگہ کتب لغت ہیں۔ ہم کتاب کے حجم کو بڑھانا نہیں چاہتے کیونکہ کسی معنی کی سمجھ یا کسی حکم کا مفاد ان پر موقوف نہیں۔ اللہ ہماری مدد کرے۔ ہمارا بھروسہ اور توکل اسی کی پاک ذات پر ہے۔ آیت کے خاتمہ میں یہ نہیں فرمایا کہ اللہ بھی ان لوگوں کا دشمن ہے بلکہ فرمایا اللہ کافروں کا دشمن ہے۔ اس میں ایسے لوگوں کا حکم بھی معلوم ہو گیا۔ اسے عربی میں مضمر کی جگہ مظهر کہتے ہیں اور کلام عرب میں اکثر اس کی مثالیں شعروں میں بھی پائی جاتی ہیں۔ گویا یوں کہا جاتا ہے کہ جس نے اللہ کے دوست سے دشمنی کی اس نے اللہ سے دشمنی کی اور جو اللہ کا دشمن اللہ بھی اس کا دشمن اور جس کا دشمن خود اللہ قادر مطلق ہو جائے اس کے کفر و ربہادی میں کیا شبہ رہ گیا؟ صحیح بخاری کی حدیث پہلے گزر چکی کہ اللہ فرماتا ہے میرے دوستوں سے دشمنی رکھنے والے کو میں اعلان جنگ دیتا ہوں۔ میں اپنے دوستوں کا بدلہ لے لیا کرتا ہوں اور حدیث میں ہی ہے جس کا دشمن میں ہو جاؤں وہ برباد ہو کر ہی رہتا ہے۔

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَا اِلَیْكَ اٰیٰتٍ بَیِّنٰتٍ وَمَا یَكْفُرُ بِهَاۤ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۰۰﴾
 اَوْ کَلِمًا عَمْدًا وَّ اَعْمَدًا نَّبِّدْهُ فَرِیْقًا مِّنْهُمْۢ بَلْ اَکْثَرُھُمْ
 لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۱﴾

یقیناً ہم نے تیری طرف روشن دلیلیں بھیجی ہیں جن کا انکار سوائے بدکاروں کے کوئی نہیں کرتا ○ یہ لوگ جب کبھی کوئی عہد کرتے ہیں تو ان کی ایک نہ ایک جماعت اسے توڑ دیتی ہے بلکہ ان میں سے اکثر ایمان سے خالی ہیں ○

سلیمان علیہ السلام جادوگر نہیں تھے: ☆☆ (آیت: ۱۰۰) یعنی اے محمد ﷺ ہم نے ایسی نشانیاں جو آپ کی نبوت کی صریح دلیل بن سکیں نازل فرمادی ہیں یہودیوں کی مخصوص معلومات کا ذخیرہ ان کی کتاب کی پوشیدہ باتیں ان کی تحریف و تبدیلی احکام وغیرہ سب ہم نے اپنی مجرمانہ کتاب قرآن کریم میں بیان فرمادیئے ہیں جنہیں سن کر ہر زندہ ضمیر آپ کی نبوت کی تصدیق کرنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ یہودیوں کو ان کا حسد و بغض روک دے ورنہ ہر شخص جان سکتا ہے کہ ایک امی شخص سے ایسا پاکیزہ خوبیوں والا حکمتوں والا کلام کہا

نہیں جاسکتا۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ابن صورت یا قنونی نے حضور ﷺ سے کہا تھا کہ آپؐ کوئی ایسی چیز نہیں لائے جسے ہم پہچان لیں نہ آپؐ کے پاس کوئی ایسی روشن دلیلیں ہیں۔ اس پر یہ آیت پاک نازل ہوئی چونکہ یہودیوں نے اس بات سے انکار کر دیا تھا کہ ہم سے پیغمبر آخر الزمان کی بابت کوئی عہد لیا گیا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ تو ان کی عادت ہی ہے کہ عہد کیا اور توڑا بلکہ ان کی اکثریت تو ایمان سے بالکل خالی ہے۔ ہذا کا معنی پھینک دینا ہے چونکہ ان لوگوں نے کتاب اللہ کو اور عہد باری کو اس طرح چھوڑ رکھا تھا گویا پھینک دیا تھا اس لئے ان کی مذمت میں یہی لفظ لایا گیا۔

وَلَمَّا جَاءَهُمْ رَسُولٌ مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيقٌ مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ كِتَابَ اللَّهِ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ كَأَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۱۰۱﴾

جب کبھی ان کے پاس اللہ کا کوئی رسول ان کی کتاب کی تصدیق کرنے والا آیا ان اہل کتاب کے ایک فرقہ نے اللہ کی کتاب کو اس طرح پیٹھ پیچھے ڈال دیا گویا جانے ہی نہ تھے ○

(آیت ۱۰۱) دوسری جگہ صاف بیان ہے کہ ان کی کتابوں میں حضور کا ذکر موجود تھا۔ فرمایا یَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ یعنی یہ لوگ توراۃ و انجیل میں حضور کا ذکر موجود پاتے ہیں۔ یہاں بھی فرمایا ہے کہ جب ان کی کتاب کی تصدیق کرنے والا ہمارا پیغمبران کے پاس آیا تو ان کے ایک فریق نے اللہ کی کتاب سے بے پرواہی برت کر اس طرح اسے چھوڑ دیا جیسے کوئی علم ہی نہیں۔

وَاتَّبَعُوا مَا تَتْلُوا الشَّيْطَانُ عَلَىٰ مُلْكٍ سَلِيمٍ ۖ وَمَا كَفَرَ سَلِيمٌ ۖ وَلَكِنَّ الشَّيْطَانَ كَفَرُوا يَعْلَمُونَ ۚ النَّاسَ السَّخِرَ وَمَا أُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوتَ وَمَارُوتَ وَمَا يَعْلَمَانِ مِنْ أَحَدٍ حَتَّى يَقُولَا إِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ۖ فَيَتَعَلَّمُونَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُونَ بِهِ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهِ ۖ وَمَا هُمْ بِضَارِّينَ بِهِ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۖ وَيَتَعَلَّمُونَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ۖ وَلَقَدْ عَلِمُوا لَمَنِ اشْتَرَاهُ مَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَقٍ ۖ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهِ أَنْفُسَهُمْ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ۚ وَلَوْ أَنَّهُمْ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَمَثُوبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ خَيْرٌ لَّوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ۚ ﴿۱۰۲﴾

اور اس چیز کے پیچھے لگ گئے جسے شیطان سلیمان کی حکومت میں پڑھتے تھے۔ سلیمان نے تو یہ کفر نہ کیا تھا بلکہ یہ کفر شیطانوں کا تھا۔ وہ لوگوں کو جادو سکھایا کرتے تھے اور بابل میں ہاروت و ماروت دو فرشتوں پر جوتا مارا گیا تھا۔ وہ دونوں بھی کسی شخص کو اس وقت تک نہیں سکھاتے تھے جب تک یہ نہ کہہ دیں کہ ہم تو ایک

آزمائش ہیں تو کفر نہ کر۔ پھر لوگ ان سے وہ سیکھتے جس سے مرد و عورت میں جہادئی ذال دیں اور دراصل وہ بغیر اللہ تعالیٰ کی مرضی کے کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ یہ لوگ وہ سیکھتے ہیں جو انہیں نقصان پہنچائے اور لُغ نہ پہنچا سکے اور وہ بالیقین جانتے ہیں کہ اس کے لینے والے کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں اور وہ بدترین چیز ہے جس کے بدلے وہ اپنے تئیں فروخت کر رہے ہیں کاش کہ یہ جانتے ہوتے ○ اگر یہ لوگ ایمان دار تھے بن جاتے تو اللہ کی طرف سے بہترین ثواب انہیں ملتا اگر یہ جانتے ہوتے ○

(آیت: ۱۰۲-۱۰۳) بلکہ جادو کے پیچھے پڑ گئے اور خود حضورؐ پر جادو کیا جس کی اطلاع آپؐ کو جناب باری تعالیٰ نے دی اور اس کا اثر زائل ہوا اور آپؐ کو شفا ملی۔ تو مآۃ سے تو حضورؐ کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے اس لئے کہ وہ تو اس کی تصدیق کرنے والی تھی تو اسے چھوڑ کر دوسری کتابوں کی پیروی کرنے لگے اور اللہ کی کتاب کو اس طرح چھوڑ دیا کہ گویا کبھی جانتے ہی نہ تھے، نفسانی خواہشیں سامنے رکھ لیں اور کتاب اللہ کو پیٹھ پیچھے ڈال دیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ راگ ہا ہے کھیل تماشے اور اللہ کے ذکر سے روکنے والی ہر چیز مَا تَتْلُو الشَّيْطَانُ فِيهِ دَاخِل ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس ایک انگوٹھی تھی جب آپؐ بیت الخلاء جاتے تو اپنی بیوی حضرت جرادة کو دے جاتے۔ جب حضرت سلیمانؑ کی آزمائش کا وقت آیا اس وقت ایک شیطان جن آپؐ کی صورت میں آپؐ کی بیوی صاحبہ کے پاس آیا اور انگوٹھی طلب کی جو دے دی گئی۔ اس نے پہن لی اور تخت سلیمانی پر بیٹھ گیا۔ تمام جنات وغیرہ حاضر خدمت ہو گئے۔ حکومت کرنے لگا۔ ادھر جب حضرت سلیمانؑ واپس آئے اور انگوٹھی طلب کی تو جواب ملا تو جھوٹا ہے انگوٹھی تو حضرت سلیمانؑ لے گئے۔ آپؐ نے سمجھ لیا کہ یہ اللہ کی طرف سے آزمائش ہے ان دنوں میں شیاطین نے جادو، نجوم، کہانت، شعر و اشعار اور غیب کی جھوٹی ہجی خبروں کی کتابیں لکھ لکھ کر حضرت سلیمانؑ کی کرسی تلے دفن کرنی شروع کر دیں۔ آپؐ کی آزمائش کا یہ زمانہ ختم ہو گیا۔ آپؐ پھر تخت و تاج کے مالک ہوئے۔ عمر طبعی کو پہنچ کر جب رحلت فرمائی تو شیاطین نے انسانوں سے کہنا شروع کیا کہ حضرت سلیمانؑ کا خزانہ اور وہ کتابیں جن کے ذریعہ سے وہ ہواؤں اور جنات پر حکمرانی کرتے تھے ان کی کرسی تلے دفن ہیں چونکہ جنات اس کرسی کے پاس نہیں جاسکتے تھے اس لئے انسانوں نے اسے کھودا تو وہ کتابیں برآمد ہوئیں۔ بس ان کا چرچا ہو گیا اور ہر شخص کی زبان پر چڑھ گیا کہ حضرت سلیمانؑ کی حکومت کا راز یہی تھا بلکہ لوگ حضرت سلیمانؑ کی نبوت سے منکر ہو گئے اور آپؐ کو جادوگر کہنے لگے۔ آنحضرت ﷺ نے اس بات کی عقدہ کشائی کی اور فرمان باری تعالیٰ نازل ہوا کہ جادوگری کا یہ کفر تو شیاطین کا پھیلا یا ہوا ہے۔ حضرت سلیمانؑ اس سے بری الذمہ ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ کے پاس ایک شخص آیا۔ آپؐ نے پوچھا کہاں سے آئے ہو؟ اس نے کہا عراق سے۔ فرمایا عراق کے کس شہر سے۔ اس نے کہا کوفہ سے۔ پوچھا۔ وہاں کیا خبریں ہیں۔ اس نے کہا۔ وہاں باتیں ہو رہی ہیں کہ حضرت علیؑ انتقال نہیں کر گئے بلکہ زندہ روپوش ہیں اور عنقریب آئیں گے۔ آپؐ کا منہ اٹھنے اور فرمانے لگے۔ اگر ایسا ہوتا تو ہم ان کی میراث تقسیم نہ کرتے اور ان کی عورتیں اپنا دوسرا نکاح نہ کرتیں۔ سنو! شیاطین آسمانی باتیں جہلایا کرتے تھے اور ان میں اپنی باتیں ملا کر لوگوں میں پھیلا کر تے تھے، حضرت سلیمانؑ نے یہ تمام کتابیں جمع کر کے اپنی کرسی تلے دفن کر دیں۔ آپؐ کے انتقال کے بعد جنات نے وہ پھر نکال لیں۔ وہی کتابیں عراقیوں میں پھیلی ہوئی ہیں اور ان ہی کتابوں کی باتیں وہ بیان کرتے اور پھیلاتے رہتے ہیں۔ اسی کا ذکر اس آیت وَاتَّبِعُوا الْحَقَّ میں ہے۔

اس زمانہ میں یہ بھی مشہور ہو گیا تھا کہ شیاطین علم غیب جانتے ہیں۔ حضرت سلیمانؑ نے ان کتابوں کو صندوق میں بھر کر دفن کر دینے کے بعد یہ حکم جاری کر دیا کہ جو یہ کہے گا اس کی گردن ماری جائے گی۔ بعض روایتوں میں ہے کہ جنات نے ان کتابوں کو حضرت سلیمانؑ کے انتقال کے بعد آپؐ کی کرسی تلے دفن کیا تھا اور ان کے شروع صفحہ پر لکھ دیا تھا کہ یہ علمی خزانہ آصف بن برخیا کا جمع کیا ہوا ہے جو حضرت سلیمانؑ

بن داؤد کے وزیر اعظم، مشیر خاص اور دلی دوست تھے۔ یہودیوں میں مشہور تھا کہ حضرت سلیمان نبی نہ تھے بلکہ جادوگر تھے۔ اس بنا پر یہ آیتیں نازل ہوئیں اور اللہ کے سچے نبی نے ایک سچے نبی کی برات کی اور یہودیوں کے اس عقیدے کا ابطال کیا۔ وہ حضرت سلیمان کا نام نبیوں کے زمرے میں سن کر بہت بدکتے تھے۔ اس لئے تفصیل کے ساتھ اس واقعہ کا بیان کر دیا۔ ایک وجہ یہ بھی ہوئی کہ حضرت سلیمان نے تمام موذی جانوروں سے عہد لیا تھا جب انہیں وہ عہد یاد کرایا جاتا تھا تو وہ ستاتے نہ تھے۔ پھر لوگوں نے اپنی طرف سے عبارتیں بنا کر جادو کی قسم کے منتر تنزیل بنا کر ان سب کو آپ کی طرف منسوب کر دیا جس کا بطلان ان آیات کریمہ میں ہے۔ یہ یاد رہے کہ ”علیٰ“ یہاں پر ”فی“ کے معنی میں ہے یا ”تَتَلَوْا“ متفحصین ہے تَكْذِيبُ کا یہی اولیٰ اور احسن ہے۔ واللہ اعلم۔

خواجہ حسن بصریؒ کا قول ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں جادوگروں کا ہونا قرآن سے ثابت ہے اور حضرت سلیمانؑ کا حضرت موسیٰ کے بعد ہونا بھی قرآن سے ظاہر ہے۔ داؤد اور جالوت کے قصے میں ہے مِنْ بَعْدِ مُوسَىٰ بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بھی پہلے حضرت صالح علیہ السلام کو ان کی قوم نے کہا تھا اِنَّمَا اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِیْنَ یعنی تو جادو کئے گئے لوگوں میں سے ہے۔ پھر فرماتا ہے وَمَا اَنْزَلَ اِلَیْهِمْ لَوْ كَانُوا عَاوِلِیْنَ یعنی انکار کے معنی میں ہے اور اس کا عطف مَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ پر ہے۔ یہودیوں کے اس دوسرے اعتقاد کی کہ جادو فرشتوں پر نازل ہوا ہے اس آیت میں تردید ہے۔

ہاروت ماروت لفظ شیاطین کا بدل ہے۔ تنزیہ پر بھی جمع کا اطلاق ہوتا ہے جیسے اِنْ كَانَ لَهٗ اِخْوَةٌ فِی السَّمَاءِ میں یا اس لئے جمع کیا گیا کہ ان کے ماننے والوں کو بھی شامل کر لیا گیا ہے اور ان کا نام ان کی زیادہ سرکشی کی وجہ سے سرفہرست دیا گیا ہے۔ قرطبیؒ تو کہتے ہیں کہ اس آیت کا یہی ٹھیک مطلب ہے۔ اس کے سوا کسی اور مفتی کی طرف التفات بھی نہ کرنا چاہئے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔ جادو اللہ کا نازل کیا ہوا نہیں۔ ربیع بن انسؓ فرماتے ہیں ان پر کوئی جادو نہیں اترا۔ اس بنا پر آیت کا ترجمہ اس طرح ہوگا کہ ان یہودیوں نے اس چیز کی تابعداری کی جو حضرت سلیمانؑ کے زمانہ میں شیطان پڑھا کرتے تھے حضرت سلیمانؑ نے کفر نہیں کیا نہ اللہ تعالیٰ نے جادو کو ان دو فرشتوں پر اتارا ہے (جیسے اے یہود پوچھا رہا خیال جبریلؑ و میکائیلؑ کی طرف ہے) بلکہ یہ کفر شیطانوں کا ہے جو بائبل میں لوگوں کو جادو سکھایا کرتے تھے اور ان کے سردار داؤدؑ تھے جن کا نام ہاروت ماروت تھا۔ حضرت عبدالرحمن بن ابزیؓ اسے اس طرح پڑھتے تھے وَمَا اَنْزَلَ عَلَی الْمَلٰٓئِکَیْنِ دَاوُدَ وَ سُلَیْمٰنَ یعنی داؤد و سلیمان دونوں بادشاہوں پر بھی جادو نہیں اتارا گیا یا یہ کہ وہ اس سے روکتے تھے کیونکہ یہ کفر ہے۔ امام ابن جریرؒ نے اس کا زبردست رد کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں ”مَا“ معنی میں الَّذِی کے ہے اور ہاروت ماروت دو فرشتے ہیں جنہیں اللہ نے زمین کی طرف اتارا ہے اور اپنے بندوں کی آزمائش اور امتحان کے لئے انہیں جادو کی تعلیم دی ہے لہذا ہاروت ماروت اس فرمان باری تعالیٰ کو بجالا رہے ہیں۔

ایک غریب قول یہ بھی ہے کہ یہ جنوں کے دو قبیلے ہیں۔ مَلٰٓئِکَیْنِ یعنی دو بادشاہوں کی قرات پر انزال خلق کے معنی میں ہوگا جیسے فرمایا وَ اَنْزَلَ لَكُمْ مِنَ الْاَنْعَامِ ثَمَنِیَّةَ اَزْوَاجٍ اور فرمایا وَ اَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ اور کہا وَ یُنَزَّلُ لَكُمْ مِنَ السَّمَاءِ رِزْقًا یعنی ہم نے تمہارے لئے آٹھ قسم کے چوپائے پیدا کئے، لوہا بنایا، آسمان سے روزیاں اتاریں۔ حدیث میں ہے مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ دَاۤءَ یعنی اللہ تعالیٰ نے جتنی بیماریاں پیدا کی ہیں ان سب کے علاج بھی پیدا کئے ہیں۔ مثل مشہور ہے کہ بھلائی برائی کا نازل کرنے والا اللہ ہے یہاں سب جگہ انزال یعنی پیدائش کے معنی میں ہے ایجاد یعنی لانے اور اتارنے کے معنی میں نہیں۔ اسی طرح اس آیت میں بھی اکثر سلف کا مذہب یہ ہے کہ یہ دونوں فرشتے تھے۔ ایک مرفوع حدیث میں بھی یہ مضمون بطور طول کے ساتھ ہے جو ابھی بیان ہوگی ان شاء اللہ تعالیٰ۔ کوئی یہ اعتراض نہ کرے کہ فرشتے تو معصوم ہیں۔ وہ گناہ کرتے ہی نہیں چہ جائیکہ لوگوں کو جادو سکھائیں جو کفر ہے اس لئے کہ یہ دونوں بھی عام

فرشتوں میں سے خاص ہو جائیں گے۔ جیسے کہ ابلیس کی بابت آپ ﷺ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِطِيعُوْا اَمْرًا کی تفسیر میں پڑھ چکے ہیں۔ حضرت علیؓ حضرت ابن مسعودؓ حضرت ابن عباسؓ حضرت ابن عمرؓ کعب احبارؓ حضرت سدیؓ حضرت کلبیؓ یہی فرماتے ہیں۔

اب اس حدیث کو سنئے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جب آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے زمین پر اتارا اور ان کی اولاد پھیلی اور زمین میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہونے لگی تو فرشتوں نے کہا کہ دیکھو یہ کس قدر برے لوگ ہیں۔ کیسے نافرمان اور سرکش ہیں۔ ہم اگر ان کی جگہ ہوتے تو ہرگز ہرگز اللہ کی نافرمانی نہ کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اچھا تم اپنے میں سے دو فرشتوں کو پسند کرلو۔ میں ان میں انسانی خواہشات پیدا کرتا ہوں اور انہیں انسانوں میں بھیجتا ہوں۔ پھر دیکھتا ہوں کہ وہ کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے ہاروت و ماروت کو پیش کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان میں انسانی طبیعت پیدا کی اور ان سے کہہ دیا کہ دیکھو بنی آدم کو تو میں نبیوں کے ذریعہ اپنے حکم احکام پہنچاتا ہوں لیکن تم سے بلا واسطہ خود کہہ رہا ہوں کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا نہ زنا نہ کرنا شراب نہ پینا اب یہ دونوں زمین پر اترے اور زہرہ کو ان کی آزمائش کے لئے حسین و شکیل عورت کی صورت میں ان کے پاس بھیجا جسے دیکھ کر یہ مفتون ہو گئے اور اس سے زنا کرنا چاہا اس نے کہا اگر تم شرک کر دو تو میں منظور کرتی ہوں۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہ تو ہم سے نہ ہو سکے گا وہ چلی گئی پھر آئی اور کہنے لگی اچھا اس بچے کو قتل کر ڈالو تو مجھے تمہاری خواہش پوری کرنی منظور ہے۔ انہوں نے اسے بھی نہ مانا وہ پھر آئی اور کہا کہ اچھا یہ شراب پی لو انہوں نے اسے ہلکا گناہ سمجھ کر اسے منظور کر لیا۔ اب نشر میں مست ہو کر زنا کاری بھی کی اور اس بچے کو بھی قتل کر ڈالا۔ جب ہوش حواس درست ہوئے تو اس عورت نے کہا جن جن کاموں کا تم پہلے انکار کرتے تھے سب تم نے کر ڈالے۔ یہ نامود ہوئے انہیں اختیار دیا گیا کہ یا تو عذاب دنیا کو اختیار کرو یا عذاب اخروی کو۔ انہوں نے دنیا کے عذاب پسند کئے۔ صحیح ابن حبان، مسند احمد، ابن مردودہ، ابن جریر، عبد الرزاق میں یہ حدیث مختلف الفاظ سے مروی ہے۔ مسند احمد کی یہ روایت غریب ہے۔ اس میں ایک راوی موسیٰ بن جبیر انصاری سلمی اللہ کو ابن ابی حاتم نے مستور الحال لکھا ہے۔

ابن مردودہ کی روایت میں یہی ہے کہ ایک رات کو اثناء سفر میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت نافعؓ سے پوچھا کہ کیا زہرہ تارا نکلا؟ اس نے کہا نہیں۔ دو تین مرتبہ سوال کے بعد کہا۔ اب زہرہ طلوع ہوا تو فرمانے لگے اس سے نہ خوشی ہو نہ بھلائی ملے۔ حضرت نافعؓ نے کہا حضرت اک ستارہ جو حکم اللہ سے طلوع و غروب ہوتا ہے آپؐ اسے برا کہتے ہیں؟ فرمایا میں وہی کہتا ہوں جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے۔ پھر اس کے بعد مندرجہ بالا حدیث باختلاف الفاظ سنائی لیکن یہ بھی غریب ہے۔ حضرت کعبؓ والی روایت مرفوع سے زیادہ صحیح موقوف ہے اور ممکن ہے کہ وہ بنی اسرائیل روایت ہو۔ واللہ اعلم۔ صحابہؓ اور تابعینؓ سے بھی اس قسم کی روایتیں بہت کچھ منقول ہیں۔ بعض میں ہے کہ زہرہ ایک عورت تھی۔ اس نے ان فرشتوں سے یہ شرط کی تھی کہ تم مجھے وہ دعا سکھا دو جسے پڑھ کر تم آسمان پر چڑھ جاتے ہو انہوں نے سکھا دی۔ یہ پڑھ کر چڑھ گئی اور وہاں تارے کی شکل میں بنادی گئی۔ بعض مرفوع روایتوں میں بھی یہ ہے لیکن وہ منکر اور غیر صحیح ہیں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ اس واقعہ سے پہلے تو فرشتے صرف ایمان والوں کی بخشش کی دعا مانگتے تھے لیکن اس کے بعد تمام اہل زمین کے لئے دعا شروع کر دی۔ بعض روایتوں میں ہے کہ جب ان دونوں فرشتوں سے یہ نافرمانیاں سرزد ہوئیں تب اور فرشتوں نے اقرار کر لیا کہ بنی آدم جو اللہ تعالیٰ سے دور ہیں اور بن دیکھے ایمان لاتے ہیں جن سے خطاؤں کا سرزد ہو جانا کوئی ایسی انوکھی چیز نہیں۔ ان دونوں فرشتوں سے کہا گیا کہ اب یا تو دنیا کا عذاب پسند کر لو یا آخرت کے عذابوں کو اختیار کرلو۔ انہوں نے دنیا کا عذاب چن لیا چنانچہ انہیں باہل میں عذاب ہو رہا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے جو احکام دیئے تھے ان میں قتل سے اور مال حرام سے ممانعت بھی کی تھی اور یہ حکم بھی تھا کہ

حکم عدل کے ساتھ کریں۔ یہ بھی وارد ہوا ہے کہ یہ تین فرشتے تھے لیکن ایک نے آزمائش سے انکار کر دیا اور واپس چلا گیا۔ پھر دو کی آزمائش ہوئی۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔ یہ واقعہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ کا ہے۔ یہاں بابل سے مراد بابل دنیاوند ہے۔ اس عورت کا نام عربی میں زہرہ تھا اور لطلی زبان میں اس کا نام بیدخت تھا اور فارسی میں ناہید تھا۔ یہ عورت اپنے خاوند کے خلاف ایک مقدمہ لائی تھی۔ جب انہوں نے اس سے برائی کا ارادہ کیا تو اس نے کہا 'پہلے مجھے میرے خاوند کے خلاف حکم دو تو مجھے منظور ہے انہوں نے ایسا ہی کیا۔ پھر اس نے کہا مجھے یہ بھی بتا دو کہ تم کیا پڑھ کر آسمان پر چڑھ جاتے ہو اور کیا پڑھ کر اترتے ہو؟ انہوں نے یہ بھی بتا دیا۔ چنانچہ وہ اسے پڑھ کر آسمان پر چڑھ گئی۔ اترنے کا وظیفہ بھول گئی اور وہیں ستارے کی صورت میں منجم کر دی گئی۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ جب کبھی زہرہ ستارے کو دیکھتے تو لعنت بھیجا کرتے تھے۔ اب ان فرشتوں نے جب چڑھنا چاہا تو نہ چڑھ سکے۔ سمجھ گئے کہ اب ہم ہلاک ہوئے۔

حضرت مجاہدؓ فرماتے ہیں۔ پہلے پابل چند دنوں تک تو فرشتے ثابت قدم رہے۔ صبح سے شام تک فیصلہ عدل کے ساتھ کرتے رہتے۔ شام کو آسمان پر چڑھ جاتے۔ پھر زہرہ کو دیکھ کر اپنے نفس پر قابو نہ رکھ سکے۔ زہرہ ستارے کو ایک خوبصورت عورت کی شکل میں بھیجا الغرض ہاروت ماروت کا یہ قصہ تابعین میں سے بھی اکثر لوگوں نے بیان کیا ہے جیسے مجاہدؓ سعدیؓ حسن بصریؓ قتادہؓ ابو العالیہؓ زہریؓ ربیع بن انسؓ مقتل بن حیانؓ وغیرہ وغیرہ رحمہم اللہ! جمیع اور متاخرین مفسرین نے بھی اپنی اپنی تفسیروں میں اسے نقل کیا ہے لیکن اس کا زیادہ تر دارو مدار بنی اسرائیل کی کتابوں پر ہے۔ کوئی صحیح مرفوع متصل حدیث اس باب میں آنحضرت ﷺ سے ثابت نہیں اور نہ قرآن کریم میں اس قدر بسط و تفصیل ہے پس ہمارا ایمان ہے کہ جس قدر قرآن میں ہے صحیح اور درست ہے اور حقیقت حال کا علم اللہ تعالیٰ کو ہی ہے (قرآن کریم کے ظاہری الفاظ مسند احمد ابن حبان، بیہقی وغیرہ کی مرفوع حدیث حضرت علیؓ حضرت ابن عباسؓ ابن مسعودؓ وغیرہ کی موقوف روایات تابعین وغیرہ کی تفاسیر وغیرہ ملا کر اس واقعہ کی بہت کچھ تقویت ہو جاتی ہے نہ اس میں کوئی محال عقلی ہے نہ اس میں کسی اصول اسلامی کا خلاف ہے پھر ظاہر سے بے جا ہٹ اور تکلفات اٹھانے کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی واللہ اعلم) (فتح البیان)

ابن جریر میں ایک غریب اثر اور ایک عجیب واقعہ ہے۔ اسے بھی سنئے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ دو مرتبہ الجندل کی ایک عورت حضورؐ کے انتقال کے تھوڑے ہی زمانہ کے بعد آپؐ کی تلاش میں آئی اور آپؐ کے انتقال کی خبر پا کر بے چین ہو کر رونے پڑنے لگی۔ میں نے اس سے پوچھا کہ آخر کیا بات ہے؟ تو اس نے کہا کہ مجھ میں اور میرے شوہر میں ہمیشہ ناچاقی رہا کرتی تھی۔ ایک مرتبہ وہ مجھے چھوڑ کر لاپتہ کہیں چلا گیا، ایک بڑھیا سے میں نے یہ سب ذکر کیا۔ اس نے کہا 'جو میں کہوں وہ کرو۔ وہ خود بخود تیرے پاس آجائے گا میں تیار ہو گئی وہ رات کے وقت دوکتے لے کر میرے پاس آئی ایک پر وہ خود سوار ہوئی اور دوسرے پر میں بیٹھ گئی۔ تھوڑی ہی دیر میں ہم دونوں بابل پہنچ گئیں میں نے دیکھا کہ دو شخص ادھر لٹکے ہوئے ہیں اور لوہے میں جکڑے ہوئے ہیں۔ اس عورت نے مجھ سے کہا ان کے پاس جا اور ان سے کہہ کہ میں جادو سیکھنے آئی ہوں۔

میں نے ان سے کہا 'انہوں نے کہا 'نہم تو آزمائش میں ہیں۔ تو جادو نہ سیکھ اس کا سیکھنا کفر ہے۔ میں نے کہا میں تو سیلوں کی انہوں نے کہا اچھا پھر جا اور اس تور میں پیشاب کر کے چلی آ۔ میں گئی۔ ارادہ کیا لیکن کچھ دہشت سی طاری ہوئی۔ میں واپس آ گئی اور کہا میں فارغ ہوا آئی ہوں۔ انہوں نے پوچھا۔ کیا دیکھا؟ میں نے کہا کچھ نہیں۔ انہوں نے کہا تو غلط کہتی ہے۔ ابھی تو کچھ نہیں بگڑا۔ تیرا ایمان ثابت ہے۔ اب بھی لوٹ جا اور کفر نہ کر۔ میں نے کہا 'مجھے تو جادو سیکھنا ہے۔ انہوں نے پھر کہا۔ جا اور اس تور میں پیشاب کر آ۔ میں پھر گئی لیکن اب کی مرتبہ بھی دل نہ مانا۔ واپس آئی۔ پھر اسی طرح سوال جواب ہوئے۔ میں تیسری مرتبہ پھر تور کے پاس گئی اور دل کڑا کر کے پیشاب کرنے

کو بیٹھ گئی۔ میں نے دیکھا کہ ایک گھڑسوار منہ پر نقاب ڈالے نکلا اور آسمان پر چڑھ گیا۔ واپس چلی آئی۔ ان سے ذکر کیا۔ انہوں نے کہا ہاں اب کی مرتبہ توجیح کہتی ہے۔ وہ تیرا ایمان تھا تجھ میں سے نکل گیا۔ اب جا چلی جائیں آئی اور اس بڑھیا سے کہا۔ انہوں نے مجھے کچھ بھی نہیں سکھایا۔ اس نے کہا بس تجھے کچھ آ گیا۔ اب تو جو کہے گی ہو جائے گا۔ میں نے آزمائش کے لئے ایک دانہ گیہوں کا لیا اسے زمین پر ڈال کر کہا، اگ جا، وہ فوراً اگ آیا۔ میں نے کہا۔ تجھ میں بال پیدا ہو جائے چنانچہ ہو گئے۔ میں نے کہا سوکھ جاوہ بال سوکھ گئے، میں نے کہا، الگ الگ دانہ ہو جا، وہ بھی ہو گیا، پھر میں نے کہا سوکھ جاو سوکھ گیا۔ پھر میں نے کہا۔ آٹا بن جا تو آٹا بن گیا میں نے کہا روٹی پک جا تو روٹی پک گئی یہ دیکھتے ہی میرا دل نادم ہونے لگا اور مجھے اپنے بے ایمان ہو جانے کا صدمہ ہونے لگا۔ اے ام المؤمنین قسم اللہ کی نہ میں نے اس جادو سے کوئی کام لیا نہ کسی پر کیا۔ میں یونہی روتی بیٹھتی حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو گئی کہ حضورؐ سے کہوں لیکن افسوس بد قسمتی سے آپؐ کو بھی میں نے نہ پایا۔ اب میں کیا کروں؟ اتنا کہہ کر چپ ہو گئی۔ سب کو اس پر ترس آنے لگا۔ صحابہ کرامؓ بھی متحیر تھے کہ اسے کیا فتویٰ دیں؟ آخر بعض صحابہؓ نے کہا، اب سو اس کے کیا ہو سکتا ہے کہ تم اس فعل کو نہ کرو۔ توبہ استغفار کرو اور اپنے ماں باپ کی خدمت گزاری کرتی رہو۔

یہاں یہ بھی خیال رکھنا چاہئے کہ صحابہ کرامؓ فتویٰ دینے میں بہت احتیاط کرتے تھے کہ چھوٹی سی بات بتانے میں تامل ہوتا تھا۔ آج ہم بڑی سے بڑی بات بھی انکل اور رائے قیاس سے گھڑ گھڑا کر بنانے میں بالکل نہیں۔ رکتے اس کی اسناد بالکل صحیح ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ”عین“ چیز جادو کے زور سے پلٹ جاتی ہے اور بعض کہتے ہیں نہیں۔ صرف دیکھنے والے کو ایسا خیال پڑتا ہے۔ اصل چیز جیسی ہوتی ہے ویسی ہی رہتی ہے جیسے قرآن میں ہے *سَحَرُوا وَأَعْيَنَ النَّاسَ* الخ یعنی انہوں نے لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا اور فرمایا *يُخَيِّلُ إِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ أَنَّهُمْ تَسْمَعُونَ* حضرت موسیٰؑ کی طرف خیال ڈالا جاتا تھا کہ گویا وہ سانپ وغیرہ ان کے جادو کے زور سے چل پھر رہے ہیں۔ اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آیت میں لفظ بابل سے مراد بابل عراق ہے بابل دنیاوند نہیں۔ ابن ابی حاتم کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بابل کی زمین میں جا رہے تھے۔ عصر کی نماز کا وقت آ گیا لیکن آپؑ نے وہاں نماز ادا نہ کی بلکہ اس زمین کی سرحد سے نکل جانے کے بعد نماز پڑھی اور فرمایا میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے قبرستان میں نماز پڑھنے سے روک دیا ہے اور بابل کی زمین میں نماز پڑھنے سے بھی ممانعت فرمائی ہے۔ یہ زمین ملعون ہے۔ ابوداؤد میں بھی یہ حدیث مروی ہے اور امام صاحب نے اس پر کوئی کلام نہیں کیا اور جس حدیث کو حضرت امام ابوداؤد اپنی کتاب میں لائیں اور اس کی سند پر خاموشی کریں تو وہ حدیث امام صاحب کے نزدیک حسن ہوتی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ بابل کی سرزمین میں نماز مکروہ ہے جیسے کہ شودیوں میں نہ جاؤ۔ اگر اتفاقاً جانا پڑے تو خوف اللہ سے روتے ہوئے جاؤ۔ ہیئت دانوں کا قول ہے کہ بابل کی دوری بحرِ غربی اوقیانوس سے ستر درجہ لمبی اور وسط زمین سے جنوب کی جانب بخط استوا سے تیس درجہ ہے۔ واللہ اعلم۔ چونکہ ہاروت ماروت کو اللہ تعالیٰ نے خیر و شر، کفر و ایمان کا علم دے رکھا ہے اس لئے ہر ایک کفر کی طرف جھکنے والے کو نصیحت کرتے ہیں اور ہر طرح روکتے ہیں۔ جب نہیں مانتا تو وہ اسے کہہ دیتے ہیں اس کا نور ایمان جاتا رہتا ہے۔ ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے شیطان اس کا رفیق کار بن جاتا ہے ایمان کے نکل جانے کے بعد غضب اللہ اس کے روم روم میں گھس جاتا ہے۔ ابن جریجؒ فرماتے ہیں سوائے کافر کے اور کوئی جادو سیکھنے کی جرات نہیں کرتا۔ فتنہ کے معنی یہاں پر بلا آزمائش اور امتحان کے ہیں۔ حضرت موسیٰؑ علیہ السلام کا قول قرآن پاک میں مذکور ہے *إِنْ هِيَ إِلَّا فِتْنَتُكَ* اس آیت سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جادو سیکھنا کفر ہے۔ حدیث میں بھی ہے جو شخص کسی کا بہن یا جادوگر کے پاس جائے اور اس کی بات کو بچ سمجھے۔ اس نے حضرت محمد ﷺ پر اتاری ہوئی وحی کے ساتھ کفر کیا (بزار) یہ حدیث صحیح

ہے اور اس کی تائید میں اور حدیثیں بھی آئی ہیں۔

پھر فرمایا کہ لوگ ہاروت ماروت سے جادو سیکھتے ہیں جس کے ذریعے برے کام کرتے ہیں۔ عورت مرد کی محبت اور موافقت کو بغض اور مخالفت سے بدل دیتے ہیں۔ صحیح مسلم میں حدیث ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں۔ شیطان اپنا عرش پانی پر رکھتا ہے پھر اپنے لشکروں کو بہکانے کے واسطے بھیجتا ہے۔ سب سے زیادہ مرتبہ والا اس کے نزدیک وہ ہے جو فتنے میں سب سے بڑھا ہوا ہو۔ یہ جب واپس آتے ہیں تو اپنے بدترین کاموں کا ذکر کرتے ہیں، کوئی کہتا ہے میں نے فلاں کو اس طرح گمراہ کر دیا، کوئی کہتا ہے میں نے فلاں شخص سے یہ گناہ کرایا، شیطان ان سے کہتا ہے، کچھ نہیں یہ تو معمولی کام ہے یہاں تک کہ ایک آکر کہتا ہے کہ میں نے فلاں شخص کے اور اس کی بیوی کے درمیان جھگڑا ڈال دیا۔ یہاں تک کہ جدائی ہو گئی۔ شیطان اسے گلے لگا لیتا ہے اور کہتا ہے ہاں تو نے بڑا کام کیا، اسے اپنے پاس بٹھالیتا ہے اور اس کا مرتبہ بڑھا دیتا ہے۔ پس جادو گر بھی اپنے جادو سے وہ کام کرتا ہے جس سے میاں بیوی میں جدائی ہو جائے مثلاً اس کی شکل صورت اسے بری معلوم ہونے لگے یا اس کے عادات و اطوار سے جو غیر شرعی نہ ہوں، یہ نفرت کرنے لگے یا دل میں عداوت آجائے وغیرہ وغیرہ۔ رفتہ رفتہ یہ باتیں بڑھتی جائیں اور آپس میں چھوٹ چھٹا ہو جائے۔ ”مرا“ کہتے ہیں اس کا مذکر مونث اور شنیہ تو ہے، جمع نہیں بنتا۔ پھر فرمایا۔ یہ کسی کو بھی بغیر اللہ کی مرضی کے ایذا نہیں پہنچا سکتے یعنی اس کے اپنے بس کی بات نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر اور اس کے ارادے کا تحت یہ نقصان بھی پہنچتا ہے۔ اگر اللہ نہ چاہے تو اس کا جادو محض بے اثر اور بے فائدہ ہو جاتا ہے۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ یہ جادو اسی شخص کو نقصان دیتا ہے جو اسے حاصل کرے اور اس میں داخل ہو۔ پھر ارشاد ہوتا ہے وہ ایسا علم سیکھتے ہیں جو ان کے لئے سراسر نقصان دہ ہے جس میں کوئی نفع نہیں اور یہ یہودی جانتے ہیں کہ رسول کی تابعداری چھوڑ کر جادو کے پیچھے لگنے والوں کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں نہ ان کی قدر و وقعت اللہ کے پاس ہے نہ وہ دیندار سمجھے جاتے ہیں۔ پھر فرمایا اگر یہ اس کام کی برائی کو محسوس کرتے اور ایمان و تقویٰ برتتے تو یقیناً ان کے لئے بہت ہی بہتر تھا مگر یہ بے علم لوگ ہیں۔ اور فرمایا کہ اہل علم نے کہا، تم پر افسوس ہے اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا ثواب ایمانداروں اور نیک اعمال والوں کے لئے بہت ہی بہتر ہے لیکن اسے صبر کرنے والے ہی پاسکتے ہیں۔

اس آیت سے یہ بھی استدلال بزرگان دین نے کیا ہے کہ جادو گر کافر ہے کیونکہ آیت میں وَلَوْ أَنَّهُمْ آمَنُوا وَاتَّقَوْا فرمایا ہے۔ حضرت امام احمد اور سلف کی ایک جماعت بھی جادو سیکھنے والے کو کافر کہتی ہے۔ بعض کافر تو نہیں کہتے لیکن فرماتے ہیں کہ جادو گر کی حد یہ ہے کہ اسے قتل کر دیا جائے۔ بحالہ بن عبید کہتے ہیں حضرت عمرؓ نے اپنے ایک فرمان میں لکھا تھا کہ ہر ایک جادو گر مرد و عورت کو قتل کر دینا چاہیے ہم نے تین جادو گروں کی گردن ماری۔ صحیح بخاری شریف میں بھی یہ روایت ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا پر ان کی ایک لونڈی نے جادو کیا جس پر اسے قتل کیا گیا۔ حضرت امام احمد مصل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، تین صحابیوں سے جادو گر کے قتل کا فتویٰ ثابت ہے۔ ترمذی میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، جادو گر کی حد تلوار سے قتل کر دینا ہے۔ اس حدیث کے ایک راوی اسلم بن مسلم ضعیف ہیں۔ صحیح بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ غالباً یہ حدیث موقوف ہے لیکن طبرانی میں ایک دوسری سند سے بھی یہ حدیث مرفوع مردی ہے۔ واللہ اعلم۔

ولید بن عقبہ کے پاس ایک جادو گر تھا جو اپنے کرتب بادشاہ کو دکھایا کرتا تھا۔ بظاہر ایک شخص کا سر کاٹ لیتا پھر آواز دیتا تو سر جڑ جاتا اور وہ موجود ہو جاتا۔ مہاجرین صحابہ میں سے ایک بزرگ صحابی نے یہ دیکھا اور دوسرے دن تلوار باندھے ہوئے آئے۔ جب ساحر نے اپنا کھیل شروع کیا، آپ نے اپنی تلوار سے خود اس کی گردن اڑادی اور فرمایا لے اب اگر سچا ہے تو خود جی اٹھ، پھر قرآن پاک کی یہ آیت پڑھ کر

لوگوں کو شائی اَفْتًا تُوْن السِّحْرِ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ کیا تم دیکھتے بھالتے جادو کے پاس جاتے ہو؟ چونکہ اس بزرگ صحابیؓ نے ولید کی اجازت اس کے قتل میں نہیں لی تھی اس لئے بادشاہ نے ناراض ہو کر انہیں قید کر دیا۔ پھر چھوڑ دیا۔ امام شافعی نے حضرت عمرؓ کے فرمان اور حضرت حفصہؓ کے واقعہ کے متعلق یہ کہا ہے کہ یہ حکم اس وقت ہے جب جادو شرکیہ الفاظ سے ہو۔

معتزلہ جادو کے وجود کے منکرین وہ کہتے ہیں جادو کو کوئی چیز نہیں بلکہ بعض لوگ تو بعض دفعہ اتنا بڑھ جاتے ہیں کہ کہتے ہیں جو جادو کا وجود مانتا ہو وہ کافر ہے لیکن اہل سنت جادو کے وجود کے قائل ہیں۔ یہ مانتے ہیں کہ جادو گراپنے جادو کے زور سے ہوا پراڑ سکتے ہیں اور انسان کو بظاہر گدھا اور گدھے کو بظاہر انسان بنا ڈالتے ہیں مگر کلمات اور منتر تنتر کے وقت ان چیزوں کو پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے آسمان کو اور تاروں کو تا شیر پیدا کرنے والا اہل سنت نہیں مانتے۔ فلسفے اور نجوم والے اور بے دین لوگ تو تاروں کو اور آسمان کو ہی اثر پیدا کرنے والا جانتے ہیں۔ اہل سنت کی ایک دلیل تو آیت وَمَا هُمْ بِضَآئِرِّینَ ہے اور دوسری دلیل خود آنحضرت ﷺ پر جادو کیا جانا اور آپ پر اس کا اثر ہونا ہے۔ تیسرے اس عورت کا واقعہ جسے حضرت عائشہؓ نے بیان فرمایا ہے جو اوپر ابھی ابھی گزرا ہے۔ اور بھی بیسیوں ایسے ہی واقعات وغیرہ ہیں۔

رازی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ جادو کا حاصل کرنا برا نہیں۔ محققین کا یہی قول ہے اس لئے کہ وہ بھی ایک علم ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ یعنی علم والے اور بے علم برابر نہیں ہوتے اور اس لئے کہ یہ علم ہوگا تو اس سے معجزے اور جادو میں فرق پوری طرح واضح ہو جائے گا اور معجزے کا علم واجب ہے اور وہ موقوف ہے جادو کے سیکھنے پر جس سے فرق معلوم ہو۔ پس جادو کا سیکھنا بھی واجب ہوا۔ رازی کا یہ قول سرتاپا غلط ہے۔ اگر عقلاً وہ اسے برائے بتائیں تو معتزلہ موجود ہیں جو عقلاً بھی اس کی برائی کے قائل ہیں اور اگر شرعاً برائے بتلاتے ہوں تو قرآن کی یہ آیت شرعی برائی بتلانے کے لئے کافی ہے۔ صحیح حدیث میں ہے جو کسی شخص کسی جادو گر یا کافران کے پاس جائے وہ کافر ہو جائے گا۔

جادو کے جواز اور عدم جواز کی بحث: ☆☆ سنن میں حدیث ہے کہ جس نے گرہ لگائی اور اس میں پھونکا اس نے جادو کیا لہذا رازی کا یہ کہنا کہ محققین کا قول یہی ہے یہ بھی ٹھیک نہیں۔ آخر ان محققین کے ایسے اقوال کہاں ہیں؟ ائمہ اسلام میں سے کس نے ایسا کہا ہے؟ پھر هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ آیت کو پیش کرنا بھی نری جرات ہے کیونکہ آیت میں علم سے مراد دینی علم ہے۔ اسی آیت میں شرعی علم والے علماء کی فضیلت بیان ہوئی ہے پھر ان کا یہ کہنا کہ اسی علم سے کہ اسی سے معجزے کا علم تقابلی حاصل ہوتا ہے یہ تو بالکل واپسی محض غلط اور فاسد ہے اس لئے کہ ہمارے رسول ﷺ کا سب سے بڑا معجزہ قرآن پاک ہے جو باطل سے سراسر محفوظ ہے لیکن اس کا معجزہ ماننے کے لئے جادو جانا ضروری نہیں ہے۔ وہ لوگ جنہیں جادو سے دور کا بھی تعلق نہیں وہ بھی اسے معجزہ مان گئے۔ صحابہ تابعین ائمہ مسلمین بلکہ عام مسلمان بھی اسے معجزہ مانتے ہیں حالانکہ ان تمام میں سے کوئی ایک بھی جادو جانا تو کیا جادو کے پاس تک نہ پہنکا نہ سیکھا نہ سکھایا نہ کیا نہ کرایا بلکہ ان سب کاموں کو کفر کہتے رہے پھر یہ دعویٰ کرنا کہ جادو کا جانا واجب ہے اس لئے کہ جادو کے علم سے معجزہ کا فرق معلوم ہو سکتا ہے اس لئے اس کا سیکھنا واجب کس قدر مہمل دعویٰ ہے۔

جادو کی اقسام: ☆☆ اب جادو کی قسمیں سنئے جنہیں ابو عبد اللہ رازیؒ نے بیان کیا ہے (۱) ایک جادو تو ستارہ پرست فرقہ کا ہے۔ وہ سات ستاروں کی نسبت عقیدہ رکھتے ہیں کہ بھلائی برائی انہی کے باعث ہوتی ہے اس لئے ان کی طرف خطاب کر کے مقرر الفاظ پڑھا کرتے ہیں

(۳) تیسری قسم کا جادو جنات کے ذریعہ زمین والوں کی روحوں سے امداد و اعانت طلب کرنے کا ہے۔ معجزہ اور فلاسفہ اس کے قائل نہیں۔ ان روحوں سے بعض مخصوص الفاظ اور اعمال سے تعلق پیدا کرتے ہیں۔ اسے سحر بالعزائم اور عمل تسخیر بھی کہتے ہیں۔

(۴) چوتھی قسم خیالات کا بدل دینا، آنکھوں پر اندھیرا ڈال دینا اور شعبد بازی کرنا ہے جس سے حقیقت کے خلاف دکھائی دینے لگتا ہے۔ تم نے دیکھا ہو گا کہ شعبد باز پہلے ایک کام شروع کرتا ہے جب لوگ دلچسپی کے ساتھ اس طرف نظریں جمادیتے ہیں اور ان کی باتوں کی طرف متوجہ ہو کر ہمتن اس میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ وہ پھرتی سے ایک دوسرا کام کر ڈالتا ہے جو لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ رہتا ہے اور اسے دیکھ کر وہ حیران رہ جاتے ہیں۔ بعض مفسرین کا قول ہے کہ فرعون کے جادو گروں کا جادو بھی اسی قسم کا تھا۔ اسی لئے قرآن میں ہے سَحَرُوا أَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوهُمْ اَلْخُ لُوكُوْلُ كِي اَنكُهَوں پر جادو كر ديا اور ان كے دلوں ميں ڈر بٹھا ديا اور جگہ ہے يُخَيِّلُ إِلَيْهِ مُوسَىٰ عَلَيْهِ السَّلَام كے خيال ميں وه سب لكڑياں اور رسياں سانپ بن كر دوڑتي هونئي نظر آئے ليكن حالانكه درحقيقت ايساه تھا۔ واللہ اعلم۔

(۵) پانچويں قسم بعض چيزوں كي تركيب دے كر كوئی عجيب كام اس سے ليتا مثلاً كهوڑے كي شكل بنا دي۔ اس پر ايڪ سوار بنا كر بٹھا ديا۔ اس كے ہاتھ ميں ناقوس ہے جہاں ايڪ ساعت گذري اور اس ناقوس ميں سے آواز نكلي حالانكه كوئی اسے نہيں چھيرتا۔ اسي طرح انساني

صورت اس کا رنگیری سے بنائی کہ گویا اصلی انسان ہنس رہا ہے یا رو رہا ہے۔ فرعون کے جادو گردوں کا جادو بھی اسی قسم میں سے تھا کہ وہ بنائے ہوئے سانپ وغیرہ زلیق کے باعث زندہ حرکت کرنے والے دکھائی دیتے تھے۔ گھڑی اور گھنٹے اور چھوٹی چھوٹی چیزیں جن سے بڑی بڑی وزنی چیزیں کھینچ آتی ہیں سب اسی قسم میں داخل ہیں۔ حقیقت میں اسے جادو ہی نہ کہنا چاہئے کیونکہ یہ تو ایک ترکیب اور کارنگیری ہے جس کے اسباب بالکل ظاہر ہیں۔ جو انہیں جانتا ہو وہ ان اسباب و فنون سے یہ کام لے سکتا ہے۔ اسی طرح کا وہ حیلہ بھی ہے کہ جو بیت المقدس کے نصرانی کرتے تھے کہ پر سر ا طریقہ سے گرجے کی قدیلیں جلادیں اور اسے گرجے کی کرامت مشہور کر دی یا اور لوگوں کو اپنے دین کی طرف جھکا لیا۔ بعض کرامیہ صوفیوں کا بھی خیال ہے کہ اگر ترغیب و ترہیب کی حدیثیں گھڑی جائیں اور لوگوں کو عبادت کی طرف مائل کیا جائے تو کوئی حرج نہیں لیکن یہ بڑی غلطی ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جو شخص مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولے وہ اپنی جگہ جہنم میں مقرر کر لے اور فرمایا میری حدیثیں بیان کرتے رہو لیکن مجھ پر جھوٹ نہ باندھو مجھ پر جھوٹ بولنے والا قطعاً جہنمی ہے۔

ایک نصرانی پادری نے ایک مرتبہ دیکھا کہ ایک پرند کا چھوٹا سا بچہ جسے اڑنے اور چلنے پھرنے کی طاقت نہیں ایک گھونسلے میں بیٹھا ہے جب وہ اپنی ضعیف اور پست آواز نکالتا ہے تو اور پرندے اسے سن کر رحم کھا کر زیتون کا پھل اس گھونسلے میں لالا کر رکھ جاتے ہیں اس نے اسی صورت کا ایک پرندہ کسی چیز کا بنایا اور نیچے سے اسے کھوکھلا رکھا اور ایک سوراخ اس کی چونچ کی طرف رکھا جس سے ہوا اس کے اندر گھسکتی تھی۔ پھر جب نکلتی تھی تو اسی طرح کی آواز اس سے پیدا ہوتی تھی۔ اسے لا کر اپنے گرجے میں ہوا کے رخ رکھ دیا۔ چھت میں ایک چھوٹا سا سوراخ کر دیا تاکہ ہوا اس سے جائے۔ اب جب ہوا چلتی اور اس کی آواز نکلتی تو اس قسم کے پرندے جمع ہو جاتے اور زیتون کے پھل لالا کر رکھ جاتے۔ اس نے لوگوں میں شہرت دینی شروع کی کہ اس گرجے میں یہ کرامت ہے۔ یہاں ایک بزرگ کا مزار ہے اور یہ کرامت انہی کی ہے۔ لوگوں نے بھی جب اپنی آنکھوں پر یہ ان ہونی عجیب بات دیکھی تو معتقد ہو گئے اور اس قبر پر نذر نیاز چڑھانے لگے اب کرامت دور دور تک مشہور ہو گئی حالانکہ کوئی کرامت نہ تھی نہ معجزہ تھا۔ صرف ایک پوشیدہ فن تھا جسے اس ملعون شخص نے پیٹ بھرنے کے لئے پوشیدہ طور پر رکھا تھا اور ایک لختی فرقہ اس پر ربجھا ہوا تھا۔

(۶) چھٹی قسم جادو کی بعض دواؤں میں عجیب عجیب خاصیتیں ہیں۔ مقناطیس ہی کو دیکھو کہ لوہا کس طرح اس کی طرف کھینچ جاتا ہے۔ اکثر صوفی اور فقیر اور درویش انہی حیلہ ساز یوں کو کرامت کر کے لوگوں کو دکھاتے ہیں اور انہیں مرید بناتے پھرتے ہیں۔

(۷) ساتویں قسم دل پر ایک خاص قسم کا اثر ڈال کر اس سے جو چاہنا منوالینا ہے مثلاً اس سے کہہ دیا کہ مجھے اسم اعظم یاد ہے یا جنات میرے قبضہ میں ہیں۔ اب اگر سامنے والا کمزور دل کچے کانوں اور بودے عقیدے والا ہے تو وہ اسے سچ سمجھ لے گا اور اس کی طرف سے ایک قسم کا خوف و رعبیت اور رعب اس کے دل پر بیٹھ جائے گا جو اس کو ضعیف بنا دے گا۔ اب اس وقت جو چاہے کرے گا اور اس کا کمزور دل اسے عجیب عجیب باتیں دکھاتا جائے گا اسی کو تمہلہ (عام زبان میں اسے معمول) کہتے ہیں اور یہ اکثر کم عقل لوگوں پر ہو جایا کرتا ہے اور علم فراست سے کامل عقل والا اور کم عقل والا انسان معلوم ہو سکتا ہے اور اس حرکت کا کرنے والا اپنا یہ فعل اپنی قوت قیاذہ کے ذریعے سے کم عقل شخص کو معلوم کر کے ہی کرتا ہے۔

(۸) آٹھویں قسم چغلی کرنا، جھوٹ سچ ملا کر کسی کے دل میں اپنا گھر کر لینا اور خفیہ چالوں سے اسے اپنا گرویدہ کر لینا، یہ چغل خوری اگر لوگوں کو بھڑکانے بدکانے اور ان کے درمیان عداوت و دشمنی ڈالنے کے لئے ہو تو شرعاً حرام ہے۔ جب اصلاح کے طور پر اور آپس

میں ایک دوسرے مسلمان کو ملانے کے لئے کوئی ایسی بات ظاہر کہہ دی جائے جس سے ایک فریق دوسرے فریق سے خوش ہو جائے یا کوئی آنے والی مصیبت مسلمانوں پر سے ٹل جائے یا کفار کی قوت زائل ہو جائے۔ ان میں بددلی پھیل جائے اور مخالفت و پھوٹ پڑے تو یہ جائز ہے جیسے حدیث میں ہے کہ وہ شخص جھوٹا نہیں جو بھلائی کے لئے ادھر کی ادھر لے جاتا ہے اور جیسے حدیث میں ہے کہ لڑائی مکر کا نام ہے اور جیسے حضرت نعیم بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جنگ احزاب کے موقعہ پر کفار عرب اور کفار یہود کے درمیان کچھ ادھر ادھر کی اوپری باتیں کہہ کر جدائی ڈلوادی تھی اور انہیں مسلمانوں کے مقابلہ میں شکست ہوئی۔ یہ کام بڑے عالی دماغ، زیرک اور معاملہ فہم شخص کا ہے۔

یہ یاد رہے کہ امام رازیؒ نے جادو کی جو یہ آٹھ قسمیں بیان کی ہیں۔ یہ صرف باعتبار لفظ کے ہیں کیونکہ عربی زبان میں سحر یعنی جادو ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو بہت لطیف اور باریک ہو اور ظاہر بین انسان کی نگاہوں سے اس کے اسباب پوشیدہ رہ جائیں۔ اسی واسطے ایک حدیث میں ہے کہ بعض بیان بھی جادو ہوتا ہے اور اسی لئے صبح کے اول وقت کو سحر کہتے ہیں کہ وہ غمی ہوتا ہے اور اس رگ کو بھی سحر کہتے ہیں جو غذا کی جگہ ہے۔ ابو جہل نے بدر والے دن یہی کہا تھا کہ اس کی سحر یعنی رگ طعام مارے خوف کے پھول گئی۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں میرے سحر و نحر کے درمیان رسول اللہ ﷺ فوت ہوئے تو نحر سے مراد سینہ اور سحر سے مراد رگ غذا۔ قرآن میں بھی ہے سَحَرُوا وَاعْيَنَ النَّاسَ یعنی لوگوں کی نگاہوں سے اپنا کام غمی کر کے انجام دیا۔ عبد اللہ قرطبیؒ کہتے ہیں ہم کہتے ہیں کہ جادو ہے اور مانتے ہیں کہ جب اللہ کو منظور ہوتا ہے وہ جادو کے وقت جو چاہتا ہے کر دیتا ہے گو معتزلہ اور ابواسحاق، اسفراینی، شافعی اس کے قائل نہیں اور جادو کبھی ہاتھ کی چالاکی سے بھی ہوتا ہے اور کبھی ڈوروں دھاگوں سے بھی، کبھی اللہ کا نام پڑھ کر دم کرنے سے اس میں بھی ایک خاص اثر ہوتا ہے۔

جادو اور سحر: ☆☆ کبھی شیاطین کا نام لے کر شیطان کی کاموں سے بھی لوگ کرتے ہیں۔ کبھی دواؤں وغیرہ کے ذریعہ سے بھی جادو کیا جاتا ہے۔ حضورؐ کے اس فرمان کے مطابق کہ بعض بیان جادو ہیں، دو مطلب ہو سکتے ہیں ایک تو یہ کہ بطور تعریف کے آپؐ نے فرمایا ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ بطور مذمت کے یہ ارشاد ہوا ہو کہ وہ اپنی غلط بات اس طرح بیان کرتا ہے کہ سچ معلوم ہوتی ہے۔ جیسے ایک اور حدیث میں ہے کہ کبھی میرے پاس تم مقدمہ لے کر آتے ہو تو ایک اپنی چرب زبانی سے اپنے غلط دعویٰ کو صحیح ثابت کر دیتا ہے۔ وزیر ابوالمظفر یحییٰ بن محمد بن ہیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب ”الاشراف علی مذہب الاشراف“ میں سحر کے باب میں کہا ہے کہ جماع ہے کہ جادو ایک حقیقت ہے لیکن ابو حنیفہ اس کے قائل نہیں۔ جادو کے سیکھنے والے اور اسے استعمال میں لانے والے کو امام ابو حنیفہؒ امام مالکؒ اور امام احمدؒ امام حنبلؒ کو کافر بتلاتے ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ کے بعض شاگردوں کا قول ہے کہ اگر جادو کو بچاؤ کے لئے دیکھو تو کافر نہیں ہوتا ہاں جو اس کا اعتقاد رکھے اور نفع دینے والا سمجھے وہ کافر ہے اور اسی طرح جو یہ خیال کرتا ہے کہ شیاطین یہ کام کرتے ہیں اور اتنی قدرت رکھتے ہیں وہ بھی کافر ہے۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں جادو گر سے دریافت کیا جائے اگر وہ باطل والوں کا ساقیہ رکھتا ہو اور سات سیارہ ستاروں کو تاثیر پیدا کرنے والا جانتا ہو تو کافر ہے اگر یہ نہ ہو تو بھی اگر جادو کا جائز جانتا ہو تو بھی کافر ہے۔ امام مالکؒ اور امام احمدؒ کا قول یہ بھی ہے کہ جادو گر نے جب جادو کیا اور جادو کو استعمال میں لایا، وہیں اسے قتل کر دیا جائے۔ امام شافعیؒ اور امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں جب تک بار بار نہ کرے یا کسی شخص معین کے بارے میں خود اقرار نہ کرے تب تک قتل نہ کیا جائے۔ تینوں امام فرماتے ہیں کہ اس کا قتل بوجہ حد کے ہے مگر امام شافعیؒ کا بیان ہے کہ بوجہ قصاص کے ہے۔

امام مالکؒ امام ابو حنیفہؒ اور ایک مشہور قول میں امام احمدؒ کافر مان ہے کہ جادو گر سے توبہ بھی نہ کرائی جائے۔ اس کی توبہ سے اس پر سے حد نہیں ہٹے گی اور امام شافعیؒ کا قول ہے کہ اس کی توبہ مقبول ہوگی۔ امام احمدؒ کا ہی صحیح قول ہے۔ ایک روایت میں یہ ہے کہ اہل کتاب کا جادو گر

بھی امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک قتل کر دیا جائے گا لیکن تینوں اور اماموں کا مذہب اس کے برخلاف ہے۔ لبید بن اعصم یہودی نے حضورؐ پر جادو کیا تھا اور آپؐ نے اس کے قتل کرنے کو نہیں فرمایا۔ اگر کوئی مسلمان عورت جادو گرئی ہو تو اس کے بارے میں امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ وہ قید کر دی جائے اور تینوں کہتے ہیں اسے بھی مرد کی طرح قتل کر دیا جائے۔ واللہ اعلم۔

حضرت زہریؒ کا قول ہے کہ مسلمان جادو گر قتل کر دیا جائے اور مشرک قتل نہ کیا جائے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں اگر ذمی کے جادو سے کوئی مر جائے تو ذمی کو بھی مار ڈالنا چاہئے۔ یہ بھی آپؐ سے مروی ہے کہ پہلے تو اسے کہا جائے کہ توبہ کر۔ اگر وہ کر لے اور اسلام قبول کرے تو خیر و نہ قتل کر دیا جائے اور یہ بھی آپؐ سے مروی ہے کہ اگر چہ اسلام قبول کر لے تاہم قتل کر دیا جائے۔ اس جادو گر کو جس کے جادو میں شریکۃ الفاظ ہوں اسے چاروں امام کا فر کہتے ہیں کیونکہ قرآن میں ہے فَلَا تَكْفُرُ امام مالکؒ فرماتے ہیں جب اس پر غلبہ پالیا جائے پھر وہ توبہ کرے تو توبہ قبول نہیں ہوگی جس طرح زندیق کی توبہ قبول نہیں ہوگی۔ ہاں اس سے پہلے اگر توبہ کر لے تو قبول ہوگی۔ اگر اس کے جادو سے کوئی مر گیا پھر تو بہر صورت مارا جائے گا۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں اگر وہ کہے کہ میں نے اس پر جادو مار ڈالنے کے لئے نہیں کیا تو قتل کی خطا کی دیت (جرمانہ) لے لیا جائے۔ جادو گر سے اس کے جادو کو اتروانے کی حضرت سعید بن مسیبؒ نے اجازت دی ہے جیسے صحیح بخاری شریف میں ہے عامر شععی رحمۃ اللہ علیہ بھی اس میں کوئی حرج نہیں بتلاتے لیکن خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اسے مکروہ بتاتے ہیں۔ حضرت عائشہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ آپؐ کیوں جادو کھلو اتے نہیں؟ تو آپؐ نے فرمایا مجھے تو اللہ تعالیٰ نے شفا دے دی اور میں لوگوں پر برائی افشاء کرنے سے ڈرتا ہوں۔

حضرت وہبؒ فرماتے ہیں بیری کے سات پتے لے کر سل بٹے پر کوٹ لئے جائیں اور پانی ملا لیا جائے۔ پھر آیت الکرسی پڑھ کر اس پر دم کر دیا جائے اور جس پر جادو کیا گیا ہے اسے تین گھونٹ پلا دیا جائے اور باقی پانی سے غسل کر دیا جائے ان شاء اللہ جادو کا اثر جاتا رہے گا۔ یہ عمل خصوصیت سے اس شخص کے لئے بہت ہی اچھا ہے جو اپنی بیوی سے روک دیا گیا ہو جادو کو دور کرنے اور اس کے اثر کو زائل کرنے کے لئے سب سے اعلیٰ چیز قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلٰکِی اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ کی سورتیں ہیں۔ حدیث میں ہے کہ ان جیسا کوئی تعویذ نہیں۔ اسی طرح آیت الکرسی بھی شیطان کو دفع کرنے میں اعلیٰ درجہ کی چیز ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوا
وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ مَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ
أَهْلِ الْكِتَابِ وَلَا الْمُشْرِكِينَ أَنْ يُنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ خَيْرٍ
مِّنْ رَبِّكُمْ وَاللَّهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ
الْعَظِيمِ ۝

اے ایمان والو! تم راہنما نہ کہو بلکہ انظرنا کہو یعنی ہماری طرف دیکھتے اور سنتے رہا کرو۔ کافروں کے لئے دردناک عذاب ہیں ○ نہ تو اہل کتاب کے کافر چاہتے ہیں نہ مشرکین چاہتے ہیں کہ تم پر تمہارے رب کی طرف سے کوئی بھلائی نازل ہو (ان کے حسد کیا ہوا) اللہ جسے چاہے اپنی رحمت خصوصیت سے عطا فرمائے۔ اللہ بڑے فضل والا ہے ○

مسلمانو! کافروں کی صورت لباس اور زبان میں مشابہت سے بچو! ☆☆ (آیت: ۱۰۴-۱۰۵) اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو کافروں کی بول چال اور ان کے کاموں کی مشابہت سے روک رہا ہے۔ یہودی بعض الفاظ زبان دبا کر بولتے تھے اور مطلب برا لیتے تھے۔ جب انہیں یہ کہنا ہوتا کہ ہماری سننے تو کہتے تھے راعنا اور مراد اس سے رعوت اور سرکشی لیتے تھے جیسے اور جگہ بیان ہے مِنَ الَّذِينَ هَآؤُا یعنی یہودیوں میں ایسے لوگ بھی ہیں جو باتوں کو اصلیت سے ہٹا دیتے ہیں اور کہتے ہیں ہم سننے ہیں لیکن مانتے نہیں۔ اپنی زبانوں کو موڑ کر اس دین میں طعنہ زنی کے لئے راعنا کہتے ہیں۔ اگر یہ کہتے کہ ہم نے سنا اور مانا ہماری بات سننے اور ہماری طرف توجہ کیجئے تو یہ ان کے لئے بہتر اور مناسب ہوتا لیکن ان کے کفر کی وجہ سے اللہ نے انہیں اپنی رحمت سے دور پھینک دیا ہے۔ اس میں ایمان بہت ہی کم ہے۔ احادیث میں یہ بھی آیا ہے کہ جب یہ لوگ سلام کرتے ہیں تو اَلَسَّامُ عَلَیْکُمْ کہتے ہیں اور سَام کے معنی موت کے ہیں تو تم ان کے جواب میں وَعَلَیْکُمْ کہا کرو۔ ہماری دعا ان کے حق میں قبول ہوگی اور ان کی بددعا ہمارے حق میں مقبول نہیں ہوگی الغرض قول و فعل میں ان سے مشابہت کرنا منع ہے۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے میں قیامت کے قریب تلوار کے ساتھ بھیجا گیا ہوں۔ میری روزی حق تعالیٰ نے میرے نیزے تلے لکھی ہے ذلت اور پستی اس کے لئے ہے جو میرے احکام کے خلاف چلا کرے اور جو شخص کسی (غیر مسلم) قوم سے مشابہت کرے وہ انہی میں سے ہے۔ ابو داؤد میں بھی یہ پچھلا حصہ مروی ہے۔ اس آیت اور حدیث سے ثابت ہوا کہ کفار کے اقوال و افعال لباس عید اور عبادت میں ان کی مشابہت کرنا جو ہمارے لئے مشروع اور مقرر نہیں سخت منع ہے اور اس پر شریعت میں عذاب کی دھمکی اور سخت ڈراوا اور حرمت کی اطلاع دی گئی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب تم قرآن کریم میں یَاٰیہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سنو تو کان لگا دو اور دل سے متوجہ ہو جایا کرو کیونکہ یا تو کسی بھلائی کا حکم ہو گا یا کسی برائی سے ممانعت ہوگی حضرت خبیلہؓ فرماتے ہیں تو اربعہ میں بنی اسرائیل کو خطاب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے یَاٰیہَا الْمَسٰکِیْنُ فرمایا ہے لیکن امت محمدیہؐ کو یَاٰیہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے معزز خطاب سے یاد فرمایا ہے۔ رَاعِنَا کے معنی ہماری طرف کان لگانے کے ہیں بروزن عَاطِنَا۔ حضرت مجاہدؓ فرماتے ہیں اس کے معنی خلاف کے بھی ہیں یعنی خلاف نہ کہا کر۔ اس سے یہ بھی مروی ہے کہ مطلب یہ کہ آپ ہماری سننے اور ہم آپ کی سنیں۔ انصاری نے بھی یہی لفظ حضورؐ کے سامنے کہنا شروع کر دیا تھا جس سے قرآن پاک نے انہیں روک دیا۔

حسنؓ فرماتے ہیں راعن کہتے ہیں (راعن مذاق کی بات کو کہتے ہیں) یعنی تم حضورؐ کی باتوں اور اسلام سے مذاق نہ کیا کرو۔ ابو صخرؓ کہتے ہیں جب حضورؐ جانے لگتے تو جنہیں کوئی بات کہنی ہوتی وہ کہتے اپنا کان ادھر کیجئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس بے ادبی کے کلمہ سے روک دیا اور اپنے نبیؐ کی عزت کرنے کی تعلیم فرمائی۔ سدّیؒ کہتے ہیں رفاعہ بن زید یہودی حضرت محمد ﷺ سے باتیں کرتے ہوئے یہ لفظ کہا کرتا تھا۔ مسلمانوں نے بھی یہ خیال کر کے کہ یہ لفظ ادب کے ہیں یہی لفظ بولنے شروع کر دیئے جس پر انہیں روک دیا گیا جیسے سورہ نساء میں ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اس کلمہ کو اللہ نے برا جانا اور اس کے استعمال سے مسلمانوں کو روک دیا جیسے حدیث میں آیا ہے کہ انکو روکو کرم اور غلام کو عبد نہ کہو وغیرہ۔ اب اللہ تعالیٰ ان بد باطن لوگوں کے حسد و بغض کو بیان فرماتا ہے کہ اے مسلمانو تمہیں جو اس کامل نبیؐ کے ذریعہ کامل شریعت ملی ہے اس سے یہ تو جل بھن رہے ہیں۔ ان سے کہہ دو کہ یہ تو اللہ کا فضل ہے جسے چاہے عنایت فرمائے۔ وہ بڑے ہی فضل و کرم والا ہے۔

مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِنْهَا أَوْ مِثْلَهَا أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ۝

جس آیت کو ہم منسوخ کر دیں یا بھلا دیں اس سے بہتر یا اس جیسی اور لاتے ہیں کیا تو نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے؟ ○ کیا تجھے علم نہیں کہ زمین اور آسمان کا ملک اللہ ہی کے لئے ہے؟ اور اللہ کے سوا تمہارا کوئی ولی اور مددگار نہیں ○

تبدیلی یا منسوخ - اللہ تعالیٰ مختار کل ہے: ☆ ☆ (آیت ۱۰۶-۱۰۷) حضرت عبد اللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں: نسخ کے معنی بدل کے ہیں۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں: مٹانے کے معنی ہیں جو (کبھی) لکھنے میں باقی رہتا ہے اور حکم بدل جاتا ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ کے شاگرد اور ابو العالیہؓ اور محمد بن کعبؓ قرظی سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ ضحاکؒ فرماتے ہیں۔ بھلا دینے کے معنی ہیں۔ عطاؒ فرماتے ہیں: چھوڑ دینے کے معنی ہیں۔ سدی کہتے ہیں: اٹھا لینے کے معنی ہیں جیسے آیت الشَّيْخِ وَالشَّيْخَةُ إِذَا زَيْنَا فَأَرْجُمُوهُمَا الْبَتَّةَ یعنی زانی مرد و عورت کو سنگسار کر دیا کرو اور جیسے آیت لَوْ كَانَ لِابْنِ آدَمَ وَادِيَانِ مِنْ ذَهَبٍ لَا يَبْتَغِي لَهُمَا نَائِلًا یعنی ابن آدم کو اگر دو جنگل سونے کے کل جائیں جب بھی وہ تیسرے کی جستجو میں رہے گا۔ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں کہ احکام میں تبدیلی ہم کر دیا کرتے ہیں، حلال کو حرام، حرام کو حلال، جائز کو ناجائز، ناجائز کو جائز وغیرہ۔ امر و نہی روک اور رخصت، جائز اور ممنوع کاموں میں نسخ ہوتا ہے۔ ہاں جو خبریں دی گئی ہیں واقعات بیان کئے گئے ہیں ان میں رد و بدل و نسخ و منسوخ نہیں ہوتا۔

نسخ کے لفظی معنی نقل کرنے کے بھی ہیں جیسے کتاب کے ایک نسخے سے دوسرا نقل کر لیتا۔ اسی طرح یہاں بھی چونکہ ایک حکم کے بدلے دوسرا حکم ہوتا ہے اس لئے نسخ کہتے ہیں خواہ وہ حکم کا بدل جانا ہو خواہ الفاظ کا۔ علماء اصول کی عبارتیں اس مسئلہ میں گونا گونہ ہیں مگر معنی کے لحاظ سے سب قریب قریب ایک ہی ہیں۔ نسخ کے معنی کسی حکم شرعی کا پچھلی دلیل کی رو سے ہٹ جانا ہے کبھی ہلکی چیز کے بدلے بھاری اور کبھی بھاری کے بدلے ہلکی اور کبھی کوئی بدل ہی نہیں ہوتا ہے۔ نسخ کے احکام اس کی قسمیں اس کی شرطیں وغیرہ ہیں۔ اس کے لئے اس فن کی کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہئے۔ تفصیلات کی بسط کی جگہ نہیں۔ طبرانی میں ایک روایت ہے کہ دو شخصوں نے نبی ﷺ سے ایک سورت یاد کی تھی۔ اسے وہ پڑھتے رہے۔ ایک مرتبہ رات کی نماز میں ہر چند اسے پڑھنا چاہا لیکن یاد نے ساتھ نہ دیا گھبرا کر خدمت نبویؐ میں حاضر ہوئے اور حضورؐ سے اس کا ذکر کیا۔ آپؐ نے فرمایا۔ یہ منسوخ ہو گئی اور بھلا دی گئی۔ دلوں میں سے نکال لی گئی۔ تم غم نہ کرو۔ بے فکر ہو جاؤ۔

حضرت زہریؒ نو نون خضیفہ پیش کے ساتھ پڑھتے تھے۔ اس کے ایک راوی سلیمان بن راقم ضعیف ہیں۔ ابو بکر انباریؒ نے بھی دوسری سند سے اسے مرفوع روایت کیا ہے جیسے قرطبیؒ کا کہنا ہے۔ نُنْسِهَا کو نُنْسَاہَا بھی پڑھا گیا ہے۔ نُنْسَاہَا کے معنی موخر کرنے، پیچھے ہٹا دینے کے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں یعنی ہم اسے چھوڑ دیتے ہیں، منسوخ کرتے ہیں۔ ابن مسعودؓ کے شاگرد کہتے ہیں یعنی ہم اس کے الفاظ کو باقی رکھتے ہیں لیکن حکم کو بدل دیتے ہیں۔ عبد بن عسیرؒ مجاہدؒ اور عطاؒ سے مروی ہے ہم اسے موخر کرتے ہیں اور ملتوی کرتے ہیں۔ عطیہ عوفیؒ کہتے ہیں۔ یعنی منسوخ نہیں کرتے۔ سدیؒ اور ربیعؒ بھی یہی کہتے ہیں۔ ضحاکؒ فرماتے ہیں: نسخ کو منسوخ کے پیچھے

رکتے ہیں۔ ابوالعالیہؒ کہتے ہیں اپنے پاس اسے روک لیتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے خطبہ میں نُنْسَہَا پڑھا اور اس کے معنی موخر ہونے کے بیان کئے۔ نُنْسَہَا جب پڑھیں تو یہ مطلب ہوگا کہ ہم اسے بھلا دیں۔ اللہ تعالیٰ جس حکم کو اٹھالینا چاہتا تھا وہ نبی ﷺ کو بھلا دیتا تھا۔ اس طرح وہ آیت اٹھ جاتی تھی۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ ننسہا پڑھتے تھے تو ان سے قسم بن ربیعہؓ نے کہا کہ سعید بن مسیبؓ تو ننسہا پڑھتے ہیں تو آپ نے فرمایا سعید پر یا سعید کے خاندان پر تو قرآن نہیں اترتا؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے سَنُقَرِّكَ فَلَا تَنْتَسِيْهِمْ تَجِبْ پڑھائیں گے جسے تو نہ بھولے گا اور فرماتا ہے وَاذْكُرْ رَبَّكَ اِذَا نَسِيتَ جب بھول جائے تو اپنے رب کو یاد کر۔

حضرت عمرؓ کا فرمان ہے کہ علی سب سے اچھا فیصلہ کرنے والے ہیں اور ابی سب سے زیادہ اچھے قاری قرآن کے ہیں اور ہم ابی کا قول چھوڑ دیتے ہیں اس لئے کہ ابی کہتے ہیں میں نے تو جو رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے اسے نہیں چھوڑ دوں گا اور فرماتے ہیں مَا نَنْسَخْ اِلَّا لَيْسَ ہم جو منسوخ کریں یا بھلا دیں اس سے بہتر لاتے ہیں یا اس جیسا (بخاری و مسند احمد) اس سے بہتر ہوتا ہے یعنی بندوں کی سہولت اور ان کے آرام کے لحاظ سے یا اس جیسا ہوتا ہے لیکن مصلحت الہی اس سابقہ چیز میں ہوتی ہے۔

مخلوق میں تغیر و تبدل کرنے والا پیدائش اور حکم کا اختیار رکھنے والا ایک اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ جس طرح جسے چاہتا ہے بناتا ہے جسے چاہے نیک بناتی دیتا ہے۔ جسے چاہے بد بناتی دیتا ہے۔ جسے چاہے تندرستی دے جسے چاہے بیماری دے۔ جسے چاہے توفیق دے۔ جسے چاہے بے نصیب کر دے۔ بندوں میں جو حکم چاہے جاری کرے جسے چاہے حلال جسے چاہے حرام فرما دے۔ جسے چاہے رخصت دے۔ جسے چاہے روک دے۔ وہ حاکم مطلق ہے جیسے چاہے احکام جاری فرمائے۔ کوئی اس کے حکموں کو رد نہیں کر سکتا جو چاہے کرے۔ کوئی اس سے باز پرس نہیں کر سکتا۔ وہ بندوں کو آزما رہا ہے اور دیکھتا ہے کہ وہ نبیوں اور رسولوں کے کیسے تابعدار ہیں۔ کسی چیز کا کسی مصلحت کی وجہ سے حکم دیا پھر مصلحت کی وجہ سے ہی اس حکم کو مٹا دیا اب آزمائش ہوتی ہے نیک لوگ اس وقت بھی اطاعت کے لئے کمر بستہ تھے اور اب بھی ہیں لیکن بد باطن لوگ باتیں بناتے ہیں اور ناک بھوں چڑھاتے ہیں حالانکہ تمام مخلوق کو اپنے خالق کی تمام باتیں ماننی چاہئیں اور ہر حال میں رسول کی پیروی کرنی چاہئے اور جو وہ کہے اسے دل سے سچا ماننا چاہئے۔ جو حکم دے بجالانا چاہئے۔ جس سے روکے رک جانا چاہئے۔

اس مقام پر بھی یہودیوں کا زبردست رد ہے اور ان کے کفر کا بیان ہے کہ وہ نسخ کے قائل نہ تھے۔ بعض تو کہتے تھے اس میں محال عقلی لازم آتا ہے اور بعض محال نقلی بھی مانتے تھے۔ اس آیت میں گو خطاب فخر عالم ﷺ کو ہے مگر دراصل یہ کلام یہودیوں کو سنانا ہے جو انجیل کو اور قرآن کو اس وجہ سے نہیں مانتے تھے کہ ان میں بعض احکام تورات کے منسوخ ہو گئے تھے اور اسی وجہ سے وہ ان نبیوں کی نبوت کے بھی منکر ہو گئے تھے اور صرف عناد و تکبر کی بنا تھی ورنہ عقلاً نسخ محال نہیں۔ اس لئے کہ جس طرح وہ اپنے کاموں میں باختیار ہے اسی طرح اپنے حکموں میں بھی باختیار ہے۔ جو چاہے اور جب چاہے پیدا کرے۔ جسے چاہے اور جس طرح چاہے اور جس وقت چاہے رکھے۔ اسی طرح جو چاہے اور جس وقت چاہے حکم دے۔ اس کاموں کے حاکم کا حاکم کون؟ اسی طرح نقلاً بھی یہ ثابت شدہ امر ہے۔ اگلی کتابوں اور پہلی شریعتوں میں موجود ہے۔

حضرت آدمؑ کی بنیادیں بیٹے آپس میں بھائی بہن ہوتے تھے لیکن نکاح جائز تھا۔ پھر اسے حرام کر دیا۔ نوح علیہ السلام جب کشتی سے اترتے ہیں تب تمام حیوانات کا کھانا حلال تھا لیکن پھر بعض کی حلت منسوخ ہو گئی۔ دو بہنوں کا نکاح اسرائیل اور ان کی اولاد پر حلال تھا لیکن پھر تورات میں اس کے بعد حرام ہو گیا۔ ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے کی قربانی کا حکم دیا پھر قربان کرنے سے پہلے ہی منسوخ کر دیا۔ بنو اسرائیل کو حکم دیا جاتا ہے کہ مچھڑا پونے میں جو شامل تھے سب اپنی جانوں کو قتل کر ڈالیں لیکن پھر بہت سے باقی تھے کہ یہ حکم منسوخ ہو جاتا ہے۔ اسی

طرح کے اور بہت سے واقعات موجود ہیں اور خود یہودیوں کو ان کا اقرار ہے لیکن پھر بھی قرآن اور نبی آخر الزمان ﷺ کو یہ کہہ کر نہیں مانتے کہ اس سے اللہ کے کلام میں نسخ لازم آتا ہے اور وہ محال ہے۔

بعض لوگ جو اس کے جواب میں لفظی بحثوں میں پڑ جاتے ہیں وہ یاد رکھیں کہ اس سے دلالت نہیں بدلتی اور مقصود وہی ہے۔ آنحضرت ﷺ کی بشارت یہ لوگ اپنی کتابوں میں پاتے تھے۔ آپ کی تابعداری کا حکم بھی دیکھتے تھے یہ بھی معلوم تھا کہ آپ کی شریعت کے مطابق جو عمل نہ ہو وہ مقبول نہیں ہوگا۔ یہ اور بات ہے کہ کوئی کہے کہ اگلی شریعتیں صرف آپ کے آنے تک ہی تھیں۔ اس لئے یہ شریعت ان کی ناسخ نہیں یا کہے کہ ناسخ ہے۔ بہر صورت رسول مقبول ﷺ کی تابعداری کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ اس لئے کہ آپ آخری کتاب کو اللہ کے پاس سے ابھی ابھی لے کر آئے ہیں۔ پس اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نسخ کے جواز کو بیان فرما کر اس ملعون گروہ یہود کا رد کیا۔

سورہ آل عمران میں بھی جس کے شروع میں بنی اسرائیل کو خطاب کیا گیا ہے نسخ کے واقع ہونے کا ذکر موجود ہے۔ فرماتا ہے کُلُّ الطَّعَامِ اِلٰہِ یعنی بھی کھانے بنی اسرائیل پر حلال تھے مگر جس چیز کو حضرت اسرائیل نے اپنے اوپر حرام کر لیا تھا۔ اس کی مزید تفسیر وہیں آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ مسلمان کل کے کل متفق ہیں کہ احکام باری تعالیٰ میں نسخ کا ہونا جائز ہے بلکہ واقع بھی ہے اور پروردگار کی حکمت بالغہ کا دستور بھی یہی ہے ابو مسلم اصہبانی مفسر نے لکھا ہے کہ قرآن میں نسخ واقع نہیں ہوتا لیکن اس کا یہ قول ضعیف اور مردود اور محض غلط اور جھوٹ ہے۔ جہاں نسخ قرآن میں موجود ہے اس کے جواب میں گو بعض نے بہت محنت سے اس کی تردید کی ہے لیکن محض بے سود دیکھئے پہلے اس عورت کی عدت جس کا خاندان مر جائے ایک سال تھی لیکن پھر چار مہینے دس دن ہوئی اور دونوں آیتیں قرآن پاک میں موجود ہیں۔ قبلہ پہلے بیت المقدس تھا پھر کعبہ اللہ ہوا اور دوسری آیت صاف اور پہلا حکم بھی ضامنہ کو رہے پہلے کے مسلمانوں کو حکم تھا کہ ایک ایک مسلمان دس دس کافروں سے لڑے اور ان کے مقابلے سے نہ ہٹے لیکن پھر یہ حکم منسوخ کر کے دودو کے مقابلہ میں صبر کرنے کا حکم ہوا اور دونوں آیتیں کلام اللہ میں موجود ہیں۔ پہلے حکم تھا کہ نبی ﷺ سے سرکشی کرنے سے پہلے کچھ صدقہ دے دیا کر دیکھیں پھر یہ حکم منسوخ ہوا اور دونوں آیتیں قرآن کریم میں موجود ہیں۔ وغیرہ وغیرہ واللہ اعلم۔

أَمْ تَرِيدُونَ أَنْ تَسْأَلُوا رَسُولَكُمْ كَمَا سَأَلَ مُوسَىٰ مِنْ قَبْلُ
وَمَنْ يَتَّبِعِ الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ۝

کیا تم اپنے رسول سے وہی پوچھنا چاہتے ہو جو اس سے پہلے موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا گیا تھا (سنو) ایمان کو کفر سے بدلنے والا سیدھی راہ سے ہٹک جاتا ہے ○

کثرت سوال حجت بازی کے مترادف ہے! ☆☆ (آیت: ۱۰۸) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو روکتے ہوئے فرماتا ہے کہ کسی واقعہ کے ہونے سے پہلے میرے نبی سے فضول سوال نہ کیا کرو۔ یہ کثرت سوال کی عادت بہت بری ہے۔ جیسے اور جگہ ارشاد ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا عَنۢ شَيْءٍ إِيْمَانِ وَالْوَالِدَانِ مِنۢ بَيْنِ يَدَيْهِمَا سُلٰلٰتٌ ۚ ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنۢ كُنتُمۡ تَعْلَمُونَ قرآن کے نازل ہونے کے زمانہ میں ایسے سوالوں کا سلسلہ جاری رکھو گے تو یہ باتیں ظاہر کر دی جائیں گی۔ کسی بات کے واقع ہونے سے پہلے اس کی نسبت سوال کرنے میں خوف ہے کہ کہیں اس سوال کی وجہ سے وہ حرام نہ ہو جائیں۔ صحیح حدیث میں ہے کہ مسلمانوں میں سب سے بڑا مجرم وہ ہے جو اس چیز کے بارے میں سوال کرے جو حرام نہ تھی۔ پھر اس کے سوال سے حرام ہو گئی۔ ایک مرتبہ حضورؐ سے سوال ہوا کہ ایک

فخص اپنی بیوی کے ساتھ غیر مرد کو پائے تو کیا کرے؟ اگر لوگوں کو خبر کرے تو یہ بھی بڑی بے شرمی کی بات ہے اور اگر چپ ہو جائے تو بڑی بے غیرتی کی بات ہے، حضورؐ کو یہ سوال بہت برا معلوم ہوا۔ آخر اسی شخص کو ایسا واقعہ پیش آیا اور لعان کا حکم نازل ہوا۔

صحیحین کی ایک حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ فضول بکواس مال کو ضائع کرنے اور زیادہ پوچھ گچھ سے منع فرمایا کرتے تھے۔ صحیح مسلم میں ہے، میں جب تک کچھ نہ کہوں، تم بھی نہ پوچھو۔ تم سے پہلے لوگوں کو اسی بد خصلت نے ہلاک کر دیا کہ وہ بکثرت سوال کرتے تھے اور اپنے نبیوں کے سامنے اختلاف کرتے تھے۔ جب میں تمہیں کوئی حکم دوں تو اپنی طاقت کے مطابق بجلاؤ اور اگر منع کروں تو رک جایا کرو۔ یہ آپؐ نے اس وقت فرمایا تھا جب لوگوں کو خبر دی کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے تم پر حج فرض کیا ہے تو کسی نے کہا حضورؐ ہر سال؟ آپؐ خاموش ہو گئے۔ اس نے پھر پوچھا۔ آپؐ نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس نے تیسری دفعہ پھر یہی سوال کیا۔ آپؐ نے فرمایا۔ ہر سال نہیں لیکن اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال فرض ہو جاتا اور پھر تم کبھی بھی اس حکم کو بجا نہ لا سکتے پھر آپؐ نے مندرجہ بالا فرمان ارشاد فرمایا حضرت انسؓ فرماتے ہیں۔ جب ہمیں آپؐ سے سوال کرنے سے روک دیا گیا تو حضورؐ سے پوچھنے میں ہیبت کھاتے تھے، چاہتے تھے کہ کوئی بادیہ نشین نادان فقہ شخص آجائے وہ پوچھے تو ہم بھی سن لیں۔ حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں، میں کوئی سوال حضورؐ سے کرنا چاہتا تھا تو سال سال بھر گزر جاتا تھا کہ مارے ہیبت کے پوچھنے کی جرات نہیں ہوتی تھی، ہم تو خواہش رکھتے تھے کہ کوئی اعرابی آئے اور حضورؐ سے سوال کر بیٹھے۔ پھر ہم بھی سن لیں۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں، اصحاب محمد ﷺ سے بہتر کوئی جماعت نہیں۔ انہوں نے حضورؐ سے صرف اس بارہ ہمسلمے پوچھے جو سب سوال مع جواب کے قرآن پاک میں مذکور ہیں جیسے شراب وغیرہ کا سوال، حرمت والے مہینوں کی بابت کا سوال، یتیموں کی بابت کا سوال وغیرہ وغیرہ۔ یہاں پر ”ام“ یا ”توبل“ کے معنی میں ہے یا اپنے اصلی معنی میں ہے یعنی سوال کے بارے میں جو یہاں پر انکاری ہے۔ یہ حکم مومن کا فرض ہے کیونکہ حضورؐ کی رسالت سب کی طرف تھی۔ قرآن میں اور جگہ ہے یَسْأَلُكَ أَهْلُ الْكِتَابِ اٰلَ الْكِتَابِ اٰلَ الْكِتَابِ تجھ سے سوال کرتے ہیں کہ تو ان پر کوئی آسانی کتاب اتارے۔ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس سے بھی بڑا سوال کیا تھا کہ اللہ کو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتے ہیں۔ جس ظلم کی وجہ سے انہیں ایک تند و تیز آواز سے ہلاک کر دیا گیا۔ رافع بن حریملہ اور وہب بن زید نے کہا تھا کہ یا رسول اللہ کوئی آسانی کتاب ہم پر نازل کیجئے جسے ہم پڑھیں اور ہمارے شہروں میں دریا جاری کر دیں تو ہم آپؐ کو مان لیں۔ اس پر یہ آیت اتری۔

ابوالعالیہؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے حضورؐ سے کہا یا رسول اللہؐ، کاش کہ ہمارے گناہوں کا کفارہ بھی اسی طرح ہو جاتا جس طرح بنی اسرائیل کے گناہوں کا کفارہ تھا، آپؐ نے یہ سنتے ہی تین دفعہ جناب باری تعالیٰ میں عرض کی کہ نہیں الہی نہیں۔ ہم یہ نہیں چاہتے۔ پھر فرمایا۔ سنو۔ بنو اسرائیل میں سے جہاں کوئی گناہ کرتا، اس کے دروازے پر قہر لٹا لکھا ہوا پایا جاتا اور ساتھ ہی اس کا کفارہ بھی لکھا ہوا ہوتا تھا۔ اب یا تو دنیا کی رسوائی کو منظور کر کے کفارہ ادا کر دے اور اپنے پوشیدہ گناہوں کو ظاہر کرے یا کفارہ نہ دے اور آخرت کی رسوائی منظور کرے لیکن تم سے اللہ تعالیٰ نے فرمادیا وَمَنْ يَعْمَلْ سُوءًا أَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهُ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللَّهَ يَجِدِ اللَّهَ غَفُورًا رَحِيمًا یعنی جس سے کوئی برا کام ہو جائے یا وہ اپنی جان پر ظلم کر بیٹھے، پھر استغفار کرے تو وہ اللہ کو بہت بڑا بخشش اور مہربانی کرنے والا پائے گا۔ اسی طرح ایک نماز دوسری نماز تک گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہے۔ پھر جمعہ دوسرے جمعہ تک کفارہ ہو جاتا ہے۔ سنو جو شخص برائی کا ارادہ کرے لیکن برائی نہ کرے تو برائی لکھی نہیں جاتی اور اگر کر گزرے تو ایک ہی برائی لکھی جاتی ہے اور اگر بھلائی کا ارادہ کرے پھر گونہ کرے لیکن بھلائی لکھ لی جاتی ہے اور اگر کر بھی لے تو دس بھلائیاں لکھی جاتی ہیں۔ اب بتاؤ تم اچھے رہے یا بنی اسرائیل؟ تم بنی اسرائیل سے بہت ہی اچھے ہو۔ ہاں باوجود اتنے کرم اور رحم کے پھر بھی کوئی ہلاک ہو تو سمجھو کہ یہ خود ہلاک ہونے والا ہی تھا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

قومی عصبیت باعث شقاوت ہے: ☆ ☆ (آیت: ۱۰۹-۱۱۰) ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جی بن اخطب اور ابو یاسر بن اخطب یہ دونوں یہودی سب سے زیادہ مسلمانوں کے حاسد تھے۔ لوگوں کو اسلام سے روکتے تھے اور عرب سے جلتے تھے۔ ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ کعب بن اشرف کا بھی یہی شغل تھا۔ زہریؒ کہتے ہیں اس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ یہ بھی یہودی تھا اور اپنے شعروں میں حضرت مسیحؑ کو کیا کرتا تھا۔ گوان کی کتاب میں حضورؐ کی تصدیق موجود تھی اور یہ بخوبی حضورؐ کی صفیتیں جانتے تھے اور آپؐ کو اچھی طرح پہچانتے تھے، پھر یہ بھی دیکھ رہے تھے کہ قرآن ان کی کتاب کی تصدیق کر رہا ہے۔ ایک امی اور ان پڑھ وہ کتاب پڑھتا ہے جو سرا سر معجزہ ہے لیکن صرف حسد کی بنا پر کہ عرب میں آپؐ کیوں مبعوث ہوئے، کفر و انکار پر آمادہ ہو گئے بلکہ اور لوگوں کو بھی بہکانا شروع کر دیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو حکم دیا کہ تم درگزر کرتے رہو اور اللہ کے حکم کا اور اس کے فیصلے کا انتظار کرو۔ جیسے اور جگہ فرمایا، تمہیں مشرکوں اور اہل کتاب سے بہت کڑوی باتیں سننی پڑیں گی مگر بعد میں حکم نازل فرما دیا کہ ان مشرکین سے اب دب کر نہ رہو۔ ان سے لڑائی کرنے کی تمہیں اجازت ہے۔ حضرت اسامہ بن زیدؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ اور آپؐ کے اصحاب مشرکین اور اہل کتاب سے درگزر کرتے تھے اور ان کی ایذا اور تکلیف سہتے تھے اور اس آیت پر عمل پیرا تھے یہاں تک کہ دوسری آیتیں اتریں اور یہ حکم ہٹ گیا۔ اب ان سے بدلہ لینے اور اپنا بچاؤ کرنے کا حکم ملا اور پہلی ہی لڑائی جب بدر کے میدان میں ہوئی، اس میں کفار کو شکست فاش ہوئی اور ان کے بڑے بڑے سرداروں کی لاشیں میدان میں بچھ گئیں۔ پھر مومنوں کو رغبت دلائی جاتی ہے کہ تم نماز اور زکوٰۃ وغیرہ کی حفاظت کرو۔ یہ تمہیں آخرت کے عذابوں سے بچانے کے علاوہ دنیا میں بھی غلبہ اور نصرت دے گی۔ پھر فرمایا کہ اللہ تمہارے اعمال سے غافل نہیں ہر نیک و بد عمل کا بدلہ دونوں جہاں میں دے گا۔ اس سے کوئی

چھوٹا بڑا چھپا کھلا اچھا برا عمل پوشیدہ نہیں۔ یہ اس لئے فرمایا کہ لوگ اطاعت کی طرف توجہ کریں اور نافرمانی سے بچیں۔ مُبْصِر کے بدلے بَصِير کہا جیسے مُبْدِع کے بدلے بَدِيع اور مُؤَلِّم کے بدلے اَلْيَم۔ ابن ابی حاتم میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس آیت میں سَمِيعٌ بَصِيرٌ پڑھتے تھے اور فرماتے تھے اللہ تعالیٰ ہر چیز کو دیکھتا ہے۔

وَقَالُوا لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُودًا اَوْ نَصْرٰی تِلْكَ اَمَانِيْهُمْ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۱۱۳ بَلٰی مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗ اَجْرُهُ عِنْدَ رَبِّهٖ ۝۱۱۴ وَلَا خَوْفٌ عَلٰیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝۱۱۵ وَقَالَتِ الْیَهُودُ لَیْسَتِ النَّصْرٰی عَلٰی شَیْءٍ ۝۱۱۶ وَقَالَتِ النَّصْرٰی لَیْسَتِ الْیَهُودُ عَلٰی شَیْءٍ ۝۱۱۷ وَهُمْ یَتْلُوْنَ الْكِتٰبُ کَذٰلِكَ قَالَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۝۱۱۸ قَالَهُ یَحْكُمُ بَیْنَهُمْ یَوْمَ الْقِیَمَةِ فِیْمَا کَانُوْا فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ ۝۱۱۹

یہ کہتے ہیں کہ جنت میں یہود و نصاریٰ کے سوا اور کوئی نہ جائے گا یہ صرف ان کی انگلیں ہیں۔ ان سے کہو کہ اگر تم سچے ہو تو کوئی دلیل تو پیش کرو ○ سنو جو بھی اپنے تئیں خلوص کے ساتھ اللہ کے سامنے جھکا دے بیشک اسے اس کا رب پورا بدلہ دے گا۔ اس پر نہ تو کوئی خوف ہوگا نہ غم اور نہ اداسی ○ یہود کہتے ہیں کہ نصرانی حق پر نہیں اور نصرانی کہتے ہیں کہ یہود نہیں۔ حالانکہ یہ پڑھے لکھے لوگ ہیں۔ اسی طرح ان ہی جیسی بات بے علم بھی کہتے ہیں۔ قیامت کے دن اللہ ان کے اس اختلاف کا فیصلہ ان میں کر دے گا ○

شیطان صفت مغرور یہودی: ☆ ☆ (آیت: ۱۱۳-۱۱۱) یہاں پر یہودیوں اور نصرانیوں کے غرور کا بیان ہو رہا ہے کہ وہ اپنے سوا کسی کو کچھ بھی نہیں سمجھتے اور صاف کہتے ہیں کہ ہمارے سوا جنت میں کوئی نہیں جائے گا۔ سورہ مائدہ میں ان کا ایک قول یہ بھی بیان ہوا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی اولاد اور اس کے محبوب ہیں جس کے جواب میں قرآن نے کہا کہ پھر تم پر قیامت کے دن عذاب کیوں ہوگا؟ اسی طرح کے مفہوم کا بیان پہلے بھی گذرا ہے کہ ان کا دعویٰ یہ بھی تھا کہ ہم چند دن جہنم میں رہیں گے جس کے جواب میں ارشاد باری ہوا کہ یہ دعویٰ بھی محض بے دلیل ہے۔ اسی طرح یہاں ان کے ایک دعویٰ کی تردید کی اور کہا کہ لاؤ دلیل پیش کرو۔ انہیں عاجز ثابت کر کے پھر فرمایا کہ ہاں جو کوئی بھی اللہ کا فرمانبردار ہو جائے اور خلوص و توحید کے ساتھ نیک عمل کرے اسے پورا پورا اجر و ثواب ملے گا جیسے اور جگہ فرمایا کہ یہ اگر جھگڑیں تو ان سے کہہ دو کہ میں اور میرے ماننے والوں نے اپنے چہرے اللہ کے سامنے متوجہ کر دیئے۔ غرض یہ ہے کہ اخلاص اور مطابقت سنت ہر عمل کی قبولیت کے لئے شرط ہے تو اَسْلَمَ وَجْهَهُ سے مراد خلوص اور وَهُوَ مُحْسِنٌ سے مراد اتباع سنت ہے۔ نرا خلوص بھی عمل کو مقبول نہیں کرا سکتا جب تک سنت کی تابعداری نہ ہو۔ حدیث شریف میں ہے جو شخص ایسا عمل کرے جس پر ہمارا حکم نہ ہو وہ مردود ہے (مسلم)۔

پس رہبانیت کا عمل کو خلوص پر مبنی ہو لیکن تاہم اتباع سنت نہ ہونے کی وجہ سے وہ مردود ہے۔ ایسے ہی اعمال کی نسبت قرآن حکیم کا ارشاد ہے وَقَدْ مَنَّ اِلٰی مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا یعنی انہوں نے جو اعمال کئے تھے ہم نے سب رو کر دیئے

یہ بھی یاد رہے کہ کوئی عمل کو بظاہر سنت کے مطابق ہو لیکن عمل میں اخلاص نہ ہو۔ مقصود اللہ کی خوشنودی نہ ہو تو وہ عمل بھی مردود ہے۔
 ریاکار اور منافق لوگوں کے اعمال کا بھی یہی حال ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ منافق اللہ کو دھوکہ دیتے ہیں اور وہ انہیں دھوکہ دیتا ہے اور نماز کو کھڑے ہوتے ہیں تو سستی سے کھڑے ہوتے ہیں۔ صرف لوگوں کو دکھانے کے لئے عمل کرتے ہیں اور اللہ کا ذکر بہت ہی کم کرتے ہیں اور فرمایا قَوْلٌ لِلْمُصَلِّينَ اِنْ نَمَازِیْوْنَ كَے لئے ویل ہے جو اپنی نماز سے غافل ہیں جو ریا کاری کرتے ہیں اور چھوٹی چھوٹی چیزیں بھی روکتے پھرتے ہیں۔ اور جگہ ارشاد ہے فَسَنُكَانُ اِلَیْكَ وَجُوهًا اِلَیْكَ جو شخص اپنے رب کی ملاقات کا آرزو مند ہو اسے نیک عمل کرنا چاہئے۔ اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرنا چاہئے پھر فرمایا انہیں ان کا رب اجر دے گا اور ڈر خوف سے بچائے گا۔ آخرت میں انہیں ڈر نہیں اور دنیا کے چھوڑنے کا ملال نہیں۔ پھر یہود و نصاریٰ کی آپس کی بغض و عداوت کا ذکر فرمایا: بَخْرَانِ كَے نصرائیوں کا وفد جب نبی کریم ﷺ کے پاس آیا تو ان کے پاس یہودیوں کے علماء بھی آئے۔ اس وقت ان لوگوں نے انہیں اور انہوں نے ان کو گمراہ بتایا حالانکہ دونوں اہل کتاب ہیں تو رات میں انجیل کی تصدیق اور انجیل میں تورات کی تصدیق موجود ہے۔ پھر ان کا یہ قول کس قدر لغو ہے۔ اگلے یہود و نصاریٰ دین حق پر قائم تھے لیکن پھر بدعتوں اور فتنہ پرداز یوں کی وجہ سے دین ان سے چھین گیا۔ اب نہ یہود ہدایت پر تھے نہ نصرائی۔ پھر فرمایا کہ نہ جاننے والوں نے بھی اسی طرح کہا، اس میں بھی اشارہ انہی کی طرف ہے اور بعض نے کہا، مراد اس سے یہود و نصاریٰ سے پہلے کے لوگ ہیں بعض کہتے ہیں عرب لوگ مراد ہیں۔ امام ابن جریر اس سے عام لوگ مراد لیتے ہیں گویا سب شامل ہیں اور یہی ٹھیک بھی ہے۔ واللہ اعلم۔ پھر فرمایا کہ اختلاف کا فیصلہ قیامت کو خود اللہ کرے گا۔ جس دن کوئی ظلم و زور نہیں ہوگا اور یہی مضمون دوسری جگہ بھی آیا ہے۔ سورہ حج میں ارشاد ہے اِنَّ اللّٰهَ یَفْصِلُ بَیْنَهُمْ (پوری آیت) یعنی مومنوں اور یہودیوں اور صابیوں اور نصرائیوں اور مجوسیوں اور مشرکوں میں قیامت کے دن اللہ فیصلہ فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر گواہ اور موجود ہے اور جگہ ارشاد ہے قُلْ یَجْمَعُ بَیْنَنَا رَبُّنَا کہہ دے کہ ہمارا رب ہمیں جمع کرے گا۔ پھر حق کے ساتھ فیصلہ کرے گا۔ وہ باخبر فیصلہ کرنے والا ہے۔

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسْجِدَ اللَّهِ أَنْ يُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ وَسَعَىٰ
فِي خَرَابِهَا ۚ أُولَٰئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ أَنْ يَدْخُلُوهَا إِلَّا خَائِفِينَ ۚ
لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١١٥﴾

اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ کی مسجدوں میں اللہ کے ذکر کئے جانے کو روکے اور ان کی بربادی کی کوشش کرے۔ ایسے لوگوں کو خوف کھاتے ہوئے ہی ان میں جانا چاہئے۔ ان کے لئے دنیا میں بھی رسوائی ہے اور آخرت میں بھی بڑے بڑے عذاب ہیں ○

نصاری اور یہودی مکافات عمل کا شکار: ☆☆ (آیت: ۱۱۴) اس آیت کی تفسیر میں دو قول ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس سے مراد نصاریٰ

ہیں۔ دوسرا یہ کہ اس سے مراد مشرکین ہیں۔ نصرانی بھی بیت المقدس کی مسجد میں پلیدی ڈال دیتے تھے اور لوگوں کو اس میں نماز ادا کرنے سے روکتے تھے۔ بخت نصر نے جب بیت المقدس کی بربادی کے لئے چڑھائی کی تھی تو ان نصرانیوں نے اس کا ساتھ دیا تھا اور مدد کی تھی؛ بخت نصر بابل کا رہنے والا جو سی تھا اور یہودیوں کی دشمنی پر نصرانیوں نے بھی اس کا ساتھ دیا تھا اور اس لئے بھی کہ بنی اسرائیل نے حضرت یحییٰ بن زکریا علیہ السلام کو قتل کر ڈالا تھا اور مشرکین نے بھی رسول اللہ ﷺ کو حدیبیہ والے سال کعبہ اللہ سے روکا تھا۔ یہاں تک کہ ذی طوی میں آپ کو قربانیاں دینا پڑیں اور مشرکین سے صلح کرنے کے بعد آپ وہیں سے واپس آ گئے حالانکہ یہ امن کی جگہ تھی۔ باپ اور بھائی کے قاتل کو بھی یہاں کوئی نہیں چھیڑتا تھا اور ان کی کوشش یہی تھی کہ ذکر اللہ اور حج و عمرہ کرنے والی مسلم جماعت کو روک دیں۔ حضرت ابن عباسؓ کا بھی قول ہے۔ ابن جریرؒ نے پہلے قول کو پسند فرمایا ہے اور کہا ہے کہ مشرکین کعبہ اللہ کو برباد کرنے کی سعی نہیں کرتے تھے۔ یہ سعی نصاریٰ کی تھی کہ وہ بیت المقدس کی ویرانی کے درپے ہو گئے تھے۔ لیکن حقیقت میں دوسرا قول زیادہ صحیح ہے۔ ابن زیدؒ اور حضرت عباسؓ کا قول بھی یہی ہے اور اس بات کو بھی نہ بھولنا چاہئے کہ جب نصرانیوں نے یہودیوں کو بیت المقدس سے روکا تھا اس وقت یہودی بھی محض بے دین ہو چکے تھے۔ ان پر تو حضرت داؤدؑ اور حضرت عیسیٰ بن مریمؑ کی زبانی لعنتیں نازل ہو چکی تھیں۔ وہ نافرمان اور حد سے تجاوز ہو چکے تھے اور نصرانی حضرت مسیحؑ کے دین پر تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت سے مراد مشرکین مکہ ہیں اور یہ بھی ایک وجہ ہے کہ اوپر یہودی نصاریٰ کی مذمت بیان ہوئی تھی اور یہاں مشرکین عرب کی اس بدخصلت کا بیان ہو رہا ہے کہ انہوں نے حضورؐ کو اور آپ کے صحابیوںؓ کو مسجد الحرام سے روکا، مکہ سے نکالا۔ پھر حج وغیرہ سے بھی روک دیا۔

امام ابن جریرؒ کا یہ فرمان کہ مکہ والے بیت اللہ کی ویرانی میں کوشاں نہ تھے اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہؓ کو وہاں سے روکنے اور نکال دینے اور بیت اللہ میں بت بٹھا دینے سے بڑھ کر اس کی ویرانی کیا ہو سکتی ہے؟ خود قرآن میں موجود ہے وَهُمْ يَصْذُؤْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اور جگہ فرمایا مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِينَ أَنْ يَعْمُرُوا اللَّهَ عَالَمِیْنَ اَلْیَوْمَ اَلَّذِیْنَ كَفَرُوا وَ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَلَّذِیْنَ كَفَرُوا اور لوگوں نے بھی کفر کیا اور تمہیں مسجد حرام سے بھی روکا اور قربانیوں کو ان کے ذبح ہونے کی جگہ تک نہ پہنچنے دیا، اگر ہمیں ان مومن مردوں عورتوں کا خیال نہ ہوتا جو اپنی ضعیفی اور کم قوتی کے باعث مکہ سے نہیں نکل سکے جنہیں تم جانتے بھی نہیں ہو تو ہم تمہیں ان سے لڑ کر ان کے غارت کر دینے کا حکم دیتے لیکن یہ بے گناہ مسلمان نہ پیس دے جائیں۔ اس لئے ہم نے سردست یہ حکم نہیں دیا لیکن یہ کفار اپنی شرارتوں سے باز نہ آئے تو وہ وقت دور نہیں جب ان پر ہمارے دردناک عذاب برس پڑیں۔ پس جب وہ مسلمان ہستیاں جن سے مسجدوں کی آبادی حقیقی معنی میں ہے وہ ہی روک دیئے گئے تو مسجدوں کے اجاڑنے میں کوئی کمی رہ گئی؟ مسجدوں کی آبادی صرف ظاہری زیب و زینت رنگ و روغن سے نہیں ہوتی بلکہ اس میں ذکر اللہ ہونا، اس میں شریعت کا قائم رہنا اور شرک اور ظاہری میل کچیل سے پاک رکھنا یہ ان کی حقیقی آبادی ہے۔ پھر فرمایا کہ انہیں لائق نہیں کہ بے خونی اور بے باکی کے ساتھ بیت اللہ میں نہ آنے دو، ہم تمہیں غالب کر دیں گے اس وقت یہی کرنا چنانچہ جب مکہ فتح ہو گیا اگلے سال ۹ ہجری اعلان کر دیا کہ اس سال کے بعد حج میں کوئی مشرک نہ آنے پائے اور بیت اللہ شریف کا طواف کوئی ننگا ہو کر نہ کرے۔ جن لوگوں کے درمیان صلح کی کوئی مدت مقرر ہوئی ہے وہ قائم ہے۔ یہ حکم دراصل تصدیق اور عمل ہے اس آیت پر یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ

فَلَا يَغْرِبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَذَا یعنی مشرک لوگ نجس ہیں اس سال کے بعد انہیں مسجد حرام میں نہ آنے دو اور یہ معنی بھی بیان کئے گئے ہیں کہ چاہئے تو یہ تھا کہ یہ مشرک کا نپتے ہوئے اور خوف زدہ مسجد میں آئیں لیکن برخلاف اس کے اٹنے یہ مسلمانوں کو روک رہے ہیں یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ ایمانداروں کو بشارت دیتا ہے کہ عنقریب میں تمہیں غلبہ دوں گا اور یہ مشرک اس مسجد کی طرف رخ کرنے سے بھی کچپکانے لگیں گے چنانچہ یہی ہوا اور حضور علیہ السلام نے وصیت کی کہ جزیرہ عرب میں دو دین باقی نہ رہنے پائیں اور یہود و نصاریٰ کو وہاں سے نکال دیا جائے۔

اللہ اللہ کہ اس امت کے بزرگوں نے اس وصیت رسول پر عمل بھی کر دکھایا۔ اس سے مسجدوں کی فضیلت اور بزرگی بھی ثابت ہوئی بالخصوص اس جگہ کی اور مسجد کی جہاں سب سے بڑے اور کل جن و انس کے رسول محمد ﷺ بھیجے گئے تھے۔ ان کفار پر دنیا کی رسوائی بھی آئی جس طرح انہوں نے مسلمانوں کو روکا، جلا وطن کیا، ٹھیک اس کا پورا بدلہ انہیں ملا۔ یہ بھی روکے گئے، جلا وطن کئے گئے اور ابھی اخروی عذاب باقی ہیں کیونکہ انہوں نے بیت اللہ شریف کی حرمت توڑی۔ وہاں بت بٹھائے، غیر اللہ سے دعائیں اور مناجاتیں شروع کر دیں۔ ننگے ہو کر بیت اللہ کا طواف کیا وغیرہ اور اگر اس سے مراد نصرانی لئے جائیں تو بھی ظاہر ہے کہ انہوں نے بھی بیت المقدس کی بے حرمتی کی تھی بالخصوص اس صغره (پتھر) کی جس کی طرف یہود نماز پڑھتے تھے اسی طرح جب یہودیوں نے بھی نصرانیوں سے بہت زیادہ تنگ کی تو ان پر ذلت بھی اس وجہ سے زیادہ نازل ہوئی۔ دنیا کی رسوائی سے مراد امام مہدی کے زمانہ کی رسوائی بھی ہے اور جزیرہ کی ادائیگی بھی ہے۔ حدیث شریف میں ایک دعا وارد ہوئی ہے اَللّٰهُمَّ اَحْسِنْ عَاقِبَتَنَا فِيْ الْاُمُوْر كُلِّهَا وَاَجِرْنَا مِنْ خِيَرَةِ الدُّنْيَا وَ عَذَابِ الْاٰخِرَةِ اے اللہ تو ہمارے تمام کاموں کا انجام اچھا کر اور دنیا کی رسوائی اور آخرت کے عذاب سے نجات دے۔ یہ حدیث حسن ہے۔ مسند احمد میں موجود ہے۔ صحاح ستہ میں نہیں۔ اس کے راوی بشر بن ارطاط صحابی ہیں۔ ان سے ایک تو یہ حدیث مروی ہے جس میں ہے کہ غزوے اور جنگ کے موقعہ پر ہاتھ نہ کاٹے جائیں۔

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا قُفُّوْا وَجْهَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ وَّاسِعٌ عَلِيْمٌ

اور مشرق و مغرب کا مالک اللہ ہی ہے۔ تم جہر بھی منہ کرؤ ادھر ہی اللہ کا منہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کشادگی اور سائی والا اور بڑے علم والا ہے ○

کعبہ صرف علامت وحدت و سمت ہے۔ اللہ کا جمال و جلال غیر محدود ہے: ☆ ☆ (آیت: ۱۱۵) اس آیت میں نبی ﷺ اور آپ کے ان اصحاب کو تسلی دی جا رہی ہے جو مکہ سے نکالے گئے تھے اور اپنی مسجد سے روکے گئے۔ حضور مکہ شریف میں نماز بیت المقدس کی طرف منہ کر کے پڑھتے تو کعبہ اللہ بھی سامنے ہی ہوتا تھا۔ جب مدینہ تشریف لائے تو سولہ سترہ ماہ تک تو ادھر ہی نماز پڑھتے رہے مگر پھر اللہ تعالیٰ نے کعبہ اللہ کی طرف متوجہ ہونے کا حکم دیا۔ امام ابو عبیدہ قاسم بن سلام نے اپنی کتاب ناخ منسوخ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت وارد کی ہے کہ قرآن میں سب سے پہلا منسوخ حکم یہی قبلہ کا حکم ہے لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ والی آیت نازل ہوئی حضور بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نمازیں پڑھنے لگے پھر آیت وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ اِلَیْهَا نَازِلٌ ہوئی اور آپ نے بیت اللہ کی طرف متوجہ ہو کر نماز ادا کرنی شروع کی۔

مدینہ میں جب حضور بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے لگے تو یہود بہت خوش ہوئے لیکن جب یہ حکم چند ماہ کے بعد منسوخ

ہوا اور آپ کو اپنی چاہت دعا اور انتظار کے مطابق کعبۃ اللہ کی طرف منہ کر کے نمازیں پڑھنے کا حکم دیا گیا تو ان یہودیوں نے طعنے دینے شروع کر دیئے کہ اب اس قبلہ سے کیوں ہٹ گئے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری کہ مشرق و مغرب کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ پھر یہ اعتراض کیا؟ جدھر اس کا حکم ہو پھر جانا چاہئے۔ حضرت ابن عباسؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ مشرق مغرب میں جہاں کہیں بھی ہو منہ کعبہ کی طرف کرو بعض بزرگوں کا بیان ہے کہ یہ آیت کعبہ کی طرف متوجہ ہونے کے حکم سے پہلے اتری ہے اور مطلب یہ ہے کہ مشرق مغرب جدھر چاہو منہ پھیرو۔ سب جہتیں اللہ کی ہیں اور سب طرف اللہ موجود ہے اس سے کوئی جگہ خالی نہیں جیسے فرمایا وَلَا أَذْنٰی مِنْ ذٰلِكَ وَلَا أَكْثَرُ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَیْنَ مَا كَانُوْا تَهْوٰی اَبْصَارُہُمْ جہاں ہوں اللہ ان کے ساتھ ہے۔

پھر یہ حکم منسوخ ہو کر کعبۃ اللہ کی طرف متوجہ ہونا فرض ہوا۔ اس قول میں جو یہ لفظ ہیں کہ اللہ سے کوئی جگہ خالی نہیں اگر اس سے مراد علم اللہ ہو تو صحیح ہے۔ کوئی مکان اللہ کے علم سے خالی نہیں اور اگر ذات باری مراد ہو تو ٹھیک نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی پاک ذات اس سے بہت بلند و بالا ہے کہ وہ اپنی مخلوق میں سے کسی چیز میں محصور ہو۔ ایک مطلب آیت کا یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ یہ آیت سفر اور رہ روی اور خوف کے وقت کے لئے ہے کہ ان وقتوں میں نفل نماز کو جس طرف منہ ہوا ادا کر لیا کرو۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ان کی اذنی کا منہ جس طرف ہوتا تھا نماز پڑھ لیتے تھے اور فرماتے تھے کہ حضورؐ کا طریقہ یہی تھا اور اس آیت کا مطلب بھی یہی ہے۔ آیت کا ذکر کئے بغیر یہ حدیث مسلم ترمذی نسائی ابن ابی حاتم ابن مردویہ وغیرہ میں مروی ہے اور اصل اس کی صحیح بخاری صحیح مسلم میں بھی موجود ہے۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ ابن عمرؓ سے جب نماز خوف کے بارے میں پوچھا جاتا تو نماز خوف کو بیان فرماتے اور کہتے کہ جب اس سے بھی زیادہ خوف ہو تو پیدل اور سوار کھڑے پڑھ لیا کرو منہ خواہ قبلہ کی جانب ہو خواہ نہ ہو۔ حضرت نافعؓ کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ میرے خیال سے اسے مرفوع بیان کرتے تھے۔ امام شافعیؒ کا مشہور فرمان اور امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے کہ سفر خواہ پر امن ہو خواہ خوف ڈر اور لڑائی کا ہو سواری پر نفل ادا کر لینے جائز ہیں امام مالکؒ اور آپ کی جماعت اس کے خلاف ہے۔ امام ابو یوسفؒ اور ابو سعید اصطرٰیؒ بغیر سفر کے بھی اسے جائز کہتے ہیں۔ حضرت انسؓ سے بھی یہ روایت ہے امام ابو جعفر طبریؒ بھی اسے پسند فرماتے ہیں یہاں تک کہ وہ تو پیدل چلنے والے کو بھی رخصت دیتے ہیں۔

بعض اور مفسرین کے نزدیک یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جنہیں قبلہ معلوم نہ ہو سکا اور انہوں نے انکل سے مختلف جہتوں کی طرف نماز پڑھی جس پر یہ آیت نازل ہوئی اور ان کی وہ نماز ادا شدہ بتلائی گئی۔ حضرت ربیعہؒ فرماتے ہیں ہم نبی ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔ ایک منزل پر اتارے۔ رات اندھیری تھی۔ لوگوں نے پتھر لے لے کر بطور نشان کے قبلہ رخ رکھ کر نماز پڑھنی شروع کر دی۔ صبح اٹھ کر روشنی میں دیکھا تو نماز قبلہ کی طرف ادا نہیں ہوئی تھی ہم نے حضورؐ سے ذکر کیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ حدیث ترمذی شریف میں ہے امام صاحب نے اسے حسن کہا ہے اس کے دوراوی ضعیف ہیں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ اس وقت گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا ہوا تھا اور ہم نے نماز پڑھ کر اپنے اپنے سامنے خط کھینچ دیئے تھے تاکہ صبح روشنی میں معلوم ہو جائے کہ نماز قبلہ کی طرف ادا ہوئی یا نہیں؟ صبح معلوم ہوا کہ قبلہ جاننے میں ہم نے غلطی کی لیکن حضورؐ نے ہمیں وہ نماز لوٹانے کا حکم نہیں دیا اور یہ آیت نازل ہوئی۔ اس روایت کے بھی دو دوراوی ضعیف ہیں۔ یہ روایت دارقطنی وغیرہ میں موجود ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ ان کے ساتھ حضورؐ نہ تھے۔ یہ بھی سند ضعیف ہے۔ ایسی نماز کے لوٹانے کے بارے میں علماء کے دو قول ہیں سے ٹھیک قول یہی ہے کہ دوہرائی نہ جائے اور اسی قول کی تائید کرنے والی یہ حدیثیں ہیں

جواو پر بیان ہوئیں۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ اس کے نازل ہونے کا باعث نجاشی ہے۔ جب نبی ﷺ نے ان کی موت کی خبر دی اور کہا ان کے جنازہ کی غائبانہ نماز پڑھو تو بعض نے کہا کہ وہ تو مسلمان نہ تھا۔ نصرانی تھا۔ اس پر آیت نازل ہوئی کہ **وَإِنَّ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَمَنْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ الْخَاسِ** یعنی بعض اہل کتاب اللہ تعالیٰ پر اور اس چیز پر جو اے مسلمانو تمہاری طرف نازل ہوئی اور اس چیز پر جو ان پر نازل کی گئی ایمان لاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہتے ہیں۔ صحابہؓ نے کہا حضورؐ وہ قبلہ کی طرف تو نماز نہیں پڑھتا تھا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی لیکن یہ روایت غریب ہے۔ واللہ اعلم۔ اس کے معنی میں یہ بھی کئے گئے ہیں کہ وہ بیت المقدس کی طرف اس لئے نمازیں پڑھتے رہے کہ انہیں اس کے منسوخ ہو جانے کا علم نہیں ہوا تھا۔ قرطبیؒ فرماتے ہیں ان کے جنازے کی نماز حضورؐ نے پڑھی اور یہ دلیل ہے کہ جنازے کی نماز غائبانہ ادا کرنی چاہئے۔ اور اس کے نہ ماننے والے اس حکم کو مخصوص جانتے ہیں اور اس کی تین تاویلیں کرتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ آپ نے اس کے جنازے کو دیکھ لیا۔ زمین آپ کے لئے سمیٹ لی گئی تھی۔ دوسری یہ کہ چونکہ وہاں ان کے پاس ان کے جنازہ کی نماز پڑھنے والا اور کوئی نہ تھا اس لئے آپ نے یہاں غائبانہ ادا کی۔ ابن عربیؒ اسی جواب کو پسند کرتے ہیں۔ قرطبیؒ کہتے ہیں کہ یہ ناممکن ہے کہ ایک بادشاہ مسلمان ہو اور اس کی قوم کا کوئی شخص اس کے پاس مسلمان نہ ہو، ابن عربیؒ اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ شاید ان کے نزدیک جنازے کی نماز ان کی شریعت میں نہ ہو یہ جواب بہت اچھا ہے، تیسری یہ کہ یہ نماز آپ نے اس لئے ادا کی کہ دوسرے لوگوں کی رغبت کا سبب ہو اور اس جیسے دوسرے بادشاہ بھی دین اسلام کی طرف مائل ہوں۔

(لیکن یہ تینوں تاویلیں ظاہر کے خلاف ہونے کے علاوہ صرف احتمالات کی بنا پر ہیں اور انہیں مان لینے کے بعد بھی مسئلہ وہیں رہتا ہے کیا جنازہ غائبانہ پڑھنا چاہئے کیونکہ حضورؐ نے اس جنازے کا مشاہدہ کر لیا لیکن صحابہؓ کی نماز تو غائبانہ ہی رہی۔ اگر ہم دوسرا جواب مان لیں تو بھی جنازہ تو غائبانہ نہ ہی ہوا۔ جو لوگ سرے سے نماز جنازہ غائبانہ کے قائل ہی نہیں وہ تو اس صورت میں بھی قائل نہیں ہیں اور یہ بات تو دل کو لگتی ہی نہیں کہ ان کے نزدیک نماز جنازہ مشروع نہ ہو۔ شریعت ان کی بھی اسلام تھی نہ کہ کوئی اور۔ تیسرا جواب بھی کچھ ایسا ہی ہے اور بر تقدیر تسلیم اب بھی وہ وجہ باقی ہے کہ جنازہ غائبانہ ادا کیا کریں تاکہ دوسرے لوگوں کی رغبت اسلام کا باعث ہو۔ واللہ اعلم۔ مترجم)

ابن مردویہ میں حدیث ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: اہل مدینہ، اہل شام، اہل عراق کا قبلہ مشرق و مغرب کے درمیان ہے۔ یہ روایت ترمذی میں بھی دوسرے الفاظ سے مروی ہے اور اس کے ایک راوی ابو معشر کے حافظہ پر بعض اہل علم نے کلام کیا ہے۔ امام ترمذیؒ نے اسے ایک اور سند سے بھی وارد کیا ہے اور اسے حسن صحیح کہا ہے۔ حضرت عمر بن خطابؓ، علی ابن ابوطالبؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ رضی اللہ عنہم سے بھی یہ مروی ہے۔ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں۔ جب تو مغرب کو اپنی دائیں جانب اور مشرق کو بائیں جانب کر لے تو تیرے سامنے کی جہت قبلہ ہو جائے گا۔ حضرت عمرؓ سے بھی اوپر کی طرح حدیث مروی ہے کہ مشرق و مغرب کے درمیان قبلہ ہے۔ ملاحظہ ہو دارقطنیؒ، بیہقی وغیرہ۔ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں۔ یہ مطلب بھی اس آیت کا ہو سکتا ہے کہ تم مجھ سے دعائیں مانگتے میں اپنا منہ جس طرف بھی کرو میرا منہ بھی اسی طرف پاؤں گا اور میں تمہاری دعاؤں کو قبول فرماؤں گا۔ حضرت مجاہدؒ سے مروی ہے کہ جب یہ آیت **ادْعُونِيْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ** مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا، اتری تو لوگوں نے کہا، کس طرف رخ کر کے دعا کریں۔ اس کے جواب میں آیت **فَاَيْنِمَا تَوَلَّوْاْ اِلٰى نَازِلٍ** ہوئی۔ پھر فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام وسعتوں پر غالب، مغناش والا اور علم والا ہے جس کی کفایت سخاوت اور فضل و کرم نے تمام مخلوق کا احاطہ کر رکھا ہے۔ وہ سب چیزوں کو جانتا بھی ہے۔ کوئی چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی اس کے علم سے باہر نہیں بلکہ وہ تمام چیزوں کا عالم ہے۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا سُبْحَنَهُ ۚ بَلْ لَّهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ كُلٌّ لَّهٗ قَنِيْنٌ ۝۱۱۶۝ بَدِيعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
وَإِذَا قَضٰی اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهُ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝۱۱۷۝

یہ کہتے ہیں اللہ کی اولاد ہے (نہیں بلکہ) وہ پاک ہے۔ زمین و آسمان کی تمام مخلوق اس کی ملکیت میں ہے اور ہر ایک اس کا فرمانبردار ہے وہ زمین و آسمان کا ابتدا پیدا کرنے والا ہے ○ وہ جس کام کو کرنا چاہے کہہ دیتا ہے کہ ہو جا۔ بس وہ وہیں ہو جاتا ہے ○

اللہ ہی مقتدر اعلیٰ ہے کے دلائل: ☆ (آیت: ۱۱۶-۱۱۷) یہ اور اس کے ساتھ کی آیت نصرانیوں کے رد میں ہے اور اسی طرح ان جیسے یہود و مشرکین کی تردید میں ہے جو اللہ کی اولاد بتاتے تھے۔ ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین و آسمان وغیرہ تمام چیزوں کا تو اللہ مالک ہے۔ ان کا پیدا کرنے والا انہیں روزیاں دینے والا ان کے اندازے مقرر کرنے والا انہیں قبضہ میں رکھنے والا ان میں ہر تغیر و تبدل کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ پھر بھلا اس مخلوق میں سے کوئی اس کی اولاد کیسے ہو سکتا ہے؟ نہ عزیرؑ اور نہ عیسیٰؑ اللہ کے بیٹے بن سکتے ہیں جیسے کہ یہود و نصاریٰ کا خیال تھا۔ نہ فرشتے اس کی بیٹیاں بن سکتے ہیں جیسے مشرکین عرب کا خیال تھا۔ اس لئے کہ دو برابر کی مناسبت رکھنے والے ہم جنس سے اولاد ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا نہ کوئی نظیر نہ اس کی عظمت و کبریائی میں اس کا کوئی شریک نہ اس کی جنس کا کوئی اور۔ وہ تو آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنے والا ہے۔ اس کی اولاد کیسے ہوگی؟ اس کی کوئی بیوی بھی نہیں وہ ہر چیز کا خالق اور ہر چیز کا عالم ہے۔

یہ لوگ جس کی اولاد بتاتے ہیں۔ یہ کتنی بے معنی اور بے ہودہ بات اور وہی تم کہتے ہو۔ یہ اتنی بری بات زبان سے نکالتے ہو کہ اس سے آسمانوں کا پھٹ جانا اور زمین کا شق ہو جانا اور پہاڑوں کا ریزہ ریزہ ہو جانا ممکن ہے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ صاحب اولاد ہے۔ اللہ کی اولاد تو کوئی ہو ہی نہیں سکتی اس کے سوا جو بھی ہے اس کی ہی ملکیت ہے۔ زمین و آسمان کی تمام ہستیاں اس کی غلامی میں حاضر ہونے والی ہیں جنہیں ایک ایک کر کے اس نے گھیر رکھا ہے اور شمار کر رکھا ہے۔ ان میں سے ہر ایک اس کے پاس قیامت والے دن تنہا تنہا پیش ہونے والی ہے۔ پس غلام اولاد نہیں بن سکتا۔ ملکیت اور ولدیت دو مختلف اور متضاد حیثیتیں ہیں۔ دوسری جگہ پوری سورت میں اس کی نفی فرمائی۔ ارشاد ہوا قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ ۝ اللَّهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ ۝ لَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ ۝ کہہ دو کہ اللہ ایک ہی ہے۔ اللہ بے نیاز ہے۔ اس کی نہ اولاد ہے نہ ماں باپ۔ اس کا ہم جنس کوئی نہیں۔ ان آیتوں اور ان جیسی اور آیتوں میں اس خالق کائنات نے اپنی تسبیح و تقدیس بیان کی اور اپنا بے نظیر بے مثل اور لا شریک ہونا ثابت کیا اور ان مشرکین کے اس گندے عقیدے کو باطل قرار دیا اور بتایا کہ وہ تو سب کا خالق و رب ہے۔ پھر اس کی اولاد دینے بیٹیاں کہاں سے ہوں گی؟

سورہ بقرہ کی اس آیت کی تفسیر میں صحیح بخاری شریف کی ایک قدسی حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مجھے ابن آدم جھٹلاتا ہے۔ اسے یہ لائق نہ تھا۔ مجھے وہ گالیاں دیتا ہے۔ اسے یہ نہیں چاہئے تھا۔ اس کا جھٹلانا تو یہ ہے کہ وہ خیال کر بیٹھتا ہے کہ میں اسے مار ڈالنے کے بعد پھر زندہ کرنے پر قادر نہیں ہوں اور اس کا گالیاں دینا یہ ہے کہ وہ میری اولاد بتاتا ہے حالانکہ میں پاک ہوں اور بلند و بالا ہوں اس سے کہ میری اولاد وہ بیوی ہو۔ یہی حدیث دوسری سندوں سے اور کتابوں میں بھی باختلاف الفاظ مروی ہے۔ صحیحین میں ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں بری باتیں سن کر صبر کرنے میں اللہ تعالیٰ سے زیادہ کوئی کامل نہیں لوگ اس کی اولادیں بتائیں اور وہ انہیں رزق و عافیت دیتا رہے۔ پھر

فرمایا۔ ہر چیز اس کی اطاعت گزار ہے۔ اس کی غلامی کا اقرار کئے ہوئے ہے اس کے لئے مخلص اس کی سرکار میں قیامت کے روز دست بستہ کھڑی ہونے والی اور دنیا میں بھی عبادت گزار ہے۔ جس کو کہے یوں ہو جاؤ یا اس طرح بن۔ فوراً وہ اسی طرح ہو جاتی ہے اور بن جاتی ہے۔ اس طرح ہر ایک اس کے سامنے پست و مطیع ہے۔ کفار نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے مطیع ہیں لیکن ہر موجود کے سامنے اللہ کے سامنے جھکتے رہتے ہیں قرآن نے اور جگہ فرمایا وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ الخ آسمان و زمین کی کل چیزیں خوشی ناخوشی اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتی ہیں۔ ان کے سامنے صبح شام جھکتے رہتے ہیں۔ ایک حدیث میں مروی ہے کہ جہاں کہیں قرآن میں قنوت کا لفظ ہے وہاں مراد اطاعت ہے لیکن اس کا مرفوع ہونا صحیح نہیں۔ ممکن ہے صحابیؓ کا یا اور کسی کا کلام ہو اس سند سے اور آیتوں کی تفسیر بھی مرفوعاً مروی ہے لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ یہ ضعیف ہے۔ کوئی شخص اس سے دھوکہ میں نہ پڑے۔ واللہ اعلم۔

پھر فرمایا وہ آسمان و زمین کو بغیر کسی سابقہ نمونہ کے پہلی ہی بار کی پیدائش میں پیدا کرنے والا ہے۔ لغت میں بدعت کے معنی نو پیدا کرنے، نیا بنانے کے ہیں۔ حدیث میں ہے، ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ یہ تو شرعی بدعت ہے۔ کبھی بدعت کا اطلاق صرف لغتاً ہوتا ہے۔ شرعاً مراد نہیں ہوتی۔ جیسے حضرت عمرؓ نے لوگوں کو نماز تراویح پر جمع کیا اور پھر اسے اسی طرح جاری دیکھ کر فرمایا تھا، اچھی بدعت ہے۔ بدیع کا مبتدع سے تصرف کیا گیا ہے جیسے مولم سے الیم اور مسموع سے سمیع معنی مبتدع کے انشا اور نو پیدا کرنے والے کے ہیں۔ بغیر مثال، بغیر نمونہ اور بغیر پہلی پیدائش کے پیدا کرنے والے بدعتی کو اس لئے بدعتی کہا جاتا ہے کہ وہ بھی دین اللہ میں وہ کام یا وہ طریقہ ایجاد کرتا ہے جو اس سے پہلے شریعت میں نہ ہو۔ اسی طرح کسی نئی بات کے پیدا کرنے والے کو عرب مبتدع کہتے ہیں۔ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں، مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ اولاد سے پاک ہے، وہ آسمان و زمین کی تمام چیزوں کا مالک ہے، ہر چیز اس کی وحدانیت کی دلیل ہے۔ ہر چیز اس کی اطاعت گزار کی اقراری ہے۔ سب کا پیدا کرنے والا بنانے والا، موجود کرنے والا، بغیر اصل اور مثال کے انہیں وجود میں لانے والا ایک وہی رب العظیم ہے۔ اس کی گواہی ہر چیز دیتی ہے۔ خود مسیح علیہ السلام بھی اس کے گواہ اور بیان کرنے والے ہیں۔ جس رب نے ان تمام چیزوں کو بغیر نمونے کے اور بغیر مادے اور اصل کے پیدا کیا، اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی بے باپ پیدا کر دیا۔ پھر کوئی وجہ نہیں کہ انہیں تم خواخواہ اللہ کا بیٹا مان لو۔ پھر فرمایا۔ اس اللہ کی قدرت، سلطنت، سطوت و شوکت ایسی ہے کہ جس چیز کو جس طرح کی بنانا اور پیدا کرنا چاہئے اسے کہہ دیتا ہے کہ اس طرح کی اور ایسی ہو جا۔ وہ اسی وقت ہو جاتی ہے جیسے فرمایا اِنَّمَا اَمْرُهُ اِذَا اَرَادَ شَيْئًا اَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ دوسری جگہ فرمایا اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ اِذَا اَرَدْنَاهُ اَنْ نَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ اور ارشاد ہوتا ہے وَمَا اَمْرُنَا اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ شاعر کہتا ہے۔

اِذَا مَا اَرَادَ اللّٰهُ اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ

مطلب اس کا ہے کہ ادھر کسی چیز کا اللہ نے ارادہ فرمایا۔ اس نے کہا ہو جاؤ ہیں وہ ہو گیا۔ اس کے ارادے سے مراد جدا نہیں۔ پس مندرجہ بالا آیت میں عیسائیوں کو نہایت لطیف پیرایہ میں یہ بھی سمجھا دیا گیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اسی کن کے کہنے سے پیدا ہوئے ہیں دوسری جگہ صاف صاف فرمادیا اِنْ مِثْلَ عِيسَى عِنْدَ اللّٰهِ كَمِثْلِ اٰدَمَ خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ یعنی حضرت عیسیٰ کی مثال اللہ تعالیٰ کے نزدیک حضرت آدمؑ جیسی ہے جنہیں مٹی سے پیدا کیا۔ پھر فرمایا۔ ہو جا۔ وہ ہو گئے۔

وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللَّهُ أَوْ تَنْزِيلًا إِلَيْهِمْ
كَذَلِكَ قَالَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِثْلَ قَوْلِهِمْ تَشَابَهَتْ
قُلُوبُهُمْ قَدْ بَيَّنَّا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ ۝

اسی طرح بے علم لوگوں نے بھی کہا کہ خود اللہ ہم سے باتیں کیوں نہیں کرتا۔ ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں آتی۔ اسی طرح ایسی ہی بات ان کے اگلوں نے بھی کہی تھی۔ ان کے اور ان کے دل یکساں ہو گئے۔ ہم نے تو یقین والوں کے لئے نشانیاں بیان کر دیں ○

طلب نظارہ۔ ایک حماقت: ☆☆ (آیت: ۱۱۸) رافع بن حریملہ نے حضورؐ سے کہا تھا کہ اگر آپ سچے ہیں تو اللہ تعالیٰ خود ہم سے کیوں نہیں کہتا؟ ہم بھی تو خود اس سے اس کا کلام سنیں۔ اس پر یہ آیت اتری۔ مجاہدؒ کہتے ہیں۔ یہ بات نصرانیوں نے بھی کہی تھی ابن جریرؒ فرماتے ہیں یہی ٹھیک بھی معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ آیت انہی سے متعلق بیان کے دوران میں ہے لیکن یہ قول سوچنے کے قابل ہے۔ قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ انہوں نے کہا تھا کہ آپؐ کی نبوت کی اطلاع خود جناب باری ہمیں کیوں نہیں دیتا؟ یہی بات ٹھیک ہے۔ واللہ اعلم۔ بعض اور مفسر کہتے ہیں یہ قول کفار عرب کا تھا۔ اسی طرح بے علم لوگوں نے بھی کہا تھا۔ سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔ قرآن کریم میں اور جگہ ہے وَإِذَا جَاءَهُمْ آيَةٌ قَالُوا لَنْ نُؤْمِنَ حَتَّى نُؤْتَىٰ مِثْلَ مَا أُوتِيَ رُسُلُ اللَّهِ اَلْخِ ان کے پاس جب بھی کوئی نشانی آتی ہے تو کہتے ہیں ہم تو نہیں مانیں گے جب تک ہم کو بھی وہ نہ دیا جائے جو اللہ کے رسولوں کو دیا گیا۔ اور جگہ فرمایا وَقَالُوا لَنْ نُؤْمِنَ لَكَ اَلْخ یعنی انہوں نے کہا کہ ہم آپؐ پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک کہ آپؐ ہمارے لئے ان زمینوں میں جتنے جاری نہ کر دیں۔ اور جگہ فرمایا وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا اَلْخ یعنی ہماری ملاقات کے منکر کہتے ہیں ہم پر فرشتے کیوں نہیں اتارے جاتے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے سامنے کیوں نہیں آتا۔ اور جگہ فرمایا بَلْ يُرِيدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَلْخ ان میں سے ہر شخص چاہتا ہے کہ وہ خود کوئی کتاب دیا جائے وغیرہ وغیرہ۔

آیتیں جو صاف بتلاتی ہیں کہ مشرکین عرب نے حضورؐ سے صرف تکبر و عناد کی بنا پر ایسی چیزیں طلب کیں۔ اسی طرح یہ مطالبہ بھی انہی مشرکین کا تھا۔ ان سے پہلے اہل کتاب نے بھی ایسے ہی بے معنی سوالات کئے تھے۔ ارشاد ہوتا ہے يَسْأَلُكَ اَهْلُ الْكِتَابِ اَلْخ اہل کتاب تم سے چاہتے ہیں کہ تم ان پر کوئی آسمانی کتاب اتارو اور حضرت موسیٰؑ سے انہوں نے اس سے بھی بڑا سوال کیا تھا۔ ان سے تو کہا تھا کہ ہمیں اللہ کو ہماری آنکھوں سے دکھا۔ اور جگہ فرمان ہے کہ جب تم نے کہا اے موسیٰؑ ہم تجھ پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک اپنے رب کو سامنے نہ دیکھ لیں۔ پھر فرمایا۔ ان کے اور ان کے دل یکساں اور مشابہ ہو گئے یعنی ان مشرکین کے دل سابقہ کفار جیسے ہو گئے اور جگہ فرمایا ہے کہ پہلے گزرنے والوں نے بھی اپنے انبیاء کو جادوگر اور دیوانہ کہا تھا۔ انہوں نے بھی ان کی باتوں کو دہرایا تھا۔ پھر فرمایا ہم نے یقین والوں کے لئے اپنی آیتیں اسی طرح بیان کر دی ہیں جن سے رسولؐ کی تصدیق عیاں ہے۔ کسی اور چیز کی وضاحت باقی نہیں رہی۔ یہی نشانیاں ایمان لانے کے لئے کافی ہیں ہاں جن کے دلوں پر مہر لگی ہوئی ہو انہیں کسی آیت سے کوئی فائدہ نہ ہوگا جیسے فرمایا الَّذِينَ حَقَّقَتْ عَلَيْهِمُ اَلْخ جن پر تیرے رب کی بات ثابت ہو چکی ہے وہ ایمان نہ لائیں گے۔ گو ان کے پاس تمام آیتیں آجائیں جب تک کہ وہ دردناک عذاب نہ دیکھ لیں۔

إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَلَا تُسْأَلُ عَنْ أَصْحَابِ
الْجَحِيمِ ۝

ہم نے تجھے حق کے ساتھ خوشخبری دینے اور ڈراوادینے والا بنا کر بھیجا ہے۔ جنہیوں کے بارے میں تجھ سے پرسش نہیں ہوگی ○

آپؐ نصیحت کی حد تک مسئول ہیں: ☆ ☆ (آیت: ۱۱۹) حدیث میں ہے خوشخبری جنت کی اور ڈراوا جہنم سے لَا تُسْئَلُ کی دوسری قرات مَا تُسْئَلُ بھی ہے اور ابن مسعودؓ کی قرات میں لَنْ تُسْئَلَ بھی ہے یعنی تجھ سے کفار کی بابت سوال نہیں کیا جائے گا جیسے فرمایا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلْغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ یعنی تجھ پر صرف پہنچا دینا ہے۔ حساب تو ہمارے ذمہ ہے اور فرمایا فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكِّرٌ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيِّرٍ تَوَّابٍ تو نصیحت کرتا رہ۔ تو صرف نصیحت کرنے والا ہے۔ ان پر داروغہ نہیں۔ اور جگہ فرمایا نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَقُولُونَ اَلْہِم ان کی باتیں بخوبی جانتے ہیں۔ تم ان پر جبر کرنے والے نہیں ہو۔ تم قرآن کی نصیحتیں انہیں سنا دو جو قیامت سے ڈرتے ہوں۔ اسی مضمون کی اور بھی بہت سی آیتیں ہیں۔ ایک قرات اس کی وَلَا تُسْئَلُ بھی ہے یعنی ان جنہیوں کے بارے میں اے نبیؐ مجھ سے کچھ نہ پوچھو۔ عبدالرزاق میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ کاش کہ میں اپنے ماں باپ کا حال جان لیتا، کاش کہ میں اپنے ماں باپ کا حال جان لیتا، کاش کہ میں اپنے والدین کا ذکر نہ فرمایا ابن جریرؒ نے بھی اسے بروایت موسیٰ بن عبیدہ وارد کیا ہے لیکن اس راوی پر کلام ہے۔ قرطبیؒ کہتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ جنہیوں کا حال اتنا بد اور برا ہے کہ تم کچھ نہ پوچھو، تذکرہ میں قرطبیؒ نے ایک روایت نقل کی ہے کہ حضورؐ کے والدین زندہ کئے گئے اور ایمان لے آئے اور صحیح مسلم میں جو حدیث ہے جس میں آپؐ نے کسی کے سوال پر فرمایا ہے کہ میرا باپ اور تیرا باپ آگ میں ہیں۔ ان کا جواب بھی وہاں ہے لیکن یاد رہے کہ آپؐ کے ماں باپ کے زندہ ہونے کی روایت کتب صحاح ستہ وغیرہ میں نہیں اور اس کی اسناد ضعیف ہے۔ واللہ اعلم۔

ابن جریرؒ کی ایک مرسل حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے ایک دن پوچھا کہ میرے باپ کہاں ہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ابن جریرؒ نے اس کی تردید کی ہے اور فرمایا ہے کہ یہ محال ہے کہ حضورؐ اپنے ماں باپ کے بارے میں شک کریں۔ پہلی ہی قرات ٹھیک ہے لیکن ہمیں امام ہمام پر تعجب آتا ہے کہ انہوں نے اسے محال کیسے کہہ دیا؟ ممکن ہے یہ واقعہ اس وقت کا ہو جب آپؐ اپنے ماں باپ کے لئے استفسار کرتے تھے اور انجام معلوم نہ تھا۔ پھر جب ان دونوں کی حالت معلوم ہو گئی تو آپؐ اس سے ہٹ گئے اور بیزاری ظاہر فرمائی اور صاف بتلادیا کہ وہ دونوں جہنمی ہیں جیسے کہ صحیح حدیث سے ثابت ہو چکا ہے۔ اس کی اور بھی بہت سی مثالیں ہیں۔

مسند احمد میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضرت عطاء بن یسارؒ نے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کی صفت و ثنا تو راقہ میں کیا ہے تو آپؐ نے فرمایا ہاں اللہ کی قسم جو صفتیں آپؐ کی قرآن میں ہیں وہی تو راقہ میں بھی ہیں تو راقہ میں بھی ہے اے نبیؐ ہم نے تجھے گواہ اور خوشخبریاں دینے والا اور ڈرانے والا اور ان پڑھوں کا بچاؤ بنا کر بھیجا ہے۔ تو میرا بندہ اور میرا رسول ہے۔ میں نے تیرا نام متوکل رکھا ہے۔ تو نہ بد زبان ہے نہ سخت گو نہ بد خلق نہ بازاروں میں شور غل کرنے والا ہے۔ نہ تو برائی کے بدلے برائی کرنے والا ہے بلکہ معاف اور درگزر کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں دنیا سے نہ اٹھائے گا جب تک کہ تیرے دین کو تیری وجہ سے بالکل ٹھیک اور درست نہ کر دے اور لوگ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کا اقرار نہ کر لیں اور ان کی اندھی آنکھیں کھل نہ جائیں اور ان کے بہرے کان سننے نہ لگ جائیں۔ اور ان کے زنگ آلود دل صاف نہ ہو جائیں بخاری کی کتاب البیوع میں بھی یہ حدیث ہے اور کتاب التفسیر میں بھی ابن مردویہ میں اس روایت کے بعد مزید ہے کہ میں نے پھر جا کر حضرت کعبؓ سے یہی سوال کیا تو انہوں نے بھی ٹھیک یہی جواب دیا۔

وَلَنْ تَرْضَىٰ عَنْكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَىٰ حَتَّىٰ تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ
 قُلْ إِنْ هَدَىٰ اللَّهُ هُوَ الْهَدَىٰ وَلَئِنْ أَتَبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ بَعْدَ
 الَّذِي جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ وَلٍ وَلَا
 نَصِيرٍ ۝ الَّذِينَ آتَيْنَهُمُ الْكِتَابَ يَتْلُونَهُ حَقَّ تِلَاوَتِهِ أُولَٰئِكَ
 يُؤْمِنُونَ بِهِ ۖ وَمَنْ يَكْفُرْ بِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ۝

تجھ سے یہود و نصاریٰ ہرگز راضی نہیں ہوں گے جب تک کہ تو ان کے مذہب کا تابع نہ بن جائے۔ تو کہہ دے کہ اللہ کی ہدایت ہی ہدایت ہے اور اگر تو نے باوجود اپنے پاس علم آجائے کے پھر ان کی خواہشوں کی پیروی کی تو اللہ کے ہاں نہ تو تیرا کوئی ولی ہوگا اور نہ مددگار ۝ جنہیں ہم نے کتاب دی ہے اور وہ اسے پڑھنے کے حق کے ساتھ پڑھتے ہیں وہ اس کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں اور جو اس کے ساتھ کفر کرے وہ نقصان والا ہے ۝

دین حق کا باطل سے سمجھوتہ جرم عظیم ہے: ☆ ☆ (آیت: ۱۲۰-۱۲۱) آیت بالا کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ تجھ سے ہرگز راضی نہیں ہوں گے لہذا تو بھی انہیں چھوڑ اور رب کی رضا کے پیچھے لگ جا۔ انہیں دعوت رسالت پہنچا دی۔ دین حق وہی ہے جو اللہ نے تجھے دیا ہے۔ تو اس پر جم جا۔ حدیث شریف میں ہے میری امت کی ایک جماعت حق پر جم کر دوسروں کے مقابلہ میں رہے گی اور غلبہ کے ساتھ رہے گی یہاں تک کہ قیامت آئے۔ پھر اپنے نبی کو خطاب کر کے دھمکایا کہ ہرگز ان کی رضا مندی اور ان سے صلح جوئی کے لئے اپنے دین میں سست نہ ہونا۔ ان کی طرف نہ جھکنا۔ ان کی نہ ماننا۔ فقہاء کرام نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ کفر ایک ہی مذہب ہے خواہ وہ یہود ہوں نصرانی ہوں یا کوئی اور ہوں۔ اس لئے کہ ملت کا لفظ یہاں مفرد ہی رکھا جیسے اور جگہ ہے لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ تمہارے لئے تمہارا دین ہے اور میرے لئے میرا دین ہے۔ اس استدلال پر اس مسئلہ کی بنا ڈالی ہے کہ مسلمان اور کفار آپس میں وارث نہیں ہو سکتے اور کفر آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہو سکتے ہیں گو وہ دونوں ایک ہی قسم کے کافر ہوں یا دو الگ الگ کفروں کے کافر ہوں، امام شافعیؒ اور امام ابو حنیفہؒ کا یہی مذہب ہے اور امام احمدؒ سے بھی ایک روایت میں یہی قول منقول ہے اور دوسری روایت میں امام احمدؒ کا اور امام مالکؒ کا یہ قول مروی ہے کہ دو مختلف مذہب والے آپس میں ایک دوسرے کے وارث نہ ہوں ایک صحیح حدیث میں بھی یہی مضمون ہے۔ واللہ اعلم۔

حق تلاوت سے کیا مراد ہے؟ ☆ ☆ پھر فرمایا کہ جنہیں ہم نے کتاب دی ہے وہ حق تلاوت ادا کرتے ہوئے پڑھتے ہیں، قنَادہ کہتے ہیں اس سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں اور روایت میں ہے کہ اس سے مراد اصحاب رسول اللہ ﷺ ہیں۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں حق تلاوت یہ ہے کہ جنت کے ذکر کے وقت جنت کا سوال کیا جائے اور جہنم کے ذکر کے وقت اس سے پناہ مانگی جائے۔ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں حلال و حرام کو جانتا، کلمات کو ان کی جگہ رکھنا، تغیر و تبدل نہ کرنا وغیرہ یہی تلاوت کا حق ادا کرنا ہے۔ حسن بصریؒ فرماتے ہیں کھلی آیتوں پر عمل کرنا، تشابہ آیتوں پر ایمان لانا، مشکلات کو علماء کے سامنے پیش کرنا حق تلاوت کے ساتھ پڑھنا ہے۔ ابن عباسؓ سے اس کا مطلب حق اتباع بجا لانا بھی مروی ہے۔ پس تلاوت بمعنی اتباع ہے جیسے وَالْقَمَرَ إِذَا تَلَّهَا میں ایک مرفوع حدیث میں بھی اس کے یہی معنی مروی ہیں لیکن اس کے بعض راوی مجہول ہیں گو معنی ٹھیک ہے حضرت ابو موسیٰ اشعرؒ فرماتے ہیں قرآن کی اتباع کرنے والا جنت کے باغیچوں میں اترنے والا ہے۔ حضرت عمرؓ کی تفسیر کے مطابق یہ بھی مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ جب کوئی رحمت کے ذکر کی آیت پڑھتے تو ٹھہر جاتے اور

صرف تاکید کے طور پر ذکر کی گئی اور انہیں نبی امی ﷺ کی تابعداری کی رغبت دلائی گئی جن کی صفیت وہ اپنی کتابوں میں پاتے تھے۔ جن کا نام اور کام بھی اس میں لکھا ہوا تھا بلکہ ان کی امت کا ذکر بھی اس میں موجود ہے۔ پس انہیں اس کے چھپانے اور اللہ کی دوسری نعمتوں کو پوشیدہ کرنے سے ڈرایا جا رہا ہے اور دینی اور دنیوی نعمتوں کو ذکر کرنے کو کہا جا رہا ہے اور عرب میں جو نسلی طور پر بھی ان کے چچا زاد بھائی ہیں اللہ کی جو نعمت آئی، ان میں جس خاتم النبیین کو اللہ نے مبعوث فرمایا، ان سے حسد کر کے نبی کی مخالفت اور تکذیب پر آمادہ نہ ہونے کی ہدایت کی گئی ہے۔

امام توحید: ☆ ☆ (آیت: ۱۲۳) اس آیت میں خلیل اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بزرگی کا بیان ہو رہا ہے جو توحید میں دنیا کے امام ہیں۔ جنہوں نے تکالیف پر صبر کر کے حکم اللہ کی بجا آوری میں ثابت قدمی اور جو امر دی دکھائی۔ فرماتا ہے اے نبی تم ان مشرکین اور اہل کتاب کو جو ملت ابراہیمی کے دعویدار ہیں ذرا ابراہیم علیہ السلام کی فرمانبرداری اور اطاعت گزاری کے واقعات تو سناؤ تاکہ انہیں معلوم ہو جائے کہ دین حنیف پر اسوہ ابراہیمی پر کون قائم ہے۔ وہ یا آپ اور آپ کے اصحاب؟ اور جگہ قرآن کریم کا ارشاد ہے وَإِبْرَاهِيمَ الَّذِي وَفَّى ابراہیم وہ ہیں جنہوں نے پوری وفاداری دکھائی اور جگہ فرمایا اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِلّٰهِ اِلٰه ابراہیم لوگوں کے پیشوا اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار، مخلص اور نعمت کے شکر گزار تھے جنہیں اللہ نے پسند فرما کر راہ راست پر لگا دیا تھا جنہیں ہم نے دنیا میں بھلائی دی تھی اور آخرت میں بھی صالح اور نیک انجام بنایا تھا۔ پھر ہم نے تیری طرف اے نبی وحی کی کہ تو بھی ابراہیم حنیف کی ملت کی پیروی کر جو مشرکین میں سے نہ تھے۔ اور جگہ ارشاد ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نہ تو یہودی تھے نہ نصرانی تھے نہ مشرک تھے بلکہ خالص مسلمان تھے ان سے قربت اور نزدیکی والا وہ شخص ہے جو ان کی تعلیم کا تابع ہو اور یہ نبی اور ایمان والے ان ایمان والوں کا دوست اللہ تعالیٰ خود ہے ابتلاء کے معنی امتحان اور آزمائش کے ہیں۔ کلمات سے مراد شریعت، حکم اور ممانعت وغیرہ ہے کلمات سے مراد کلمات تقدیر یہ بھی ہوتی ہے جیسے مریم علیہا السلام کی بابت ارشاد ہے صَدَقْتَ بِكَلِمَتٍ رَّبَّهَا یعنی انہوں نے اپنے رب کے کلمات کی تصدیق کی۔ کلمات سے مراد کلمات شرعیہ بھی ہوتی ہے وَتَمَتَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدًا یعنی اللہ تعالیٰ کے شرعی کلمات سے سچائی اور عدل کے ساتھ پورے ہوئے۔ یہ کلمات یا تو سچی خبریں ہیں یا طلب عدل ہے غرض ان کلمات کو پورا کرنے کی جزا میں انہیں امامت کا درجہ ملا۔ ان کلمات کی نسبت بہت سے اقوال ہیں مثلاً احکام حج، موچھوں کو کم کرنا، کلی کرنا، ناک صاف کرنا، مسواک کرنا، سر کے بال یا منڈوانا یا رکھوانا تو مانگ نکالنا، ناخن کاٹنا، زیر ناف کے بال کاٹنا، ختنہ کرنا، بغل کے بال کاٹنا، پیشاب پاخانہ کے بعد استنجاء کرنا، جمعہ کے دن غسل کرنا، طواف کرنا، صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنا، رمی جمار کرنا، طواف افاضہ کرنا وغیرہ۔

مکمل اسلام: ☆ ☆ حضرت عبد اللہ فرماتے ہیں اس سے مراد پورا اسلام ہے جس کے تیس حصے ہیں دس کا بیان سورہ براءت میں ہے التَّائِبُونَ عَابِدُونَ سے مُؤْمِنِينَ تک یعنی توبہ کرنا، عبادت کرنا، حمد کرنا، اللہ کی راہ میں پھرنا، رکوع کرنا، سجدہ کرنا، بھلائی کا حکم دینا، برائی سے روکنا، اللہ کی حدوں کی حفاظت کرنا، ایمان لانا۔ دس کا بیان ”قَدْ أَفْلَحَ“ کے شروع سے يُحَافِظُونَ تک ہے اور سورہ معارج میں ہے یعنی نماز کو خشوع و خضوع سے ادا کرنا، لغو اور فضول باتوں اور کاموں سے منہ پھیر لینا، زکوٰۃ دیتے رہا کرنا، شرمگاہ کی حفاظت کرنا، امانت داری کرنا، وعدہ وفا کی کرنا، نماز پر تہیکی اور حفاظت کرنا، قیامت کو سچا جاننا، عذابوں سے ڈرتے رہنا، سچی شہادت پر قائم رہنا اور دس کا بیان سورہ احزاب میں اِنَّ الْمُسْلِمِينَ سے عَظِيمًا تک ہے یعنی اسلام لانا، ایمان رکھنا، قرآن پڑھنا، سچ بولنا، صبر کرنا، عاجزی کرنا، خیرات دینا، روزہ رکھنا، بدکاری سے بچنا، اللہ تعالیٰ کا ہر وقت بکثرت ذکر کرنا، ان تینوں احکام کا جو عامل ہو وہ پورے اسلام کا پابند ہے اور اللہ کے عذابوں سے بری ہے۔

کلمات ابراہیمؑ میں اپنی قوم سے علیحدگی کرنا، بادشاہ وقت سے نڈر ہو کر اسے بھی تبلیغ کرنا، پھر راہ اللہ میں جو مصیبت آئے اس پر صبر کرنا، سہنا، پھر وطن اور گھر یا کو اللہ کی راہ میں چھوڑ کر ہجرت کرنا، مہمانداری کرنا، اللہ کی راہ میں جانی اور مالی مصیبت راہ اللہ برداشت کرنا یہاں تک کہ بچہ کو اللہ کی راہ میں قربان کرنا اور وہ بھی اپنے ہی ہاتھ سے۔ یہ کل احکام خلیل الرحمن علیہ السلام بجالائے۔ سورج، چاند اور ستاروں سے بھی آپ کی آزمائش ہوئی امامت کے ساتھ بیت اللہ بنانے کے حکم کے ساتھ حج کے حکم اور مقام ابراہیم کے ساتھ بیت اللہ کے رہنے والوں کی روزیوں کے ساتھ حضرت محمد ﷺ کو آپ کے دین پر بھیجنے کے ساتھ بھی آزمائش ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے خلیل میں تمہیں آزماتا ہوں، دیکھتا ہوں، تم کیا ہو؟ تو آپ نے فرمایا، مجھے لوگوں کا امام بنادے۔ اس کعبہ کو لوگوں کے ثواب اور اجتماع کا مرکز بنادے۔ یہاں والوں کو پھلوں کی روزیاں دے۔ یہ تمام باتیں عزوجل نے پوری کر دیں اور یہ سب نعمتیں آپ کو عطا ہوئیں۔ صرف ایک آرزو پوری نہ ہوئی۔ وہ یہ کہ میری اولاد کو بھی امامت ملے تو جواب ملا، ظالموں کو میرا عہد نہیں پہنچتا۔ کلمات سے مراد اس کے ساتھ کی آیتیں بھی ہیں۔

موطا وغیرہ میں ہے کہ سب سے پہلے ختنہ کرانے والے سب سے پہلے مہمان نوازی کرنے والے سب سے پہلے ناخن کٹوانے والے سب سے پہلی مونچھیں پست کرنے والے سب سے پہلے سفید بال دیکھنے والے حضرت ابراہیم ہی ہیں۔ سفید بال دیکھ کر پوچھا کہ اے اللہ یا یہ کیا ہے؟ جواب ملا، وقار و عزت ہے۔ کہنے لگے پھر تو اے اللہ اسے اور زیادہ کر۔ سب سے پہلے منبر پر خطبہ کہنے والے سب سے پہلے قاصد بھیجنے والے سب سے پہلے تلوار چلانے والے سب سے پہلے مسواک کرنے والے سب سے پہلے پانی کے ساتھ استنجا کرنے والے سب سے پہلے پا جامہ پہننے والے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام ہیں۔ ایک غیر ثابت حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، گر میں منبر بناؤں تو میرے باپ ابراہیمؑ نے بھی بنایا تھا اور اگر میں لکڑی ہاتھ میں رکھوں تو یہ بھی میرے باپ ابراہیمؑ کی سنت ہے۔ مختلف بزرگوں سے کلمات کی تفسیر میں جو کچھ ہم نے نقل کر دیا اور ٹھیک بھی یہی ہے کہ یہ سب باتیں ان کلمات میں تھیں۔ کسی خاص تخصیص کی کوئی وجہ ہمیں نہیں ملی واللہ اعلم۔

صحیح مسلم شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے، دس باتیں فطرت کی اور اصل دین کی ہیں۔ مونچھیں کم کرنا، داڑھی بڑھانا، مسواک کرنا، ناک میں پانی دینا، ناخن لینا، پوریان دھونی، بغل کے بال لینا، زیر ناف کے بال لینا، استنجا کرنا۔ راوی کہتا ہے میں دسویں بات بھول گیا شاید کئی کرنا تھی۔

صحیحین میں ہے حضورؐ فرماتے ہیں پانچ باتیں فطرت کی ہیں۔ ختنہ کرنا، موئے (بال) زہار لینا، مونچھیں کم کرنا، ناخن لینا، بغل کے بال لینا، ایک حدیث میں ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کو وفا کرنے والا اس لئے فرمایا ہے کہ وہ ہر صبح کے وقت پڑھتے تھے سُبْحَانَ اللَّهِ حِينَ تُمْسُونَ وَحِينَ تُصْبِحُونَ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَعَشِيًّا وَحِينَ تُظْهِرُونَ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَيُحْيِي الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَكَذَلِكَ تُخْرَجُونَ ایک اور روایت میں ہے کہ ہر دن چار رکعتیں پڑھتے تھے لیکن یہ دونوں حدیثیں ضعیف ہیں اور ان میں کئی کئی راوی ضعیف ہیں اور ضعف کی بہت سی وجوہات ہیں بلکہ ان کا بیان بھی بے بیان ضعف جائز نہیں متن بھی ضعف پر دلالت کرتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی امت کی خوشخبری سن کر اپنی اولاد کے لئے بھی یہی دعا کرتے تھے جو قبول تو کی جاتی ہے لیکن ساتھ ہی خبر کر دی جاتی ہے کہ آپ کی اولاد میں ظالم بھی ہوں گے جنہیں اللہ تعالیٰ کا عہد نہ پہنچے گا۔ وہ امام نہ بنائے جائیں گے نہ ان کی اقتدا اور پیروی کی جائے گی۔ سورہ عنکبوت کی آیت میں اس مطلب کو واضح کر دیا گیا ہے کہ خلیل اللہ کی یہ دعا بھی قبول ہوئی۔ وہاں ہے وَجَعَلْنَا فِي

وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ
إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى ۖ

شوق زیارت اور بڑھتا ہے: ☆☆ (آیت: ۱۲۵) ”مَثَابَهُ“ سے مراد بار بار آنا۔ حج کرنے کے بعد بھی دل میں لگن لگی رہتی ہے۔ گویا حج کرنے کے بعد بھی ہر بار دل میں ایک بار اور حج کرنے کی تمنا رہتی ہے۔ دنیا کے ہر گوشہ سے لوگ بھاگے دوڑے اس کی طرف جوق درجوق چلے آرہے ہیں۔ یہی جمع ہونے کی جگہ ہے اور یہی امن کا مقام ہے جس میں ہتھیار نہیں اٹھایا جاتا۔ جاہلیت کے زمانہ میں بھی اس کے آس پاس تو لوٹ مار ہوتی رہتی لیکن یہاں امن و امان ہی رہتا۔ کسی کو کوئی گالی بھی نہیں دیتا۔ یہ جگہ ہمیشہ متبرک اور شریف رہی۔ نیک روحمیں اس کی طرف مشتاق ہی رہتی ہیں۔ گو ہر سال زیارت کریں لیکن پھر بھی شوق زیارت کم نہیں ہوتا ہے۔ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا اثر ہے۔ آپ نے دعا مانگی تھی کہ فَاجْعَلْ أَفْتِدَاءَ مِنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ الخ تو لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف جھکا دے۔ یہاں باپ اور بھائی کے قاتل کو بھی کوئی دیکھتا تو خاموش ہو جاتا۔ سورۃ مائدہ میں ہے فَيَنِمَّا لِلنَّاسِ یعنی یہ لوگوں کے قیام کا باعث ہے حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں اگر لوگ حج کرنا چھوڑ دیں تو آسمان زمین پر گر ادیا جائے۔ اس گھر کے اس شرف کو دیکھ کر پھر اس کے بانی اول حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کے شرف کو خیال فرمائیے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيمَ الخ ہم نے بیت اللہ کی جگہ ابراہیمؑ کو بتا دی (اور کہہ دیا) کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا۔ اور جگہ ہے إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ أُنْشِيَ لِلَّهِ حِلًّا لِّلنَّاسِ کَايْمًا لِّعَالَمِينَ الخ

وہدایت والا۔ نشانیوں والا۔

مقام ابراہیم والا - امن و امان والا ہے۔ مقام ابراہیم بھی ہے اور حج کل کا کل بھی ہے مثلاً عرفات، مشعر الحرام، منیٰ، رمی، جبار، صفا، مروہ کا طواف، مقام ابراہیم دراصل وہ پتھر ہے جسے حضرت اسماعیلؑ کی بیوی صاحبہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نہانے کے لئے ان کے پاؤں کے نیچے رکھا تھا لیکن حضرت سعید بن جبیرؓ کہتے ہیں، یہ غلط ہے۔ دراصل یہ وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیمؑ کعبہ بناتے تھے۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ کی لمبی حدیث میں ہے، جب نبی ﷺ نے طواف کر لیا تو حضرت عمرؓ نے مقام ابراہیم کی طرف اشارہ کر کے کہا،

یعنی اس پتھر میں ابراہیم علیہ السلام کے دونوں پیروں کے نشان تازہ تازہ ہیں جن میں جوتی نہیں بلکہ مسلمانوں نے بھی اسے دیکھا تھا حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ میں نے مقام ابراہیم میں حضرت خلیل اللہ کے پیروں کی انگلیوں اور آپ کے تلوے کا نشان دیکھا تھا۔ پھر لوگوں کے چھونے سے وہ نشان مٹ گئے۔ حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں حکم اس کی جانب نماز ادا کرنے کا ہے، تبرک کے طور پر چھونے اور ہاتھ لگانے کا نہیں۔ اس امت نے بھی اگلی امتوں کی طرح بلا حکم اللہ العالمین بعض کام اپنے ذمہ لازم کر لئے جو نقصان رساں ہیں۔ وہ نشان لوگوں کے ہاتھ لگانے سے مٹ گئے۔ یہ مقام ابراہیم پہلے دیوار کعبہ کے متصل تھا کعبہ کے دروازے کی طرف حجر اسود کی جانب دروازے سے جانے والے کے دائیں جانب مستقل جگہ پر تھا جو آج بھی لوگوں کو معلوم ہے خلیل اللہ نے یا تو اسے یہاں رکھوا دیا تھا یا بیت اللہ بناتے ہوئے آخری حصہ یہی بنایا ہوگا اور یہیں وہ پتھر رکھا ہے۔

امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں اسے پیچھے ہٹا دیا۔ اس کے ثبوت میں بہت سی روایتیں ہیں۔ پھر ایک مرتبہ پانی کے سیلاب میں یہ پتھر یہاں سے بھی ہٹ گیا تھا۔ خلیفہ ثانی نے اسے پھر اپنی جگہ رکھوا دیا۔ حضرت سفیانؒ فرماتے ہیں مجھے معلوم نہیں ہوا کہ یہ اصلی جگہ سے ہٹایا گیا۔ اس سے پہلے دیوار کعبہ سے کتنی دور تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ خود آنحضرتؐ نے اسے اس کی اصلی جگہ سے ہٹا کر وہاں رکھا تھا جہاں اب ہے لیکن یہ روایت مرسل ہے۔ ٹھیک بات یہی ہے کہ حضرت عمرؓ نے اسے پیچھے رکھا، واللہ اعلم۔

وَعَهْدَنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ أَنَّ طَهْرًا بَيْتِي لِلطَّائِفِينَ
وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ ۖ وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَذَا
بَلَدًا آمِنًا وَارْزُقْ أَهْلَهُ مِنَ الثَّمَرَاتِ مَنْ آمَنَ مِنْهُمْ
يَاللّٰهُ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَأُمَتِّعُهُ قَلِيلًا ثُمَّ
أَضْطَرُّهُ إِلَىٰ عَذَابِ النَّارِ وَبِشْرِ الْمَصِيرِ ۝

ہم نے ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ سے وعدہ لیا کہ تم میرے گھر کو طواف کرنے والوں، اعکاف کرنے والوں اور رکوع سجدہ کرنے والوں کے لئے پاک صاف رکھو۔ جب ابراہیمؑ نے کہا اے پروردگار تو اس جگہ کو امن والا شہر بنا اور یہاں کے باشندوں کو جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والے ہوں، پھلوں کی روزیاں دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں کافروں کو بھی تھوڑا فائدہ دوں گا۔ پھر انہیں آگ کے عذاب کی طرف بے بس کر دوں گا۔ یہ پہنچنے کی جگہ بری ہے۔

عہد جو مترادف حکم ہے: ☆ ☆ (آیت: ۱۲۵-۱۲۸) یہاں عہد سے مراد وہ حکم ہے جس میں کہا گیا گندی اور نجس اور بری چیزوں سے پاک رکھنا۔ عہد کا تعدیہ الی سے ہو تو معنی ہم نے وحی کی اور پہلے سے کہہ دیا۔ پاک رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ اسے بتوں سے بچانا، غیر اللہ کی عبادت نہ ہونے دینا، لغو کاموں، فضول بکواس، جھوٹی باتوں، شرک و کفر، ہنسی اور مذاق سے اسے محفوظ رکھنا بھی اسی میں شامل ہے۔ طائف کے ایک معنی تو طواف کرنے والوں کے ہیں۔ دوسرے معنی باہر سے آنے والوں کے ہیں۔ اس تقدیر پر عاکفین کے معنی مکہ کے باشندے ہوں گے۔ ایک مرتبہ لوگوں نے کہا کہ امیر وقت سے کہنا چاہئے کہ لوگوں کو بیت اللہ شریف میں سونے سے منع کریں کیونکہ ممکن ہے کوئی کسی وقت جہنمی ہو جائے۔ ممکن ہے کبھی آپس میں فضول باتیں کریں تو ہم نے سنا کہ انہیں نہ روکنا چاہئے۔ ابن عمرؓ انہیں بھی عاکفین کہتے تھے ایک صحیح حدیث میں ہے کہ مسجد نبویؐ میں حضرت فاروق اعظمؓ کے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ سو یا کرتے تھے۔ وہ جوان اور کنوارے تھے۔ رُکَّعِ السُّجُودِ سے مراد نمازی ہیں۔ پاک رکھنے کا حکم اس واسطے دیا گیا کہ اس وقت بھی بت پرستی رائج تھی۔ دوسرے اس لئے کہ یہ بزرگ اپنی نیتوں میں خلوص کی بات رکھیں۔ دوسری جگہ ارشاد ہے وَإِذْ بَوَّأْنَا لَآلِہٖ اس آیت میں بھی حکم ہے کہ میرے ساتھ شریک نہ کرنا اور میرے گھر کو پاک صاف رکھنا۔ فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ بیت اللہ کی نماز افضل ہے یا طواف؟ امام مالکؒ فرماتے ہیں باہر والوں کے لئے طواف افضل ہے اور جمہور کا قول ہے کہ ہر ایک کے لئے نماز افضل ہے اس کی تفصیل کی جگہ تفسیر نہیں۔

مقصد اس سے مشرکین کو تنبیہ اور تردید ہے کہ بیت اللہ تو خاص اللہ کی عبادت کے لئے بنایا گیا ہے اس میں اوروں کی عبادت کرنا اور خالص اللہ کی عبادت کرنے والوں کو اس سے روکنا کس قدر صریح بے انصافی ہے اور اسی لئے اور جگہ قرآن میں فرمایا کہ ایسے ظالموں کو ہم

وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُسْلِمَةً لَكَ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ

ابراہیم اور اسماعیلؑ کعبہ کی بنیادیں اور دیواریں اٹھاتے جاتے تھے اور کہتے جارہے تھے کہ ہمارے پروردگار تو ہم سے قبول فرما۔ تو سننے اور جاننے والا ہے اے ہمارے رب ہمیں اپنا فرمانبردار بنالے اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک جماعت اپنی اطاعت گزار رکھ اور ہمیں اپنی عبادتیں سکھا اور ہماری توبہ قبول فرما۔ تو توبہ قبول فرمانے والا اور رحم و کرم کرنے والا ہے ○

دردناک عذاب چکھائیں گے۔ مشرکین کی اس کھلی تردید کے ساتھ ہی یہود و نصاریٰ کی تردید بھی اس آیت میں ہوگئی کہ اگر وہ ابراہیم و اسماعیل سلام اللہ علیہما کی افضلیت، بزرگی اور نبوت کے قائل ہیں اور یہ بھی جانتے اور ماننے ہیں کہ یہ شریف گھرانے کے متبرک ہاتھوں کا بننا ہوا ہے جب وہ اس کے بھی قائل ہیں کہ یہ محض نماز و طواف و دعا اور عبادت اللہ کے لئے بنایا گیا ہے۔ حج و عمرے اور اعتکاف وغیرہ کے لئے مخصوص کیا گیا ہے تو پھر ان نبیوں کی تابعداری کے دعوے کے باوجود کیوں حج و عمرے سے رکے ہوئے ہیں؟ کیوں بیت اللہ شریف میں حاضری نہیں دیتے؟ بلکہ خود موسیٰ علیہ السلام نے اس گھر کا حج کیا جیسا کہ حدیث میں صاف موجود ہے۔ آیہ کریمہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اور مسجدوں کو بھی پاک صاف رکھنا چاہئے۔ اور جگہ قرآن میں ہے فِی بُیُوتِ الَّذِیْنَ اَنْ تَرْفَعُ وَیُذْکَرُ فِیْهَا اسْمُہُ یُسَبِّحُ لَہُ فِیْہَا بِالْعُدُوِّ وَالْاَصَالِ اللہ تعالیٰ نے مسجدوں کو بلند کرنے کی اجازت دی ہے۔ ان میں اس کا نام ذکر کیا جائے۔ ان میں صبح شام اس کی تسبیح اس کے نیک بندے کرتے ہیں۔

حدیث شریف میں بھی ہے کہ مسجدیں اسی کام کے لئے ہیں اور احادیث میں بہت ہی تاکید کے ساتھ مسجدوں کی پاکیزگی کا حکم آیا ہے۔ امام ابن کثیرؒ نے اس بارے میں ایک خاص رسالہ تصنیف فرمایا ہے۔ بعض لوگ تو کہتے ہیں سب سے پہلے کعبۃ اللہ فرشتوں نے بنایا تھا لیکن یہ سند اغریب ہے۔ بعض کہتے ہیں آدم علیہ السلام نے سب سے پہلے بنایا تھا۔ حرا۔ طور سینا۔ طور زیتا۔ جبل لبنان اور جودی ان پانچ پہاڑوں سے بنایا تھا لیکن یہ بھی سند اغریب ہے بعض کہتے ہیں شیث علیہ السلام نے سب سے پہلے بنایا تھا لیکن یہ بھی اہل کتاب کی بات ہے۔ حدیث شریف میں ہے حضرت ابراہیمؑ نے مکہ کو حرم بنایا اور فرمایا میں مدینہ منورہ کو حرم قرار دیتا ہوں۔ اس میں شکار نہ کھیلا جائے۔ یہاں کے درخت نہ کاٹے جائیں۔ یہاں ہتھیار نہ اٹھائے جائیں صحیح مسلم شریف کی ایک حدیث میں ہے کہ لوگ تازہ پھل لے کر خدمت نبویؐ میں حاضر ہوتے تھے۔ حضور ﷺ اسے لے کر دعا کرتے کہ اے اللہ ہمارے پھلوں میں ہمارے شہر میں ہمارے ناپ تول میں بھی برکت دے۔ اے اللہ ابراہیمؑ تیرے بندے تیرے خلیل اور تیرے رسول تھے۔ میں بھی تیرا بندہ تیرا رسول ہوں۔ انہوں نے تجھ سے مکہ کے لئے دعا کی تھی۔ میں تجھ سے مدینہ (منورہ) کے لئے دعا کرتا ہوں جیسے انہوں نے مکہ معظمہ کے لئے کی تھی۔ آپؐ کی چھوٹے بچہ کو بلا کر وہ پھل اسے عطا فرمادیا کرتے۔ انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے ایک مرتبہ ابو طلحہؓ سے کہا کہ جاؤ اپنے بچوں میں سے کسی ایک کو ہماری خدمت کے لئے لے آؤ۔ ابو طلحہ مجھے لے کر حاضر ہوئے۔ اب میں سفر و حضر میں حاضر خدمت رہنے لگا۔ ایک مرتبہ آپؐ باہر سے آرہے

تھے۔ جب احد پہاڑ نظر پڑا تو آپؐ نے فرمایا: یہ پہاڑ ہم سے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔ جب مدینہ نظر آیا تو فرمانے لگے یا اللہ میں اس کے دونوں کناروں کے درمیان کی جگہ کو حرم مقرر کرتا ہوں جیسے ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم بنایا۔ اے اللہ ان کے مدار و صاع میں اور ناپ میں برکت دے۔ اور روایت میں ہے یا اللہ جتنی برکت تو نے مکہ میں دی ہے اس سے دگنی برکت مدینہ میں دے اور روایت میں ہے مدینہ میں قتل نہ کیا جائے اور چارے کے سوا اور پتے بھی یہاں کے درختوں کے نہ جھاڑے جائیں۔ اسی مضمون کی حدیثیں جن سے ثابت ہوتا ہے مدینہ بھی مثل مکہ کے حرم ہے اور بھی بہت سی ہیں۔

یہاں ان احادیث کے وارد کرنے سے ہماری غرض مکہ شریف کی حرمت اور یہاں کا امن بیان کرنا ہے۔ بعض تو کہتے ہیں کہ یہ شروع سے حرم اور امن ہے۔ بعض کہتے ہیں خلیل اللہ کے زمانہ سے لیکن پہلا قول زیادہ ظاہر ہے۔ صحیحین کی حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ والے دن فرمایا۔ جب سے اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین پیدا کئے تب سے اس شہر کو حرمت و عزت والا بنایا ہے۔ اب یہ قیامت تک حرمت و عزت والا ہی رہے گا۔ اس میں جنگ و قتال کسی کو حلال نہیں۔ میرے لئے بھی صرف آج کے دن ہی ذرا سی دیر کے لئے حلال تھا۔ اب وہ حرام ہی حرام ہے۔ سنو اس کے کانٹے نہ کاٹے جائیں۔ اس کا شکار نہ بھگایا جائے۔ اس میں کسی کی گری پڑی چیز نہ اٹھائی جائے۔ جو پہنچوائی جائے اس کے لئے اٹھانا جائز ہے۔ اس کی گھاس نہ کاٹی جائے۔ دوسری روایت میں ہے کہ یہ حدیث آپؐ نے اٹھائے خطبہ میں بیان فرمائی تھی اور حضرت عباسؓ کے سوال پر آپؐ نے اذخر نامی گھاس کے کاٹنے کی اجازت دی تھی۔

حضرت ابن شریح عدویؒ نے عمر بن سعید سے اس وقت کہا جب وہ مکہ کی طرف لشکر بھیج رہا تھا کہ اے امیر سن فتح مکہ والے دن صبح ہی صبح رسول اللہ ﷺ نے اپنے خطبہ میں فرمایا جسے میرے کانوں نے سنا دل نے یاد رکھا اور میں نے آنکھوں سے حضور کو اس وقت دیکھا۔ آپؐ نے حمد و ثناء کے بعد فرمایا کہ مکہ کو اللہ نے حرم کیا ہے۔ لوگوں نے نہیں کیا کسی ایماندار کو اس میں خون بہانا یا اس کا درخت کا ٹٹا حلال نہیں۔ اگر کوئی میری اس لڑائی کو دلیل بنائے تو کہہ دینا کہ میرے لئے صرف آج ہی کے دن کی اس کی ساعت یہاں جہاد حلال تھا۔ پھر اس شہر کی حرمت آگئی ہے جیسے کل تھی۔ خبردار ہر حاضر غائب کو یہ پہنچا دے لیکن عمر (بن سعید) نے یہ حدیث سن کر صاف جواب دے دیا کہ میں تجھ سے زیادہ اس حدیث کو جانتا ہوں۔ حرم تا فرمان کو اور خوئی کو اور بادی کرنے والے کو نہیں بچاتا (بخاری مسلم)۔

ان دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض نہ سمجھے۔ تطبیق یوں ہے کہ مکہ روز ازل سے حرمت والا تھا لیکن اس حرمت کی تبلیغ حضرت خلیل اللہ نے کی۔ جس طرح آنحضرتؐ نبی تو اس وقت سے تھے جب کہ حضرت آدم کا خمیر گوندھ رکھا تھا بلکہ آپؐ اس وقت بھی خاتم الانبیاء لکھے ہوئے تھے لیکن تاہم حضرت ابراہیمؑ نے آپؐ کی نبوت کی دعا کی کہ **وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ** ان ہی میں سے ایک رسول ان میں بھیج جو اللہ نے پوری کی اور تقدیر کی لکھی ہوئی وہ بات ظاہر و باہر ہوئی۔ ایک حدیث میں ہے کہ لوگوں نے آپؐ سے کہا کہ آپؐ اپنی ابتدا نبوت کا تو کچھ ذکر کیجئے۔ آپؐ نے فرمایا میرے باپ ابراہیمؑ کی دعا اور عیسیٰ بن مریمؑ کی بشارت اور میری ماں کا خواب وہ دیکھتی ہیں کہ ان سے گویا ایک نور نکلا جس نے شام کے محلات کو روشن کر دیا اور وہ نظر آنے لگے۔

مدینہ منورہ افضل یا مکہ مکرمہ؟ ☆☆ اس بات کا بیان کہ مکہ افضل ہے یا مدینہ؟ جیسا کہ جمہور کا قول ہے جیسے کہ امام مالکؒ اور ان کے تابعین کا مذہب ہے۔ مدینہ افضل ہے مکہ سے۔ اسے دونوں طرف کے دلائل کے ساتھ عنقریب ہم بیان کریں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔ حضرت ابراہیمؑ دعا کرتے ہیں کہ باری تعالیٰ اس جگہ کو امن والا شہر بنا یعنی یہاں کے رہنے والوں کو نڈر اور بے خوف رکھ۔ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرماتا

ہے جیسے کہ فرمایا وَمَنْ دَخَلَ كَانَ امِنًا اس میں جو آیا وہ امن والا ہو گیا اور جگہ ارشاد ہے اَوْلَمْ يَرَوْا الْخُفْيَةَ كَيْفَ كَانَتْ هُمْ يَحْكُمُونَ دیکھتے کہ ہم نے حرم کو امن والا بنایا۔ لوگ اس کے آس پاس سے اچک لئے جاتے ہیں اور یہاں وہ پر امن رہتے ہیں۔ اسی قسم کی اور آیتیں بھی ہیں اور اس مضمون کی بہت سی حدیثیں بھی اور گزر چکی ہیں کہ مکہ شریف میں قتال حرام ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرماتے تھے کسی کو حلال نہیں کہ مکہ میں ہتھیار اٹھائے (صحیح مسلم) آپ کی یہ دعا حرمت کعبۃ اللہ کی بنا سے پہلے تھی۔ اس لیے کہا کہ اے اللہ یا اس جگہ کو امن والا شہر بنا سورہ ابراہیم میں یہی دعا ان لفظوں میں ہے رَبِّ اجْعَلْ هَذَا بَلَدًا آمِنًا شاید یہ دعا دوبارہ کی تھی۔ جب بیت اللہ شریف تیار ہو گیا اور شہر بس گیا اور حضرت اسحاق جو حضرت اسماعیلؑ سے تین سال چھوٹے تھے تولد ہو چکے اسی لئے اس دعا کے آخر میں ان کی پیدائش کا شکر یہ بھی ادا کیا۔

وَمَنْ كَفَرَ سَعَىٰ آخِرَتِكَ اللّٰهُ تَعَالٰی کا کلام ہے بعض نے اسے بھی دعائیں داخل کیا ہے تو اس تقدیر پر یہ مطلب ہوگا کہ کفار کو بھی تمھوڑا سا فائدہ دے پھر انہیں عذاب کی طرف بے بس کر اس میں بھی حضرت ابراہیمؑ کی غلت ظاہر ہوتی ہے کہ وہ اپنی بری اولاد کے بھی مخالف ہیں اور اسے کلام اللہ ماننے کا یہ مطلب ہوگا کہ چونکہ امامت کا سوال جب اپنی اولاد کے لئے کیا اور ظالموں کی محرومی کا اعلان سن چکے اور معلوم ہو گیا کہ آپ کے پیچھے آنے والوں میں بھی اللہ کے نافرمان ہوں گے تو مارے ڈر کے ادب کے ساتھ بعد میں آنے والی نسلوں کی روزی طلب کرتے ہوئے صرف ایماندار اولاد کے لئے کہا۔ ارشاد باری ہوا کہ دنیاوی فائدہ تو کفار کو بھی دیتا ہوں جیسے اور جگہ ہے كَلَّا نُنَبِّئُ هَٰؤُلَاءِ وَهَٰؤُلَاءِ مِنْ عَطَاءِ رَبِّكَ الْخَبْرَ عَنِ امِنًا اور ان کو بھی فائدہ دیں گے۔ تیرے رب کی بخشش محدود نہیں۔

اور جگہ ہے جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ فلاح نہیں پاتے۔ دنیا کا کچھ فائدہ گواٹھالیں لیکن ہماری طرف آ کر اپنے کفر کے بدلے سخت عذاب چکھیں گے۔ اور جگہ ہے کافروں کا کفر تجھے غمگین نہ کرے۔ جب یہ ہماری طرف لوٹیں گے تو ان کے اعمال پر ہم انہیں تنبیہ کریں گے اللہ تعالیٰ سینوں کی چھپی باتوں کو بخوبی جانتا ہے۔ ہم انہیں یونہی سا فائدہ پہنچا کر سخت غلیظ عذابوں کی طرف بے قرار کریں گے۔ اور جگہ ہے لَوْ لَا اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ الْخُفْيَةَ اگر یہ خطرہ نہ ہوتا کہ لوگ ایک ہی امت ہو جائیں تو ہم کافروں کی چھتیں اور سیڑھیاں چاندی کی بنا دیتے اور ان کے گھروں کے دروازے اور تخت جن پر ٹیکے لگائے بیٹھے رہتے اور سونا بھی دیتے لیکن یہ سب دنیوی فوائد ہیں۔ آخرت کا بھلا گھر تو صرف پرہیزگاروں کے لئے ہے۔

یہی مضمون اس آیت میں بھی ہے کہ ان کا انجام برا ہے۔ یہاں ڈھیل پالیں گے لیکن وہاں سخت پکڑ ہوگی۔ جیسے اور جگہ ہے وَكَانَ مِنْ قَرْيَةٍ الْخَبْرَ بہت سی ظالم بستیوں کو ہم نے مہلت دی۔ پھر پکڑ لیا۔ انجام کو تو ہمارے ہی پاس لوٹنا ہے صحیحین کی حدیث میں ہے گندی باتوں کو سن کر صبر کرنے میں اللہ سے بڑھ کر کوئی نہیں۔ لوگ اس کی اولاد بتاتے ہیں لیکن تاہم وہ انہیں رزق و عافیت دے رہا ہے اور حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ ظالم کو ڈھیل دیتا ہے۔ پھر اسے اچانک پکڑ لیتا ہے۔ پھر حضورؐ نے یہ آیت تلاوت فرمائی وَكَذٰلِكَ اَخَذَ رَبُّكَ الْخَبْرَ جملہ کو حضرت ابراہیمؑ کی دعائیں شامل کرنا شاذ قرات کی بنا پر ہے جو ساتوں قاریوں کی قرات کے خلاف ہے اور ترکیب سیاق و سباق بھی یہی ظاہر کرتی ہے۔ واللہ اعلم۔ اس لئے کہ قال کی ضمیر کا مرجع اللہ کی طرف ہے اور اس شاذ قرات کی بنا پر اس کے فاعل اور قائل بھی حضرت ابراہیمؑ ہی ہوتے ہیں جو ظلم کلام سے بظاہر مخالف ہے۔ واللہ اعلم۔

تو اعد جمع ہے قَاعِدَةٌ کی ترجمہ اس کا پایہ اور بنیو ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے نبیؐ اپنے والوں کو بنائے ابراہیمؑ کی خبر دو ایک قرات

میں وَاسْمِعِیْلُ کے بعد وَیَقُولَانِ بھی ہے۔ اسی کی دلالت میں آگے لفظ مُسْلِمَیْنِ بھی ہے۔ دونوں نبی نیک کام میں مشغول ہیں اور قبول نہ ہونے کا کھٹکا ہے تو اللہ تعالیٰ سے قبولیت کی دعا کرتے ہیں۔ حضرت وہیب بن ورد جب اس آیت کی تلاوت کرتے تو بہت روتے اور فرماتے آہ! خلیل الرحمن جیسے اللہ کے مقبول پیغمبر اللہ کا کام اللہ کے حکم سے کرتے ہیں۔ اس کا گھر اس کے فرمان سے بناتے ہیں اور پھر خوف ہے کہ کہیں یہ قبولیت سے گرنہ جائے۔ سچ ہے مخلص مومنوں کا یہی حال ہے یُؤْتُونَ مَا آتَوْا وَقَلُّوبُهُمْ وَجَلَّةٌ وَہ نیک کام کرتے ہیں۔ صدقہ خیرات کرتے ہیں لیکن پھر بھی خوف اللہ سے کانپتے رہتے ہیں کہ ایسا نہ ہو کہ قبول نہ ہوں۔ حضرت عائشہ کے سوال پر اس آیت کا یہی مطلب زبان رسالت سے بیان ہوا ہے۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ بنیادیں حضرت ابراہیمؑ اٹھاتے تھے اور دعا حضرت اسماعیلؑ کرتے تھے لیکن صحیح یہی ہے کہ دونوں ہر ایک کام میں شریک تھے۔ صحیح بخاری شریف کی ایک روایت اور بعض اور آثار بھی اس واقعہ کے متعلق یہاں ذکر کئے جانے کے قابل ہیں۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ کربند باندھنا عورتوں نے حضرت اسماعیلؑ کی والدہ محترمہ سے سیکھا ہے۔ انہوں نے اسے باندھا تھا کہ حضرت مائی سارہؓ کو ان کا نقش قدم نہ ملے۔ انہیں اور ان کے جگر کے ٹکڑے اپنے اکلوتے فرزند حضرت اسماعیلؑ کو لے کر حضرت ابراہیمؑ علیہ السلام نکلے جبکہ یہ پیارا بچہ دودھ پیتا تھا۔

سنائے کی آغوش میں زندگی: ☆☆ اب جہاں پر بیت اللہ بنا ہوا ہے یہاں ایک ٹیلہ تھا۔ اور سنسان بیابان تھا کوئی رہنے سہنے والا وہاں نہ تھا۔ یہاں پہنچ کر ماں بیٹے کو بٹھا کر پاس تھوڑی سی کھجوریں اور ایک مشکیزہ پانی کا رکھ کر آپ چلے گئے۔ جب خلیل اللہؑ نے پیٹھ موڑی اور جانے لگے تو مائی ہاجرہ نے آواز دی اے خلیل اللہ! ہمیں اس دہشت و وحشت والے بیابان میں یکہ و تنہا چھوڑ کر جہاں ہمارا کوئی مولس و ہدم نہیں آپ کہاں تشریف لے جا رہے ہیں؟ لیکن حضرت ابراہیمؑ نے کوئی جواب نہ دیا بلکہ اس طرف توجہ تک نہ کی منہ موڑ کر بھی نہ دیکھا۔

حضرت ہاجرہؓ کے بار بار کہنے پر بھی جب آپ نے التفات نہ فرمایا تو آپ فرمانے لگیں اللہ کے خلیل آپ ہمیں کسے سوچ چلے؟ آپ نے کہا اللہ تعالیٰ کو کہا اے خلیل اللہ! کیا اللہ تعالیٰ کا آپ کو یہ حکم ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں مجھے اللہ کا یہی حکم ہے یہ سن کر ابراہیمؑ کو تسکین ہوگئی اور فرمانے لگیں۔ پھر تشریف لے جائیے۔ وہ اللہ ہمیں ہرگز ضائع نہ کرے گا۔ اسی کا بھروسہ اور اسی کا سہارا ہے۔ حضرت ہاجرہؓ لوٹ گئیں اور اپنے کلیجہ کی ٹھنڈک اپنی آنکھوں کے نور ابن نبی اللہ کو گود میں لے کر اس سنسان بیابان میں اس ہو کے عالم میں لاچار اور مجبور ہو کر بیٹھ رہیں۔ حضرت ابراہیمؑ جب میعہ کے پاس پہنچے اور یہ معلوم کر لیا کہ اب حضرت ہاجرہؓ پیچھے نہیں اور وہاں سے یہاں تک ان کی نگاہ کام بھی نہیں کر سکتی تو بیت اللہ شریف کی طرف متوجہ ہو کر ہاتھ اٹھا کر دعا کی اور کہا رَبَّنَا اِنِّیْ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِكَ الْمُحَرَّمِ اِلٰھِ الْعَالَمِیْنَ میں نے اپنے بال بچوں کو ایک غیر آباد جنگل میں تیرے برگزیدہ گھر کے پاس چھوڑا ہے تاکہ وہ نماز قائم کریں۔ تو لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف جھکا دے اور انہیں پھلوں کی روزیاں دے شاید وہ شکر گزاری کریں۔ آپ تو یہ دعا کر کے حکم اللہ بجالا کر اپنی اہل و عیال کو سپرد اللہ کر کے چلے گئے۔

ادھر حضرت ہاجرہؓ صبر و شکر کے ساتھ بچے سے دل بہلانے لگیں۔ جب تھوڑی سی کھجوریں اور ذرا سا پانی ختم ہو گیا۔ اب اناج کا ایک دانہ پاس ہے نہ پانی کا گھونٹ خود بھی بھوک پیاسی ہیں اور بچہ بھی بھوک پیاس سے بیتاب ہے یہاں تک کہ اس معصوم نبی زادے کا پھول سا چہرہ کملانے لگا اور وہ تڑپنے اور بلکنے لگا۔ ماما بھری ماں کبھی اپنی تنہائی اور بے کسی کا خیال کرتی ہے کبھی اپنے ننھے سے اکلوتے بچے کا یہ حال بغور دیکھتی ہے اور سہی جاتی ہے۔ معلوم ہے کہ کسی انسان کا گذر اس بھیانک جنگل میں نہیں۔ میلوں تک آبادی کا نام و نشان نہیں۔ کھانا تو کہاں؟ پانی کا ایک قطرہ بھی میسر نہیں آ سکتا۔

آخر اس ننھی سی جان کا یہ اہتر حال نہیں دیکھا جاتا تو اٹھ کر چلی جاتی ہیں اور صفا پہاڑ جو پاس ہی تھا اس پر چڑھ جاتی ہیں اور میدان کی طرف نظریں دوڑاتی ہیں کہ کوئی آتا جاتا نظر آجائے لیکن نگاہیں مایوسی کے ساتھ چاروں طرف سے واپس آتی ہیں تو اتر کر وادی میں پہنچ کر دامن اٹھا کر دوڑتی ہوئی مردہ پہاڑ کی طرف جاتی ہیں۔ اس پر چڑھ کر نگاہیں چاروں طرف ڈالتی ہیں اور کسی کو بھی نہ دیکھ کر پھر وہاں سے اتر آتی ہیں اور اسی طرح درمیان کی تھوڑا سا حصہ دوڑ کر باقی حصہ جلدی جلدی طے کر کے پھر صفا پر چڑھتی ہیں۔ اسی طرح سات مرتبہ کرتی ہیں۔ ہر بار آ کر بچہ کو دیکھ جاتی ہیں کہ اس کی حالت ساعت بہ ساعت بگڑتی جا رہی ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں صفا مردہ کی سعی جو حاجی کرتے ہیں اس کی ابتدا یہیں سے ہوئی۔ ساتویں مرتبہ جب حضرت ہاجرہؓ مردہ پر آتی ہیں تو کچھ آواز کان میں پڑتی ہے آپ خاموش ہو کر احتیاط کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہوتی ہیں کہ یہ آواز کیسی؟ آواز پھر آتی ہے اور اس مرتبہ صاف سنائی دیتی ہے تو آپ آواز کی طرف لپک کر آتی ہیں اور اب جہاں زمزم ہے وہاں حضرت جبرئیلؑ کو پاتی ہیں۔

حضرت جبرئیلؑ پوچھتے ہیں تم کون ہو؟ آپ جواب دیتی ہیں میں ہاجرہ ہوں۔ میں حضرت ابراہیمؑ کے لڑکے کی ماں ہوں۔ فرشتہ پوچھتا ہے۔ ابراہیمؑ تمہیں اس سنسان بیابان میں کسے سوئپ گئے ہیں؟ آپ فرماتی ہیں اللہ کو۔ فرمایا پھر تو وہ کافی ہے۔ حضرت ہاجرہؓ نے فرمایا۔ اے غیبی شخص آواز تو میں نے سن لی۔ کیا کچھ میرا کام بھی نکلے گا؟ حضرت جبرئیلؑ علیہ السلام نے اپنی ایڑی زمین پر رگڑی۔ وہیں زمین سے ایک چشمہ پانی کا اگلنے لگا۔ حضرت ہاجرہؓ علیہا السلام نے ہاتھوں سے اس پانی کو منہ میں بھرنا شروع کیا۔ مشک بھر کر پھر اس خیال سے کہ پانی ادھر ادھر یہ کر نکل نہ جائے اس پاس باڑ باندھنی شروع کر دی۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اللہ ام اسلعلؑ پر رحم کرے۔ اگر وہ اس طرح پانی کو نہ روکتیں تو زمزم کنویں کی مثل میں نہ ہوتا بلکہ وہ ایک جاری نہر کی صورت میں ہوتا۔ اب حضرت ہاجرہؓ نے پانی پیا اور بچہ کو بھی پلایا اور دودھ پلانے لگیں۔ فرشتے نے کہہ دیا کہ تم بے فکر رہو۔ اللہ تمہیں ضائع نہ کرے گا۔ جہاں تم بیٹھی ہو یہاں اللہ کا ایک گھر اس بچے اور اس کے باپ کے ہاتھوں بنے گا حضرت ہاجرہؓ اب یہیں رہ پڑیں۔ زمزم کا پانی پیتیں اور بچہ سے دل بہلاتیں۔ بارش کے موسم میں پانی کے سیلاب چاروں طرف سے آتے لیکن یہ جگہ ذرا اونچی تھی۔ ادھر ادھر سے پانی گذر جاتا ہے اور یہاں امن رہتا کچھ مدت کے بعد جبرہم کا قبیلہ کدا کے راستہ کی طرف سے اتفاقاً گزرا اور مکہ شریف کے نیچے کے حصہ میں اترا۔ ان کی نظریں ایک آبی پرند پر پڑیں تو آپس میں کہنے لگے یہ پرندہ تو پانی کا ہے اور یہاں پانی کبھی نہ تھا۔ ہماری آمد و رفت یہاں سے کئی مرتبہ ہوئی۔ یہ تو خشک جنگل اور چٹیل میدان ہے۔ یہاں پانی کہاں؟ چنانچہ انہوں نے اپنے آدمی اصلیت معلوم کرنے کے لئے بھیجے۔ انہوں نے واپس آ کر خبر دی کہ وہاں تو بہترین اور بہت سا پانی ہے۔ اب وہ سب آئے اور حضرت ام اسلعلؑ سے عرض کرنے لگے کہ مائی صاحبہ اگر آپ اجازت دیں تو ہم بھی یہاں ٹھہر جائیں۔ پانی کی جگہ ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں شوق سے رہو لیکن پانی پر قبضہ میرا ہی رہے گا۔ حضورؐ فرماتے ہیں ہاجرہؓ تو چاہتی تھیں کہ کوئی ہم جنس مل جائے چنانچہ یہ قافلہ یہاں رہ پڑا۔

حضرت اسلعلؑ بھی بڑے ہو گئے۔ ان سب کو آپ سے بڑی ہی محبت ہو گئی یہاں تک کہ جب آپ بالغ ہوئے تو انہی میں نکاح بھی کیا اور انہی سے عربی بھی سیکھی۔ مائی ہاجرہؓ علیہا السلام کا انتقال یہیں ہوا۔ جب حضرت ابراہیمؑ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت ملی تو آپ اپنے نخت جگر کی ملاقات کے لئے تشریف لائے۔ بعض روایات میں ہے کہ آپ کا یہ آنا جانا براق پر ہوتا تھا۔ ملک شام سے آتے تھے اور پھر واپس جاتے تھے۔ یہاں آئے تو حضرت اسلعلؑ گھر پر نہ ملے۔ اپنی بہو سے پوچھا کہ وہ کہاں ہیں؟ تو جواب ملا کہ کھانے پینے کی تلاش میں یعنی شکار کو گئے ہیں۔ آپ نے پوچھا تمہارا کیا حال ہے؟ کہا برا حال ہے۔ بڑی تنگی اور سختی ہے۔ فرمایا اچھا تمہارے خاوند آویں تو

انہیں سلام کہنا اور کہہ دینا کہ اپنے دروازے کی چوکت بدل ڈالیں۔

حضرت ذبیح اللہ جب واپس آئے تو گویا آپ کو کچھ انس سا معلوم ہوا۔ پوچھنے لگے کیا کوئی صاحب تشریف لائے تھے؟ بیوی نے کہا ہاں ایسی ایسی شکل و شباہت کے ایک عمر رسیدہ بزرگ آئے تھے؟ آپ کی نسبت پوچھا میں نے کہا وہ شکار کی تلاش میں باہر گئے ہیں پھر پوچھا کہ گذران کیسی چلتی ہے؟ میں نے کہا بڑی سختی اور تنگی سے گذر اوقات ہوتی ہے۔ پوچھا کچھ مجھ سے کہنے کو بھی فرما گئے ہیں؟ بیوی نے کہا ہاں کہہ گئے ہیں کہ جب وہ آئیں میرا سلام کہنا اور کہہ دینا کہ اپنے دروازے کی چوکت بدل ڈالیں۔ آپ فرمانے لگے۔ بیوی سنو یہ میرے والد صاحب تھے اور جو فرما گئے ہیں اس سے مطلب یہ ہے کہ (چونکہ تم نے ناشکری کی) میں تم کو الگ کر دوں۔ جاؤ میں نے تمہیں طلاق دی۔ انہیں طلاق دے کر آپ نے اسی قبیلہ میں اپنا دوسرا نکاح کر لیا۔

ایک مدت کے بعد پھر حضرت ابراہیمؑ باجائز الہی یہاں آئے۔ اب کی مرتبہ بھی اتفاقاً حضرت ذبیح سے ملاقات نہ ہوئی۔ بہو سے پوچھا تو جواب ملا کہ ہمارے لئے رزق کی تلاش میں شکار کو گئے ہیں۔ آپ آئیے تشریف رکھئے۔ جو کچھ حاضر ہے تناول فرمائیے۔ آپ نے فرمایا یہ تو بتاؤ کہ گذر بسر کیسی ہوتی ہے؟ کیا حال ہے؟ جواب ملا الحمد للہ۔ ہم خیریت سے ہیں اور بفضل اللہ کشادگی اور راحت ہے۔ اللہ کا بڑا شکر ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے کہا۔ تمہاری خوراک کیا ہے؟ کہا گوشت۔ پوچھا تم پیتے کیا ہو؟ جواب ملا پانی۔ آپ نے دعا کی کہ پروردگار انہیں گوشت اور پانی میں برکت دے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں۔ اگر انا ان کے پاس ہوتا اور یہ کہتیں تو حضرت خلیل علیہ السلام ان کیلئے اناج کی برکت کی دعا بھی کرتے۔ اب اس دعا کی برکت سے اہل مکہ صرف گوشت اور پانی پر گزار کر سکتے ہیں۔ اور لوگ نہیں کر سکتے۔ آپ نے فرمایا۔ اچھا میں تو جا رہا ہوں تم اپنے میاں کو میرا سلام کہنا اور کہنا کہ وہ اپنی چوکت کو ثابت اور آباد رکھیں۔ ازاں بعد حضرت اسماعیلؑ آئے سارا واقعہ معلوم ہوا۔ آپ نے فرمایا یہ میرے والد کرم تھے۔ مجھے حکم دے گئے ہیں کہ میں تمہیں الگ نہ کروں (تم شکر گزار ہو) تعمیر کعبہ: ☆☆ پھر ایک مدت کے بعد حضرت ابراہیمؑ کو اجازت ملی اور آپ تشریف لائے تو حضرت اسماعیلؑ کو زمزم کے پاس ایک نیلے پر تیرسیدھے کرتے ہوئے پایا، حضرت اسماعیلؑ باپ کو دیکھتے ہی کھڑے ہو گئے اور بادب ملے۔ جب باپ بیٹے ملے تو خلیل اللہ علیہ السلام نے فرمایا اے اسماعیل مجھے اللہ کا ایک حکم ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا ابا جان جو حکم ہوا ہو اس کی تعمیل کیجئے۔ کہا بیٹا تمہیں بھی میرا ساتھ دینا پڑے گا۔ عرض کرنے لگے۔ میں حاضر ہوں۔ کہا اس جگہ اللہ کا ایک گھر بنانا ہے۔ کہنے لگے بہتر۔ اب باپ بیٹوں نے بیت اللہ کی نیورکھی اور دیواریں اونچی کرنی شروع کیں۔ حضرت اسماعیلؑ پتھر لا کر دیتے جاتے تھے اور حضرت ابراہیمؑ چنتے جاتے تھے۔ جب یہ دیواریں قدرے اونچی ہو گئیں تو حضرت ذبیح اللہ یہ پتھر یعنی مقام ابراہیمؑ کا پتھر لائے اس اونچے پتھر پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیمؑ کعبہ کے پتھر رکھتے جاتے تھے اور دونوں باپ بیٹے یہ دعا مانگتے جاتے تھے کہ باری تعالیٰ تو ہماری اس ناچیز خدمت کو قبول فرماتا۔ تو سننے اور جاننے والا ہے۔ یہ روایت اور کتب حدیث میں بھی ہے۔ کہیں مختصر اور کہیں مفصلاً۔ ایک صحیح حدیث میں یہ بھی ہے کہ حضرت ذبیح اللہ کے بدلے جو ذنبہ ذبیح ہوا تھا اس کے سینک بھی کعبہ اللہ میں تھے۔ اوپر کی لمبی روایت بروایت حضرت علیؑ بھی مروی ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ ابراہیمؑ علیہ السلام جب بیت اللہ شریف کے قریب پہنچے تو آپ علیہ السلام نے اپنے سر پر ایک بادل سا ملاحظہ فرمایا جس میں سے آواز آئی کہ اے ابراہیمؑ جہاں جہاں تک اس بادل کا سایہ ہے وہاں تک کی زمین بیت اللہ میں لے لو کی زیادتی نہ ہو اس روایت میں یہ بھی ہے کہ بیت اللہ بنا کر وہاں حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیلؑ کو چھوڑ کر آپ تشریف لے گئے لیکن پہلی روایت ہی ٹھیک ہے اور اس طرح تطبیق بھی ہو سکتی ہے کہ بنا پہلے رکھ دی تھی لیکن بنایا

بعد میں اور بنانے میں بیٹا اور باپ دونوں شامل تھے جیسے کہ قرآن پاک کے الفاظ بھی ہیں۔

ایک اور روایت میں ہے کہ لوگوں نے حضرت علیؑ سے بناء بیت اللہ کی شروع کیفیت دریافت کی تو آپؐ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو حکم دیا کہ میرا گھر بناؤ۔ حضرت ابراہیمؑ گھبرائے کہ مجھے کہاں بنانا چاہئے۔ کس طرح اور کتنا بڑا بنانا چاہئے وغیرہ۔ اس پر سکینہ نازل ہوا اور حکم ہوا کہ جہاں یہ ٹھہرے وہاں تم میرا گھر بناؤ۔ آپؐ نے بنانا شروع کیا جب حجر اسود کی جگہ پہنچے تو حضرت اسمعیلؑ سے کہا بیٹا کوئی اچھا سا پتھر ڈھونڈ لاؤ۔ آپؐ پتھر ڈھونڈ لائے تو دیکھا کہ آپؐ اور پتھر وہاں لگا چکے ہیں پوچھا یہ پتھر کون لایا؟ آپؐ نے فرمایا اللہ کے حکم سے یہ پتھر حضرت جبریلؑ آسمان سے لے کر آئے۔ حضرت کعب احبارؓ فرماتے ہیں کہ اب جہاں بیت اللہ ہے وہاں زمین کی پیدائش سے پہلے پانی پر بلبلوں کے ساتھ جھاگ سی تھی۔ یہیں سے زمین پھیلانی گئی۔ حضرت علیؑ فرماتے ہیں، کعبہ اللہ بنانے کے لئے حضرت خلیلؑ آرمینہ سے تشریف لائے تھے۔ حضرت سدیؓ فرماتے ہیں حجر اسود حضرت جبریلؑ ہند سے لائے تھے۔ اس وقت وہ سفید چمکدار یا قوت تھا جو حضرت آدمؑ نے بنا کی۔

مسنہ عبد الرزاق میں ہے کہ حضرت آدمؑ ہند میں اترے تھے۔ اس وقت ان کا قتلہا تھا۔ زمین میں آنے کے بعد فرشتوں کی تسبیح، نماز و دعا وغیرہ سنتے تھے۔ جب قذگٹ گیا اور وہ پیاری آوازیں آنی بند ہو گئیں تو آپؐ گھبرانے لگے۔ حکم ہوا کہ مکہ کی طرف جاؤ۔ آپؐ چلے۔ جہاں جہاں آپؐ کا قدم پڑا وہاں آبادی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں ایک یا قوت جنت سے اتارا اور بیت اللہ کی جگہ رکھا اور اسے اپنا گھر قرار دیا۔ حضرت آدمؑ یہاں طواف کرنے لگے اور مانوس ہوئے۔ گھبراہٹ جاتی رہی۔ حضرت نوحؑ کے طوفان کے زمانہ میں یہ پھر اٹھ گیا اور حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ میں پھر اللہ تعالیٰ نے بنوایا۔ حضرت آدمؑ نے یہ گھر حرا طور زیتا حیل لبنان طور سینا اور جودی ان پانچ پہاڑوں سے بنایا تھا لیکن ان تمام روایتوں میں تفاوت ہے۔ واللہ اعلم۔ بعض روایتوں میں ہے کہ زمین کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے بیت اللہ بنایا گیا تھا۔ حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ بیت اللہ کے نشان بتانے کے لئے حضرت جبریلؑ چلے تھے۔ اس وقت یہاں جنگلی درختوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ کس دور عیالٰت کی آبادی تھی۔ یہاں آپؐ حضرت ام اسماعیلؑ کو اور حضرت اسمعیلؑ کو ایک چمپر تلے بٹھا گئے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ بیت اللہ کے چار ارکان ہیں اور ساتویں زمین تک وہ نیچے ہوتے ہیں۔

ایک اور روایت میں ہے کہ بیت اللہ کے چار ارکان ہیں اور ساتویں زمین تک وہ نیچے ہوتے ہیں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ذوالقرنین جب یہاں پہنچے اور حضرت ابراہیمؑ کو بیت اللہ بتاتے ہوئے دیکھا تو پوچھا یہ کیا کر رہے ہو؟ تو انہوں نے کہا اللہ کے حکم سے اس کا گھر بنا رہے ہیں۔ پوچھا کیا دلیل؟ کہا یہ بھیڑیں گواہی دیں گی۔ پانچ بھیڑوں نے کہا ہم گواہی دیتی ہیں کہ یہ دونوں اللہ کے مامور ہیں ذوالقرنین خوش ہو گئے اور کہنے لگے میں نے مان لیا۔ الرزقی کی تاریخ مکہ میں ہے کہ ذوالقرنین نے خلیل اللہ اور ذبیح اللہ کے ساتھ بیت اللہ کا طواف کیا۔ واللہ اعلم۔ صحیح بخاری میں ہے قواعد بنیان اور اساس کو کہتے ہیں۔ یہ قاعدۃ کی جمع ہے۔ قرآن میں اور جگہ وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاءِ بھی آیا ہے۔ اس کا مفرد بھی قاعدہ ہے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے فرمایا، کیا تم نہیں دیکھتیں کہ تمہاری قوم نے جب بیت اللہ بنایا تو قواعد ابراہیمؑ سے گھٹا دیا میں نے کہا حضور آپؐ اسے بڑھا کر اصلی بنا کر دیں۔ فرمایا کہ اگر تیری قوم کا اسلام تازہ اور ان کا زمانہ کفر قریب نہ ہوتا تو میں ایسا کر لیتا۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کو جب یہ حدیث پہنچی تو فرمانے لگے شاید یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ حجر اسود کے پاس کے دوستوں کو چھوٹے

نہ تھے صحیح مسلم شریف میں ہے۔ حضور فرماتے ہیں۔ اے عائشہ اگر تیری قوم کا جاہلیت کا زمانہ نہ ہوتا تو میں کعبہ کے خزانہ کو اللہ کی راہ میں خیرات کر دیتا اور دروازے کو زمین دوز کر دیتا اور حطیم کو بیت اللہ میں داخل کر دیتا۔ صحیح بخاری میں یہ بھی ہے کہ میں اس کا دوسرا دروازہ بھی بنا دیتا ایک آنے کے لئے اور دوسرا جانے کے لئے چنانچہ ابن زبیرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں ایسا ہی کیا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اسے میں دوبارہ بنائے ابراہیمی پر بنانا۔ اور روایت میں ہے کہ ایک دروازہ مشرق رخ کرتا اور دوسرا مغرب رخ اور چھ ہاتھ حطیم کو اس میں داخل کر لیتا جسے قریش نے باہر کر دیا ہے۔

نبی ﷺ کی نبوت سے پانچ سال پہلے قریش نے نئے سرے سے کعبہ بنایا تھا۔ اس کا مفصل ذکر ملاحظہ ہو۔ اس بناء میں خود حضور بھی شریک تھے۔ آپ کی عمر پینتیس (۳۵) سال کی تھی اور پھر آپ بھی اٹھاتے تھے۔ محمد بن اسحاق بن یسار رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کی عمر مبارک پینتیس سال کی ہوئی اس وقت قریش نے کعبۃ اللہ کو نئے سرے سے بنانے کا ارادہ کیا۔ ایک تو اس لئے کہ اس کی دیواریں بہت چھوٹی تھیں۔ چھت نہ تھی۔ دوسرے اس لئے بھی کہ بیت اللہ کا خزانہ چوری ہو گیا تھا جو بیت اللہ کے بیچ میں ایک گہرے گڑھے میں رکھا ہوا تھا۔ یہ مال ”دویک“ کے پاس ملا تھا جو خزائنہ کے قبیلہ بنی ملح بن عمرو کا مولیٰ تھا۔ ممکن ہے چوروں نے یہاں لا رکھا ہو لیکن اس کے ہاتھ اس چوری کی وجہ سے کاٹے گئے۔ ایک اور قدرتی سہولت بھی ان کے لئے ہو گئی تھی کہ روم کے تاجروں کی ایک کشتی جس میں بہت اعلیٰ درجہ کی لکڑیاں تھیں وہ طوفان کی وجہ سے جدہ کے کنارے آ گئی تھی۔ یہ لکڑیاں چھت میں کام آ سکتی تھیں۔ اس لئے قریشیوں نے انہیں خرید لیا اور مکہ کے ایک بڑھئی جو قبیلہ میں سے تھا کو چھت کا کام سونپا۔ یہ سب تیاریاں تو ہو رہی تھیں لیکن بیت اللہ کو گرانے کی ہمت نہ پڑتی تھی۔ اس کے قدرتی اسباب بھی مہیا ہو گئے۔ بیت اللہ کے خزانہ میں ایک بڑا اڑدھا تھا۔ جب کبھی لوگ اس کے قریب بھی جاتے تو وہ منہ پھاڑ کر ان کی طرف لپکتا تھا۔ یہ سانپ ہر روز اس کنویں سے نکل کر بیت اللہ کی دیواریں پر آ بیٹھتا تھا۔ ایک روز وہ بیٹھا ہوا تھا جو اللہ تعالیٰ نے ایک بہت بڑا پرندہ بھیجا۔ وہ اسے پکڑ کر لے اڑا۔ قریشیوں نے سمجھ لیا کہ ہمارا ارادہ مرضی مولا کے مطابق ہے۔ لکڑیاں بھی ہمیں مل گئیں بڑھئی بھی ہمارے پاس موجود ہے۔ سانپ کو بھی اللہ تعالیٰ نے دفع کیا۔

اب انہوں نے مستقل ارادہ کر لیا کہ کعبۃ اللہ کو گرا کر نئے سرے سے بنائیں۔ سب سے پہلے ابن وہب کھڑا ہوا اور ایک پتھر کعبۃ اللہ کو گرا کر اتارا جو اس کے ہاتھ سے اڑ کر پھرو ہیں جا کر نصب ہو گیا۔ اس نے تمام قریشیوں سے خطاب کر کے کہا سنو بیت اللہ کے بنانے میں ہر شخص اپنا طیب اور پاک مال خرچ کرے۔ اس میں زنا کاری کا روپیہ سودی بیوپار کا روپیہ ظلم سے حاصل کیا ہوا مال نہ لگانا بعض لوگ کہتے ہیں یہ مشورہ ولید بن مغیرہ نے دیا تھا اب بیت اللہ کے حصے بانٹ لئے گئے دروازہ کا حصہ بنو عبد مناف اور زہرہ بنائیں۔ حجر اسود اور رکن یمانی کا حصہ بنی مخزوم بنائیں۔ قریش کے اور قبائل بھی ان کا ساتھ دیں۔ کعبہ کا پچھلا حصہ بنو حجاج اور ہم بنائیں۔ حطیم کے پاس کا حصہ بنو عبد الدار بن قصی اور بنو اسد بن عبد العزیٰ اور بنو عدی بن کعب بنائیں۔ یہ مقرر کر کے امین بنی ہوئی عمارت کو ڈھانے کے لئے چلے لیکن کسی کو ہمت نہیں پڑتی کہ اسے ڈھانا شروع کرے۔ آخر ولید بن مغیرہ نے کہا۔ لو میں شروع کرتا ہوں۔ کدال لے کر اوپر چڑھ گئے اور کہنے لگے اے اللہ تجھے خوب علم ہے کہ ہمارا ارادہ برائیں۔ ہم تیرے گھر کو جاڑنا نہیں چاہتے بلکہ اس کے آباد کرنے کی فکر میں ہیں۔ یہ کہہ کر کچھ حصہ دونوں رکن کے کناروں کا گرایا۔ قریشیوں نے کہا۔ بس اب چھوڑو اور رات بھر کا انتظار کرو۔ اگر اس شخص پر کوئی وبال آ جائے تو یہ پتھر اسی جگہ پر لگا دینا اور خاموش ہو جانا اور اگر کوئی عذاب نہ آئے تو تجھ لینا کہ اس کا گرانا اللہ کو ناپسند نہیں۔ پھر کل سب مل کر اپنے اپنے کام میں لگ جانا چنانچہ صبح ہوئی اور ہر طرح خیریت رہی۔ اب سب آ گئے اور بیت اللہ کی اگلی عمارت کو گرا دیا یہاں تک کہ اصلی نیو یعنی بناء ابراہیمی تک پہنچ گئے۔ یہاں سبز

پھر اسی بناء رنگ کے پتھر تھے اور ایک دوسرے میں گویا پیوست تھے۔ ایک شخص نے دو پتھروں کو الگ کرنا چاہا۔ اس میں کدال ڈال کر زور لگایا تو پتھر کے ہلنے کے ساتھ ہی تمام مکہ کی زمین ہلنے لگی تو انہوں نے سمجھ لیا کہ انہیں جدا کر کے اور پتھران کی جگہ لگانا اللہ کو منظور نہیں۔ اس لئے ہمارے بس کی بات نہیں۔ اس ارادے سے باز رہے اور ان پتھر کو اسی طرح رہنے دیا۔

پھر ہر قبیلہ نے اپنے اپنے حصہ کے مطابق علیحدہ علیحدہ پتھر جمع کئے اور عمارت بنی شروع ہوئی یہاں تک کہ حجر اسود رکھنے کی جگہ تک پہنچے۔ اب ہر قبیلہ چاہتا تھا کہ یہ شرف اسے ملے۔ آپس میں لڑنے جھگڑنے لگے۔ یہاں تک کہ باقاعدہ جنگ کی نوبت آ گئی۔ فرقے آپس میں مچ گئے اور لڑائی کی تیاریوں میں مشغول ہو گئے۔ بنو عبددار اور بنو عدی نے ایک طشتری میں خون بھر کر اس میں ہاتھ ڈبو کر حلف اٹھایا کہ سب کٹ مریں گے لیکن حجر اسود کسی کو نہیں رکھنے دیں گے۔ اسی طرح چار پانچ دن گذر گئے۔ پھر قریش مسجد میں جمع ہوئے کہ آپس میں مشورہ اور انصاف کریں تو ابوامیہ بن مغیرہ نے جو قریش میں سب سے زیادہ معمر اور عقلمند تھے کہا سنو لوگو تم اپنا منصف کسی کو بنا لو وہ جو فیصلہ کرے سب منظور کر لو۔ لیکن پھر منصف بنانے میں بھی اختلاف ہو گا۔ اس لئے ایسا کرو کہ اب جو سب سے پہلے یہاں مسجد میں آئے وہی ہمارا منصف۔ اس رائے پر سب نے اتفاق کر لیا۔ اب منتظر ہیں کہ دیکھیں سب سے پہلے کون آتا ہے؟

پس سب سے پہلے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ آئے۔ آپ گود دیکھتے ہی یہ لوگ خوش ہو گئے اور کہنے لگے۔ ہمیں آپ کا فیصلہ منظور ہے۔ ہم آپ کے حکم پر رضا مند ہیں۔ یہ تو امین ہیں۔ یہ تو محمد ﷺ ہیں۔ پھر سب آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا واقعہ آپ کو کہہ سنایا۔ آپ نے فرمایا۔ جاؤ کوئی موٹی اور بڑی سی چادر لاؤ۔ وہ لے آئے۔ آپ نے حجر اسود اٹھا کر اپنے دست مبارک سے اس میں رکھا۔ پھر فرمایا۔ ہر قبیلہ کا سردار آئے اور اس کپڑے کا کونہ پکڑ لے اور اس طرح ہر ایک حجر اسود کے اٹھانے کا حصہ دار بنے۔ اس پر سب لوگ بہت ہی خوش ہوئے اور تمام سرداروں نے اسے تمام کر اٹھالیا۔ جب اس کے رکھنے کی جگہ تک پہنچے تو اللہ کے نبی نے اسے لے کر اپنے ہاتھ سے اسی جگہ رکھ دیا اور وہ نزاع و اختلاف بلکہ جدال و قتال رفع ہو گیا اور اس طرح اللہ نے اپنے رسول کے ہاتھ اپنے گھر میں اس مبارک پتھر کو نصب کرایا۔ حضور پر وحی نازل ہونے سے پہلے قریش آپ کو امین کہا کرتے تھے۔ اب پھر اوپر کا حصہ بنا اور کعبۃ اللہ کی عمارت تمام ہوئی۔ ابن اسحاق مورخ فرماتے ہیں کہ حضور کے زمانہ میں کعبہ اٹھا رہا تھا۔ قبلی کا پردہ چڑھایا جاتا تھا۔ پھر چادر کا پردہ چڑھنے لگا۔ ریشمی پردہ سب سے پہلے حجاج بن یوسف نے چڑھایا۔

کعبہ کی یہی عمارت رہی۔ یہاں تک کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے ابتدائی زمانہ میں ساٹھ سال کے بعد یہاں آگ لگی اور کعبہ جل گیا۔ یہ یزید بن معاویہ کی ولایت کا آخری زمانہ تھا اور اس نے ابن زبیر کا مکہ میں محاصرہ کر رکھا تھا۔ ان دنوں میں خلیفہ مکہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی خالہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو حدیث سنی تھی اسی کے مطابق حضور کی تمنا پر بیت اللہ کو گرا کر ابراہیمی قواعد پر بنایا۔ عظیم اندر شامل کر لیا۔ مشرق و مغرب دو دروازے رکھے۔ ایک اندر آنے کا دوسرا باہر جانے کا اور دروازوں کو زمین کے برابر رکھا۔ آپ کی امارت کے زمانہ تک کعبۃ اللہ یونہی رہا۔ یہاں تک کہ ظالم حجاج کے ہاتھوں آپ شہید ہوئے۔ اب حجاج نے عبدالملک بن مروان کے حکم سے کعبہ کو پھر توڑ کر پہلے کی طرح بنالیا۔

صحیح مسلم شریف میں ہے یزید بن معاویہ کے زمانہ میں جب کہ شامیوں نے مکہ شریف پر چڑھائی کی اور جو ہونا تھا وہ ہوا۔ اس وقت حضرت عبداللہ نے بیت اللہ کو یونہی چھوڑ دیا۔ موسم حج کے موقع پر لوگ جمع ہوئے۔ انہوں نے یہ سب کچھ دیکھا۔ ازاں بعد آپ نے لوگوں سے مشورہ لیا کہ کیا کعبۃ اللہ سارے کو گرا کر نئے سرے سے بنائیں یا جو ٹوٹا ہوا ہے اس کی اصلاح کر لیں؟ تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے

فرمایا میری رائے ہے کہ آپ جو ٹوٹا ہوا ہے اسی کی مرمت کر دیں۔ باقی سب پرانا ہی رہنے دیں۔ آپ نے فرمایا۔ اگر تم میں سے کسی کا گھر جل جاتا تو وہ تو خوش نہ ہوتا جب تک اسے نئے سرے سے نہ بناتا پھر تم اپنے رب عزوجل کے گھر کی نسبت اتنی کمزور رائے کیوں رکھتے ہو؟ اچھا میں تین دن تک اپنے رب سے استخارہ کروں گا۔ پھر جو سمجھ میں آئے گا وہ کروں گا۔ تین دن کے بعد آپ کی رائے یہی ہوئی کہ باقی ماندہ دیواریں بھی توڑی جائیں اور از سر نو کعبہ کی تعمیر کی جائے چنانچہ یہ حکم دے دیا لیکن کعبے کو توڑنے کی کسی کی ہمت نہیں پڑتی تھی۔ ڈر تھا کہ جو پہلے توڑنے کے لئے چڑھے گا اس پر عذاب نازل ہوگا لیکن ایک باہمت شخص چڑھ گیا اور اس نے ایک پتھر توڑا۔ جب لوگوں نے دیکھا کہ اسے کچھ ایذا نہیں پہنچی تو اب ڈھانا شروع کیا اور زمین تک برابر یکساں صاف کر دیا۔ اس وقت چاروں طرف ستون کھڑے کر دیئے تھے اور ایک کپڑا اتان دیا تھا۔

اب بناء بیت اللہ شروع ہوئی۔ حضرت عبداللہ نے فرمایا میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سنا وہ کہتی تھی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے اگر لوگوں کا کفر کا زمانہ قریب نہ ہوتا اور میرے پاس خرچ بھی ہوتا جس سے میں بنا سکوں تو حطیم میں سے پانچ ہاتھ بیت اللہ میں لے لیتا اور کعبہ کے دو دروازے کرتا۔ ایک آنے کا اور ایک جانے کا حضرت عبداللہ نے یہ روایت بیان کر کے فرمایا اب لوگوں کے کفر کا زمانہ قریب کا نہیں رہا۔ ان سے خوف جاتا رہا اور خزانہ بھی معمور ہے۔ میرے پاس کافی روپیہ ہے۔ پھر کوئی وجہ نہیں کہ میں حضور کی تمنا پوری نہ کروں چنانچہ پانچ ہاتھ حطیم اندر لے لیا اور اب جو دیوار کھڑی کی تو ٹھیک ابراہیمی بنیاد نظر آنے لگی جو لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لی اور اسی پر دیوار کھڑی کی بیت اللہ کا طول اٹھارہ ہاتھ تھا۔ اب جو اس میں پانچ ہاتھ اور بڑھ گیا تو چھوٹا ہو گیا اس لئے طول میں دس ہاتھ اور بڑھایا گیا اور دو دروازے بنائے گئے ایک اندر آنے کا دوسرا باہر جانے کا ابن زبیر کی شہادت کے بعد حجاج نے عبدالملک کو لکھا اور ان سے مشورہ لیا کہ اب کیا کیا جائے؟ یہ بھی لکھ بھیجا کہ مکہ شریف کے عادلوں نے دیکھا ہے ٹھیک حضرت ابراہیم کی نبو پر کعبہ تیار ہوا ہے لیکن عبدالملک نے جواب دیا کہ طول کو تو باقی رہنے دو اور حطیم کو باہر کر دو اور دوسرا دروازہ بند کر دو۔ حجاج نے اس حکم کے مطابق کعبہ کو تڑوا کر پھر اسی بناء پر بنادیا لیکن سنت طریقہ یہی تھا کہ حضرت عبداللہ بن زبیر کی بناء کو باقی رکھا جاتا اس لئے کہ حضور علیہ السلام کی چاہت یہی تھی لیکن اس وقت آپ کو یہ خوف تھا کہ لوگ بدگمانی نہ کریں۔ ابھی نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے ہیں۔

لیکن یہ حدیث عبدالملک بن مروان کو نہیں پہنچی تھی۔ اس لئے انہوں نے اسے تڑوا دیا۔ جب انہیں حدیث پہنچی تو رخ کرتے تھے اور کہتے تھے کاش کہ ہم یونہی رہنے دیتے اور نہ تڑاتے چنانچہ صحیح مسلم شریف کی ایک اور حدیث میں ہے کہ حارث بن عبید اللہ جب ایک وفد میں عبدالملک بن مروان کے پاس پہنچے تو عبدالملک نے کہا میرا خیال ہے کہ ابو حسیب یعنی عبداللہ بن زبیر نے (اپنی حالہ) حضرت عائشہ سے یہ حدیث سنی ہوگی۔ حارث نے کہا ضرور سنی تھی۔ خود میں نے بھی ام المومنین سے سنا ہے پوچھا تم نے کیا سنا ہے؟ کہا میں نے سنا ہے آپ فرماتی تھیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ مجھ سے فرمایا کہ عائشہ صغیری قوم نے بیت اللہ کو تنگ کر دیا۔ اگر تیری قوم کا زمانہ شرک قریب نہ ہوتا تو میں نئے سرے سے ان کی کمی کو پورا کر دیتا لیکن آؤ میں تجھے اصلی نبوتیادوں شاید کسی وقت تیری قوم پھر اسے اس کی اصلیت پر بنانا چاہے تو آپ نے حضرت صدیقہ کو حطیم میں سے قریب اسات ہاتھ اندر داخل کرنے کو فرمایا اور فرمایا میں اس کے دروازے بنادیتا۔ ایک آنے کے لئے اور دوسرا جانے کا اور دونوں دروازے زمین کے برابر رکھتا۔ ایک مشرق رخ رکھتا۔ دوسرا مغرب رخ۔ جانتی ہو کہ تمہاری قوم نے دروازے کو اتنا اونچا کیوں رکھا ہے؟ آپ نے عرض کی حضور مجھے خبر نہیں فرمایا محض اپنی اونچائی اور بڑائی کے لئے کہ جسے چاہیں اندر جانے دیں اور جسے

چاہیں داخل نہ ہونے دیں۔ جب کوئی شخص اندر جانا چاہتا تو اسے اوپر سے دھکا دے دیتے۔ وہ گر پڑتا اور جسے داخل کرنا چاہتے اسے ہاتھ تھام کر اندر لے لیتے۔ عبدالملک نے کہا اے حارث خود سنا ہے تو تھوڑی دیر تک تو عبدالملک اپنی لکڑی ٹکائے سوچتے رہے۔ پھر کہنے لگے کاش کہ میں اسے یونہی چھوڑ دیتا۔

صحیح مسلم شریف کی ایک اور حدیث میں ہے کہ عبدالملک بن مروان نے ایک مرتبہ طواف کرتے ہوئے حضرت عبداللہ کو کوس کر کہا کہ وہ حضرت عائشہؓ پر اس حدیث کا بہتان باندھتا تھا تو حضرت حارثؓ نے روکا اور شہادت دی کہ وہ سچے تھے۔ میں نے بھی حضرت صدیقہ سے یہ سنا ہے۔ اب عبدالملک افسوس کرنے لگے اور کہنے لگے اگر مجھے معلوم ہوتا تو میں ہرگز اسے نہ توڑتا۔ قاضی عیاضؒ اور امام نوویؒ نے لکھا ہے خلیفہ ہارون رشید نے حضرت امام مالکؒ سے پوچھا تھا کہ اگر آپ اجازت دیں تو میں پھر کعبہ کو حضرت ابن زبیر کے بنائے ہوئے کے مطابق بنادوں۔ امام مالک نے فرمایا۔ آپ ایسا نہ کیجئے۔ ایسا نہ ہو کہ کعبہ بادشاہوں کا ایک کھلونا بن جائے۔ جو آئے اپنی طبیعت کے مطابق توڑ پھوڑ کرتا رہے چنانچہ خلیفہ اپنے ارادے سے باز رہے۔ یہی بات ٹھیک بھی معلوم ہوتی ہے کہ کعبہ کو بار بار چھیڑنا ٹھیک نہیں۔

صحیحین کی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کعبہ کو دو چھوٹی پنڈلیوں والا ایک جشتی پھر خراب کرے گا۔ حضورؐ فرماتے ہیں گویا میں اسے دیکھ رہا ہوں۔ وہ سیاہ فام ایک ایک پتھر الگ الگ کر دے گا۔ اس کا غلاف لے جائے گا اور اس کا خزانہ بھی وہ میڑھے ہاتھ پاؤں والا اور گنجا ہوگا۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ گویا وہ کدال بجا رہا ہے اور برابر کھڑے کر رہا ہے۔ غالباً یہ ناشدنی واقعہ (جس کے دیکھنے سے اللہ ہمیں محفوظ رکھے) یا جوج ماجوج کے نکل چکنے کے بعد ہوگا۔

صحیح بخاری شریف کی ایک حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں تم یا جوج ماجوج کے نکلنے کے بعد بھی بیت اللہ شریف کا حج و عمرہ کرو گے۔ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ اپنی دعا میں کہتے ہیں کہ ہمیں مسلمان بنالے یعنی مخلص بنالے۔ مطیع بنالے۔ موجود ہر شر سے بچا۔ ریا کاری سے محفوظ رکھ۔ خشوع و خضوع عطا فرما۔ حضرت سلام بن ابی مطیع فرماتے ہیں مسلمان تو تھے ہی لیکن اسلام کی ثابت قدمی طلب کرتے ہیں جس کے جواب میں ارشاد باری ہوا قَدْ فَعَلْتُ میں نے تمہاری یہ دعا قبول فرمائی پھر اپنی اولاد کے لئے بھی یہی دعا کرتے ہیں جو قبول ہوتی ہے۔ بنی اسرائیل بھی آپؐ کی اولاد میں ہیں اور عرب بھی۔ قرآن میں ہے وَمِنْ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيٍّ أُمَّةٌ يَّهْدُونُ بِالْحَقِّ وَبِهِ يَعْدِلُونَ یعنی موسیٰ کی قوم میں ایک جماعت حق و عدل پر تھی لیکن روانی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب کے لئے یہ دعا گواہ طور پر دوسروں پر بھی مشتمل ہو اس لئے کہ اس کے بعد دوسری دعا میں ہے کہ ان میں ایک رسول بھیج اور اس رسول سے مراد حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں چنانچہ یہ دعا بھی پوری ہوئی جیسے فرمایا هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمَمِينَ رُسُلًا مِنْهُمْ لیکن اس سے آپؐ کی رسالت خاص نہیں ہوتی بلکہ آپؐ کی رسالت عام ہے۔ عرب و عجم سب کے لئے جیسے قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا کہہ دو کہ اے لوگو میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔

ان دونوں نبیوں کی یہ دعا جیسی ہے ایسی ہی ہر متقی کی دعا ہونی چاہئے۔ جیسے قرآنی تعلیم ہے کہ مسلمان یہ دعا کریں رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا اے ہمارے رب ہمیں ہماری بیویوں اور اولادوں سے ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں پرہیزگاروں کا امام بنا۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی محبت کی دلیل ہے کہ انسان یہ چاہے کہ میری اولاد میرے بعد بھی اللہ کی عابد رہے۔ اور جگہ اس دعا کے الفاظ یہ ہیں وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَنْ نَعْبُدَ إِلَّا صُنَامًا اے اللہ مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے بچا۔ رسول

اللہ ﷻ فرماتے ہیں، انسان کے مرتے ہی اس کے اعمال ختم ہو جاتے ہیں مگر تین کام جاری رہتے ہیں۔ صدقہ، علم جس سے نفع حاصل کیا جائے اور نیک اولاد جو دعا کرتی رہے (مسلم)۔ پھر آپ دعا کرتے ہیں کہ ہمیں مناسک دکھائیں احکام حج و ذبح وغیرہ سکھا۔ حضرت جبریل علیہ السلام آپ کو لے کر کعبہ کی عمارت پوری ہو جانے کے بعد صفا پر آتے ہیں۔ پھر مردہ پر جاتے ہیں اور فرماتے ہیں یہ شعار اللہ ہیں۔ پھر منی کی طرف لے چلے۔ عقبہ پر شیطان درخت کے پاس کھڑا ہوا ملا تو فرمایا کبیر پڑھ کر اسے نکھر مارو۔ ابلیس یہاں سے بھاگ کر جرہ وسطی کے پاس جا کھڑا ہوا۔ یہاں بھی اسے نکھریاں ماریں تو یہ خبیثہ نا امید ہو کر چلا گیا۔ اس کا ارادہ تھا کہ حج کے احکام میں کچھ دخل دے لیکن موقع نہ ملا اور مایوس ہو گیا۔ یہاں سے آپ کو مشعر الحرام میں لائے۔ پھر عرفات میں پہنچایا۔ پھر تین مرتبہ پوچھا، کبو سمجھ لیا۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں دوسری روایت میں تین جگہ شیطان کو نکھریاں ماریں مروی ہیں اور ہر شیطان کو سات سات نکھریاں ماری ہیں۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ
الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ٥١

اے ہمارے رب ان میں انہی میں سے رسول بھیج جو ان کے پاس تیری آیتیں پڑھے۔ انہیں کتاب و حکمت سکھائے اور انہیں پاک کرے۔ یقیناً تو غلبہ والا اور حکمت والا ہے ○

دعائے ابراہیم علیہ السلام کا ماحصل: ☆☆ (آیت: ۱۲۹) اہل حرم کے لئے یہ دعا بھی ہے کہ آپ کی اولاد میں سے ہی رسول ان میں آئے چنانچہ یہ بھی پوری ہوئی۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷻ فرماتے ہیں ”میں اللہ جل شانہ کے نزدیک خاتم النبیین اس وقت سے ہوں جبکہ آدم بھی مٹی کی صورت میں تھے“ میں تمہیں اپنا ابتدائی امر بتاؤں۔ میں اپنے باپ ابراہیم کی دعا اور حضرت عیسیٰ کی بشارت ہوں اور اپنی ماں کا خواب ہوں۔ انبیاء کی والدہ کو ایسے ہی خواب آتے ہیں۔ ابوامامہؓ نے ایک مرتبہ سوال کیا کہ یا رسول اللہ اپنی نبوت کا شروع تو ہمیں بتائیے۔ آپ نے فرمایا ”میرے والد حضرت ابراہیم کی دعا اور میری خوشخبری جو حضرت عیسیٰ نے دی اور میری ماں نے دیکھا کہ گویا ان میں سے ایک نور نکلا جس نے شام کے محل چمکا دیئے۔ مطلب یہ ہے کہ دنیا میں شہرت کا ذریعہ یہ چیزیں ہوئیں۔ آپ کی والدہ صاحبہ کا خواب بھی عرب میں پہلے ہی مشہور ہو گیا تھا اور وہ کہتے تھے کہ لطن آمنہ سے کوئی بڑا شخص پیدا ہوگا۔ بنی اسرائیل کے نبیوں کے ختم کرنے والے حضرت روح اللہ نے تو بنی اسرائیل میں خطبہ پڑھتے ہوئے آپ کا صاف نام بھی لے دیا اور فرمایا ”لوگو میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں۔ مجھ سے پہلے کی کتاب توراۃ کی میں تصدیق کرتا ہوں اور میرے بعد آنے والے نبی کی میں تمہیں بشارت دیتا ہوں جن کا نام احمد ہے (صلی اللہ علیہ وسلم) اسی کی طرف اس حدیث میں اشارہ ہے۔ خواب میں نور سے شام کے محلات کا چمک اٹھنا اشارہ ہے اس امر کی طرف کہ دین وہاں جم جائے گا۔ بلکہ روایتوں سے ثابت ہے کہ آخِر زمانہ میں شام اسلام اور اہل اسلام کا مرکز بن جائے گا۔ شام کے مشہور شہر دمشق ہی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام شرقی سفید مینارہ پر نازل ہوں گے۔ بخاری و مسلم میں ہے، میری امت کی ایک جماعت حق پر قائم رہے گی۔ ان کے مخالفین انہیں نقصان نہ پہنچا سکیں گے یہاں تک کہ امر اللہ آجائے۔ صحیح بخاری میں کہ وہ شام میں ہوں گے۔ ابو العالیہؒ سے مروی ہے کہ یہ بھی اسی مقبول دعا کا ایک حصہ ہے کہ یہ پیغمبر آخِر زمانہ میں مبعوث ہوں گے۔ کتاب سے مراد قرآن اور حکمت سے مراد سنت و حدیث ہے۔ حسن اور قتادہؒ اور مقاتلؒ بن حیان اور ابو مالکؒ وغیرہ کا یہی فرمان ہے اور حکمت سے مراد دین کی سمجھ بوجھ بھی ہے۔ پاک کرنا یعنی طاعت و اخلاص سکھانا، بھلائیاں کرانا، برائیوں سے بچانا، اطاعت الہی کر کے رضائے رب حاصل کرنا، نافرمانی سے بچ کر ناراضگی سے

محفوظ رہنا۔ اللہ عزیز ہے جسے کوئی چیز عاجز نہیں کر سکتی۔ جو ہر چیز پر غالب ہے۔ وہ حکیم ہے یعنی اس کا کوئی قول و فعل حکمت سے خالی نہیں۔ وہ ہر چیز کو اپنے عمل پر ہی حکمت و عدل و علم کے ساتھ رکھتا ہے۔

وَمَنْ يَرْغَبْ عَنْ قِلَّةِ اٰبَرِهِمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهُ وَلَقَدْ
اصْطَفَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۳۰﴾
اِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِربِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۳۱﴾
وَوَصّٰى بِمَا اٰبَرَهُمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ يٰبْنٰى اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكَمُ
الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْنٰتُ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾

دین ابراہیمی سے وہی ہے رشتہ بن کرے گا جو محض یہ توفیق ہو۔ ہم نے تو اسے دنیا میں بھی برگزیدہ کیا تھا اور آخرت میں بھی وہ نیک کاروں سے تھا۔ جب کبھی انہیں ان کے رب نے کہا مان لے انہوں نے کہا میں نے رب العالمین کی مانی ہے۔ اسی کی وصیت ابراہیم اور یعقوب نے اپنی اولاد کو کی کہ اے ہمارے بچو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے اس دین کو پسند فرمایا ہے۔ خبردار تم مسلمان ہی مرنے

توحید کے دعوے اور مشرکین کا ذکر: ☆ ☆ (آیت: ۱۳۰-۱۳۲) ان آیتوں میں بھی مشرکین کی تردید ہے کہ جو اپنے آپ کو دین ابراہیمی پر بتاتے تھے حالانکہ کامل مشرک تھے جبکہ حضرت خلیل اللہ کے موجدوں کے امام تھے۔ توحید کو شرک سے ممتاز کرنے والے تھے، عمر بھر میں ایک آنکھ جھپکنے کے برابر بھی اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کیا بلکہ ہر مشرک سے اور ہر قسم کے شرک سے اور ہر غیر اللہ سے جو خدا مانا جاتا ہو وہ دل سے نفرت کرتے تھے اور ان سب سے بیزار تھے۔ اسی بنا پر قوم سے الگ ہوئے۔ وطن چھوڑا بلکہ باپ تک کی مخالفت کی پروا نہ کی اور صاف کہہ دیا کہ اِنِّیْ ہَرِّیْ مِمَّا تُشْرِکُوْنَ میں بیزار ہوں اس چیز سے جسے تم شریک کرتے ہو۔ میں نے تو یکسو ہو کر اپنی تمام تر توجہ اس پاک ذات کی طرف کر دی ہے جس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا ہے۔ میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں۔ اور فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے صاف کہہ دیا کہ میں تمہارے معبودوں سے بری ہوں۔ میں تو اپنے خالق ہی کا گرویدہ ہوں۔ وہی مجھے راہ راست دکھائے گا۔ اور جگہ ہے مَا سَکَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰہِیْمَ الخ ابراہیم نے اپنے والد کے لئے بھی صرف ایک وعدے کی بنا پر استغفار کی تھی لیکن جب انہیں معلوم ہوا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو اس سے بیزار ہو گئے۔

ابراہیم بڑے ہی رجوع کرنے والے اور بردبار تھے۔ اور جگہ ہے ابراہیم مخلص اور مطیع امت تھے۔ مشرک ہرگز نہ تھے رب کی نعمتوں کے شکر گزار تھے۔ اللہ رب کعبہ کے پسندیدہ تھے اور راہ راست پر لگے ہوئے تھے۔ دنیا کے بھلے لوگوں میں سے تھے اور آخرت میں بھی صالح لوگوں میں ہوں گے۔ لہذا ان کی طرح یہاں بھی فرمایا کہ ”اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے بے تدبیر اور گمراہ لوگ ہی ملت ابراہیمی کو ترک کرتے ہیں کیونکہ حضرت ابراہیم کو اللہ نے ہدایت کے لئے چن لیا تھا اور بچپن سے ہی توفیق حق دے رکھی تھی، خلیل جیسا معزز خطاب انہی کو دیا گیا۔ وہ آخرت میں بھی سعید بخت لوگوں میں ہیں۔ ان کے مسلک و ملت کو چھوڑ کر ضلالت و گمراہی میں پڑنے والے سے زیادہ بیوقوف اور ظالم اور کون ہوگا؟ اس آیت میں یہودیوں کا بھی رد ہے جیسے اور جگہ ہے مَا سَکَانَ اِبْرٰہِیْمُ یٰہُوْدِیًّا ابراہیم علیہ السلام نہ تو یہودی تھے نہ نصرانی نہ مشرک بلکہ موجد مسلمان اور مخلص تھے۔ ان سے دوستی رکھنے والے صرف وہی ہیں جو ان کے فرماں بردار ہوں اور یہ نبی اور

ایمان دار اللہ بھی مومنوں کا ولی ہے جب کبھی اللہ فرماتا کہ یہ مان لو وہ جواب دیتے کہ اے رب العالمین میں نے مان لیا۔ اسی ملت وحدانیت کی وصیت ابراہیم و یعقوبؑ نے اپنی اولاد کو بھی کی۔ ہا کی ضمیر کا مرجع یا تو ملت ہے یا کلمہ۔

ملت سے مراد اسلام اور کلمہ سے مراد اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ہے۔ دیکھئے ان کے دل میں اسلام کی کس قدمیت وعزت تھی کہ خود بھی اس پر مدت العمر عامل رہے اپنی اولاد کو بھی اسی کی وصیت کی۔ اور جگہ ہے وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِي عَقِبِهِمْ اِسْمُ كَلِمَةٍ كَوَان کی اولاد میں بھی باقی رکھا، بعض سلف نے ”وَيَعْقُوبُ“ بھی پڑھا تو بقیہ پر عطف ہوگا اور مطلب یہ ہوگا کہ ظلیل اللہ نے اپنی اولاد کو اور اولاد کی اولاد میں سے حضرت یعقوبؑ کو جو اس وقت موجود تھے دین اسلام کی استقامت کی وصیت کی۔ قشیریؒ کہتے ہیں ”حضرت یعقوبؑ حضرت ابراہیمؑ کے انتقال کے بعد پیدا ہوئے تھے لیکن یہ مجرد دعویٰ ہے جس پر کوئی صحیح دلیل نہیں۔ واللہ اعلم۔ بلکہ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یعقوبؑ حضرت اسحاقؑ کے ہاں حضرت ابراہیمؑ کی زندگی میں پیدا ہوئے تھے کیونکہ قرآن پاک کی آیت میں ہے فَبَشِّرْنَاهَا بِاسْحَاقَ وَمِنْ وَرَآءِ اسْحَاقَ يَعْقُوبُ یعنی ہم نے انہیں اسحاقؑ کی اور اسحاقؑ کے پیچھے یعقوبؑ کی خوشخبری دی۔ اور اس کا نصب خفض کو ہٹا کر بھی پڑھا گیا ہے۔ پس اگر حضرت یعقوبؑ حضرت ابراہیمؑ علیہ السلام کی حیات میں موجود نہ ہوں تو پھر ان کا نام لینے میں کوئی زبردست فائدہ باقی نہیں رہتا۔ سورہ عنکبوت میں بھی ہے کہ ہم نے ابراہیمؑ کو اسحاقؑ و یعقوبؑ عطا فرمایا اور اس کی اولاد میں ہم نے نبوت و کتاب دی اور اسی آیت میں ہے۔ ہم نے اسے اسحاقؑ دیا اور یعقوبؑ زائد عطا فرمایا۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یعقوبؑ حضرت ابراہیمؑ کی زندگی میں ہی تھے۔ اگلی کتابوں میں بھی ہے کہ وہ بیت المقدس میں آئیں گے۔ حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مرتبہ پوچھتے ہیں یا رسول اللہؐ منیٰ مسجد پہلی تعمیر کی گئی؟ آپؐ نے فرمایا مسجد حرام پوچھا پھر فرمایا مسجد بیت المقدس میں نے کہا دونوں کے درمیان کس قدر مدت تھی؟ فرمایا چالیس سال۔ ابن حبان نے کہا ہے کہ ”حضرت ابراہیمؑ اور حضرت سلیمان علیہما السلام کی درمیانی مدت سے متعلق یہ بیان ہے“ حالانکہ یہ قول بالکل الٹ ہے۔ ان دونوں نبیوں کے درمیان تو ہزاروں سال کی مدت تھی بلکہ مطلب حدیث کا کچھ اور ہی ہے اور شاہ زماں حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ الرحمنؑ تو اس مسجد کے مجدد تھے۔ موجد نہ تھے۔ اسی طرح حضرت یعقوبؑ علیہ السلام نے بھی وصیت کی تھی جیسے عنقریب ذکر آئے گا۔ وصیت اس امر کی ہوتی ہے جب تک زندہ رہو مسلمان ہو کر رہو تا کہ موت بھی اسی پر آئے۔

موت اور ہمارے اعمال: ☆☆ عموماً انسان زندگی میں جن اعمال پر رہتا ہے اسی پر موت بھی آتی ہے اور جس پر مرتب ہے اس پر اٹھے گا بھی۔ یہی اللہ تعالیٰ کا دستور ہے کہ بھلائی کے قصد کرنے والے کو بھلائی کی توفیق بھی دی جاتی ہے۔ بھلائی اس پر آسان بھی کر دی جاتی ہے اور اسے ثابت قدم بھی رکھا جاتا ہے۔ کوئی شک نہیں کہ حدیث میں یہ بھی ہے کہ انسان جنتیوں کے کام کرتے کرتے جنت میں ایک ہاتھ دور رہ جاتا ہے کہ اس کی تقدیر اس پر غالب آتی ہے اور وہ جہنمیوں کے کام کر کے جہنمی بن جاتا ہے اور کبھی اس کے خلاف بھی ہوتا ہے لیکن اس سے مطلب یہ ہے کہ یہ کام اچھے برے ظاہری ہوتے ہیں۔ حقیقی نہیں ہوتے چنانچہ بعض روایات میں یہ لفظ بھی ہیں۔ قرآن کہتا ہے سخاوت تقویٰ اور لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کی تصدیق کرنے والے کو ہم آسانی کا راستہ آسان کر دیتے ہیں اور بھلے و بے پرواہی اور بھلی بات کی تکذیب کرنے والوں کے لئے ہم سختی کی راہ آسان کر دیتے ہیں۔

أَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاءَ إِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ الْمَوْتُ إِذْ قَالَ
لِبَنِيهِ مَا تَعْبُدُونَ مِنْ بَعْدِي قَالُوا نَعْبُدُ إِلَهَكَ وَإِلَهَ
آبَائِكَ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ إِلَهًا وَاحِدًا وَنَحْنُ
لَكَ مُسْلِمُونَ ۝ تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ
وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝

کیا حضرت یعقوبؑ کے انتقال کے وقت تم موجود تھے جب انہوں نے اپنی اولاد کو کہا کہ میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے؟ تو سب نے جواب دیا کہ آپ کے معبود کی اور آپ کے باپ دادوں ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ اور اسحاقؑ کے معبود کی۔ جو معبود ایک ہی ہے۔ ہم اسی کے فرمانبردار ہیں گے ○ یہ جماعت تو گذر چکی جو انہوں نے کیا وہ ان کے لئے ہے اور جو تم کرو گے تمہارے لئے ہے ان کے اعمال سے نہ پوچھے جاوے گے ○

ازلی اور ابدی مستحق عبادت اللہ وحدہ لا شریک ☆ ☆ (آیت: ۱۳۳-۱۳۴) مشرکین عرب پر جو حضرت اسماعیلؑ کی اولاد تھی اور کفار بنی اسرائیلؑ پر جو حضرت یعقوبؑ کی اولاد تھی دلیل لاتے ہوئے اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ حضرت یعقوبؑ نے تو اپنی اولاد کو اپنے آخری وقت بھی اللہ تعالیٰ وحدہ لا شریک لہ کی عبادت کی وصیت کی تھی۔ ان سے پہلے تو پوچھا کہ تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے؟ سب نے جواب دیا کہ آپ کے اور آپ کے بزرگوں کے معبود برحق کی۔ حضرت یعقوبؑ حضرت اسحاقؑ کے لڑکے اور حضرت اسحاقؑ حضرت ابراہیمؑ کے۔ حضرت اسماعیلؑ کا نام باپ دادوں کے ذکر میں بطور تخطیب کے آگیا ہے کیونکہ آپ چچا ہوتے ہیں اور یہ بھی واضح رہے کہ عرب میں چچا کو بھی باپ کہہ دیتے ہیں۔ اس آیت سے استدلال کر کے دادا کو بھی باپ کے حکم میں رکھ کر دادا کی موجودگی میں بہن بھائی کو ورثہ سے محروم کیا ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فیصلہ یہی ہے جیسے کہ صحیح بخاری شریف میں موجود ہے۔ ام المومنین حضرت عائشہؓ کا مذہب بھی یہی ہے۔ حسن بھریؒ طاؤسؒ اور عطاءؒ بھی یہی کہتے ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ اور بہت سے سلف و خلف کا مذہب بھی یہی ہے۔ امام مالکؒ امام شافعیؒ اور ایک مشہور روایت میں امام احمدؒ سے منقول ہے کہ وہ بھائیوں بہنوں کو بھی وارث قرار دیتے ہیں۔ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ حضرت ابن مسعودؓ حضرت زید بن ثابتؓ اور سلف و خلف کی ایک جماعت کا مذہب بھی یہی ہے۔ قاضی ابو یوسفؒ اور محمد بن حسنؒ بھی یہی کہتے ہیں اور یہ دونوں امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد رشید ہیں۔ اس مسئلہ کی صفائی کا یہ مقام نہیں اور نہ تفسیر کا یہ موضوع ہے۔

ان سب بچوں نے اقرار کیا کہ ہم ایک ہی معبود کی عبادت کریں گے یعنی اس اللہ کی الوہیت میں کسی کو شریک نہ کریں گے اور ہم اس کی اطاعت گزار ہیں فرمانبرداری اور خشوع و خضوع میں مشغول رہا کریں گے جیسے اور جگہ ہے وَلَهُ اسَلَّمُ الخ زمین و آسمان کی ہر چیز خوشی اور ناخوشی سے اس کی مطیع ہے اس کی طرف تم سب لوٹائے جاؤ گے۔ تمام انبیاء کا دین یہی اسلام رہا ہے۔ اگرچہ احکام میں اختلاف رہے ہیں جیسے فرمایا وَمَا ارْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُولٍ اِلَّا نُوْحِیْ اِلَيْهِ اَنَّهُ لَا اِلَهَ اِلَّا اَنَا فَاعْبُدُوْنِ یعنی تجھ سے پہلے جتنے رسول ہم نے بھیجے سب کی طرف وحی کی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تم سب میری ہی عبادت کرتے رہو۔ اور آیتیں بھی اس مضمون کی بہت سی ہیں اور احادیث میں بھی یہ مضمون بکثرت وارد ہے۔ آنحضرتؐ فرماتے ہیں ”ہم علاقائی بھائی ہیں ہمارا دین ایک ہے۔ پھر فرماتا ہے ”یہ امت جو گذر چکی تمہیں ان کی طرف نسبت نفع نہ دے گی ہاں اگر عمل ہوں تو اور بات ہے ان کے اعمال ان کے ساتھ اور تمہارے اعمال تمہارے ساتھ“ تم ان

کے افعال کے بارے میں نہیں پوچھے جاؤ گے۔ حدیث شریف میں ہے جس کا عمل اچھا نہ ہوگا اس کا نسب اسے کوئی فائدہ نہیں دے گا۔

وَقَالُوا كُونُوا هُودًا أَوْ نَصَارَى تَهْتَدُوا قُلْ بَلْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ
حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿۴۲﴾

یہ کہتے ہیں یہود و نصاریٰ بن جاؤ تو راہ پاؤ گے۔ تم کہو بلکہ ملت ابراہیمی والے ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام مشرک نہ تھے ○

(آیت: ۱۳۵) عبد اللہ بن مسعودؓ نے رسول اللہ ﷺ سے کہا تھا کہ ہدایت پر ہمیں ہیں۔ تم ہماری مانو تو تمہیں بھی ہدایت ملے گی۔ نصرا نیوں نے بھی یہی کہا تھا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ ہم تو ابراہیم حنیف علیہ السلام کے متبع ہیں جو استقامت والے اخلاص والے حج والے بیت اللہ کی طرف منہ کرنے والے استطاعت کے وقت حج کو فرض جاننے والے اللہ کی فرمانبرداری کرنے والے تمام رسولوں پر ایمان لانے والے لا الہ الا اللہ کی شہادت دینے والے ماں بیٹی خالہ پھوپھی کو حرام جاننے والے اور تمام حرام کاریوں سے بچنے والے تھے۔ یہ سب معنی حنیف کے مختلف حضرات نے بیان کئے ہیں۔

قُولُوا آمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ
وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَمَا أُوتِيَ
النَّبِيُّونَ مِنْ رَبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ﴿۴۳﴾

(اے مسلمانو) تم سب کہو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس چیز پر بھی جو ہماری طرف اتاری گئی اور جو چیز ابراہیمؑ، اسماعیلؑ، اسحاقؑ، یعقوبؑ اور ان کی اولاد پر اتاری گئی اور جو کچھ اللہ کی جانب سے موسیٰؑ اور عیسیٰؑ اور دوسرے انبیاءؑ دینے گئے۔ ہم ان میں سے کسی کے درمیان جدائی نہیں ڈالتے ہم اللہ کے فرمانبردار ہیں ○

اہل کتاب کی تصدیق یا تکذیب! ☆ ☆ (آیت: ۱۳۶) اللہ تعالیٰ اپنے ایماندار بندوں کو ارشاد فرماتا ہے کہ جو کچھ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر اترا اس پر تو وہ تفصیل دار ایمان لائیں اور جو آپ سے پہلے انبیاء پر اترا اس پر بھی اجمالاً ایمان لائیں۔ ان اگلے انبیاء کرام میں سے بعض کے نام بھی لے دیئے اور باقی نبیوں کا مجمل ذکر کر دیا۔ ساتھ ہی فرمایا کہ یہ کسی نبی کے درمیان تفریق نہ کریں کہ ایک کو مانیں اور دوسرے سے انکار کر جائیں۔ جو عادت اوروں کی تھی کہ وہ انبیاء میں تفریق کرتے تھے کسی کو مانتے تھے کسی سے انکاری تھے۔ یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور محمد ﷺ دونوں کو نہیں مانتے تھے۔ ان سب کو نبوی ملا کہ اُولَئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ حَقًّا یہ لوگ بالیقین کافر ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں اہل کتاب تو راۃ کو عبرانی میں پڑھتے تھے اور عربی میں تفسیر کر کے اہل اسلام کو سنا تے تھے۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ اہل کتاب کی سچائی یا تکذیب نہ کرو۔ کہہ دیا کہ اللہ پر اور اس کی نازل کی ہوئی کتابوں پر ہمارا ایمان ہے۔ نبی ﷺ صبح کی دو سنتوں میں پہلی رکعت میں یہ آیت آمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا پوری آیت اور دوسری رکعت میں آیت آمَنَّا وَاشْهَدْ بِأَنَّنَا مُسْلِمُونَ پڑھا کرتے تھے۔

اسباط حضرت یعقوبؑ کے بیٹوں کو کہتے ہیں جو بارہ تھے جن میں سے ہر ایک کی نسل میں بہت سے انسان ہوئے۔ بنی اسماعیل کو قبائل کہتے تھے اور بنی اسرائیل کو اسباط کہتے تھے۔ زخمریؑ نے کشاف میں لکھا ہے کہ یہ حضرت یعقوبؑ کے پوتے تھے جو ان کے بارہ لڑکوں

کی اولاد تھی۔ بخاری میں ہے کہ مراد قبائل بنی اسرائیل ہیں۔ ان میں بھی نبی ہوئے تھے جن پر وحی نازل ہوئی تھی جیسے موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اِذْ جَعَلْنَا فِيكُمْ اَنْبِيَاءَ اَلْحَ اللّٰہ کی نعمت کو یاد کرو کہ اس نے تم میں انبیاء اور بادشاہ بنائے۔ اور جگہ ہے وَقَطَّعْنَهُمْ اَنْتَنِيْ عَشْرَةَ اَسْبَاطٍ ہم نے ان کے بارہ گروہ کر دیئے۔ سَبْطُ کہتے ہیں درخت کو یعنی یہ مثل درخت کے ہیں جس کی شاخیں پھیلی ہوئی ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کل انبیاء بنی اسرائیل میں سے ہی ہوئے ہیں سوائے دس کے نوحؑ، ہودؑ، صالحؑ، شعیبؑ، ابراہیمؑ، لوطؑ، اسحاقؑ، یعقوبؑ، اسماعیلؑ، محمد علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ سبط کہتے ہیں اس جماعت اور قبیلہ کو جن کا مورث اعلیٰ اوپر جا کر ایک ہو۔ ہمیں توراۃ و انجیل پر ایمان رکھنا ضروری ہے لیکن عمل کے لئے صرف قرآن وحدیث ہی ہے۔

فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَا اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدْ اٰهْتَدَوْا وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ
شِقَاقٍ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۝۶ صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ
اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ۝۷ قُلْ اَتَحَابُّوْنَآ فِيْ اللّٰهِ
وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ وَلَنَّا اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ۝۸
اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ کَانُوْا
هُودًا اَوْ نَصٰرٰی قُلْ اَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمَ اللّٰهُ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَہَادَةً
عِنْدَہٗ مِنَ اللّٰهِ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝۹

اگر تم جیسا ایمان لائیں تو راہ پائیں اور اگر منہ موڑیں تو خلاف میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سے تجھ کو غریب کفایت کرے گا۔ وہ خوب سننے جاننے والا ہے ○ رنگ دیا اللہ نے اپنے رنگ میں اور اللہ سے زیادہ اچھا رنگ کس کا ہوگا۔ ہم تو اسی کی عبادت کرنے والے ہیں ○ کہہ دو کیا تم ہم سے اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہو جو ہمارا اور تمہارا رب ہے۔ ہمارے لئے ہمارے عمل ہیں اور تمہارے لئے تمہارے اعمال، ہم تو اسی کے لئے خلوص کرنے والے ہیں۔ کیا تم کہتے ہو کہ ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ اور اسحاقؑ اور یعقوبؑ اور ان کی اولاد یہودی یا نصرانی تھے؟ کہہ کیا تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ تعالیٰ؟ اللہ کے پاس کی شہادت چھپانے والے سے زیادہ ظالم اور کون ہے؟ اللہ تمہارے کاموں سے غافل نہیں ○

شرط نجات: ☆☆ (آیت: ۱۳۷-۱۳۸) یعنی اے ایمان دار صحابیو! اگر یہ کفار بھی تم جیسا ایمان لائیں یعنی تمام کتابوں اور رسولوں کو مان لیں تو حق و رشد ہدایت و نجات پائیں گے اور اگر باوجود قیام حجت کے باز رہیں تو یقیناً حق کے خلاف ہیں۔ اللہ تعالیٰ تجھے ان پر غالب کر کے تمہارے لئے کافی ہوگا وہ سننے جاننے والا ہے۔ نافع بن نعیمؓ کہتے ہیں کہ کسی خلیفہ کے پاس حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ کا قرآن بھیجا گیا۔ زیاد نے یہ سن کر کہا کہ لوگوں میں مشہور ہے کہ جب حضرت عثمانؓ کو لوگوں نے شہید کیا۔ اس وقت یہ کلام اللہ ان کی گود میں تھا اور آپ کا خون ٹھیک ان الفاظ پر پڑھا تھا فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ کیا یہ صحیح ہے؟ حضرت نافعؓ نے کہا بالکل ٹھیک ہے۔ میں نے خود اس آیت پر ذوالنورین کا خون دیکھا تھا (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) رنگ سے مراد دین ہے اور اس کا زبر بطور اخراء کے ہے جیسے فطرۃ اللہ میں مطلب یہ ہے کہ اللہ کے دین کو لازم پکڑ لو۔ اس پر چٹ جاؤ۔ بعض کہتے ہیں یہ بدل ہے مِلَّةُ اِبْرٰہِیْمَ سے جو اس سے پہلے موجود ہے۔ یہودیہ کہتے ہیں۔ یہ صدر مودک ہے۔ اَمَّنَا بِاللّٰہ کی وجہ سے منصوب ہے جیسے وَعَدَ اللّٰہ ایک مرفوع حدیث ہے بنی اسرائیل نے کہا

اے رسول اللہ! کیا ہمارا رب رنگ بھی کرتا ہے؟ آپ نے فرمایا اللہ سے ڈرو! واذ آئی ان سے کہہ دو کہ تمام رنگ میں ہی تو پیدا کرتا ہوں۔ یہی مطلب اس آیت کا بھی ہے لیکن اس روایت کا موقف ہونا ہی صحیح ہے اور یہ بھی اس وقت جب کہ اس کی اسناد صحیح ہوں۔

مشرکین کے اعمال سے بیزاری: ☆☆ (آیت ۱۳۹-۱۴۰) مشرکوں کے جھگڑے کو دفع کرنے کا حکم رب العالمین اپنے نبیؐ کو دے رہا ہے کہ ”تم ہم سے اللہ کی توحید، اخلاص، اطاعت وغیرہ کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو؟ وہ صرف ہمارا ہی نہیں بلکہ تمہارا رب بھی تو ہے، ہم پر اور تم پر قابض و متصرف بھی وہی اکیلا ہے۔ ہمارے عمل ہمارے ساتھ ہیں اور تمہارے عمل تمہیں کام آئیں گے۔ ہم تم سے اور تمہارے شرک سے بیزار ہیں۔ جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے اِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ اِلٰهِيْ عِنْدِيْ اِلٰهٌ اٰخَرٌ لَّيْسَ بِنَبِيِّ اِلٰهٍ اٰخَرٍ اِلَّا رَحْمَةً لِّعَالَمِيْنَ“ اگر یہ تجھے جھگڑائیں تو تو کہہ دے کہ میرے لئے میرا عمل ہے اور تمہارے لئے تمہارا عمل ہے۔ تم میرے (نیک) کام سے اور میں تمہارے اعمال سے بیزار ہوں“ اور جگہ ارشاد ہے فَاِنْ حَاجَّوْكَ اِلٰهٌ اٰخَرٌ لَّيْسَ بِاِلٰهٍ اٰخَرٍ اِلَّا رَحْمَةً لِّعَالَمِيْنَ“ اگر یہ تجھ سے جھگڑیں تو تو کہہ دے، میں نے اور میرے ماننے والوں نے اپنے منہ اللہ کی طرف کر دیئے۔“ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی اپنی قوم سے یہی فرمایا تھا اَتَحَاجُّوْنِيْ فِی اللّٰهِ اِلٰهٍ اٰخَرٍ لَّيْسَ بِاِلٰهٍ اٰخَرٍ اِلَّا رَحْمَةً لِّعَالَمِيْنَ“ کیا تم اللہ کے بارے میں مجھ سے اختلاف کرتے ہو؟ اور جگہ ہے؟ اَلَمْ تَرَوْا اِلٰی الَّذِیْ حَاجَّ اِبْرٰهِيْمَ فِیْ رَبِّہٖۤ اَنۡہٗ یَکُوْنُ اِلٰهٌ اٰخَرٌ لَّیْسَ بِاِلٰهٍ اٰخَرٍ اِلَّا رَحْمَةً لِّعَالَمِيْنَ“ تو نے اسے بھی دیکھا جو ابراہیمؑ سے اس کے رب کے بارے میں جھگڑنے لگا۔ پس یہاں ان جھگڑالو لوگوں سے کہا گیا کہ ہمارے اعمال ہمارے لئے اور تمہارے اعمال تمہارے لئے۔ ہم تم سے بیزار، تم ہم سے الگ۔ ہم عبادت اور توجہ میں اخلاص اور یکسوئی کرنے والے لوگ ہیں۔ پھر ان لوگوں کے دعوے کی تردید ہو رہی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نہ تو یہودی نہ نصرانی، تم اے یہودیو اور اے نصرانیو کیوں یہ باتیں بنا رہے ہو؟ کیا تمہارا علم اللہ سے بھی بڑھ گیا ہے۔ اللہ نے تو صاف فرمادیا مَا کَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَہُوْدِیًّا وَّلَا نَصْرَانِیًّا وَّلٰکِنْ کَانَ حَنِیْفًا مُّسْلِمًا وَمَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ اِبْرٰهِيْمُ عَلَیْہِ السَّلَامُ نہ تو یہودی تھے نہ نصرانی، نہ مشرک بلکہ خالص مسلمان تھے۔ ان کا حق کی شہادت کو چھپا کر بظلم کرنا یہ تھا کہ اللہ کی کتاب جو ان کے پاس آئی اس میں انہوں نے پڑھا کہ حقیقی دین اسلام ہے محمد ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ ابراہیمؑ اسمٰعیلؑ اسحاقؑ یعقوب وغیرہ یہودیت اور نصرانیت سے الگ تھے لیکن پھر نہ مانا اور اتنا ہی نہیں بلکہ اس بات کو بھی چھپا دیا۔

تِلْكَ أَمَةُ ۖ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْأَلُونَ
عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٤٦﴾

○ یہ امت ہے جو گذر چکی جو انہوں نے کیا، ان کے لئے ہے اور جو تم نے کیا تمہارے لئے۔ تم ان کے اعمال سے سوال نہ کئے جاؤ گے

(آیت: ۱۳۱) پھر فرمایا، تمہارے اعمال اللہ سے پوشیدہ نہیں۔ اس کا محیط علم سب چیزوں کو گھیرے ہوئے ہے۔ وہ ہر بھلائی اور برائی کا پورا پورا بدلہ دے گا۔ یہ دھمکی دے کر پھر فرمایا کہ یہ پاکباز جماعت تو اللہ کے پاس پہنچ چکی۔ تم جب ان کے نقش قدم پر نہ چلو تو صرف ان کی اولاد میں سے ہونا تمہیں اللہ کے ہاں کوئی عزت اور نفع نہیں دے سکتا ہے۔ ان کے نیک اعمال میں تمہارا کوئی حصہ نہیں اور تمہاری بد اعمالیوں کا ان پر کوئی بوجھ نہیں، جو کرے سو بھرے تم نے جب ایک نبی کو جھٹلایا تو گویا تمام انبیاء کو جھٹلایا، بالخصوص اے وہ لوگو جو نبی آخر الزمانؐ کے مبارک زمانہ میں ہو۔ تم تو بڑے ہی وبال میں آ گئے۔ تم نے تو اس نبی کو جھٹلایا جو سید الانبیاءؐ ہیں، جو ختم المرسلینؐ ہیں، جو رسول رب العالمینؐ ہیں۔ جن کی رسالت تمام انسانوں اور جنوں کی طرف ہے۔ جن کی رسالت کے ماننے کا ہر ایک شخص مکلف ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بے شمار درود و سلام آپؐ پر نازل ہوں اور آپؐ کے سوا تمام انبیاء کرامؐ پر بھی۔

سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلَّيْنَاهُمْ عَنْ قِبَلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا قُلْ لِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ

مُسْتَقِيمٍ ﴿۱۲۳﴾

عقرب نادان لوگ کہیں گے کہ جس قبلہ پر یہ تھے اس نے انہیں اس چیز نے بتایا۔ تو کہہ دے کہ مشرق و مغرب ہاں کہ اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ وہ جسے چاہے سیدھی راہ
○ ○ ○ ○ ○

تحویل کعبہ ایک امتحان بھی تھا اور تقرر جہت بھی: ☆ ☆ (آیت: ۱۲۳) بےوقوفوں سے مراد: یہاں شریکین عرب اور علماء یہودی اور منافقین وغیرہ ہیں۔ صحیح بخاری شریف میں حضرت براءؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے سولہ یا سترہ مہینہ تک بیت المقدس کی طرف نماز پڑھی لیکن خود آپؐ کی چاہت یہ تھی کہ آپؐ کا قبلہ بیت اللہ شریف ہو چنانچہ اب حکم آ گیا اور آپؐ نے عصر کی نماز اس کی طرف ادا کی۔ آپؐ کے ساتھ نمازیوں میں سے ایک شخص کسی اور مسجد میں پہنچا وہاں جماعت رکوع میں تھی۔ اس نے ان سے کہا اللہ کی قسم میں نبی ﷺ کے ساتھ مکہ کی طرف نماز پڑھ کر ابھی آ رہا ہوں جب ان لوگوں نے سنا تو اسی حالت میں وہ کعبہ کی طرف گھوم گئے۔ اب بعض لوگوں نے یہ کہا کہ جو لوگ اگلے قبلہ کی طرف نمازیں پڑھتے ہوئے شہید ہو چکے ہیں ان کی نمازوں کا کیا حال ہے۔ تب یہ فرمان نازل ہوا کہ: وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ أَوْ لِيُؤْخَذَ بِهِمْ لَوْ كُنُوا إِيمَانًا كُفَرًا لَظَلَمْنَا نَفْسَهُمْ وَكَانُوا مِنَ الْغَافِلِينَ (آیت: ۱۲۴) ایک اور روایت میں ہے کہ جب حضور بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے تھے تو آپؐ اکثر آسمان کی طرف نظریں اٹھاتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے منتظر تھے یہاں تک کہ آیت قَدْ نَزَّلَ نَارُ نَازِلٌ ہوئی اور کعبہ قبلہ مقرر ہوا۔ لوگوں نے اگلے قبلہ کی طرف نماز پڑھنے والوں کے بارے میں سوال کیا جس پر فرمان مَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ أَوْ لِيُؤْخَذَ بِهِمْ لَوْ كُنُوا إِيمَانًا كُفَرًا لَظَلَمْنَا نَفْسَهُمْ وَكَانُوا مِنَ الْغَافِلِينَ (آیت: ۱۲۴) نازل ہوا اور ان کی نمازوں کی طرف سے اطمینان ہوا۔

اب بعض بے وقوف اہل کتاب نے قبلہ کے بدلے جانے پر اعتراض کیا جس پر یہ آیتیں سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ لَوْلَا نَزَّلَ اللَّهُ آيَةً لَفُتْنَا بِهَا نَفْسًا وَكُنَّا بِآيَاتِهِ كَافِرِينَ (آیت: ۱۲۵) شروع ہجرت کے وقت مدینہ شریف میں آپؐ کو بیت المقدس کی طرف نمازیں ادا کرنے کا حکم ہوا تھا۔ یہود اس سے خوش تھے لیکن آپؐ کی چاہت اور دعا قبلہ ابراہیمی کی تھی آخر جب یہ حکم نازل ہوا تو یہودیوں نے جھٹ سے اعتراض جزو دیا جس کا جواب ملا کہ مشرق و مغرب اللہ ہی کے ہیں۔ اس مضمون کی اور بھی بہت سی روایتیں ہیں خلاصہ یہ ہے کہ مکہ شریف میں آپؐ دونوں رکن کے درمیان نماز پڑھتے تھے تو آپؐ کے سامنے کعبہ ہوتا تھا اور بیت المقدس کے صحرہ کی طرف آپؐ کا منہ ہوتا تھا، لیکن مدینہ جا کر یہ معاملہ مشکل ہو گیا دونوں جمع نہیں ہو سکتے تھے تو وہاں آپؐ کو بیت المقدس کی طرف نماز ادا کرنے کا حکم قرآن میں نازل ہوا تھا یا دوسری وحی کے ذریعہ یہ حکم ملا تھا۔ بعض بزرگ تو کہتے ہیں یہ صرف حضورؐ کا اجتہادی امر تھا اور مدینہ آنے کے بعد کئی ماہ تک اسی طرف آپؐ نمازیں پڑھتے رہے گو چاہت اور تھی یہاں تک کہ پروردگار نے بیت العتیق کی طرف منہ پھیرنے کو فرمایا اور آپؐ نے اس طرف منہ کر کے پہلے نماز عصر پڑھی اور پھر لوگوں کو اپنے خطبہ میں اس امر سے آگاہ کیا۔ بعض روایتوں میں یہ بھی آتا ہے کہ یہ ظہر کی نماز تھی۔ حضرت ابوسعید بن معلیؓ فرماتے ہیں میں نے اور میرے ساتھی نے اول اول کعبہ کی طرف نماز پڑھی ہے اور یہ ظہر کی نماز تھی۔ بعض مفسرین وغیرہ کا بیان ہے کہ نبی ﷺ پر جب قبلہ بدلنے کی آیت نازل ہوئی اس وقت آپؐ مسجد بنی سلمہ میں ظہر کی نماز پڑھ رہے تھے دو رکعت ادا کر چکے تھے۔ پھر باقی کی دو رکعتیں آپؐ نے بیت اللہ شریف کی طرف پڑھیں اسی وجہ سے اس مسجد کا نام ہی مسجد القبلتین یعنی دو قبلوں والی مسجد ہے۔ حضرت نویلہ بنت مسلمؓ فرماتی ہیں کہ ہم ظہر کی نماز میں تھے جب ہمیں یہ خبر ملی اور ہم نماز میں ہی گھوم گئے۔ مرد عورتوں کی جگہ آ گئے اور عورتیں مردوں کی جگہ جا پہنچیں ہاں اہل قبا کو دوسرے دن صبح کی نماز کے وقت یہ خبر

پہنچی۔ بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ لوگ مسجد قبا میں صبح کی نماز ادا کر رہے تھے۔ ناگاہ کسی آنے والے نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ پر رات کو حکم قرآنی نازل ہوا اور کعبہ کی طرف متوجہ ہونے کا حکم ہو گیا چنانچہ ہم لوگ بھی شام کی طرف منہ ہٹا کر کعبہ کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ناخ کے حکم کا لزوم اس وقت ہوتا ہے جب اس کا علم ہو جائے گو وہ پہلے ہی پہنچا چکا ہو اس لئے کہ ان حضرات کو عصر، مغرب اور عشاء کے لوٹانے کا حکم نہیں ہوا واللہ اعلم۔ اب باطل پرست کمزور عقیدہ والے باتیں بنانے لگے کہ اس کی کیا وجہ ہے کبھی اسے قبلہ کہتا ہے، کبھی اسے قبلہ قرار دیتا ہے۔ انہیں جواب ملا کہ حکم اور تصرف اور امر اللہ تعالیٰ ہی کا ہے جدھر منہ کر دیا اس کی طرف اس کا منہ ہے۔ بھلائی اسی میں نہیں آگئی بلکہ اصلیت تو ایمان کی مضبوطی ہے جو ہر حکم کے ماننے پر مجبور کر دیتی ہے اور اس میں گویا مومنوں کو ادب سکھایا گیا ہے کہ ان کا کام صرف حکم کی بجا آوری ہے۔ جدھر انہیں متوجہ ہونے کا حکم دیا جائے یہ متوجہ ہو جاتے ہیں۔ اطاعت کے معنی اس کے حکم کی تعمیل کے ہیں۔ اگر وہ ایک دن میں سو مرتبہ ہر طرف گھمائے تو ہم بخوشی گھوم جائیں گے۔ ہم اس کے غلام ہیں ہم اس کے ماتحت ہیں اس کے فرمانبردار ہیں اور اس کے خادم ہیں جدھر وہ حکم دے گا پھیر لیں گے امت محمدیہ پر یہ بھی اللہ تعالیٰ کا اکرام ہے کہ انہیں خلیل الرحمان علیہ السلام کے قبلہ کی طرف منہ کرنے کا حکم ہوا جو اسی لاشریک کے نام پر بنایا گیا ہے اور تمام تر فضیلتیں جسے حاصل ہیں۔ مسند احمد کی ایک مرفوع حدیث ہے کہ یہودیوں کو ہم سے اس بات پر بہت حسد ہے کہ اللہ نے ہمیں جمعہ کے دن کی توفیق دی اور یہ اس سے بھٹک گئے اور اس پر کہ ہمارا قبلہ یہ ہے اور وہ اس سے گمراہ ہو گئے اور بڑا حسد ان کو ہماری آئین کہنے پر بھی ہے جو ہم امام کے پیچھے کہتے ہیں۔

وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ
وَيَكُونَ الرِّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا ۚ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ
عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعُ الرِّسُولَ ۚ إِنَّ تَنَقُّبَ عَلَى عَقْبَيْهِ
وَإِنْ كَانَتْ لَكَبِيرَةً إِلَّا عَلَى الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ ۚ وَمَا كَانَ
اللَّهُ لِيُضَيِّعَ إِيمَانَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَرُؤُوفٌ رَحِيمٌ ۝

ہم نے اسی طرح تمہیں عادل امت بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ اور رسول تم پر گواہ ہو جائیں جس قبلہ پر تم پہلے سے تھے اسے ہم نے صرف اس لئے مقرر کیا تھا کہ ہم جان لیں کہ رسول کا سچا تابعدار کون ہے اور کون ہے جو اپنی ایڑیوں پر پلٹ جاتا ہے گو یہ کام مشکل ہے مگر جنہیں اللہ نے ہدایت دی (ان پر کوئی مشکل نہیں) اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان ضائع نہ کرے گا اللہ تعالیٰ لوگوں کے ساتھ شفقت اور مہربانی کرنے والا ہے ○

(آیت: ۱۴۳) پھر فرماتا ہے کہ اس پسندیدہ قبلہ کی طرف تمہیں متوجہ کرنا اس لئے کہ تم خود بھی پسندیدہ امت ہو تم اور امتوں پر قیامت کے دن گواہ بنے رہو گے کیونکہ وہ سب تمہاری فضیلت مانتے ہیں۔ وسط کے معنی یہاں پر بہتر اور عمدہ کے ہیں جیسے کہا جاتا ہے کہ قریش نسب کے اعتبار سے وسط عرب ہیں اور کہا گیا ہے کہ حضور علیہ السلام اپنی قوم میں وسط تھے یعنی اشرف نسب والے اور صلوة وسطیٰ یعنی افضل تر نماز جو عصر ہے جیسے صحیح احادیث سے ثابت ہے اور چونکہ تمام امتوں میں یہ امت بھی بہتر افضل اور اعلیٰ تھی اس لئے انہیں شریعت بھی کامل راستہ بھی بالکل درست ملا اور دین بھی بہت واضح دیا گیا جیسے فرمایا: هُوَ اجْتَبَاكُمْ الخ اس اللہ نے تمہیں چن لیا اور تمہارے دین میں کوئی تنگی نہیں کی۔ تمہارے باپ ابراہیمؑ کے دین پر تم ہو اسی نے تمہارا نام مسلم رکھا ہے۔ اس سے پہلے بھی اور اس میں بھی تاکہ رسول تم پر گواہ ہو اور تم لوگوں پر۔

مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں نوح علیہ السلام کو قیامت کے دن بلایا جائے گا اور ان سے دریافت کیا جائے گا کہ کیا تم نے میرا پیغام میرے بندوں کو پہنچا دیا تھا؟ وہ کہیں گے کہ ہاں اللہ پہنچا دیا تھا، ان کی امت کو بلایا جائے گا اور ان سے پرسش ہوگی کہ کیا نوح علیہ السلام نے میری باتیں تمہیں پہنچائی تھیں وہ صاف انکار کریں گے اور کہیں گے ہمارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تو نوح علیہ السلام سے کہا جائے گا، تمہاری امت انکار کرتی ہے۔ تم گواہ پیش کرو یہ کہیں گے کہ ہاں محمد ﷺ اور آپ کی امت میری گواہ ہے۔ یہی مطلب اس آیت وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أَرْخَ کَہے۔ وسط کے معنی عدل کے ہیں۔ اب تمہیں بلایا جائے گا اور تم گواہی دو گے اور میں تم پر گواہی دوں گا (بخاری ترمذی نسائی ابن ماجہ) مسند احمد کی ایک اور روایت میں ہے قیامت کے دن نبی آئیں گے اور ان کے ساتھ ان کی امت کے صرف دو ہی شخص ہوں گے اور اس سے زیادہ بھی اس کی امت کو بلایا جائے گا اور ان سے پوچھا جائے گا کہ کیا اس نبی نے تمہیں تبلیغ کی تھی؟ وہ انکار کریں گے، نبی سے کہا جائے گا تم نے تبلیغ کی وہ کہیں گے ہاں، کہا جائے گا تمہارا گواہ کون ہے؟ وہ کہیں گے کہ محمد ﷺ اور آپ کی امت۔ پس محمد ﷺ اور آپ کی امت بلائی جائے گی۔ ان سے یہی سوال ہوگا کہ کیا اس پیغمبر نے تبلیغ کی؟ یہ کہیں گے ہاں، ان سے کہا جائے گا کہ تمہیں کیسے علم ہوا؟ یہ جواب دیں گے کہ ہمارے پاس ہمارے نبی آئے اور آپ نے خبر دی کہ انبیاء علیہم السلام نے تیرا پیغام اپنی اپنی امتوں کو پہنچایا۔ یہی مطلب ہے اللہ عزوجل کے اس فرمان وَكَذَلِكَ أَرْخَ کَ مسند احمد کی ایک اور حدیث میں وسط بمعنی عدلاً آیا ہے۔

ابن مردودہ اور ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں اور میری امت قیامت کے دن ایک اونچے نیلے پر ہوں گے۔ تمام مخلوق میں نمایاں ہوں گے اور سب کو دیکھ رہے ہوں گے۔ اس روز تمام دنیا تمنا کرے گی کہ کاش وہ بھی ہم میں سے ہوتے۔ جس جس نبی کی قوم نے اسے جھٹلایا ہے، ہم دربار رب العالمین میں شہادت دیں گے کہ ان تمام انبیاء نے حق رسالت ادا کیا تھا۔

متدرک حاکم کی ایک حدیث میں ہے کہ بنی مسلمہ کے قبیلے کے ایک شخص کے جنازے میں ہم حضور کے ساتھ تھے۔ لوگ کہنے لگے حضور یہ بڑا ایک آدمی تھا بڑا متقی پارسا اور سچا مسلمان تھا اور بھی بہت سی تعریفیں کیں۔ آپ نے فرمایا تم یہ کس طرح کہہ رہے ہو؟ اس شخص نے کہا حضور پوشیدگی کا علم تو اللہ ہی کو ہے لیکن ظاہر داری تو اس کی ایسی ہی حالت تھی۔ آپ نے فرمایا اس کے لئے جنت واجب ہوگئی۔ پھر بنو حارثہ کے ایک شخص کے جنازے میں تھے لوگ کہنے لگے حضرت یہ برا آدمی تھا بڑا بد زبان اور کج خلق تھا آپ نے اس کی برائیاں سن کر پوچھا تم کیسے کہہ رہے ہو اس شخص نے بھی یہی کہا۔ آپ نے فرمایا۔ اس کے لئے واجب ہوگئی محمد بن کعب اس حدیث کو سن کر فرمانے لگے اللہ کے رسول سچے ہیں۔ دیکھو قرآن بھی کہہ رہا ہے وَكَذَلِكَ أَرْخَ کَ مسند احمد میں ہے ابوالاسود فرماتے ہیں میں مدینہ میں آیا، یہاں بیماری تھی لوگ بکثرت مر رہے تھے میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا جو ایک جنازہ نکلا اور لوگوں نے مرحوم کی نیکیاں بیان کرنی شروع کیں۔ آپ نے فرمایا اس کے لئے واجب ہوگئی اتنے میں دوسرا جنازہ نکلا لوگوں نے اس کی برائیاں بیان کیں۔ آپ نے فرمایا اس کے لئے واجب ہوگئی میں نے کہا امیر المؤمنین کیا واجب ہوگئی؟ آپ نے فرمایا میں نے وہ کہا جو جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس مسلمان کی بھلائی کی شہادت چار شخص دیں اسے جنت میں داخل کرتا ہے ہم نے کہا حضور اگر تین دیں؟ آپ نے فرمایا تین بھی ہم نے کہا اگر دو ہوں آپ نے فرمایا دو بھی پھر ہم نے ایک کی بابت کا سوال نہ کیا ابن مردودہ کی ایک حدیث میں ہے کہ تم اپنے بھلوں اور بدوں کو پہچان لیا کرو۔ لوگوں نے کہا حضور کس طرح؟ آپ نے فرمایا اچھی تعریف اور بری شہادت سے۔ تم زمین پر اللہ کے گواہ ہو۔

پھر فرماتا ہے کہ اگلا قبلہ صرف امتحان تھا یعنی پہلے بیت المقدس کو قبلہ مقرر کر کے پھر کعبۃ اللہ کی طرف پھیرنا صرف اس لئے تھا

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ تمہارے ایمان کو ضائع نہیں کرے گا یعنی تمہاری بیت المقدس کی طرف پڑھی ہوئی نمازیں رد نہیں ہوں گی۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں بلکہ ان کی اعلیٰ ایمانداری ثابت ہوئی انہیں دونوں قبول کی طرف نماز پڑھنے کا ثواب عطا ہوگا۔ یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ محمد ﷺ کو اور ان کے ساتھ تمہارے گھوم جانے کو ضائع نہ کرے گا۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ رؤف و رحیم ہے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے ایک جنگی قیدی عورت کو دیکھا جس سے اس کا بچہ چھوٹ گیا تھا۔ وہ اپنے بچے کو پاگلوں کی طرح تلاش کر رہی تھی اور جب وہ نہیں ملا تو قیدیوں میں سے جس کسی بچہ کو دیکھتی، اسی کو گلے لگا لیتی یہاں تک کہ اس کا اپنا بچل گیا خوشی خوشی لپک کر اسے گود میں اٹھا لیا سینے سے لگایا پیار کیا اور اس کے منہ میں دودھ دیا۔ یہ دیکھ کر حضورؐ نے صحابہؓ سے فرمایا: بتاؤ تو یہ اپنا بس چلتے ہوئے اس بچہ کو آگ میں ڈال دے گی؟ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ ہرگز نہیں۔ آپؐ نے فرمایا اللہ کی قسم جس قدر یہ ماں اپنے بچہ پر مہربان ہے، اس سے کہیں زیادہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر رؤف و رحیم ہے۔

قَدْ نَرَى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا
فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ
شَطْرَهُ وَإِنَّ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ
وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُونَ ﴿٢٠٢﴾

ہم نے تیرے منہ کا آسمان کی طرف پھرنا دیکھا، اب ہم تجھے اس قبلہ کی جانب متوجہ کریں گے جس سے تو خوش ہو جائے۔ تو اپنا منہ مسجد حرام کی طرف پھیر لے اور تم جہاں کہیں ہو، اپنا منہ اسی کی طرف پھیرا کرو، اہل کتاب کو اس کے اللہ کی طرف سے اور حق ہونے کا قطعی علم ہے اور اللہ تعالیٰ ان اعمال سے غافل نہیں

جو یہ کرتے ہیں ○

خشوع و خضوع ضروری ہے: ☆ ☆ (آیت: ۱۳۳) حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ قرآن میں قبلہ کا حکم پہلا نسخ ہے۔ حضورؐ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ یہاں کے اکثر باشندے یہود تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بیت المقدس کی طرف نمازیں پڑھنے کا حکم دیا۔ یہود اس سے بہت خوش ہوئے۔ آپ کئی ماہ تک اسی رخ نماز پڑھتے رہے لیکن خود آپؐ کی چاہت قبلہ ابراہیمی کی تھی آپ اللہ سے دعائیں مانگا کرتے تھے اور نگاہیں آسمان کی طرف اٹھایا کرتے تھے۔ بالاخر آیت قَدْ نَرَىٰ اخْلُجْ نَازِلْ ہوئی۔ اس پر یہود کہنے لگے کہ اس قبلہ سے یہ کیوں ہٹ گئے جس کے جواب میں کہا گیا کہ مشرق اور مغرب کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے اور فرمایا جدھر تمہارا منہ ہو اُدھر ہی اللہ کا منہ ہے اور فرمایا کہ اگلا قبلہ امتحان تھا اور روایت میں ہے کہ حضورؐ نماز کے بعد اپنا سر آسمان کی طرف اٹھاتے تھے۔ اس پر یہ آیت اتری اور حکم ہوا کہ مسجد حرام کی طرف کعبہ کی طرف میزاب کی طرف منہ کرو۔ جبرائیل علیہ السلام نے امت کو کرائی۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد حرام میں میزاب کے سامنے بیٹھے ہوئے اس آیت پاک کی تلاوت کی اور فرمایا میزاب کعبہ کی طرف رخ کرنے کا حکم ہے۔ امام شافعیؒ کا بھی ایک قول یہ ہے کہ عین کعبہ کی طرف توجہ مقصود ہے اور دوسرا قول آپ کا یہ ہے کہ کعبہ کی جہت ہونا کافی ہے اور یہی مذہب اکثر ائمہ کرام کا ہے حضرت علیؓ فرماتے ہیں۔ مراد اس کی طرف ہے۔ ابوالعالیہؒ مجاہدؒ عکرمہؒ سعید بن جبیرؒ قتادہؒ ربیع بن انسؒ وغیرہ کا بھی یہی قول ہے۔ ایک حدیث میں بھی ہے کہ مشرق و مغرب کے درمیان قبلہ ہے۔

ابن جریجؒ میں حدیث ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں بیت اللہ مسجد حرام والوں کا قبلہ ہے اور مسجد اہل حرم کا قبلہ ہے اور تمام زمین والوں کا حرم قبلہ ہے خواہ مشرق میں ہوں خواہ مغرب میں میری تمام امت کا قبلہ یہی ہے۔ ابویعیم میں بروایت براء مروی ہے کہ حضورؐ نے سولہ سترہ مہینے تک تو بیت المقدس کی طرف نماز پڑھی لیکن آپ کو پسند امر یہ تھا کہ بیت اللہ کی طرف پڑھیں چنانچہ اللہ کے حکم سے آپؐ نے بیت اللہ کی طرف متوجہ ہو کر عصر کی نماز ادا کی۔ پھر نمازیوں میں سے ایک شخص مسجد والوں کے پاس گیا وہ رکوع میں تھے۔ اس نے کہا میں حلیفہ گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مکہ شریف کی طرف نماز ادا کی۔ یہ سن کر وہ جس حالت میں تھے اسی حالت میں بیت اللہ شریف کی طرف پھر گئے۔ عبدالرزاقؒ میں بھی یہ روایت قدرے کمی بیشی کے ساتھ مروی ہے۔ نسائیؒ میں حضرت ابوسعید بن معلیؓ سے مروی ہے کہ ہم صبح کے وقت مسجد نبویؐ حضورؐ کے زمانہ میں جایا کرتے تھے اور وہاں کچھ نوافل پڑھا کرتے تھے۔ ایک دن ہم گئے تو دیکھا نبی ﷺ منبر پر بیٹھے ہوئے ہیں میں نے کہا آج کوئی نئی بات ضرور ہوئی ہے میں بھی بیٹھ گیا تو حضورؐ نے یہ آیت قَدْ نَرَىٰ اخْلُجْ نَازِلْ فرمائی۔ میں نے اپنے ساتھی سے کہا۔ آؤ نبی ﷺ فارغ ہوں کہ منبر سے اترنے سے پہلے ہی ہم اس نئے حکم کی تعمیل کریں اور اول فرماں بردار بن جائیں چنانچہ ہم ایک طرف ہو گئے اور سب سے پہلے بیت اللہ شریف کی طرف نماز پڑھی۔ پھر حضور بھی منبر سے اتر آئے اور اس قبلہ کی طرف پہلی نماز ظہر ادا کی گئی۔

ابن مردویہؒ میں بروایت ابن عمر مروی ہے کہ پہلی نماز جو حضورؐ نے کعبہ کی طرف ادا کی وہ ظہر کی نماز ہے اور یہی نماز صلوٰۃ وسطیٰ ہے لیکن مشہور یہ ہے کہ پہلی نماز کعبہ کی طرف عصر کی ادا ہوئی اسی وجہ سے اہل قبا کو دوسرے دن صبح کے وقت اطلاع پہنچی۔ ابن مردویہؒ میں بروایت نویل بنت مسلم موجود ہے کہ ہم مسجد بنو حارثہ میں ظہر یا عصر کی نماز بیت المقدس کی طرف منہ کئے ہوئے ادا کر رہے تھے۔ دو رکعت پڑھ چکے تھے کہ کسی نے آ کر قبلہ کے بدل جانے کی خبر دی۔ چنانچہ ہم نماز ہی میں بیت اللہ کی طرف متوجہ ہو گئے اور باقی نماز اسی طرف ادا کی اس

گھومنے میں مرد عورتوں کی جگہ اور عورتیں مردوں کی جگہ آگئیں۔ آپ کے پاس جب یہ خبر پہنچی تو خوش ہو کر فرمایا: یہ ہیں ایمان بالغیب رکھنے والے۔ ابن مردویہ میں بروایت عمارہ بن اوس مروی ہے کہ رکوع کی حالت میں ہمیں اطلاع ہوئی اور ہم سب مرد عورتیں بچے اسی حالت میں قبلہ کی طرف گھوم گئے۔

پھر ارشاد ہوتا ہے تم جہاں بھی ہو مشرق مغرب شمال یا جنوب میں ہر صورت نماز کے وقت منہ کعبہ کی طرف کر لیا کرو ہاں البتہ سفر میں سواری پر نفل پڑھنے والا جدھر سواری جارہی ہو اُدھر جس طرف بن پڑے نماز ادا کر لے اور اسی طرح وہ شخص جسے قبلہ کی جہت کا قطعی علم نہیں وہ اندازے سے جس طرف زیادہ دل مانے نماز ادا کر لے۔ پھر گواس کی نماز فی الواقع قبلہ کی طرف نہ بھی ہوئی ہو تو بھی وہ اللہ کے ہاں معاف ہے۔ مسئلہ مالکیہ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ نمازی حالت نماز میں اپنے سامنے اپنی نظریں رکھے نہ کہ سجدے کی جگہ جیسے کہ شافعی، احمد اور ابو حنیفہ کا مذہب ہے۔ اس لئے کہ آیت کے الفاظ یہ ہیں کہ منہ مسجد الحرام کی طرف کر دو اور اگر سجدے کی جگہ نظر جمانا چاہے گا تو قدرے جھکنا پڑے گا اور یہ تکلف کمال خشوع کے خلاف ہوگا۔ بعض مالکیہ کا یہ قول بھی ہے کہ قیام کی حالت میں اپنے سینہ کی طرف نظر رکھے۔ قاضی شریک کہتے ہیں کہ قیام کے وقت سجدہ کی جگہ نظر رکھے جیسے کہ جمہور جماعت کا قول ہے اس لئے کہ یہ پورا پورا خشوع خضوع ہے اور ایک حدیث بھی اس مضمون کی وارد ہوئی ہے اور رکوع کی حالت میں اپنے قدموں کی جگہ پر نظر رکھے اور سجدے کے وقت ناک کی جگہ اور اتھتیا کے وقت اپنی گود کی طرف۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ یہ یہودی جو چاہیں باتیں بنائیں لیکن ان کے دل جانتے ہیں کہ قبلہ کی تبدیلی اللہ کی جانب سے ہے اور برحق ہے کیونکہ یہ خود ان کی کتابوں میں بھی موجود ہے لیکن یہ لوگ کفر و عناد اور تکبر و حسد کی وجہ سے اسے چھپاتے ہیں۔ اللہ بھی ان کی ان کرتوتوں سے بے خبر نہیں۔

وَلَئِنْ آتَيْنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ بِكُلِّ آيَةٍ مَا تَبِعُوا قِبْلَتَكَ وَمَا أَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ وَلَئِنْ آتَبْتَ أَهْوَاءَهُمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ إِنَّكَ إِذَا لَمِنَ الظَّالِمِينَ ۝

تو اگر چاہلی کتاب کو تمام دلیلیں دے دے لیکن وہ تیرے قبلہ کی پیروی نہیں کریں گے اور نہ تو ان کے قبلہ کا ماننے والا ہے اور نہ یہ آپس میں ایک دوسرے کے قبلہ کو ماننے والے ہیں اور اگر تو باوجود یکہ تیرے پاس علم آچکا، پھر بھی ان کی خواہشوں کے پیچھے لگ جائے تو بالیقین تو بھی ظالموں میں سے ہے ○

کفر و عناد زدہ یہودی: ☆ ☆ (آیت: ۱۳۵) یہودیوں کے کفر و عناد اور مخالفت و سرکشی کا بیان ہو رہا ہے کہ باوجود یکہ رسول کی شان کا انہیں علم ہے لیکن پھر بھی یہ حالت ہے کہ ہر قسم کی دلیلیں پیش ہو چکنے کے بعد بھی حق کی پیروی نہیں کرتے جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں إِنَّ الَّذِينَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ وَلَوْ جَاءَتْهُمْ كُلُّ آيَةٍ حَتَّى يَرَوْا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ یعنی جن لوگوں پر تیرے رب کی بات ثابت ہو چکی ہے وہ ایمان نہ لائیں گے چاہے ان کے پاس یہ تمام آیتیں آجائیں یہاں تک کہ دردناک عذاب نہ دیکھ لیں۔

پھر اپنے نبی کی اس استقامت پر بیان فرماتا ہے کہ جس طرح وہ ناحق پڑ لے ہوئے ہیں اور وہاں سے ہٹنا نہیں چاہتے تو وہ بھی

سمجھ لیں کہ ہمارے نبی ایسے نہیں کہ ان کی باتوں میں آجائیں اور ان کی راہ چل پڑیں وہ ہمارے تابع فرمان ہیں اور ہماری مرضی کے عامل ہیں۔ ان کی باطل خواہش کی تابعداری ہرگز نہیں کریں گے نہ ان سے یہ ہو سکتا ہے کہ ہمارا حکم آجانے کے بعد ان کے قبلہ کی طرف توجہ کریں۔ پھر اپنے نبی کو خطاب کر کے دراصل علماء کو دھمکایا گیا کہ حق کے واضح ہو جانے کے بعد کسی کے پیچھے لگ جانا اور اپنی یا دوسروں کی خواہش پرستی کرنا یہ صریح ظلم ہے۔

الَّذِينَ اتَيْنَهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ آبْنَاءَهُمْ وَإِنَّ فَرِيقًا مِنْهُمْ لَيَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ۝ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ۝ وَلِكُلِّ وُجْهَةٍ هُوَ مَوْلِيهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ ۚ إِنَّمَا تَكُونُوا يَاتٍ بِكُمْ اللَّهُ جَمِيعًا ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝

جنہیں ہم نے کتاب دی ہے وہ تو اسے ایسا پہچانتے ہیں جیسے کوئی اپنے بچوں کو پہچانے ان کی ایک جماعت حق کو جان کر پھر چھپاتی ہے ○ تیرے رب کی طرف سے یہ سراسر حق ہے۔ خبردار تو شک والوں میں سے نہ ہونا ○ ہر شخص ایک نہ ایک طرف متوجہ ہو رہا ہے۔ تم نیکیوں کی طرف دوڑو جہاں کہیں بھی تم ہو گے اللہ تمہیں لے آئے گا اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے ○

صفات نبوی سے اغماض برتنے والے یہودی علماء: ☆ ☆ (آیت: ۱۳۶-۱۳۷) ارشاد ہوتا ہے کہ علماء اہل کتاب رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی باتوں کی حقانیت کو اس طرح جانتے ہیں جس طرح باپ اپنے بیٹوں کو پہچانے۔ یہ ایک مثال تھی جو مکمل یقین کے وقت عرب دیا کرتے تھے۔ ایک حدیث میں ہے ایک شخص کے ساتھ چھوٹا بچہ تھا آپ نے اس سے پوچھا یہ تیرا لڑکا ہے اس نے کہا ہاں حضور آپ بھی گواہ رہے۔ آپ نے فرمایا نہ یہ تجھ پر پوشیدہ رہے نہ تو اس پر۔

قرطبی کہتے ہیں ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عبداللہ بن سلام سے جو یہودیوں کے زبردست علامہ تھے پوچھا کیا تو حضرت محمد ﷺ کو ایسا ہی جانتا ہے جس طرح اپنی اولاد کو پہچانتا ہے۔ جواب دیا ہاں بلکہ اس سے بھی زیادہ اس لئے کہ آسمانوں کا امین فرشتہ زمین کے امین شخص پر نازل ہوا اور اس نے آپ کی صحیح تعریف بتادی یعنی حضرت جبرائیل حضرت عیسیٰ کے پاس آئے اور پھر پروردگار عالم نے ان کی صفیں بیان کیں جو سب کی سب آپ میں موجود ہیں پھر ہمیں آپ کے نبی برحق ہونے میں کیا شک رہا ہم آپ کو بیک نگاہ کیوں نہ پہچان لیں؟ بلکہ ہمیں اپنی اولاد کے بارے میں شک ہے اور آپ کی نبوت میں کچھ شک نہیں۔ غرض یہ ہے کہ جس طرح لوگوں کے ایک بڑے مجمع میں ایک شخص اپنے لڑکے کو پہچان لیتا ہے اسی طرح حضور کے اوصاف جو اہل کتاب کی آسمانی کتابوں میں ہیں وہ تمام صفات آپ میں اس طرح نمایاں ہیں کہ بیک نگاہ ہر شخص آپ کو جان جاتا ہے پھر فرمایا کہ باوجود اس علم حق کے پھر بھی یہ لوگ اسے چھپاتے ہیں پھر اپنے نبی اور مسلمانوں کو ثابت قدمی کا حکم دیا کہ خبردار تم ہرگز حق کے حق ہونے میں شک نہ کرنا۔

سچا قبلہ: ☆ ☆ (آیت: ۱۴۸) حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ ہر مذہب والوں کا ایک قبلہ ہے لیکن سچا قبلہ وہ ہے جس پر مسلمان ہیں۔ ابوالعالیہ کا قول ہے کہ یہود کا بھی قبلہ ہے۔ نصرانیوں کا بھی قبلہ ہے اور تمہارا بھی قبلہ ہے لیکن ہدایت والا قبلہ وہی ہے جس پر

اے مسلمانو تم ہو۔ مجاہدؒ سے یہ بھی مروی ہے کہ ہر ایک وہ قوم جو کعبہ کو قبلہ مانتی ہے وہ بھلائیوں میں سبقت کرے۔ مُؤَلِّیْہَا کی دوسری قرات مُوَلَّاہَا ہے جیسے اور جگہ ہے لِكُلِّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً اِلٰی یعنی ہر شخص کو اپنے اپنے قبلہ کی پڑی ہوئی ہے۔ ہر شخص اپنی اپنی راہ لگا ہوا ہے پھر فرمایا کہ گو تمہارے جسم اور بدن مختلف ہو جائیں گو تم ادھر ادھر بکھر جاؤ لیکن اللہ تمہیں اپنی قدرت کاملہ سے اسی زمین سے جمع کر لے گا۔

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَإِنَّهُ لَلْحَقُّ
مِنْ رَبِّكَ وَمَا لِلَّهِ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ۝ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ
وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ
لِنَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ فَلَا
تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي ۚ وَلَئِمَّا نِعْمَتِي عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ۝

تو جہاں سے نکل اپنا منہ مسجد حرام کی طرف کر لیا کر۔ یہی حق ہے اور تیرے رب کا حکم ہے۔ جو کچھ تم کر رہے ہو اس سے اللہ تعالیٰ بے خبر نہیں ۝ جس جگہ سے تو نکل اپنا منہ مسجد حرام کی طرف پھیر لے اور جہاں کہیں تم ہو اپنے چہرے اسی کی طرف کیا کرو تا کہ لوگوں کو کوئی حجت تم پر باقی نہ رہ جائے سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے ان میں سے ظلم کیا ہے۔ تم ان سے نہ ڈرو۔ مجھ ہی سے ڈرتے رہو اس لئے کہ میں اپنی نعمت تم پر پوری کروں اور اس لئے بھی کہ تم راہ راست پاؤ ۝

تین بار نزول حکم: ☆☆ (آیت: ۱۳۹-۱۵۰) یہ تیسری مرتبہ حکم ہو رہا ہے کہ روئے زمین کے مسلمانوں کو نماز کے وقت مسجد حرام کی طرف منہ کرنا چاہئے۔ تین مرتبہ تاکید اس لئے کی گئی کہ یہ تبدیلی کا حکم پہلی بار واقع ہوا تھا۔ فخر الدین رازی نے اس کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ پہلا حکم تو ان کے لئے ہے جو کعبہ کو دیکھ رہے ہیں دوسرا حکم ان کے لئے ہے جو مکہ میں ہیں لیکن کعبہ ان کے سامنے نہیں تیسری بار انہیں حکم دیا جو مکہ کے باہر روئے زمین پر ہیں قرطبی نے ایک توجیہ یہ بھی بیان کی ہے کہ پہلا حکم مکہ والوں کو ہے دوسرا اور شہر والوں کو تیسرا مسافروں کو بعض کہتے ہیں تینوں حکموں کا تعلق اگلی پچھلی عبارت سے ہے پہلے حکم میں تو آنحضورؐ کی طلب کا اور پھر اس کی قبولیت کا ذکر ہے اور دوسرے حکم میں یہودیوں کی حجت کا جواب ہے کہ ان کی کتابوں میں پہلے سے موجود تھا کہ آپؐ کا قبلہ کعبہ ہو گا اس حکم سے وہ پیشگوئی بھی پوری ہوئی۔ ساتھ ہی مشرکین کی حجت بھی ختم ہوئی کہ وہ کعبہ کو متبرک اور مشرف مانتے تھے اور اب حضورؐ کی توجہ بھی اسی کی طرف ہو گئی رازی وغیرہ نے اس حکم کو بار بار بار لانے کی حکمتوں کو بخوبی تفصیل سے بیان کیا ہے واللہ اعلم۔

پھر فرمایا تاکہ اہل کتاب کو کوئی حجت تم پر باقی نہ رہے۔ وہ جانتے تھے کہ امت کی طرف پہچان کعبہ کی رخ کر کے نماز پڑھنا ہے۔ جب وہ یہ صفت نہ پائیں گے تو انہیں شک کی گنجائش ہو سکتی ہے لیکن جب انہوں نے آپؐ کو اس قبلہ کی طرف پھرتے ہوئے دیکھ لیا تو اب انہیں کسی طرح کا شک نہ رہنا چاہئے اور یہ بات بھی ہے کہ وہ تمہیں اپنے قبلہ کی طرف نمازیں پڑھتے ہوئے دیکھیں گے تو ان کے ہاتھ ایک بہانہ لگ جائے گا لیکن جب تم ابراہیمی قبلہ کی طرف متوجہ ہو جاؤ گے تو وہ خالی ہاتھ رہ جائیں گے، حضرت ابو العالیہؒ فرماتے ہیں یہودی کی یہ حجت تھی کہ آج یہ ہمارے قبلہ کی طرف ہیں یعنی ہمارے قبلہ کی طرف رخ کرتے ہیں۔ کل ہمارا مذہب بھی مان لیں گے لیکن جب اپنے اللہ کے حکم سے اصلی قبلہ اختیار کر لیا تو ان کی اس ہوس پر پانی پڑ گیا۔

پھر فرمایا مگر جو ان میں سے ظالم اور ضدی مشرکین بطور اعتراض کہتے تھے کہ یہ شخص ملت ابراہیمی پر ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور پھر

ابراہیمی قبلہ کی طرف نماز نہیں پڑھتا۔ انہیں جواب بھی مل گیا کہ یہ نبی ہمارے احکام کا قبیح ہے پہلے ہم نے اپنی کمال حکمت سے انہیں بیت المقدس کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا جسے یہ بجالائے پھر ابراہیمی قبلہ کی طرف پھر جانے کو کہا جسے جان و دل سے بجالائے پس آپ ہر حال میں ہمارے احکام کے ماتحت ہیں (صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم) پھر فرمایا ان ظالموں کے شبہ ڈالنے سے تم شک میں نہ پڑو ان باغیوں کی سرکشی سے تم خوف نہ کرو ان کے بے جان اعتراضوں کی مطلق پرواہ نہ کرو ہاں میری ذات سے خوف کیا کرو صرف مجھ ہی سے ڈرتے رہا کرو۔ قبلہ بدلنے میں جہاں یہ مصلحت تھی کہ لوگوں کی زبانیں بند ہو جائیں وہاں یہ بھی بات تھی کہ میں چاہتا تھا کہ اپنی نعمت تم پر پوری کر دوں اور قبلہ کی طرح تمہاری شریعت کامل کر دوں اور تمہارے دین کو ہر طرح مکمل کر دوں اور اس میں یہ ایک راز بھی تھا کہ جس قبلہ سے اگلی امتیں بہک گئیں تم اس سے نہ ہٹو۔ ہم نے اس قبلہ کو خصوصیت کے ساتھ تمہیں عطا فرما کر تمہارا شرف اور تمہاری فضیلت بزرگی تمام امتوں پر ثابت کر دی۔

كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِّنْكُمْ يَتْلُوا عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ﴿۵۵﴾
فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ ﴿۵۶﴾

جس طرح ہم نے تم میں تم ہی میں سے رسول بھیجا جو ہماری آیتیں تمہارے سامنے تلاوت کرتا ہے اور تمہیں پاک کرتا ہے اور تمہیں کتاب و حکمت اور وہ چیزیں سکھاتا ہے جن سے تم بے علم تھے ○ تم میرا ذکر کرو میں بھی تمہیں یاد کروں گا میری شکرگزاری کرو اور ناشکری سے بچو ○

اللہ کی یاد شکر ہے اور بھول کفر ہے! ☆☆ (آیت: ۱۵۱-۱۵۲) یہاں اللہ تعالیٰ اپنی بہت بڑی نعمت کا ذکر فرما رہا ہے کہ اس نے ہم میں ہماری جنس کا ایک نبی مبعوث فرمایا جو اللہ تعالیٰ کی روشن اور نورانی کتاب کی آیتیں ہمارے سامنے تلاوت فرماتا ہے اور رذیل عاداتوں اور نفس کی شرارتوں اور جاہلیت کے کاموں سے ہمیں روکتا ہے اور غفلت کفر سے نکال کر نور ایمان کی طرف رہبری کرتا ہے اور کتاب و حکمت یعنی قرآن و حدیث ہمیں سکھاتا ہے اور وہ راز ہم پر کھلتا ہے جو آج تک ہم پر نہیں کھلے تھے پس آپ کی وجہ سے وہ لوگ جن پر صدیوں سے جہل چھایا ہوا تھا جنہیں صدیوں سے تاریکی نے گھیر رکھا تھا جن پر مدتوں سے بھلائی کا پرتو بھی نہیں پڑا تھا دنیا کی زبردست علامہ ہستیوں کے استاد بن گئے وہ علم میں گہرے تکلف میں تھوڑے دلوں کے پاک اور زبان کے سچے بن گئے دنیا کی حالت کا یہ انقلاب بجائے خود حضور مکی رسالت کی تصدیق کا ایک شاہد و عدل ہے۔ اور جگہ ارشاد ہے لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ اَلْخ یعنی ایسے اولوالعزم پیغمبر کی بعثت مومنوں پر اللہ کا ایک زبردست احسان ہے اس نعمت کی قدر نہ کرنے والوں کو قرآن کہتا ہے اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّ اَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ اٰيَاتٌ مِّنْ لَّدُنْهُ يُؤَيِّدُ بِهَا لَوْلَا ذٰلِكَ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَ اَلْاَرْضُ وَ اَلَّذِيْنَ فِيْهَا يَلْمُزُوْنَ سُبْحٰنَ عِلِّيِّزِ ﴿۱۵۱﴾ یہاں اللہ کی نعمت سے مراد حضرت محمد ﷺ ہیں۔ اسی لئے اس آیت میں بھی اپنی نعمت کا ذکر فرما کر لوگوں کو اپنی یاد اور اپنے شکر کا حکم دیا کہ جس طرح میں نے احسان تم پر کیا تم بھی میرے ذکر اور میرے شکر سے غفلت نہ کرو۔ موسیٰ علیہ السلام رب العزت سے عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ تیرا شکر کس طرح کروں۔ ارشاد ہوتا ہے کہ مجھے یاد رکھو بھولو نہیں یاد شکر ہے اور بھول کفر ہے۔ حسن بصریؒ وغیرہ کا قول ہے کہ اللہ کی یاد کرنے والے کو اللہ بھی یاد کرتا ہے اس کا شکر کرنے والے کو وہ زیادہ دیتا ہے اور ناشکرے کو عذاب کرتا ہے۔ بزرگان سلف سے مروی ہے کہ اللہ سے پورا اذرنایہ ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے۔ نافرمانی نہ کی جائے۔ اس کا ذکر کیا جائے۔ غفلت نہ برتی جائے۔ اس کا شکر کیا جائے۔ ناشکری نہ کی

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ إِنَّ اللَّهَ مَعَ
الصَّابِرِينَ ۝ وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ
وَلَكِنْ لَا تَشْعُرُونَ ۝

ایمان والو صبر اور نماز کے ساتھ مدد چاہو اللہ صبر والوں کا ساتھ دیا ہے ○ اللہ کی راہ کے شہیدوں کو مردہ نہ کہو وہ زندہ ہیں لیکن تم نہیں سمجھتے ○

جائے۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے سوال ہوتا ہے کہ کیا زانی، شرابی، چور اور قاتل نفس کو بھی اللہ یاد کرتا ہے؟ فرمایا ہاں برائی سے حسن بصریؒ فرماتے ہیں مجھے یاد کرو یعنی میرے ضروری احکام بجالاؤ میں تمہیں یاد کروں گا یعنی اپنی نعمتیں عطا فرماؤں گا۔ سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں میں تمہیں بخش دوں گا اور اپنی رحمتیں تم پر نازل کروں گا۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کا یاد کرنا بہت بڑی چیز ہے۔ ایک قدسی حدیث میں ہے جو مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے میں اسے اپنے دل میں یاد کرتا ہوں اور جو مجھے کسی جماعت میں یاد کرتا ہے میں بھی اسے اس سے بہتر جماعت میں یاد کرتا ہوں۔ مسند احمد میں ہے کہ وہ جماعت فرشتوں کی ہے جو شخص میری طرف ایک بالشت بڑھتا ہے میں اس کی طرف ایک ہاتھ بڑھاتا ہوں اور اگر تو اے بنی آدم میری طرف ایک ہاتھ بڑھائے گا میں تیری طرف دو ہاتھ بڑھاؤں گا اور اگر تو میری طرف چلتا آئے گا تو میں تیری طرف دوڑتا ہواؤں گا۔ صحیح بخاری میں بھی یہ حدیث ہے۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت اس سے بھی زیادہ قریب ہے۔ پھر فرمایا میرا شکر کرو ناشکری نہ کرو اور جگہ ہے لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ یعنی تیرے رب کی طرف سے عام آگہی ہے کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تمہیں برکت دوں گا اور اگر ناشکری کرو گے تو یاد رکھنا میرا عذاب سخت ہے مسند احمد میں ہے کہ عمر بن حصین ایک مرتبہ نہایت قیمتی حلقہ پہنے ہوئے آئے اور فرمایا اللہ تعالیٰ جب کسی پر انعام کرتا ہے تو اس کا اثر اس پر دیکھنا چاہتا ہے۔

صلوٰۃ و صبر بہترین وسیلہ اور شہد کا ذکر: ☆☆ (آیت: ۱۵۳-۱۵۴) شکر کے بعد صبر کا بیان ہو رہا ہے اور ساتھ ہی نماز کا ذکر کر کے ان بڑے بڑے نیک کاموں کو ذریعہ نجات بنانے کا حکم ہو رہا ہے ظاہر بات ہے کہ انسان یا تو اچھی حالت میں ہوگا تو یہ موقعہ شکر کا ہے یا اگر بری حالت میں ہوگا تو یہ موقعہ صبر کا ہے حدیث میں ہے مومن کی کیا ہی اچھی حالت ہے کہ ہر کام میں اس کے لئے سراسر بھلائی ہے اسے راحت ملتی ہے تو شکر کرتا ہے تو اجر پاتا ہے رنج پہنچتا ہے تو صبر کرتا ہے تو اجر پاتا ہے۔ آیت میں اس کا بھی بیان ہو گیا کہ مصیبتوں پر تحمل کرے اور انہیں ٹالنے کا ذریعہ صبر و صلوٰۃ ہے جیسے اس سے پہلے گزر چکا ہے کہ وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ صبر و صلوٰۃ کے ساتھ استعانت چاہو یہ ہے تو اہم کام لیکن رب کا ذکر رکھے والوں پر بہت آسان ہے حدیث میں ہے جب کوئی کام حضورؐ کو غم میں ڈال دیتا تو آپ نماز شروع کر دیتے۔

صبر کی دو قسمیں ہیں حرام اور گناہ کے کاموں کے ترک کرنے پر اطاعت اور نیکی کے کاموں کے کرنے پر یہ صبر پہلے سے بڑا ہے تیسری قسم صبر کی مصیبت درد اور دکھ پر یہ بھی واجب ہے جیسے عیسوں سے استغفار کرنا واجب ہے حضرت عبد الرحمنؓ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں استقلال سے لگے رہنا چاہے انسان پر شاق گزرے طبیعت کے خلاف ہو جی نہ چاہے یہ بھی ایک صبر ہے دوسرا صبر اللہ تعالیٰ کے منع کئے ہوئے کاموں سے رک جانا ہے چاہے طبیعی میلان اس طرف ہو خواہش نفس اکساری ہو امام زین العابدینؑ

فرماتے ہیں قیامت کے دن ایک منادی ندا کرے گا کہ صبر کرنے والے کہاں ہیں؟ انھیں اور بغیر حساب کتاب کے جنت میں چلے جائیں۔ کچھ لوگ اٹھ کھڑے ہوں گے اور جنت کی طرف بڑھیں گے۔ فرشتے انہیں دیکھ کر پوچھیں گے کہ کہاں جا رہے ہو یہ کہیں گے جنت میں وہ کہیں گے ابھی تو حساب بھی نہیں ہوا، کہیں گے ہاں حساب سے بھی پہلے پوچھیں گے آخر آپ کون لوگ ہیں جواب دیں گے ہم صابر لوگ ہیں۔ اللہ کی فرمانبرداری کرتے رہے اور اس کی نافرمانی سے بچتے رہے، مرتے دم تک اس پر صبر کیا اور جئے رہے، فرشتے کہیں گے پھر تو ٹھیک ہے۔ بے شک تمہارا یہی بدلہ ہے اور اسی لائق تم ہو جاؤ جنت میں مزے کرو اچھے کام والوں کا اچھا ہی انجام ہے۔

یہی قرآن فرماتا ہے اِنَّمَا يُؤَمِّي الصَّبِرُونَ اَجْرُهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ صابروں کو ان کا پورا پورا بدلہ بے حساب دیا جائے گا۔ حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں صبر کے یہ معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اقرار کرے اور مصیبتوں کا بدلہ اللہ کے ہاں ملنے کا یقین رکھے ان پر ثواب طلب کرے۔ ہر گھبراہٹ پریشانی اور کٹھن موقعہ پر استقلال اور نیکی کی امید پر وہ خوش نظر آئے۔

پھر فرمایا کہ شہیدوں کو مردہ نہ کہو بلکہ وہ ایسی زندگی میں ہیں جسے تم نہیں سمجھ سکتے۔ انہیں حیات برزخی حاصل ہے اور وہاں وہ خورد و نوش پارہے ہیں، صحیح مسلم شریف میں ہے کہ شہیدوں کی روہیں سبز رنگ کے پرندوں کے قالب میں ہیں اور جنت میں جس جگہ چاہیں چرتی، چکتی، اڑتی پھرتی ہیں۔ پھر ان قدیلوں میں آ کر بیٹھ جاتی ہیں جو عرش کے نیچے لٹک رہی ہیں ان کے رب نے ایک مرتبہ انہیں دیکھا اور ان سے دریافت کیا کہ اب تم کیا چاہتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا اللہ ہمیں تو تو نے وہ وہ دے رکھا ہے جو کسی کو نہیں دیا پھر ہمیں کس چیز کی ضرورت ہوگی؟ ان سے پھر یہی سوال ہوا۔ جب انہوں نے دیکھا کہ اب ہمیں کوئی جواب دینا ہی ہو گا تو کہا اللہ ہم چاہتے ہیں کہ تو ہمیں دوبارہ دنیا میں بھیج، ہم تیری راہ میں پھر جنگ کریں پھر شہید ہو کر تیرے پاس آئیں اور شہادت کا دگنا درجہ پائیں، رب جل جلالہ نے فرمایا یہ نہیں ہو سکتا یہ تو میں لکھ چکا ہوں کہ کوئی بھی مرنے کے بعد دنیا کی طرف پلٹ کر نہیں جائے گا۔

مسند احمد کی ایک اور حدیث میں ہے کہ مومن کی روح ایک پرند ہے جو جنتی درختوں پر رہتی اور قیامت کے دن وہ اپنے جسم کی طرف لوٹ آئے گی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر مومن کی روح وہاں زندہ ہے لیکن شہیدوں کی روح کو ایک طرح کی امتیازی شرافت، کرامت، عزت اور عظمت حاصل ہے۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ
وَالْأَنْفُسِ وَالْثَّمَرَاتِ وَبَشِيرِ الصَّابِرِينَ ۖ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمُ
مُّصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ۖ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ
صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ۝۷

ہم کسی نہ کسی طرح تمہاری آزمائش کر ہی لیا کریں گے، دشمن کے ڈر سے، بھوک پیاس سے، مال جان اور چلوں کی کمی سے، صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دے ○
انہیں جب کبھی کوئی مصیبت آتی ہے تو کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہم تو خود اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں ○ ان پر ان کے رب کی نوازشیں
○ اور رحمتیں ہیں اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں ○

وفائے عہد کے لئے آزمائش لازم ہے: ☆☆ (آیت: ۱۵۵-۱۵۷) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ اپنے بندوں کی آزمائش ضرور کر لیا

کرتا ہے، کبھی ترقی اور بھلائی کے ذریعہ اور کبھی تنزل اور برائی سے جیسے فرمایا ہے وَلَيَبْلُوَنَّكُمْ حَتَّىٰ نَعْلَمَ الْمُجْتَهِدِينَ مِنْكُمْ وَالصَّابِرِينَ یعنی ہم آزمائے گا کہ مجاہدوں اور صبر کرنے والوں کو معلوم کر لیں گے۔ اور جگہ ہے فَاذْقَاهَا اللَّهُ لِبَاسِ الْجُوعِ وَالْخَوْفِ الرَّحِمْ مطلب یہ ہے کہ تھوڑا سا خوف، کچھ بھوک، کچھ مال کی کمی، کچھ جانوں کی کمی یعنی اپنوں اور غروں، خویش و اقارب، دوست و احباب کی موت، کبھی پھلوں اور پیداوار کے نقصان وغیرہ سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو آزمایا کرتا ہے صبر کرنے والوں کو نیک اجر اور اچھا بدلہ عنایت فرماتا ہے اور بے صبر، جلد باز اور ناامیدی کرنے والوں پر اس کے عذاب اتر آتے ہیں۔ بعض سلف سے منقول ہے کہ یہاں خوف سے مراد اللہ تعالیٰ کا ڈر ہے، بھوک سے مراد روزوں کی بھوک، مال کی کمی سے مراد زکوٰۃ کی ادائیگی ہے، جان کی کمی سے مراد بیماریاں ہیں، پھلوں سے مراد اولاد ہے لیکن یہ تفسیر ذرا غور طلب ہے واللہ اعلم۔

اب بیان ہو رہا ہے کہ جن صبر کرنے والوں کی اللہ کے ہاں عزت ہے، وہ کون لوگ ہیں۔ پس فرماتا ہے یہ وہ لوگ ہیں جو تنگی اور مصیبت کے وقت اِنَّا لِلّٰہ پڑھ لیا کرتے ہیں اور اس بات سے اپنے دل کو تسلی دے لیا کرتے ہیں کہ ہم اللہ کی ملکیت ہیں اور جو ہمیں پہنچا ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور ان میں جس طرح وہ چاہے تصرف کرتا رہتا ہے اور پھر اللہ کے ہاں اس کا بدلہ ہے جہاں انہیں بالآخر جانا ہے ان کے اس قول کی وجہ سے اللہ کی نوازشیں اور الطاف ان پر نازل ہوتے ہیں عذاب سے نجات ملتی ہے اور ہدایت بھی نصیب ہوتی ہے۔ امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، دو برابر کی چیزیں صلوات اور رحمت اور ایک درمیان کی چیز یعنی ہدایت ان صبر کرنے والوں کو ملتی ہے۔ مسند احمد میں ہے حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں، میرے خاوند حضرت ابوسلمہؓ ایک روز میرے پاس حضور ﷺ کی خدمت میں ہو کر آئے اور خوشی خوشی فرمانے لگے آج تو میں نے ایک ایسی حدیث سنی ہے کہ میں بہت ہی خوش ہوا ہوں۔ وہ حدیث یہ ہے کہ جس کسی مسلمان کو کوئی تکلیف پہنچے اور وہ کہے اَللّٰهُمَّ اَجْرُنِيْ فِيْ مُصِيبَتِيْ وَاخْلُفْ لِيْ خَيْرًا مِّنْهَا یعنی اللہ مجھے اس مصیبت میں اجر دے اور مجھے اس سے بہتر بدلہ عطا فرما تو اللہ تعالیٰ اسے اجر اور بدلہ ضرور دیتا ہے حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں، میں نے اس دعا کو یاد کر لیا۔

جب حضرت ابوسلمہؓ کا انتقال ہوا تو میں نے اِنَّا لِلّٰہ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ پڑھ کر پھر یہ دعا بھی پڑھ لی لیکن مجھے خیال آیا کہ بھلا ابوسلمہؓ سے بہتر شخص مجھے کون مل سکتا ہے؟ جب میری عدت گزر چکی تو میں ایک روز ایک کھال کو دباغت دے رہی تھی کہ آنحضور ﷺ تشریف لائے اور اندر آنے کی اجازت چاہی میں نے اپنے ہاتھ دھو ڈالے کھال رکھ دی اور حضور سے اندر تشریف لانے کی درخواست کی اور آپ کو ایک گدی پر بٹھا دیا۔ آپ نے مجھ سے اپنا نکاح کرنے کی خواہش ظاہر کی، میں نے کہا حضورؐ یہ تو میری خوش قسمتی کی بات ہے لیکن اول تو میں بڑی باغیرت عورت ہوں ایسا نہ ہو کہ حضورؐ کی طبیعت کے خلاف کوئی بات مجھ سے سرزد ہو جائے اور اللہ کے ہاں عذاب ہو دوسرے یہ کہ میں عمر رسیدہ ہوں، تیسرے بال بچوں والی ہوں آپ نے فرمایا سنو ایسی بے جا غیرت اللہ تعالیٰ تمہاری دور کر دے گا اور عمر میں کچھ میں بھی چھوٹی عمر کا نہیں اور تمہارا بے بال بچے میرے ہی بال بچے ہیں میں نے یہ نہ کر کہا، حضورؐ مجھے کوئی عذر نہیں چنانچہ میرا نکاح اللہ کے نبی ﷺ سے ہو گیا اور مجھے اللہ تعالیٰ نے اس دعا کی برکت سے میرے میاں سے بہت ہی بہتر یعنی اپنا رسول عطا فرمایا فالحمد للہ۔ صحیح مسلم شریف میں بھی یہ حدیث باختلاف الفاظ مروی ہے۔ مسند احمد میں حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کسی مسلمان کو کوئی رنج و مصیبت پہنچے اس پر گویا زیادہ وقت گزر جائے پھر اسے یاد آئے اور وہ اِنَّا لِلّٰہ پڑھے تو مصیبت کے صبر کے وقت جو اجر ملا تھا وہی اب بھی ملے گا، ابن ماجہ میں بھی یہ روایت ہے حضرت ابوسنانؓ فرماتے ہیں، میں نے اپنے ایک بچے کو دفن کیا۔ ابھی میں اس کی قبر میں سے نکلا نہ تھا کہ ابوطلمحہ خولانیؓ نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے نکالا اور کہا سنو میں تمہیں ایک خوشخبری سناؤں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ملک الموت سے

دریافت فرماتا ہے کہ تو نے میرے بندے کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور اس کے کلیجہ کا کلوا چھین لیا بتا تو اس نے کیا کہا؟ وہ کہتے ہیں اللہ نے تیری تعریف کی اور اللہ پڑھا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اس کے لئے جنت میں ایک گھر بناؤ اور اس کا نام بیت الحمد رکھو۔

إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوَاعْتَمَرَ
فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَإِنَّ اللَّهَ
شَاكِرٌ عَلِيمٌ ﴿٥٨﴾

صفا اور مروہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہیں بیت اللہ کا حج و عمرہ کرنے پر ان کا طواف کر لینے میں بھی کوئی گناہ نہیں اپنی خوشی سے بھلائی کرنے والوں کا اللہ قدردان ہے اور انہیں خوب جاننے والا ہے ○

صفا اور مروہ کا طواف: ☆ ☆ (آیت: ۱۵۸) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حضرت عروہؓ دریافت کرتے ہیں کہ اس آیت سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ طواف نہ کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں آپؐ نے فرمایا: ”جتنی تم صحیح نہیں سمجھے اگر یہ بیان مد نظر ہوتا تو اُن لَا يَطَّوَّفُ بِهِمَا ہوتا سنو آیت شریف کا شان نزول یہ ہے کہ مسلسل (ایک جگہ کا نام) کے پاس منابت تھا۔ اسلام سے پہلے انصار اسے پوجتے تھے اور جو اس کے نام لیک پکار لیتا وہ صفا و مروہ کے طواف کرنے میں حرج سمجھتا تھا اب بعد از اسلام ان لوگوں نے حضورؐ سے صفا و مروہ کے طواف کے حرج کے بارے میں سوال کیا تو یہ آیت اتری کہ اس میں کوئی حرج نہیں لیکن اسی کے بعد حضور علیہ السلام نے صفا و مروہ کا طواف کیا۔ اس لئے مسنون ہو گیا اور کسی کو اس کے ترک کرنے کا جواز نہ رہا (بخاری و مسلم) ابو بکر بن عبد الرحمنؓ نے جب یہ روایت سنی تو وہ کہنے لگے کہ بیشک یہ علمی بات ہے۔ میں نے تو اس سے پہلے سنی ہی تھی بعض اہل علم فرمایا کرتے تھے کہ انصار نے کہا تھا کہ ہمیں بیت اللہ کے طواف کا حکم ہے صفا و مروہ کے طواف کا نہیں اس پر یہ آیت اتری۔ ممکن ہے کہ شان نزول دونوں ہی ہوں حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ہم صفا و مروہ کے طواف کو جاہلیت کا کام جانے تھے اور اسلام کی حالت میں اس سے بچتے تھے یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی۔

ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ان دونوں پہاڑیوں کے درمیان بہت سے بت تھے اور شیطین رات بھر اس کے درمیان گھومتے رہتے تھے اسلام کے بعد لوگوں نے حضورؐ سے یہاں کے طواف کی بابت مسئلہ دریافت کیا جس پر یہ آیت اتری ”اساف“ بت صفا پر تھا اور ”نائلہ“ مروہ پر مشرک لوگ انہیں چھوتے اور چومتے تھے۔ اسلام کے بعد لوگ اس سے الگ ہو گئے لیکن یہ آیت اتری جس سے یہاں کا طواف ثابت ہوا۔ سیرت محمد بن اسحاق میں ہے کہ ”اساف“ اور ”نائلہ“ دو مرد و عورت تھے ان بدکاروں نے کعبہ میں زنا کیا اللہ نے انہیں پتھر بنا دیا قریش نے انہیں کعبہ کے باہر رکھ دیا تاکہ لوگوں کو عبرت ہو لیکن کچھ زمانہ کے بعد ان کی عبادت شروع ہو گئی اور صفا و مروہ پر لا کر نصب کر دیئے گئے اور ان کا طواف شروع ہو گیا۔ صحیح مسلم شریف کی ایک لمبی حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ جب بیت اللہ شریف کا طواف کر چکے تو رکن کو چھو کر باب الصفا سے نکلے اور یہ آیت تلاوت فرما رہے تھے پھر فرمایا میں بھی شروع کروں گا اس سے جس سے اللہ تعالیٰ نے شروع کیا ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا تم شروع کرو اس سے جس سے اللہ نے شروع کیا یعنی صفا سے چل کر مروہ جاؤ۔ حضرت حبیبہ بنت جحزہؓ فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا آپ صفا و مروہ کا طواف کرتے تھے لوگ آپؐ کے آگے آگے تھے اور آپؐ ان کے پیچھے تھے آپؐ قدرے دوڑ لگا رہے تھے اور اس کی وجہ سے آپؐ کا تہہ آپ کے ٹخنوں کے درمیان ادھر ادھر ہو رہا تھا اور زبان مبارک سے فرماتے جاتے تھے لوگو دوڑ کر چلو اللہ تعالیٰ نے تم پر سعی لکھ دی ہے (مسند احمد) اسی کی ہم معنی ایک روایت اور بھی ہے۔

یہ حدیث دلیل ہے ان لوگوں کی جو صفامروہ کی سعی کوچ کارکن جانتے ہیں جیسے حضرت امام شافعیؒ اور ان کے موافقین کا مذہب ہے امام احمدؒ سے بھی ایک روایت اسی طرح کی ہے امام مالکؒ کا مشہور مذہب بھی یہی ہے، بعض اسے واجب تو کہتے ہیں لیکن حج کارکن نہیں کہتے اگر عمد آیا سہواً یا کوئی شخص اسے چھوڑ دے تو ایک جانور ذبح کرنا پڑے گا۔ امام احمدؒ سے ایک روایت اسی طرح مروی ہے اور ایک اور جماعت بھی یہی کہتی ہے اور ایک قول میں یہ مستحب ہے۔ امام ابو حنیفہؒ ثوریؒ شعیبؒ ابن سیرینؒ بھی کہتے ہیں۔ حضرت انسؓ ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ سے یہی مروی ہے۔ امام مالکؒ سے عتیبہ میں بھی روایت ہے۔ ان کی دلیل مَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا ہے لیکن پہلا قول ہی زیادہ رائج ہے اس لئے کہ آنحضرت ﷺ نے کوہ صفامروہ کا طواف کیا اور فرمایا احکام حج مجھ سے لوپس آپؐ نے اپنے اس حج میں جو کچھ کیا وہ واجب ہو گیا، اس کا کرنا ضروری ہے۔ اگر کوئی کام کسی خاص دلیل سے وجوب سے ہٹ جائے تو اور بات ہے واللہ اعلم۔

علاوہ ازیں حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر سعی لکھ دی یعنی فرض کر دی غرض یہاں بیان ہو رہا ہے کہ صفامروہ کا طواف بھی اللہ تعالیٰ کے ان شرعی احکام میں سے ہے جنہیں حضرت ابراہیمؑ کو بجا آوری حج کے لئے سکھائے تھے۔ یہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اس کی اصل حضرت ہاجرہؑ کا یہاں سات پھیرے کرنا ہے جبکہ حضرت ابراہیمؑ ان کے چھوٹے بچے سمیت یہاں چھوڑ کر چلے گئے تھے اور ان کے پاس کھانا پینا ختم ہو چکا تھا اور بچے کی جان پر آئی تھی تب ام اسماعیلؑ نہایت بیقراری، بے بسی، ڈر، خوف اور اضطراب کے ساتھ ان پہاڑوں کے درمیان اپنا دامن پھیلانے اللہ سے بھیک مانگتی پھر رہی تھیں یہاں تک کہ آپؑ کا غم، وہم، رنج و کرب، تکلیف اور دکھ دور ہوا۔

یہاں سے پھیرے کرنے والے حاجی کو بھی چاہئے کہ نہایت ذلت و مسکنت، خضوع و خشوع سے یہاں پھیرے کرے اور اپنی فقیری، حاجت اور ذلت اللہ کے سامنے پیش کرے اور اپنے دل کی صلاحیت اور اپنے مال کی ہدایت اور اپنے گناہوں کی بخشش طلب کرے اور نقائص اور عیبوں سے پاکیزگی اور نافرمانیوں سے نفرت چاہے اور ثابت قدمی، نیکی، فلاح اور بہبودی کی دعا مانگے اور اللہ تعالیٰ سے عرض کرے کہ گناہوں اور برائیوں کی تنگی کی راہ سے ہٹا کر کمال و غفران اور نیکی کی توفیق بخشے جیسے کہ حضرت ہاجرہؑ کے حال کو اس مالک نے ادھر سے ادھر کر دیا۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ جو شخص اپنی خوشی نیکی میں زیادتی کرے یعنی بجائے سات پھیروں کے آٹھ نو کرے، نقلی حج و عمرے میں بھی صفامروہ کا طواف کرے اور بعض نے اسے عام رکھا ہے یعنی ہر نیکی میں زیادتی کرے واللہ اعلم۔ پھر فرمایا اللہ تعالیٰ تدردان اور علم والا ہے یعنی تھوڑے سے کام پر بڑا ثواب دیتا ہے اور جزا کی صحیح مقدار کو جانتا ہے نہ تو وہ کسی کے ثواب کو کم کرے نہ کسی پر ذرہ برابر ظلم کرے۔ ہاں نیکیوں کا ثواب بڑھا کر عطا فرماتا ہے اور اپنے پاس سے اعظم عینایت فرماتا ہے فالحمد و الشکر لله۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَاۤ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ
مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِى الْكِتٰبِ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّعُنُوْنَ ۝۱۰
اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَبَيَّنُّوْۤا فَاُولٰٓئِكَ اَتُوْبُ عَلَيْهِمْ وَاَنَا التَّوَّابُ
الرَّحِيْمُ ۝۱۱ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرًاۢ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ
لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۝۱۲ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا
يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ۝۱۳

جو لوگ ہماری اتاری ہوئی دلیلوں اور ہدایت کو چھپاتے ہیں باوجودیکہ ہم اسے اپنی کتاب میں لوگوں کے لئے بیان کر چکے ہیں ان لوگوں پر اللہ کی اور تمام لعنت کرنے والوں کی لعنت ہے ○ مگر وہ لوگ جو توبہ کر لیں اور اصلاح کریں اور بیان کر دیں میں ان کی توبہ قبول کر لیا کرتا ہوں اور میں تو توبہ قبول کرنے والا اور رحم و کرم کرنے والا ہوں ○ جو کفار اپنے کفر میں ہی مر جائیں ان پر اللہ کی فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے ○ جس میں یہ ہمیشہ رہیں گے اور ان سے عذاب ہلکا نہ کیا جائے گا اور نہ انہیں ڈھیل دی جائے گی ○

حق بات کا چھپانا جرم عظیم ہے: ☆ ☆ (آیت: ۱۵۹-۱۶۲) اس میں زبردست دھمکی ہے ان لوگوں کو جو اللہ تعالیٰ کی باتیں یعنی شرعی مسائل چھپالیا کرتے ہیں اہل کتاب نے نعت نبیؐ کو چھپالیا تھا جس پر ارشاد ہوتا ہے کہ حق کے چھپانے والے ملعون لوگ ہیں جس طرح اس عالم کے لئے جو لوگوں میں اللہ کی باتیں پھیلانے، ہر چیز استغفار کرتی ہے یہاں تک کہ پانی کی مچھلیاں اور ہوا کے پرند بھی اسی طرح ان لوگوں پر جو حق کی بات کو جاننے ہوئے گو نگے بہرے بن جاتے ہیں ہر چیز لعنت بھیجتی ہے صحیح حدیث میں ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا جس شخص سے کسی شرعی امر کی نسبت سوال کیا جائے اور وہ اسے چھپالے اسے قیامت کے دن آگ کی لگام پہنائی جائے گی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں اگر یہ آیت نہ ہوتی تو میں ایک حدیث بھی بیان نہ کرتا۔ حضرت براہن عازبؒ فرماتے ہیں حضورؐ کے ساتھ ایک جنازے میں تھے آپ نے فرمایا کہ قبر میں کافر کی پیشانی پر اس زور سے ہتھوڑا مارا جاتا ہے کہ تمام جاندار اس کا دھماکہ سنتے ہیں سوائے جن و انس کے پھر وہ سب اس پر لعنت بھیجتے ہیں یہی معنی ہیں کہ ان پر اللہ کی اور تمام لعنت کرنے والوں کی لعنت ہے یعنی تمام جانداروں کی۔

حضرت عطاءؒ فرماتے ہیں لَا عُنُونُ سے مراد تمام جانور اور کل جن و انس ہے۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں جب خشک سالی ہوتی ہے بارش نہیں برسی تو چوپائے جانور کہتے ہیں یہ بنی آدم کے گنہگاروں کے گناہ کی شومی قسمت سے ہے اللہ تعالیٰ بنی آدم کے گنہگاروں پر لعنت نازل کرے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں اس سے مراد فرشتے اور مومن لوگ ہیں حدیث میں ہے عالم کے لئے ہر چیز استغفار کرتی ہے یہاں تک کہ سمندر کی مچھلیاں بھی اس آیت میں ہے کہ علم کے چھپانے والوں کو اللہ لعنت کرتا ہے اور فرشتے اور تمام لوگ اور کل لعنت کرنے والے یعنی ہر زبان اور ہر بے زبان چاہے زبان سے کہے چاہے قرائن سے اور قیامت کے دن بھی سب چیزیں ان پر لعنت کریں گی واللہ اعلم۔ پھر ان میں سے ان لوگوں کو خاص کر لیا جو اپنے اس فعل سے باز آجائیں اور اپنے اعمال کی پوری اصلاح کر لیں اور جو چھپایا تھا اسے ظاہر کریں ان لوگوں کی توبہ وہ اللہ تو ابوالرحیم قبول فرمالتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص کفر و بدعت کی طرف لوگوں کو بلانے والا ہو وہ بھی جب سچے دل سے رجوع کر لے تو اس کی توبہ بھی قبول ہوتی ہے۔

بعض روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ اگلی امتوں میں ایسے زبردست بدکاروں کی توبہ قبول نہیں ہوتی تھی لیکن نبیؐ التوبہ اور نبی الرحمة حضرت محمد ﷺ کی امت کے ساتھ یہ مہربانی مخصوص ہے۔ اس کے بعد ان لوگوں کا بیان ہو رہا ہے جو کفر کریں توبہ نصیب نہ ہو اور کفر کی حالت میں ہی مر جائیں ان پر اللہ تعالیٰ فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے یہ لعنت ان پر چپک جاتی ہے اور قیامت تک ساتھ ہی رہے گی اور دوزخ کی آگ میں لے جائے گی اور وہ عذاب بھی ہمیشہ ہی رہے گا نہ تو عذاب میں کبھی کمی ہوگی نہ کبھی موقوف ہوگا بلکہ ہمیشہ دوام کے ساتھ سخت سے سخت عذاب میں رہیں گے نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ۔

حضرت ابو العالیہ رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں قیامت کے دن کافر کو ٹھہرایا جائے گا پھر اس پر اللہ تعالیٰ لعنت کرے گا پھر فرشتے پھر سب لوگ کافروں پر لعنت بھیجنے کے مسئلہ میں کسی کا اختلاف نہیں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ

کے بعد کے ائمہ کرام سب کے سب قنوت وغیرہ میں کفار پر لعنت بھیجتے تھے لیکن کسی معین کافر پر لعنت بھیجنے کے بارے میں علماء کرام کا ایک گروہ کہتا ہے کہ یہ جائز نہیں اس لئے کہ اس کے خاتمہ کا کسی کو علم نہیں اور اس آیت کی یہ قید کہ مرتے دم تک وہ کافر رہے، معین کافر دلیل ہے کسی پر لعنت نہ بھیجنے کی۔ ایک دوسری جماعت اس کی بھی قائل ہے جیسے فقیہ ابو بکر بن عربی مالکی لیکن ان کی دلیل ایک ضعیف حدیث ہے۔ بعض نے اس حدیث سے یہ بھی دلیل لی ہے کہ حضورؐ کے پاس ایک شخص بار بار رشک کی حالت میں لایا گیا اور اس پر بار بار حد لگائی گئی تو ایک شخص نے کہا 'اس پر اللہ کی لعنت ہو بار بار شراب پیتا ہے۔ یہ سن کر حضورؐ نے فرمایا 'اس پر لعنت نہ بھیجو یہ اللہ اور اس کے رسولؐ کو دوست رکھتا ہے اس سے ثابت ہوا کہ جو شخص اللہ رسول سے دوستی نہ رکھے اس پر لعنت بھیجنی جائز ہے واللہ اعلم۔

وَالْهَكْمُ إِلَهُ وَاحِدٌ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ ۝ إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَّاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ وَتَصْرِيفِ الرِّيْحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ۝

تم سب کا معبود ایک اللہ ہی ہے اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں وہ بہت بڑا بخش کرنے والا اور بڑا مہربان ہے ○ آسمان اور زمین کی پیدائش رات دن کا ہر پھیر کشتیوں کا لوگوں کو نفع دینے والی چیزوں کو لئے ہوئے سمندروں میں چلنا آسمان سے پانی اتار کر مردہ زمین کو زندہ کر دینا اس میں ہر قسم کے جانوروں کو پھیلا دینا ہواؤں کے رخ بدلنا تابع فرمان بادلوں کو آسمان و زمین کے درمیان ادھر ادھر پھیرنا عقلمندوں کے لئے قدرت اللہ کی نشانیاں ہیں ○

ایکایلا حکمران: ☆☆ (آیت: ۱۶۳) یعنی حکمرانی میں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں نہ اس جیسا کوئی ہے وہ واحد اور احد ہے وہ فرد اور صدر ہے اس کے سوا عبادت کے لائق کوئی نہیں وہ رحمن اور رحیم ہے سورہ فاتحہ کے شروع میں ان دونوں ناموں کی پوری تفسیر گزر چکی ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اسم اعظم ان دو آیتوں میں ہے ایک یہ آیت دوسری آیت اَلَمْ يَلَمْ يَلَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ اس کے بعد اس کی توحید کی دلیل بیان ہو رہی ہے۔ اسے بھی توجہ سے سنئے۔ فرماتے ہیں۔

ٹھوس دلائل: ☆☆ (آیت: ۱۶۴) مطلب یہ ہے کہ اس اللہ کی فرمانروائی اور اس کی توحید کی دلیل ایک تو یہ آسمان ہے جس کی بلندی لطافت کشادگی جس کے ٹھہرے ہوئے اور چلنے پھرنے والے روشن ستارے تم دیکھ رہے ہو پھر زمین کی پیدائش جو کثیف چیز ہے جو تمہارے قدموں تلے پھٹی ہوئی ہے جس میں بلند بلند چوٹیوں کے سر پہ فلک پہاڑ ہیں جس میں موجیں مارنے والے بے پایاں سمندر ہیں جس میں انواع و اقسام کے خوش رنگ نبل بوٹے ہیں جس میں طرح طرح کی پیداوار ہوتی ہے جس میں تم رہتے سہتے ہو اور اپنی مرضی کے مطابق آرام دہ مکانات بنا کر بستے ہو اور جس سے سینکڑوں طرح کا نفع اٹھاتے ہو پھر رات دن کا آنا جانا رات گئی دن آیا دن گیارہ رات آگئی نہ وہ اس پر سبقت کرے نہ یہ اس پر ہر ایک اپنے صحیح انداز سے آئے اور جائے کبھی دن بڑے کبھی راتیں کبھی دن کا کچھ حصہ رات میں جائے کبھی رات کا کچھ حصہ دن میں آجائے پھر کشتیوں کو دیکھو جو خود تمہیں اور تمہارے مال و اسباب اور تجارتی چیزوں کو لے کر سمندر میں ادھر سے ادھر جاتی آتی رہتی ہیں جن کے ذریعہ اس ملک والے اس ملک والوں سے اور اس ملک والے اس ملک والوں سے رابطہ اور لین دین کر سکتے ہیں

یہاں کی چیزیں وہاں اور وہاں کی یہاں پہنچ سکتی ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ کا اپنی رحمت کاملہ سے بارش برسانا اور اس سے مردہ زمین کو زندہ کر دینا، اس سے اناج اور کھیتیاں پیدا کرنا، چاروں طرف ریل پیل کر دینا، زمین میں مختلف قسم کے چھوٹے بڑے کارآمد جانوروں کو پیدا کرنا، ان سب کی حفاظت کرنا، انہیں روزیاں پہنچانا، ان کے لئے سونے، بیٹھنے، چرنے، چگنے کی جگہ تیار کرنا، ہواؤں کو پورب پچھم چلانا، کبھی ٹھنڈی، کبھی گرم، کبھی کم کبھی زیادہ بادلوں کو آسمان و زمین کے درمیان مسخر کرنا، انہیں ایک طرف سے دوسری طرف لے جانا، ضرورت کی جگہ برسانا وغیرہ یہ سب اللہ کی قدرت کی نشانیاں ہیں۔ جن سے عقل مند اپنے اللہ کے وجود کو اور اس کی وحدانیت کو پالیتے ہیں جیسے اور جگہ فرمایا کہ آسمان و زمین کی پیدائش اور رات دن کے آنے جانے میں عقل مندوں کے لئے نشانیاں ہیں جو اٹھتے بیٹھتے لیتے اللہ تعالیٰ کا نام لیا کرتے ہیں اور زمین و آسمان کی پیدائش میں غور فکر سے کام لیتے ہیں اور کہتے ہیں اے ہمارے رب تو نے انہیں بیکار نہیں بنایا تیری ذات پاک ہے تو ہمیں جہنم کے عذاب سے بچا۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ قریشی رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے، آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ صفا پہاڑ کو سونے کا بنادے ہم اس سے گھوڑے اور ہتھیار وغیرہ خریدیں اور تیرا ساتھ دیں اور ایمان بھی لائیں۔ آپ نے فرمایا پختہ وعدہ کرتے ہو؟ انہوں نے کہا ہاں پختہ وعدہ ہے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی حضرت جبریل علیہ السلام آئے اور فرمایا تمہاری دعا تو قبول ہے لیکن اگر یہ لوگ پھر بھی ایمان نہ لائے تو ان پر اللہ کا وہ عذاب آئے گا جو آج سے پہلے کسی پر نہ آیا ہو، آپ کا پٹھ اور عرض کرنے لگے، نہیں اللہ تو انہیں یونہی رہنے دے میں انہیں تیری طرف بلاتا رہوں گا کیا عجب آج نہیں کل اور کل نہیں پرسوں ان میں سے کوئی نہ کوئی تیری طرف جھک جائے۔ اس پر یہ آیت اتری کہ اگر انہیں قدرت کی نشانیاں دیکھنی ہیں تو کیا یہ نشانیاں کچھ کم ہیں؟ ایک اور شان نزول بھی مروی ہے کہ جب آیت وَاللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَتْرِیْ تو مشرکین کہنے لگے، ایک اللہ تمام جہان کا بندوبست کیسے کرے گا؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ وہ اللہ اتنی بڑی قدرت والا ہے، بعض روایتوں میں ہے اللہ کا ایک ہونا سن کر انہوں نے دلیل طلب کی جس پر یہ آیت نازل ہوئی اور قدرت کے نشان ہائے ان پر ظاہر کئے گئے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَندَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ وَلَوْ يَرَى الَّذِينَ ظَلَمُوا إِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ أَنَّ الْقُوَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا وَأَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعَذَابِ ۝ إِذْ تَبَرَّأَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا مِنَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا وَرَأَوْا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْأَسْبَابُ ۝ وَقَالَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا لَوْ أَنَّنَا كَرَّةً فَتَبَرَّأْنَا مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّأُوا مِنَّا كَذَلِكَ يَرِيهِمُ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ حَسَرَتْ عَلَيْهِمْ وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنَ النَّارِ ۝

بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ کے شریک اوروں کو ظہر اکراں سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسی اللہ سے ایماندار اللہ تعالیٰ کی محبت میں بہت سخت ہوتے ہیں کاش کہ یہ

مشرک لوگ جانتے جب کہ اللہ کے عذابوں کو دیکھ کر (جان لیں گے) کہ تمام طاقت اللہ ہی کو ہے اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سخت ہیں ○ (تو ہرگز شرک نہ کرتے) جس وقت پیشوا لوگ اپنے تابعداروں سے بیزار ہو جائیں گے اور عذابوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے اور کل رشتے ناتے ٹوٹ جائیں گے اور تابع دار لوگ کہنے لگیں گے کاش کہ ہم پھر دنیا کی طرف دوبارہ جائیں تو ہم بھی ان سے ایسے ہی بیزار ہو جائیں جیسے یہ ہم سے اسی طرح اللہ تعالیٰ انہیں ان کے اعمال کو دکھائے گا ان پر حسرت و انسوس ہے یہ ہرگز جہنم سے نہ نکلیں گے ○

محبت الہ اپنی پسند ہے؟ ☆ ☆ (آیت: ۱۶۵-۱۶۷) اس آیت میں مشرکین کا دنیوی اور اخروی حال بیان ہو رہا ہے یہ اللہ کا شریک مقرر کرتے ہیں۔ اس جیسا اوروں کو ٹھہراتے ہیں اور پھر ان کی محبت اپنے دل میں ایسی ہی جماتے ہیں جیسی اللہ کی ہونی چاہیے حالانکہ وہ معبود برحق صرف ایک ہی ہے۔ وہ شریک اور حصہ داری سے پاک ہے۔ بخاری و مسلم میں عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے پوچھا یا رسول اللہ سب سے بڑا گناہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا اللہ کے ساتھ شرک کرنا حالانکہ پیدا ہی اکیلے نہ کیا ہے۔ پھر فرمایا ایمان دار اللہ تعالیٰ کی محبت میں بہت سخت ہوتے ہیں ان کے دل عظمت الہی اور توحید ربانی سے معمور ہوتے ہیں وہ اللہ کے سوا دوسرے سے ایسی محبت نہیں کرتے کسی اور سے التجا کرتے ہیں نہ دوسروں کی طرف جھکتے ہیں نہ اس کی پاک ذات کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتے ہیں۔ پھر ان مشرکین کو جو اپنی جانوں پر شرک کے بوجھ کا ظلم کرتے ہیں انہیں اس عذاب کی خبر پہنچاتا ہے کہ اگر یہ لوگ اسے دیکھ لیں تو یقین ہو جائے کہ قدرتوں والا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ تمام چیزیں اسی کے ماتحت اور زیر فرمان ہیں اور اس کا عذاب بھی بڑا بھاری ہے۔

جیسے اور جگہ ہے کہ اس دن تو اس کے عذاب جیسا کوئی عذاب کر سکتا ہے نہ اس کی پکڑ جیسی کسی کی پکڑ ہو سکتی ہے دوسرا مطلب یہ بھی ہے کہ اگر انہیں اس منظر کا علم ہوتا تو یہ اپنی گمراہی اور شرک و کفر پر ہرگز نہ اڑتے۔ اس دن ان لوگوں نے جن جن کو اپنا پیشوا بنا رکھا تھا وہ سب ان سے الگ ہو جائیں گے۔ فرشتے کہیں گے اللہ ہم ان سے بیزار ہیں یہ ہماری عبادت نہیں کرتے تھے۔ اللہ تیری ذات پاک ہے۔ تو ہی ہمارا ولی ہے۔ یہ لوگ تو جنات کی عبادت کرتے ہیں انہی پر ایمان رکھتے تھے اسی طرح جنات بھی ان سے بیزار ہیں ان کا اعلان کریں گے اور صاف صاف ان کے دشمن ہو جائیں گے اور عبادت سے انکار کریں گے۔ اور جگہ قرآن میں ہے کہ یہ لوگ جن جن کی عبادت کرتے تھے وہ سب کے سب قیامت کے دن سَيَكْفُرُونَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُونُونَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ان کی عبادت سے انکار کریں گے اور ان کے دشمن بن جائیں گے حضرت غلیل اللہ علیہ السلام کا فرمان ہے اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ اَوْثَانًا تَمْنَوْنَ اللہ کے سوا بتوں کی محبت دل میں بٹھا کر ان کی پوجا شروع کر دی ہے۔ قیامت کے دن وہ تمہاری عبادت کا انکار کریں گے اور آپس میں ایک دوسرے پر لعنت بھیجیں گے اور تمہارا ٹھکانا جہنم ہوگا اور تمہارا مددگار کوئی نہ ہوگا۔

اسی طرح اور جگہ ہے وَلَوْ تَرَىٰ اِذِ الظَّالِمُونَ اِلٰحَیْنِیْ یَاۤلْمُ رَبِّکَ سَآئِمًا کَھْرُیْ ہُوئے ہوں گے اور اپنے پیشواؤں سے کہہ رہے ہوں گے کہ اگر تم نہ ہوتے تو ہم ایماندار بن جاتے وہ جواب دیں گے کیا ہم نے تمہیں اللہ پرستی سے روکا؟ حقیقت یہ ہے کہ تم خود مجرم تھے۔ وہ کہیں گے تمہاری دن رات کی مکاریاں تمہارے کفرانہ احکام تمہاری شرک کی تعلیم نے ہمیں چھانسل لیا۔ اب سب دل سے نادم ہو گئے اور ان کی گردنوں میں ان کے برے اعمال کے طوق ہوں گے اور جگہ ہے کہ اس دن شیطان بھی کہے گا اِنَّ اللہَ وَعَدَکُمْ وَعَدَ الْحَقِّ اِلٰحَیْنِیْ اللہ کا وعدہ تو سچا تھا اور میں تمہیں جو سبز باغ دکھایا کرتا تھا وہ محض دھوکہ تھا لیکن تم پر میرا کوئی زور تو نہیں تھا میں نے تمہیں صرف کہا اور تم نے منظور کر لیا اب مجھے ملامت کرنے سے کیا فائدہ؟ اپنی جانوں کو لعنت ملامت کرو نہ میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں نہ تم میری۔

تمہارے اگلے شرک سے میرا کوئی واسطہ نہیں جان لو کہ ظالموں کے لئے دردناک عذاب ہے۔ پھر فرمایا کہ وہ عذاب دیکھ لیں گے اور تمام اسباب منقطع ہو جائیں گے نہ کوئی بھاگنے کی جگہ رہے گی نہ چھٹکارے کی کوئی صورت نظر آئے گی دوستیاں کٹ جائیں گی رشتے ٹوٹ جائیں گے۔ اور بلاد لیل باتیں ماننے والے بے وجہ اعتقاد رکھنے والے پوجا پاٹ اور اطاعت کرنے والے جب اپنے پیشواؤں کو اس طرح بری الذمہ ہوتے ہوئے دیکھیں گے تو نہایت حسرت و یاس سے کہیں گے کہ اگر اب ہم دنیا میں لوٹ جائیں تو ہم بھی ان سے ایسے ہی بیزار ہو جائیں جیسے یہ ہم سے ہوئے نہ ان کی طرف التفات کریں نہ ان کی باتیں مانیں نہ انہیں شریک اللہ سمجھیں بلکہ اللہ واحد کی خالص عبادت کریں۔ حالانکہ اگر درحقیقت یہ لوٹائے بھی جائیں تو وہی کریں گے جو اس سے پہلے کرتے تھے جیسے فرمایا لَوْ رُدُّوْا الْعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ اِی لے یہاں فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ان کے کرتوت اسی طرح دکھائے گا۔ ان پر حسرت و انوس ہے یعنی اعمال نیک جو تھے وہ بھی ضائع ہو گئے۔ جیسے اور جگہ ہے وَقَدْ مَنَّ اِلٰی مَا عَمِلُوْا الْاِخْ اور جگہ ہے اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ الْاِخْ اور جگہ ہے اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ الْاِخْ یعنی ان کے اعمال برباد ہیں۔ ان کے اعمال کی مثال راکھ کی طرح ہے جسے تند ہوائیں اڑا دیں ان کے اعمال ریت کی طرح ہیں جو دور سے پانی دکھائی دیتا ہے مگر پاس جاؤ تو ریت کا تو داؤ ہوتا ہے پھر فرماتا ہے کہ یہ لوگ آگ سے نکلنے والے نہیں۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِى الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ۚ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝۱۵۱ اِنَّمَا يٰمُرُكُمْ بِالسُّوْءِ وَالْفَحْشَآءِ ۚ وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلٰى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۱۵۲

لوگو! زمین میں جتنی بھی حلال اور پاکیزہ چیزیں ہیں انہیں کھاؤ پیو اور شیطانی راہ نہ چلو وہ تو تمہارا کھلا دشمن ہے ○ وہ تمہیں صرف برائی اور بے حلالی کا اور اللہ تعالیٰ پر ان باتوں کے کہنے کا حکم کرتا ہے جن کا تمہیں علم نہیں ○

روزی دینے والا کون؟ ☆☆ (آیت: ۱۶۸-۱۶۹) اوپر چونکہ توحید کا بیان ہوا تھا اس لئے یہاں یہ بیان ہو رہا ہے کہ تمام مخلوق کا روزی رساں بھی وہی ہے۔ فرماتا ہے کہ میرا یہ احسان بھی نہ بھولو کہ میں نے تم پر پاکیزہ چیزیں حلال کیں جو تمہیں لذیذ اور مرغوب ہیں جو نہ جسم کو ضرر پہنچائیں نہ صحت کو نہ عقل و ہوش کو ضرر دیں میں تمہیں روکتا ہوں کہ شیطان کی راہ پر نہ چلو جس طرح اور لوگوں نے اس کی چال چل کر بعض حلال چیزیں اپنے اوپر حرام کر لیں۔ صحیح مسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ پروردگار عالم فرماتا ہے میں نے جو مال اپنے بندوں کو دیا ہے اسے ان کے لئے حلال کر دیا ہے۔ میں نے اپنے بندوں کو موحد پیدا کیا مگر شیطان نے اس دین حنیف سے انہیں ہٹا دیا اور میری حلال کردہ چیزوں کو ان پر حرام کر دیا۔

حضور کے سامنے جس وقت اس آیت کی تلاوت ہوئی تو حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے کھڑے ہو کر کہا حضور میرے لئے دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ میری دعاؤں کو قبول فرمایا کرے۔ آپؐ نے فرمایا اے سعد پاک چیزیں اور حلال لقمہ کھاتے رہو اللہ تعالیٰ تمہاری دعائیں قبول فرماتا رہے گا۔ قسم ہے اس اللہ کی جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے۔ حرام کا لقمہ جو انسان اپنے پیٹ میں ڈالتا ہے۔ اس کی نحوست کی وجہ سے چالیس دن تک اس کی عبادت قبول نہیں ہوتی۔ جو گوشت پوست حرام سے پلا وہ جہنمی ہے پھر فرمایا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے۔ جیسے اور جگہ فرمایا کہ شیطان تمہارا دشمن ہے تم بھی اسے دشمن سمجھو اسکی اور اس کے دوستوں کی تو یہ عین چاہت ہے کہ لوگوں کو عذاب میں جھونکیں

اور جگہ فرمایا اَفْتَحُوا نَحْوَهُ وَذُرِّيَّتَهُ اُولِيَآءَ الخ کیا تم اسے اور اس کی اولاد کو اپنا دوست سمجھتے ہو؟ حالانکہ حقیقتاً وہ تمہارا دشمن ہے ظالموں کے لئے برابر ہے۔ خُطُوبَاتِ الشَّيْطَانِ سے مراد اللہ تعالیٰ کی ہر معصیت ہے جس میں شیطان کا بہکا و شامل ہوتا ہے فعلی فرماتے ہیں ایک شخص نے نذر مانی کہ وہ اپنے لڑکے کو ذبح کرے گا۔ حضرت مسروقؓ کے پاس جب یہ واقعہ پہنچا تو آپ نے فتویٰ دیا کہ وہ شخص ایک مینڈا ذبح کر دے ورنہ نذر شیطان کے نقش قدم سے ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک دن کبریٰ کا پایا نمک لگا کر کھارہے تھے۔ ایک شخص جو آپ کے پاس بیٹھا ہوا تھا وہ ہٹ کر دور جا بیٹھا آپ نے فرمایا کھاؤ اس نے کہا میں نہیں کھاؤں گا آپ نے پوچھا کیا روزے سے ہو؟ کہا نہیں۔ میں تو اسے اپنے اوپر حرام کر چکا ہوں آپ نے فرمایا یہ شیطان کی راہ چلنا ہے اپنی قسم کا کفارہ دو اور کھا لو۔

البرافغ کہتے ہیں ایک دن میں اپنی بیوی پر ناراض ہوا تو وہ کہنے لگی کہ میں ایک دن یہودیہ ہوں ایک دن نصرانیہ ہوں اور میرے تمام غلام آزاد ہیں اگر تو اپنی بیوی کو طلاق نہ دے اب میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس مسئلہ پوچھنے آیا کہ اس صورت میں کیا کیا جائے؟ تو آپ نے فرمایا شیطان کے قدموں کی پیروی ہے۔ پھر میں حضرت زینب بنت ام سلمہؓ کے پاس گیا اور اس وقت مدینہ بھر میں ان سے زیادہ فقیہ عورت کوئی نہ تھی میں نے ان سے بھی یہی مسئلہ پوچھا یہاں سے بھی یہی جواب ملا عاصم اور ابن عمرؓ نے بھی یہی فتویٰ دیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فتویٰ ہے کہ جو قسم غصہ کی حالت میں کھائی جائے اور جو نذر ایسی حالت میں مانی جائے وہ شیطانی قدم کی تابعداری ہے۔ اس کا کفارہ قسم کے کفارے برابر دے دے۔ پھر فرمایا کہ شیطان تمہیں برے کاموں اور اس سے بھی بڑھ کر زنا کاری اور اس سے بھی بڑھ کر اللہ سے ان باتوں کو جوڑ لینے کو کہتا ہے جن کا تمہیں علم نہ ہو۔ ان باتوں کو اللہ سے متعلق کرتا ہے جن کا اسے علم بھی نہیں ہوتا لہذا ہر کافر اور بدعتی ان میں داخل ہے جو برائی کا حکم کرے اور بدی کی طرف رغبت دلائے۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اسْمِعُوا مَّا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا آفَيْنَا
عَلَيْهِ آبَاءَنَا أَوْ لَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ ﴿٧٧﴾
وَمَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا كَمَثَلِ الَّذِي يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ إِلَّا دُعَاءَ
وَنِدَاءَ صُمًّا بُكْمًا عَنْهُمْ فَهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ﴿٧٨﴾

ان سے جب کہی کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اتاری ہوئی کتاب کی تابعداری کرو تو جواب دیتے ہیں کہ ہم تو اس طریقہ کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا گو ان کے باپ دادے بے عقل اور گم کردہ راہ ہوں۔ کفار کی مثال ان جانوروں کی طرح ہے جو اپنے چرواہے کی صرف پکار اور آواز ہی کو سنتے ہیں (سمجھتے نہیں) بہرے کو نکلے اور اندھے ہیں۔ انہیں عقل نہیں ○

گمراہی اور جہالت کیا ہے؟ ☆☆ (آیت: ۱۷۰-۱۷۱) یعنی ان کافروں اور مشرکوں سے جب کہا جاتا ہے کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہؐ کی پیروی کرو اور اپنی ضلالت و جہالت کو چھوڑ دو تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو اپنے بڑوں کی راہ لگے ہوئے ہیں جن چیزوں کی وہ پوجا پاٹ کرتے تھے ہم بھی کر رہے ہیں اور کرتے رہیں گے جس کے جواب میں قرآن کہتا ہے کہ وہ تو فہم و ہدایت سے غافل تھے۔ یہ آیت یہودیوں کے بارے میں اتری ہے۔

پھر ان کی مثال دی کہ جس طرح چنے پگھلنے والے جانور اپنے چرواہے کی کوئی بات صحیح طور سے سمجھ نہیں سکتے صرف آواز کانوں

میں پڑتی ہے اور کلام کی بھلائی برائی سے بے خبر رہتے ہیں اسی طرح یہ لوگ بھی ہیں۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ جن جن کو یہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں اور ان سے اپنی حاجتیں اور مرادیں مانگتے ہیں وہ نہ سنتے ہیں نہ جانتے ہیں نہ دیکھتے ہیں نہ ان میں زندگی ہے نہ انہیں کچھ احساس ہے۔ کافروں کی یہ جماعت حق کی باتوں کے سننے سے بہری ہے حق کہنے سے بے زبان ہے۔ حق کے راہ چلنے سے اندھی ہے عقل و فہم سے دور ہے۔ جیسے اور جگہ ہے صُمُّ وَبُحْمٌ فِي الظُّلُمَاتِ یعنی ہماری باتوں کو جھٹلانے والے بہرے گوئیے اور اندھیرے میں ہیں جسے خدا چاہے گمراہ کرے اور جسے وہ چاہے سیدھی راہ لگا دے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَاشْكُرُوا
لِلَّهِ إِن كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ ۖ إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ
وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أَهْلَ بِهِ لغيرِ اللَّهِ فَمَن اضْطَرَّ غَيْرَ
بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۷۳﴾

ایمان والو جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تمہیں دے رکھی ہیں انہیں کھاؤ پیا اور اللہ تعالیٰ کا شکر کرو اگر تم خاص اسی کی عبادت کرتے ہو ○ تم پر صرف مردہ اور (بہا ہوا) خون اور سور کا گوشت اور ہر وہ چیز جو اللہ کے سوا دوسرے کے نام پر مشہور کی جائے حرام ہے۔ پھر بھی جو مجبور ہو جائے اور وہ حد سے بڑھنے والا اور زیادتی کرنے والا نہ ہو اس پر (ان کے کھانے میں) کوئی گناہ نہیں اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والا مہربان ہے ○

حلال اور حرام کیا ہے؟ ☆ ☆ (آیت: ۱۷۲-۱۷۳) اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو حکم دیتا ہے کہ تم پاک صاف اور حلال طیب چیزیں کھایا کرو اور میری شکر گزاری کرو لقمہ حلال دعا اور عبادت کی قبولیت کا سبب ہے اور لقمہ حرام عدم قبولیت کا مسند احمد میں حدیث ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں لوگو اللہ تعالیٰ پاک ہے وہ پاک چیز کو قبول فرماتا ہے اس نے رسولوں کو اور ایمان والوں کو حکم دیا کہ وہ پاک چیزیں کھائیں اور نیک اعمال کریں۔ فرمان ہے يٰۤاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَارْمُوا يٰۤاَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ پھر آپ نے فرمایا کہ ایک شخص لباس سفر کرتا ہے وہ پرانہ بالوں والا غبار آلود ہوتا ہے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر دعا کرتا ہے اور گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے لیکن اس کا کھانا پینا لباس اور غذا سب حرام کے ہیں اس لئے اس کی اس وقت کی ایسی دعا بھی قبول نہیں ہوتی حلال چیزوں کا ذکر کرنے کے بعد حرام چیزوں کا بیان ہو رہا ہے کہ تم پر مردار جانور جو اپنی موت آپ مر گیا ہو جسے شرعی طور پر ذبح نہ کیا گیا ہو حرام ہے خواہ کسی نے اس کا گلا گھونٹ دیا ہو یا لکڑی اور لٹھ لگنے سے مر گیا ہو کہیں سے گر پڑا ہو اور مر گیا ہو یا دوسرے جانوروں نے اپنے سینگ سے اسے ہلاک کر دیا ہو یا درندوں نے اسے مار ڈالا ہو۔ یہ سب میتہ میں داخل ہیں اور حرام ہیں۔ لیکن اس میں سے پانی کے جانور مخصوص ہیں وہ اگرچہ خود بخود مر جائے تاہم حلال ہے۔ قرآن کہتا ہے اٰحِلٌّ لَّكُمْ صَبْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ اٰلِخِ اس کا پورا بیان اس آیت کی تفسیر میں آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ غمناک جانور کا مرنا ہو ملنا اور صحابہ کا اسے کھانا پھر حضور کو اس کی خبر ہونا اور آپ کا اسے جائز قرار دینا۔ یہ سب باتیں حدیث میں ہیں۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ سمندر کا پانی پاک ہے اور اس کا مردہ حلال ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں دو مردے اور دو خون ہم پر حلال ہیں، مچھلی اور مٹی، کبھی اور تلی۔ سورہ مائدہ میں اس کا بیان تفصیل وار آئے گا ان شاء اللہ۔ مسئلہ: ☆ ☆ مردار جانور کا دودھ اور اس کے انڈے جو اس میں ہوں نجس ہیں امام شافعی کا یہی مذہب ہے اس لئے کہ وہ بھی میت کا ایک

جزو ہے امام مالکؒ سے ایک روایت میں ہے کہ ہے تو وہ پاک لیکن میت میں شامل ہونے کی وجہ سے نجس ہو جاتی ہے اسی طرح مردار کی کھیس (کھیری) بھی مشہور مذہب میں ان بزرگوں کے نزدیک ناپاک ہے گو اس میں اختلاف بھی ہے۔ صحابہ کا مجوسیوں کا پتیر کھانا گو بطور اعتراض ان پر وارد ہو سکتا ہے مگر اس کا جواب قرطبیؒ نے یہ دیا ہے کہ دودھ بہت ہی کم ہوتا ہے کوئی بپنے والی ایسی تھوڑی سی چیز اگر کسی مقدار میں زیادہ بپنے والی میں پڑ جائے تو کوئی حرج نہیں۔

نبی ﷺ سے کھی اور پتیر اور گور خر کے بارے میں سوال ہوا تو آپؐ نے فرمایا حلال وہ ہے جسے اللہ نے اپنی کتاب میں حلال بتایا اور حرام وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حرام قرار دیا اور جس کا بیان نہیں وہ سب معاف ہیں۔ پھر فرمایا تم پر سور کا گوشت بھی حرام ہے خواہ اسے ذبح کیا ہو خواہ وہ خود مر گیا ہو سو رکی چربی کا حکم بھی یہی ہے اس لئے کہ چونکہ اکثر گوشت ہی ہوتا ہے اور چربی گوشت کے ساتھ ہی ہوتی ہے پس جب گوشت حرام ہوا تو چربی بھی حرام ہوئی۔ دوسرے اس لئے بھی کہ گوشت میں ہی چربی ہوتی ہے اور قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے۔ پھر فرمایا کہ جو چیز اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کے نام پر مشہور کی جائے وہ بھی حرام ہے۔ جاہلیت کے زمانہ میں کافر لوگ اپنے معبودان باطل کے نام پر جانور ذبح کیا کرتے تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا۔

ایک مرتبہ ایک عورت نے گڑیا کے نکاح پر ایک جانور ذبح کیا تو حسن بصریؒ نے فتویٰ دیا کہ اسے نہ کھانا چاہئے اس لئے کہ وہ ایک تصویر کے لئے ذبح کیا گیا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سوال کیا گیا کہ عجمی لوگ جو اپنے تہوار اور عید کے موقعہ پر جانور ذبح کرتے ہیں اور مسلمانوں کو بھی اس میں سے ہدیہ بھیجتے ہیں ان کا گوشت کھانا چاہئے یا نہیں؟ تو فرمایا اس دن کی عظمت کے لئے جو جانور ذبح کیا جائے اسے نہ کھاؤ ہاں ان کے درختوں کے پھل کھاؤ۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ضرورت اور حاجت کے وقت جبکہ کچھ اور کھانے کو نہ ملے ان حرام چیزوں کا کھالینا مباح کیا ہے اور فرمایا جو شخص بے بس ہو جائے اور وہ باغی اور سرکش اور حد سے بڑھ جانے والا نہ ہو اس پر ان چیزوں کے کھانے میں گناہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والا مہربان ہے باغ اور عباد کی تفسیر میں حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں ڈاکو اور ہزن مسلمان بادشاہ پر چڑھائی کرنے والا سلطنت اسلام کا مخالف اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں سفر کرنے والا سبھی کے لئے اس اضطراب کے وقت بھی حرام چیزیں حرام ہی رہتی ہیں غیر باغ کی تفسیر حضرت مقاتل بن حبان یہ بھی کرتے ہیں کہ وہ اسے حلال سمجھنے والا نہ ہو اور اس میں لذت اور مزہ کا خواہشمند نہ ہو۔ اسے بھون بھان کر لذت نہ کرنا کراچھا پکا کر کھائے بلکہ جیسا تیسرا صرف جان بچانے کے لئے کھالے اور اگر ساتھ لے تو اتنا کہ زندگی کے ساتھ حلال چیز کے ملنے تک باقی رہ جائے جب حلال چیز مل گئی اسے پھینک دے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں اسے خوب پیٹ بھر کر نہ کھائے حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں جو شخص اس کے کھانے کے لئے مجبور کر دیا جائے اور بے اختیار ہو جائے اس کا بھی یہی حکم ہے۔

مسئلہ: ☆☆ ایک شخص بھوک کے مارے بے بس ہو گیا ہے اسے ایک مردار جانور نظر پڑا اور کسی دوسرے کی حلال چیز بھی دکھائی دی جس میں نہ رشتہ کا ٹوٹا ہے نہ ایذا دی ہے تو اسے اس دوسرے کی چیز کو کھالینا چاہئے مردار نہ کھائے۔ پھر آیا اس چیز کی قیمت یا وہی چیز اس کے ذمہ رہے گی یا نہیں اس میں دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ رہے گی دوسرے یہ کہ نہ رہے گی۔ نہ رہنے والے قول کی تائید میں یہ حدیث ہے جو ابن ماجہ میں ہے۔ حضرت عباد بن شریب غزیؒ کہتے ہیں ہمارے ہاں ایک سال قحط سالی پڑی میں مدینہ گیا اور ایک کھیت میں سے کچھ بالیں توڑ کر چھیل کر دانے چبانے لگا اور تھوڑی سی بالیں اپنی چادر میں باندھ کر چلا کھیت والے نے دیکھ لیا اور مجھے پکڑ کر مارا پینا اور میری چادر چھین لی۔ میں آنحضرت ﷺ کے پاس گیا اور آپؐ سے واقعہ عرض کیا تو آپؐ نے اس شخص کو کہا اس بھوکے کو نہ تو تو نے کھانا کھلایا نہ اس کے لئے کوئی

اور کوشش کی نہ اسے کچھ سمجھایا سکھایا یہ بیچارہ بھوکا تھا، نادان تھا جاؤ اس کا کپڑا واپس کرو اور ایک دس یا آدھا دس غلہ اسے دے دو (ایک دس چار من کے قریب ہوتا ہے) ایک اور حدیث میں ہے کہ درختوں میں لگے ہوئے پھلوں کی نسبت حضور علیہ السلام سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا جو حاجت مند شخص ان سے میں کچھ کھالے، لیکن نہ جائے اس پر کچھ جرم نہیں۔

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مطلب آیت کا یہ ہے کہ اضطراب اور بے بسی کے وقت بے بسی اور اضطراب ہٹ جائے۔ اتنا کھا لینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ یہ بھی مروی ہے کہ تین قسموں سے زیادہ نہ کھائے غرض ایسے وقت میں خدا کی مہربانی اور نوازش سے یہ حرام اس کے لئے حلال ہے۔ حضرت مسروق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اضطراب کے وقت بھی جو شخص حرام چیز نہ کھائے اور مر جائے وہ جہنمی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایسے وقت ایسی چیز کھانی ضروری ہے نہ کہ صرف رخصت ہی ہو، یہی بات زیادہ صحیح ہے جیسے کہ بیمار کا روزہ چھوڑ دینا وغیرہ۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلَ اللَّهُ مِنَ الْكِتَابِ وَيَشْتَرُونَ بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۖ أُولَٰئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ وَلَا يَكْلِمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝
أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرُوا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۖ فَمَا أَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ۝
ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ نَزَّلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِي الْكِتَابِ لَفِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ ۝

جو لوگ اللہ تعالیٰ کی اتاری ہوئی کتاب کو چھپاتے ہیں اور اسے تموزی تموزی سی قیمت پر بیچتے ہیں یقین مانو کہ یہ اپنے پیٹ میں آگ بھڑک رہے ہیں۔ قیامت کے دن ان سے اللہ تعالیٰ بات بھی نہ کرے گا نہ انہیں پاک کرے گا بلکہ ان کے لئے دردناک عذاب ہیں ○ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے گمراہی کو ہدایت کے بدلے اور عذاب کو مغفرت کے بدلے مول لے لیا ہے یہ لوگ عذاب آگ کا کیا کچھ برداشت کرنے والے ہیں ○ ان (عذابوں کا) باعث یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اتاری ہوئی سچی کتاب کو انہوں نے چھپایا۔ اس کتاب میں اختلاف کرنے والے یقیناً دور کے خلاف میں ہیں ○

بدترین لوگ: ☆ ☆ (آیت: ۱۷۴-۱۷۶) یعنی جو یہودی نبی کی صفات کی آیتوں کو جو تورات میں ہیں چھپاتے ہیں اور اس کے بدلے اپنی آؤ بھگت عرب سے کراتے ہیں اور عوام سے تحفے اور نقدی سمیٹتے رہتے ہیں، وہ اس گھٹیا دنیا کے بدلے اپنی آخرت خراب کر رہے ہیں۔ انہیں ڈر لگا ہوا ہے کہ اگر حضور مکی نبوت کی سچائی اور آپ کے دعوے کی تصدیق کی آیتیں (جو تورات میں ہیں) لوگوں پر ظاہر ہو گئیں تو لوگ آپ کے ماتحت ہو جائیں گے اور انہیں چھوڑ دیں گے اس خوف سے وہ ہدایت و مغفرت کو چھوڑ بیٹھے اور ضلالت و عذاب پر خوش ہو گئے اس باعث دنیا اور آخرت کی بربادی ان پر نازل ہوئی آخرت کی رسوائی تو ظاہر ہے لیکن دنیا میں بھی لوگوں پر ان کا مکمل کل گیا۔ وقتاً فوقتاً وہ آیتیں جنہیں یہ بدترین علماء چھپاتے رہتے تھے ظاہر ہوتی رہیں۔

علاوہ ازیں خود حضور کے معجزات اور آپ کی پاکیزہ عادت نے لوگوں کو آپ کی تصدیق پر آمادہ کر دیا اور ان کی وہ جماعت جس کے ہاتھ سے نکل جانے کے ڈرنے انہیں کلام اللہ چھپانے پر آمادہ کیا تھا بالآخر ہاتھ سے جاتی رہی ان لوگوں نے حضور سے بیعت کر لی ایمان لے آئے اور آپ کے ساتھ مل کر ان حق کے چھپانے والوں کی جانیں لیں اور ان سے باقاعدہ جہاد کیا۔ قرآن کریم میں ان کی حقائق چھپانے

والی حرکتوں کو جگہ جگہ بیان کیا گیا اور فرمایا ہے کہ جو مال تم کما تے ہو۔ اللہ کی باتوں کو چھپا کر۔

قرآن کریم نے ان لوگوں کے بارے میں بھی جو تیسوں کا مال ظلم سے ہڑپ کر لیں ان کے لئے بھی یہی فرمایا ہے کہ وہ بھی اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ بھر رہے ہیں اور قیامت کے دن بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے صحیح حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جو شخص سوئے چاندی کے برتن میں کھاتا پیتا ہے وہ بھی اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ بھرتا ہے۔ پھر فرمایا ان سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بات چیت بھی نہیں کرے گا نہ انہیں پاک کرے گا بلکہ المناک عذابوں میں مبتلا کرے گا۔ اس لئے کہ ان کے اس کروت کی وجہ سے اللہ کا غضب ان پر نازل ہوا ہے اور اب ان پر سے نظر رحمت ہٹ گئی ہے اور یہ ستائش اور تعریف کے قابل نہیں رہے بلکہ سزا یاب ہوں گے اور وہاں تلملاتے رہیں گے۔ حدیث شریف میں ہے تین قسم کے لوگوں سے اللہ بات چیت نہ کرے گا نہ ان کی طرف دیکھے گا نہ انہیں پاک کرے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہیں۔ زانی بڑھا، جھوٹا بادشاہ، متکبر فقیر۔ فرمایا کہ ان لوگوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی لے لی انہیں چاہئے تھا کہ توراۃ میں جو خبریں حضور کی نسبت تھیں انہیں ان پڑھوں تک پہنچاتے لیکن اس کے بدلے انہوں نے انہیں چھپالیا اور خود بھی آپ کے ساتھ کفر کیا اور آپ کی تکذیب کی ان کے اظہار پر جو نعمتیں اور رحمتیں انہیں ملنے والی تھیں ان کے بدلے زمیں اور عذاب اپنے سر لئے۔ پھر فرماتا ہے انہیں وہ دردناک اور حیرت انگیز عذاب ہوں گے کہ دیکھنے والا ششدر رہ جائے اور یہ بھی معنی ہیں کہ انہیں آگ کے عذاب کی برداشت پر کس چیز نے آمادہ کیا جو یہ اللہ کی نافرمانیوں میں مشغول ہو گئے۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ یہ لوگ اس عذاب کے مستحق اس لئے ہوئے کہ انہوں نے اللہ کی باتوں کو ٹہنی کھیل سمجھا اور جو کتاب اللہ حق کو ظاہر کرنے اور باطل کو نابود کرنے کے لئے اتری تھی انہوں نے اس کی مخالفت کی۔ ظاہر کرنے کی باتیں چھپائیں اللہ کے نبی سے دشمنی کی آپ کی مفتوں کو ظاہر نہ کیا بیانی الواقع اس کتاب کے بارے میں اختلاف کرنے والے دور کی گمراہی میں جا پڑے۔

لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قَبْلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ
وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ
وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّنَّ وَآتَى الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ
وَالْمَسْكِينِ وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ وَأَقَامَ
الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا وَالصَّابِرِينَ
فِي الْبَاسَاءِ وَالضَّرَاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَأُولَٰئِكَ
هُمُ الْمُتَّقُونَ ﴿۱۷۷﴾

ساری بھلائی مشرق و مغرب کی طرف منہ کرنے میں ہی نہیں بلکہ حقیقتاً بھلا وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ پر قیامت کے دن پر فرشتوں پر کتاب اللہ پر اور نبیوں پر ایمان رکھنے والا ہو۔ جو اس کی محبت میں مال خرچ کرے۔ قربات و داروں تینوں مسکینوں مسافروں اور سوال کرنے والوں کو دے غلاموں کو آزاد کرے۔ نماز کی پابندی کرے اور زکوٰۃ کی ادائیگی کرے۔ جب وعدہ کرے تب اسے پورا کرے۔ تنگ دستی دکھ درد اور لڑائی کے وقت صبر کرے۔ یہی سچے لوگ ہیں اور یہی پرہیزگار ہیں ○

ایمان کا ایک پہلو: ☆☆ (آیت: ۱۷۷) اس پاک آیت میں صحیح عقیدے اور راہ مستقیم کی تعلیم ہو رہی ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب حضور علیہ السلام سے ایمان کے بارے میں سوال کیا کہ ایمان کیا چیز ہے؟ تو حضورؐ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی۔ انہوں نے پھر سوال کیا۔ حضورؐ نے پھر یہی آیت تلاوت فرمائی۔ پھر یہی سوال کیا۔ آپؐ نے فرمایا سنو۔ نیکی سے محبت اور برائی سے عداوت ایمان ہے (ابن ابی حاتم) لیکن اس روایت کی سند منقطع ہے۔ مجاہدؒ حضرت ابوذرؓ سے اس حدیث کو روایت کرتے ہیں حالانکہ ان کی ملاقات ثابت نہیں ہوئی۔ ایک شخص نے حضرت ابوذرؓ سے سوال کیا کہ ایمان کیا ہے؟ تو آپؐ نے یہی آیت تلاوت فرمادی اس نے کہا حضرت میں آپؐ سے بھلائی کے بارے میں سوال نہیں کرتا میرا سوال ایمان کے بارے میں ہے تو آپؐ نے فرمایا: سن ایک شخص نے یہی سوال حضورؐ سے کیا۔ آپؐ نے اسی آیت کی تلاوت فرمادی وہ بھی تمہاری طرح راضی نہ ہوا تو آپؐ نے فرمایا مومن جب نیک کام کرتا ہے تو اس کا جی خوش ہو جاتا ہے اور اسے ثواب کی امید ہوتی ہے اور جب گناہ کرتا ہے تو اس کا دل غمگین ہو جاتا ہے اور وہ عذاب سے ڈرنے لگتا ہے (ابن مردویہ)

یہ روایت بھی منقطع ہے۔ اب اس آیت کی تفسیر سنئے، مومنوں کو پہلے تو حکم ہوا کہ وہ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھیں۔ پھر انہیں کعبہ کی طرف گھما دیا گیا جو اہل کتاب پر اور بعض ایمان والوں پر بھی شاق گذرا پس اللہ تعالیٰ نے اس کی حکمت بیان فرمائی کہ اس کا اصل مقصد اطاعت فرمان الہی ہے وہ جدھر منہ کرنے کو کہہ کر لو۔ اہل تقویٰ اصل بھلائی اور کامل ایمان یہی ہے کہ مالک کے زیر فرمان رہو اگر کوئی مشرق کی طرف منہ کرے یا مغرب کی طرف منہ پھیر لے اور اللہ کا حکم نہ ہو تو وہ اس توجہ سے ایماندار نہیں ہو جائے گا بلکہ حقیقت میں باایمان وہ ہے جس میں وہ اوصاف ہوں جو اس آیت میں بیان ہوئے۔

قرآن کریم نے ایک اور جگہ فرمایا ہے لَنْ يَنَالُ اللَّهُ لُحُوءُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلَكِنْ يَنَالُهُ التَّقْوَىٰ مِنْكُمْ^① یعنی تمہاری قربانیوں کے گوشت اور لہو اللہ کو نہیں پہنچتے بلکہ اس تک تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ تم نمازیں پڑھو اور دوسرے اعمال نہ کرو یہ کوئی بھلائی نہیں۔ یہ حکم اس وقت تھا جب مکہ سے مدینہ کی طرف لوٹے تھے لیکن پھر اس کے بعد اور فرائض اور احکام نازل ہوئے اور ان پر عمل کرنا ضروری قرار دیا گیا۔ مشرق و مغرب کو اس کے لئے خاص کیا گیا کہ یہود مغرب کی طرف اور نصاریٰ مشرق کی طرف منہ کیا کرتے تھے۔ پس غرض یہ ہے کہ یہ تو صرف لفظی ایمان ہے۔ ایمان کی حقیقت تو عمل ہے۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں بھلائی یہ ہے کہ اطاعت کا مادہ دل میں پیدا ہو جائے، فرائض پابندی کے ساتھ ادا ہوں تمام بھلائیوں کا عامل ہو حق تو یہ ہے کہ جس نے اس آیت پر عمل کر لیا، اس نے کامل اسلام پالیا اور دل کھول کر بھلائی سمیٹ لی اس کا ذات باری پر ایمان ہے۔ یہ وہ جانتا ہے کہ معبود بحق وہی ہے۔ فرشتوں کے وجود کو اور اس بات کو کہ وہ اللہ کا پیغام اللہ کے مخصوص بندوں پر لاتے ہیں۔ یہ مانتا ہے کہ آسمانی کتابوں کو برحق جانتا ہے اور سب سے آخری کتاب قرآن کریم کو جو کہ تمام اگلی کتابوں کو سچا کہنے والی تمام بھلائیوں کی جامع اور دین و دنیا کی سعادت پر مشتمل ہے وہ مانتا ہے۔ اسی طرح اول سے آخر تک کے تمام انبیاء پر بھی اس کا ایمان ہے بالخصوص خاتم الانبیاء رسول اللہ ﷺ پر بھی۔ مال کو باوجود مال کی محبت کے راہ اللہ میں خرچ کرتا ہے۔

صحیح حدیث شریف میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں افضل صدقہ یہ ہے کہ تو اپنی صحت اور مال کی محبت کی حالت میں اللہ کے نام دے باوجود یکہ مال کی کمی کا اندیشہ ہو اور زیادتی کی رغبت بھی ہو (بخاری و مسلم) مستدرک حاکم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وَآتَى الْمَالَ

علیٰ حُبِّہ پڑھ کر فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم صحت میں اور مال کی چاہت کی حالت میں فقیری سے ڈرتے ہوئے اور امیری کی خواہش رکھتے ہوئے صدقہ کرو لیکن اس روایت کا موقوف ہونا زیادہ صحیح ہے۔ اصل میں یہ فرمان حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے۔ قرآن کریم میں سورہ دھرم میں فرمایا وَطُغْمُونَ الطَّعَامِ عَلٰی حُبِّہ الخ مسلمان باوجود کھانے کی چاہت کے مسکینوں یتیموں اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم تمہیں اللہ کی خوشنودی کے لئے کھلاتے ہیں نہ تم سے اس کا بدلہ چاہتے ہیں نہ شکریہ۔ اور جگہ فرمایا لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ جب تک تم اپنی چاہت کی چیزیں اللہ کے نام نہ دو تم حقیقی بھلائی نہیں پاسکتے۔ اور جگہ فرمایا وَيُؤْتُوْنَ عَلٰی اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ یعنی باوجود اپنی حاجت اور ضرورت کے بھی وہ دوسروں کو اپنے نفس پر مقدم کرتے ہیں۔ پس یہ لوگ بڑے پایہ کے ہیں کیونکہ پہلی قسم کے لوگوں نے تو اپنی پسندیدہ چیز باوجود اس کی محبت کے دوسروں کو دی لیکن ان بزرگوں نے اپنی چاہت کی وہ چیز جس کے وہ محتاج تھے دوسروں کو دے دی اور اپنی حاجت مندی کا خیال بھی نہ کیا۔

ذَوِی الْقُرْبٰی انہیں کہتے ہیں جو رشتہ دار ہوں صدقہ دیتے وقت یہ دوسروں سے زیادہ مقدم ہیں۔ حدیث میں ہے مسکین کو دینا اکہرا ثواب ہے اور قرابت دار مسکین کو دینا دو ہر ا ثواب ہیا یک ثواب صدقہ کا دوسرا صلہ رحمی کا تمہاری بخشش اور خیراتوں کے زیادہ مستحق یہ ہیں۔ قرآن کریم میں ان کے ساتھ سلوک کرنے کا حکم کئی جگہ ہے۔ یتیم سے مراد وہ چھوٹے بچے ہیں جن کے والد مر گئے ہوں اور ان کا کمانے والا کوئی نہ ہو۔ نہ خود انہیں اپنی روزی حاصل کرنے کی قوت و طاقت ہو۔ حدیث شریف میں ہے بلوغت کے بعد یتیمی نہیں رہتی۔

مساکین وہ ہیں جن کے پاس اتنا ہو جو ان کے کھانے، پینے، پہننے اور ہننے رہنے سہنے کو کافی ہو سکے ان کے ساتھ بھی سلوک کیا جائے جس سے ان کی حاجت پوری ہو اور فقر و فاقہ اور قلت و ذلت کی حالت سے بچ سکیں۔ صحیحین میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں مسکین صرف وہی لوگ نہیں جو مال گنتے پھرتے ہوں اور ایک ایک دودو کھجوریں یا ایک ایک دودو لقمے روٹی کے لے جاتے ہوں بلکہ مسکین وہ بھی ہیں جن کے پاس اتنا نہ ہو کہ ان کے سب کام نکل جائیں نہ وہ اپنی حالت ایسی بنائیں جس سے لوگوں کو علم ہو جائے انہیں کوئی کچھ دے دے۔

ابن السبیل مسافر کو کہتے ہیں۔ یہاں مراد وہ مسافر ہیں جن کے پاس سفر خرچ نہ رہا ہو انہیں اتنا دیا جائے جس سے یہ باطمینان اپنے وطن پہنچ جائیں۔ اسی طرح وہ شخص بھی جو اطاعت الہی میں سفر کر رہا ہو اسے جانے آنے کا خرچ دینا، مہمان بھی اسی حکم میں ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ مہمان کو بھی ابن السبیل میں داخل کرتے ہیں اور دوسرے بزرگ سلف بھی۔ مسکین وہ لوگ ہیں جو اپنی حاجت ظاہر کر کے لوگوں سے کچھ مانگیں۔ انہیں بھی صدقہ زکوٰۃ دینا چاہئے۔ حضورؐ فرماتے ہیں: سائل کا حق ہے اگرچہ وہ گھوڑے پر سوار آئے (ابوداؤد) فی الرقاب سے مراد غلاموں کو آزادی دلانا ہے وہ خواہ یہ وہ غلام ہوں جنہوں نے اپنے مالکوں کو مقررہ قیمت کی ادائیگی کا لکھ دیا ہو کہ اتنی رقم ہم تمہیں ادا کر دیں گے تو ہم آزاد ہیں لیکن اب ان بیچاروں سے ادا نہیں ہو سکی تو ان کی امداد کر کے انہیں آزاد کرانا۔ ان تمام قسموں کی اور دوسرے اسی قسم کے لوگوں کی پوری تفسیر سورہ برات میں انما الصدقات کی تفسیر میں بیان ہوگی ان شاء اللہ۔ حضرت فاطمہ بنت قیسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مال میں زکوٰۃ کے سوا کچھ اور بھی اللہ تعالیٰ کا حق ہے پھر آپ نے یہ آیت پڑھ کر سنائی اس حدیث کا ایک راوی ابو جزمہ میمون اعمور ضعیف ہے۔

پھر فرمایا نماز کو وقت پر پورے رکوع، سجدے، اطمینان اور آرام، خشوع اور خضوع کے ساتھ ادا کرے جس طرح ادائیگی کا شریعت کا حکم ہے اور زکوٰۃ کو بھی ادا کرے یا یہ معنی کہ اپنے نفس کو بے معنی باتوں اور ذلیل اخلاقوں سے پاک کرے جیسے فرمایا قَدْ اَفْلَحَ مَنْ

زَنَکَهَا یعنی اپنے نفس کو پاک کرنے والا افلاح پا گیا اور اسے گندگی میں لتھیرنے (لت پت کرنے والا) تباہ ہو گیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے یہی فرمایا تھا کہ هَلْ لَكَ اِلٰى اَنْ تَزْنٰکَی اور جگہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَوَلِّ لِلْمُشْرِکِیْنَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْتُوْنَ الزَّکٰوةَ یعنی ان مشرکوں کو ویل ہے جو زکوٰۃ ادا نہیں کرتے یا یہ کہ جو اپنے آپ کو شرک سے پاک نہیں کرتے۔ پس یہاں مندرجہ بالا آیت زکوٰۃ سے مراد زکوٰۃ نفس یعنی اپنے آپ کو گندگیوں اور شرک و کفر سے پاک کرنا ہے اور ممکن ہے مال کی زکوٰۃ مراد ہو تو اور احکام نفلی صدقہ سے متعلق سمجھے جائیں گے جیسے اوپر حدیث بیان ہوئی کہ مال میں زکوٰۃ کے سوا اور حق بھی ہیں۔ پھر فرمایا وعدے پورے کرنے والے جیسے اور جگہ ہے یُؤْفَوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ اِنَّ خِیَۃَ لَوْگِ اللّٰہ کے عہد کو پورا کرتے ہیں اور وعدے نہیں توڑتے۔

وعدے توڑنا نفاق کی خصلت ہے۔ جیسے حدیث میں ہے منافق کی تین نشانیاں ہیں بات کرتے ہوئے جھوٹ بولنا، وعدہ خلافی کرنا، امانت میں خیانت کرنا۔

ایک اور حدیث میں ہے، جھگڑے کے وقت گالیاں بکنا۔ پھر فرمایا فقر و فاقہ میں مال کی کمی کے وقت بدن کی بیماری کے وقت لڑائی کے موقعہ پر دشمنان دین کے سامنے میدان جنگ میں جہاد کے وقت صبر و ثبات قدم رہنے والے اور فوادی چٹان کی طرح جم جانے والے صابِ رین کا نصب بطور مدح کے ہے، ان سختیوں اور مصیبتوں کے وقت صبر کی تعلیم اور تلقین ہو رہی ہے اللہ تعالیٰ ہماری مدد کرے ہمارا بھروسہ اسی پر ہے پھر فرمایا ان اوصاف والے لوگ ہی سچے ایمان والے ہیں، ان کا ظاہر و باطن قول و فعل یکساں ہے اور متقی بھی یہی لوگ ہیں کیونکہ اطاعت گزار ہیں اور نافرمانیوں سے دور ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلِ الْحَرِّ
بِالْحَرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْأَنْثَى بِالْأُنْثَى فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ
شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاؤُهُ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ ذَلِكَ تَخْفِيفٌ مِّنْ
رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ فَمَنِ اعْتَدَىٰ بَعْدَ ذَلِكَ فَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٥٨﴾
وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَوةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿٥٩﴾

ایمان والو! تم پر مقتولوں کا قصاص لینا فرض کیا گیا ہے۔ آزاد آزاد کے بدلے غلام غلام کے بدلے عورت عورت کے بدلے جس کسی کو اس کے بھائی کی طرف سے کچھ معافی دے دی جائے اسے بھلائی کے پیچھے لگانا چاہئے اور آسانی کے ساتھ دیت ادا کرنی چاہئے۔ تمہارے رب کی طرف سے یہ تخفیف اور رحمت ہے اس کے بعد بھی جو سرکشی کرے اسے دردناک عذاب ہوگا ○ عظیم و قصاص میں تمہارے لئے زندگی ہے اس باعث تم (قتل ناحق سے) رکو گے ○

قصاص کی وضاحت: ☆☆ (آیت: ۱۷۸-۱۷۹) یعنی اے مسلمانو! قصاص کے وقت عدل سے کام لیا کرو آزاد کے بدلے آزاد غلام کے بدلے غلام عورت کے بدلے عورت اس بارے میں حد سے نہ بڑھو جیسے کہ اگلے لوگ حد سے بڑھ گئے اور خدا کا حکم بدل دیا اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ جاہلیت کے زمانہ میں بنو قریظہ اور بنو نضیر کی جنگ ہوئی تھی جس میں بنو نضیر غالب آئے تھے۔ اب یہ دستور ہو گیا تھا کہ جب نضیری کسی قرظی کو قتل کرے تو اس کے بدلے اسے قتل نہیں کیا جاتا تھا بلکہ ایک سودیق بھجور دیت میں لی جاتی تھی اور جب کوئی قرظی نضیری کو مار ڈالے تو قصاص میں اسے قتل کر دیا جاتا تھا اور اگر دیت لی جائے تو ڈبل دیت یعنی دو سودیق بھجور لی جاتی تھی۔

پس اللہ تعالیٰ نے جاہلیت کی اس رسم کو مٹایا اور عدل و مساوات کا حکم دیا۔ ابو حاتم کی روایت میں شان نزول یوں بیان ہوا ہے کہ عرب کے دو قبیلوں میں جدال و قتال ہوا تھا۔ اسلام کے بعد اس کا بدلہ لینے کی ٹھانی اور کہا کہ ہمارے غلام کے بدلے ان کا آزاد قتل ہو اور عورت کے بدلے مرد قتل ہو تو ان کے رد میں یہ آیت نازل ہوئی اور یہ حکم بھی منسوخ ہے۔ قرآن فرماتا ہے النَّفْسُ بِالنَّفْسِ پس ہر قاتل مقتول کے بدلے مار ڈالا جائے گا خواہ آزاد نے کسی غلام کو قتل کیا ہو خواہ اس کے برعکس ہو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ مرد کو عورت کے بدلے قتل نہیں کرتے تھے جس پر النَّفْسُ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنُ بِالْعَيْنِ نازل ہوئی پس آزاد لوگ سب برابر ہیں۔ جان کے بدلے جان لی جائے گی خواہ قاتل مرد ہو خواہ عورت ہو اسی طرح مقتول خواہ مرد ہو خواہ عورت ہو جب کہ ایک آزاد انسان نے ایک آزاد انسان کو مار ڈالا ہے تو اسے بھی مار ڈالا جائے گا۔ اسی طرح یہی حکم غلاموں اور لونڈیوں میں بھی جاری ہوگا اور جو کوئی جان لینے کے قصد سے دوسرے کو قتل کرے گا وہ قصاص میں قتل کیا جائے گا اور یہی حکم قتل کے علاوہ اور زخموں کا اور دوسرے اعضاء کی بربادی کا بھی ہے۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بھی اس آیت کو انفس بالنفس سے منسوخ بتلاتے ہیں۔ ☆ مسئلہ ☆ امام ابو حنیفہؒ امام ثوریؒ امام ابن ابی لیلیٰؒ اور داؤدؒ کا مذہب ہے کہ آزاد نے اگر غلام کو قتل کیا ہے تو اس کے بدلے وہ بھی قتل کیا جائے گا حضرت علیؒ حضرت ابن مسعودؒ حضرت سعید بن جبیرؒ حضرت ابراہیم نخعیؒ حضرت قتادہؒ اور حضرت حکمؒ کا بھی یہی مذہب ہے۔ حضرت امام بخاریؒ علی بن مدینیؒ ابراہیم نخعیؒ اور ایک اور روایت کی رو سے حضرت ثوریؒ کا بھی مذہب یہی ہے کہ اگر کوئی آقا اپنے غلام کو مار ڈالے تو اس کے بدلے اس کی جان لی جائے گی۔ دلیل میں یہ حدیث بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔ جو شخص اپنے غلام کو قتل کرے ہم اسے قتل کریں گے اور جو شخص اپنے غلام کو کھلا کرے ہم بھی اس کی ناک کٹا دیں گے اور جو اسے خصی کرے اس سے بھی یہی بدلہ لیا جائے گا لیکن جمہور کا مذہب ان بزرگوں کے خلاف ہے۔ وہ کہتے ہیں آزاد غلام کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا اس لئے کہ غلام مال ہے۔ اگر وہ خطا سے قتل ہو جائے تو دیت یعنی جرمانہ نہیں دینا پڑتا صرف اس کے مالک کو اس کی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے اور اسی طرح اس کے ہاتھ پاؤں وغیرہ کے نقصان پر بھی بدلے کا حکم نہیں۔ آیا مسلمان کافر کے بدلے قتل کیا جائے گا یا نہیں؟ اس بارے میں جمہور علماء امت کا مذہب تو یہ ہے کہ قتل نہ کیا جائے گا اور دلیل صحیح بخاری شریف کی یہ حدیث ہے کہ لا یقتل مسلم بکافر مسلمان کافر کے بدلے قتل نہ کیا جائے اس حدیث کے خلاف نہ کوئی صحیح حدیث ہے نہ کوئی ایسی تاویل ہو سکتی ہے جو اس کے خلاف ہو لیکن تاہم صرف امام ابو حنیفہؒ کا مذہب یہ ہے کہ مسلمان کافر کے بدلے قتل کر دیا جائے۔

☆☆☆ حضرت حسن بصریؒ اور حضرت عطاء کا قول ہے کہ مرد عورت کے بدلے قتل نہ کیا جائے اور دلیل میں مندرجہ بالا آیت کو پیش کرتے ہیں لیکن جمہور علماء اسلام اس کے خلاف ہیں کیونکہ سورہ مائدہ کی آیت عام ہے جس میں النفس بالنفس موجود ہے۔ علاوہ ازیں حدیث شریف میں بھی ہے المسلمون تتکافؤ دماءہم یعنی مسلمانوں کے خون آپس میں یکساں ہیں۔ حضرت لیثؒ کا مذہب ہے کہ خاوند اگر اپنی بیوی کو مار ڈالے تو خاصہ اس کے بدلے اس کی جان نہیں لی جائے گی۔

☆☆☆ چاروں اماموں اور جمہور امت کا مذہب ہے کہ کئی ایک نے نل کر ایک مسلمان کو قتل کیا ہے تو وہ سارے اس ایک کے بدلے قتل کر دئے جائیں گے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں ایک شخص کو سات شخص مل کر مار ڈالتے ہیں تو آپ ان ساتوں کو قتل کراتے ہیں اور فرماتے ہیں اگر صفا کے تمام لوگ بھی اس قتل میں شریک ہوتے تو میں قصاص میں سب کو قتل کر دیتا۔ آپ کے اس فرمان کے

خلاف آپؐ کے زمانہ میں کسی صحابیؓ نے نہیں کیا پس اس بات پر گویا اجماع ہو گیا۔ لیکن امام احمدؒ سے مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں، ایک کے بدلے صرف ایک ہی قتل کیا جائے۔ زیادہ قتل نہ کئے جائیں حضرت معاذؓ، حضرت ابن زبیرؓ، عبدالملک بن مروان زہریؓ، ابن سیرینؓ، حنین بن ابی ثابتؓ سے بھی یہ قول مروی ہے ابن المنذرؒ فرماتے ہیں یہی زیادہ صحیح ہے اور ایک جماعت کو ایک مقتول کے بدلے قتل کرنے کی کوئی دلیل نہیں اور حضرت ابن زبیرؓ سے یہ ثابت ہے کہ وہ اس مسئلہ کو نہیں مانتے تھے پس جب صحابہؓ میں اختلاف ہوا تو اب مسئلہ غور طلب ہو گیا۔ پھر فرماتا ہے کہ یہ اور بات ہے کہ کسی قاتل کو مقتول کا کوئی وارث کچھ حصہ معاف کر دے یعنی قتل کے بدلے وہ دیت قبول کر لے یا دیت بھی اپنے حصہ کی چھوڑ دے اور صاف معاف کر دے۔ اگر وہ دیت پر راضی ہو گیا ہے تو قاتل کو مشکل نہ ڈالے بلکہ اچھائی سے دیت وصول کرے اور قاتل کو بھی چاہئے کہ بھلائی کے ساتھ اسے دیت ادا کر دے۔ حیل حجت نہ کرے۔

مسئلہ: ☆☆ امام مالکؒ کا مشہور مذہب اور امام ابو حنیفہؒ اور آپ کے شاگردوں کا اور امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا ایک روایت کی رو سے یہ مذہب ہے کہ مقتول کے اولیاء کا قصاص چھوڑ کر دیت پر راضی ہونا اس وقت جائز ہے جب خود قاتل بھی اس پر آمادہ ہو لیکن اور بزرگان دین فرماتے ہیں کہ اس میں قاتل کی رضامندی شرط نہیں۔

مسئلہ: ☆☆ سلف کی ایک جماعت کہتی ہے کہ عورتیں قصاص سے درگزر کر کے دیت پر اگر رضامند ہوں تو ان کا اعتبار نہیں۔ حسن، قتادہ، زہرہ ابن شبرمہؒ، لیث اور اوزاعیؒ کا یہی مذہب ہے لیکن باقی علمائے دین ان کے مخالف ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی عورت نے بھی دیت پر رضامندی ظاہر کی تو قصاص جاتا رہے گا۔ پھر فرماتے ہیں کہ قتل عمد میں دیت لینا یہ اللہ کی طرف سے تخفیف اور مہربانی ہے۔ اگلی امتوں کو یہ اختیار نہ تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، بنی اسرائیل پر قصاص فرض تھا۔ انہیں قصاص سے درگزر کرنے اور دیت لینے کی اجازت نہ تھی لیکن اس امت پر یہ مہربانی ہوئی کہ دیت لینے بھی جائز کی گئی تو یہاں تین چیزیں ہوئیں۔ قصاص، دیت اور معافی۔ اگلی امتوں میں صرف قصاص اور معافی ہی تھی۔ دیت نہ تھی۔ بعض لوگ کہتے ہیں اہل تورات کے ہاں صرف قصاص اور معافی تھی اور اہل انجیل کے ہاں صرف معافی ہی تھی۔ پھر فرمایا جو شخص دیت یعنی جرمانہ لینے کے بعد یا دیت قبول کر لینے کے بعد بھی زیادتی پر تل جائے اس کے لئے سخت درد ناک عذاب ہے۔ مثلاً دیت لینے کے بعد پر قتل کے درپے ہوا وغیرہ۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، جس شخص کا کوئی مقتول یا مجروح ہو تو اسے تین باتوں میں سے ایک کا اختیار ہے۔ یا قصاص یعنی بدلہ لے لے یا درگزر کرے اور معاف کر دے یا دیت یعنی جرمانہ لے لے اور اگر کچھ اور کرنا چاہے تو اسے روک دو۔ ان میں سے ایک کر چکنے کے بعد بھی جو زیادتی کرے وہ ہمیشہ کے لئے جہنمی ہو جائے گا (احمد) دوسری حدیث میں ہے کہ جس نے دیت وصول کر لی، پھر قاتل کو قتل کیا تو اب میں اس سے دیت بھی نہ لوں گا بلکہ اسے قتل کروں گا۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اسے عقلمند و قصاص میں نسل انسان کی بقا ہے۔ اس میں حکمت عظیمہ ہے گو بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک کے بدلے ایک قتل ہوا تو دوسرے لیکن دراصل اگر سوچو تو پتہ چلے گا کہ یہ سب زندگی ہے۔ قاتل کو خود خیال ہو گا کہ میں اسے قتل نہ کروں ورنہ خود بھی قتل کر دیا جاؤں گا تو وہ اس فعل بد سے رک جائے گا تو دو آدمی قتل و خون سے بچ گئے۔ اگلی کتابوں میں بھی یہ بات تو بیان فرمائی تھی کہ القتل انفی للقتل قتل قتل کو روک دیتا ہے لیکن قرآن پاک میں بہت ہی فصاحت و بلاغت کے ساتھ اس مضمون کو بیان کیا گیا۔ پھر فرمایا یہ تمہارے بچاؤ کا سبب ہے کہ ایک تو اللہ کی نافرمانی سے محفوظ رہو گے دوسرے نہ کوئی کسی کو قتل کرے گا نہ وہ قتل کیا جائے گا۔ زمین پر امن و امان سکون و سلام رہے گا۔ تقویٰ کل نیکوں کے کرنے اور کل برائیوں کے چھوڑنے کا نام ہے۔

کُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۖ الْوَصِيَّةُ
لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ۝ فَمَنْ بَدَّلَهُ
بَعْدَ مَا سَمِعَهُ فَإِنَّمَا إِثْمُهُ عَلَى الَّذِينَ يُبَدِّلُونَهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ
سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝ فَمَنْ خَافَ مِنْ مَوْصٍ جَنَفًا أَوْ أَثْمًا فَاصْلَحْ
بَيْنَهُمْ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝

تم پر فرض کر دیا گیا کہ جب تم میں سے کوئی مرنے لگے اور مال چھوڑ جاتا ہو تو اپنے ماں باپ اور قربات داروں کے لئے اچھائی کے ساتھ وصیت کر جائے پر ہیز گاروں پر یہ حق اور ثابت ہے ○ اب جو شخص اسے سننے کے بعد بدل دے اس کا گناہ بدلنے والے پر ہی ہوگا۔ اللہ تعالیٰ سننے جانے والا ہے ○ ہاں جو شخص وصیت کرنے والے کے ایک طرف مائل ہو جانے یا گناہ کی وصیت کر دینے سے ڈرے اور ان میں آپس میں اصلاح کر دے اس پر گناہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے ○

وصیت کی وضاحت: ☆☆ (آیت: ۱۸۰-۱۸۲) اس آیت میں ماں باپ اور قربات داروں کے لئے وصیت کرنے کا حکم ہو رہا ہے۔ میراث کے حکم سے پہلے یہ واجب تھا۔ ٹھیک قول یہی ہے لیکن میراث کے احکام نے اس وصیت کے حکم کو منسوخ کر دیا۔ ہر وارث اپنا مقررہ حصہ بے وصیت لے لگا۔ سنن وغیرہ میں حضرت عمرو بن خارجہؓ سے حدیث ہے کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو خطبہ میں یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کو اس کا حق پہنچا دیا ہے۔ اب کسی وارث کے لئے کوئی وصیت نہیں۔ ابن عباسؓ سورہ بقرہ کی تلاوت کرتے ہیں۔ جب آپؐ اس آیت پر پہنچتے ہیں تو فرماتے ہیں یہ آیت منسوخ ہے (مسند احمد) آپؐ سے یہ بھی مروی ہے کہ پہلے ماں باپ کے ساتھ اور کوئی رشتہ دار وارث نہ تھا۔ اوروں کے لئے صرف وصیت ہوتی تھی۔ پھر میراث کی آیتیں نازل ہوئیں اور ایک تہائی مال میں وصیت کا اختیار باقی رہا۔ اس آیت کے حکم کو منسوخ کرنے والی آیت لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا كَسَبُوا ہے۔

حضرت ابن عمرؓ، حضرت ابو موسیٰؓ، سعید بن مسیبؓ، حسنؓ، مجاہدؓ، عطاءؓ، سعید بن جبیرؓ، محمد بن سیرینؓ، عکرمہؓ، زید بن اسلمؓ، ربیع بن انسؓ، قتادہؓ، سدیؓ، مقاتل بن حیانؓ، طاؤسؓ، ابراہیمؓ، غنمؓ، شریحؓ، ضحاکؓ اور زہریؓ رحمہم اللہ یہ سب حضرات بھی اس آیت کو منسوخ بتلاتے ہیں لیکن باوجود اس کے تعجب ہے کہ امام برازی نے اپنی تفسیر کبیر میں ابو مسلم اصفہانی سے یہ کیسے نقل کر دیا کہ یہ آیت منسوخ نہیں بلکہ آیت میراث اس کی تفسیر ہے اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ تم پر وہ وصیت فرض کی گئی جس کا بیان آیت یُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ الخ میں ہے اور یہی قول اکثر مفسرین اور معتبر فقہاء کا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ وصیت کا حکم وارثوں کے حق میں منسوخ ہے اور جن کا وارث مقرر نہیں ان کے حق میں ثابت ہے۔ حضرت ابن عباسؓ، حسنؓ، مسروقؓ، طاؤسؓ، ضحاکؓ، مسلم بن یسارؓ اور علماء بن زیادؓ کا مذہب بھی یہی ہے۔ میں کہتا ہوں سعید بن جبیرؓ، ربیع بن انسؓ، قتادہؓ اور مقاتل بن حیانؓ بھی یہی کہتے ہیں لیکن ان حضرات کے اس قول کی بنا پر پہلے فقہاء کی اصطلاح میں یہ آیت منسوخ نہیں ٹھہرتی اس لئے کہ میراث کی آیت سے وہ لوگ تو اس حکم سے مخصوص ہو گئے جن کا حصہ شریعت نے خود مقرر کر دیا اور جو اس سے پہلے اس آیت کے حکم کی رو سے وصیت میں داخل تھے کیونکہ قربات دار عام ہیں خواہ ان کا وارث مقرر ہو یا نہ ہو تو اب وصیت ان کے لئے ہوئی جو وارث نہیں اور ان کے حق میں نہ رہی جو وارث ہیں۔ یہ قول اور بعض دیگر حضرات کا یہ قول کہ وصیت کا حکم ابتداء اسلام میں تھا اور وہ بھی غیر ضروری دونوں کا مطلب قریباً ایک ہو گیا لیکن جو لوگ وصیت کے اس حکم کو واجب کہتے ہیں اور روانی عبارت اور سیاق و سباق سے بھی بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے ان کے

نزدیک تو یہ آیت منسوخ ہی ٹھہرے گی جیسے کہ اکثر مفسرین اور معتبر فقہاء کرام کا قول ہے۔

پس والدین اور وراثت پانے والے قرابت داروں کے لئے وصیت کرنا بالاجماع منسوخ ہے بلکہ منوع ہے۔ حدیث شریف میں آچکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کو اس کا حق دے دیا ہے۔ اب وارث کے لئے کوئی وصیت نہیں۔ آیت میراث کا حکم مستقل ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ واجب و فرض ہے۔ ذوی الفروض اور عصابات کا حصہ مقرر ہے اور اس سے اس آیت کا حکم کلیہ اٹھ گیا۔ باقی رہے وہ قرابت دار جن کا کوئی ورثہ مقرر نہیں ان کے لئے تہائی مال میں وصیت کرنا مستحب ہے۔ کچھ تو اس کا حکم اس آیت سے بھی نکلتا ہے۔ دوسرے یہ کہ حدیث شریف میں صاف آچکا ہے صحیحین میں حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کسی مرد مسلمان کو لائق نہیں کہ اس کے پاس کوئی چیز ہو اور وہ وصیت کرنی چاہتا ہو کہ دو راتیں بھی بغیر وصیت لکھے ہوئے گزارے۔ راوی حدیث حضرت عمر فاروق کے صاحبزادے فرماتے ہیں اس فرمان کے سننے کے بعد میں نے تو ایک رات بھی بلا وصیت نہیں گذاری۔ قرابت داروں اور رشتہ داروں سے سلوک و احسان کرنے کے بارے میں بہت سی آیتیں اور حدیثیں آئی ہیں۔ ایک حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے ابن آدم تو جو مال میری راہ میں خرچ کرے گا میں اس کی وجہ سے تجھے پاک صاف کروں گا اور تیرے انتقال کے بعد بھی میرے نیک بندوں کی دعاؤں کا سبب بناؤں گا۔ خیر اسے مراد یہاں مال ہے۔ اکثر جلیل القدر مفسرین کی یہی تفسیر ہے بعض مفسرین کا تو قول ہے کہ مال خواہ تھوڑا ہو خواہ بہت وصیت مشروع ہے جیسے میراث تھوڑے مال میں بھی ہے اور زیادہ میں بھی بعض کہتے ہیں وصیت کا حکم اس وقت ہے جب زیادہ مال ہو۔ حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ ایک قریشی مر گیا اور تین چار سو دینار اس کے ورثہ میں تھے اور اس نے وصیت کچھ نہیں کی۔ آپ نے فرمایا یہ رقم وصیت کے قابل نہیں اللہ تعالیٰ نے اِن تَرَكَ خَيْرًا فرمایا ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت علیؓ اپنی قوم کے ایک بیمار کی بیمار پری کو گئے۔ اس سے کسی نے کہا وصیت کرو تو آپ نے فرمایا وصیت خیر میں ہوتی ہے اور تو تو کم مال چھوڑ رہا ہے اسے اولاد کے لئے ہی چھوڑ جا۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں ساٹھ دینار جس نے نہیں چھوڑے اس نے خیر نہیں چھوڑی یعنی اس کے ذمہ وصیت کرنا نہیں۔ طاؤس اسی (80) دینار بتلاتے ہیں۔ قتادہ ایک ہزار بتلاتے ہیں۔ معروف سے مراد نرمی اور احسان ہے۔ حضرت حسنؓ فرماتے ہیں وصیت کرنا ہر مسلمان پر ضروری ہے۔ اس میں بھلائی کرے برائی نہ کرے۔ وارثوں کو نقصان نہ پہنچائے۔ اسراف اور فضول خرچی نہ کرے۔

صحیحین میں ہے کہ حضرت سعدؓ نے فرمایا رسول اللہ میں مالدار ہوں اور میری وارث صرف میری ایک لڑکی ہی ہے تو آپؐ اجازت دیجئے کہ میں اپنے دو تہائی مال کی وصیت کروں۔ آپؐ نے فرمایا۔ نہیں۔ کہا آدھے کی اجازت دیجئے۔ فرمایا۔ نہیں۔ کہا۔ ایک تہائی کی اجازت دیجئے۔ فرمایا۔ خیر تہائی مال کی وصیت کرو گویہ بھی بہت ہے۔ تم اپنے پیچھے اپنے وارثوں کو مالدار چھوڑ کر جاؤ۔ یہ بہتر ہے اس سے کہ تم انہیں فقیر اور تنگ دست چھوڑ کر جاؤ کہ وہ اوروں کے سامنے ہاتھ پھیلائیں۔ صحیح بخاری شریف میں ہے ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کاش کہ لوگ تہائی سے ہٹ کر چوتھائی پر آجائیں اس لئے کہ آنحضرت ﷺ نے تہائی کی رخصت دیتے ہوئے یہ بھی فرمایا ہے کہ تہائی بہت ہے۔ مسند احمد میں ہے حظلہ بن جذیم بن حنفیہؓ کے دادا حنفیہ نے ایک یتیم بچے کے لئے جوان کے ہاں پلتے تھے سوادنوں کی وصیت کی۔ ان کی اولاد پر یہ بہت گراں گذر معاملہ حضورؐ تک پہنچا۔ حضورؐ نے فرمایا نہیں نہیں نہیں۔ صدقہ میں پانچ دو رو نہ دس دو۔ ورنہ پندرہ۔ ورنہ بیس۔ ورنہ پچیس دو۔ ورنہ تیس دو۔ ورنہ پینتیس دو۔ اگر اس پر بھی نہ مانو تو خیر زیادہ سے زیادہ چالیس دو۔

پھر فرمایا جو شخص وصیت کو بدل دے اس میں کمی بیشی کر دے یا وصیت کو چھپائے اس کا گناہ بدلنے والے کے ذمہ ہے۔ میت کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ثابت ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ وصیت کرنے والے کی وصیت کی اصلیت کو بھی جانتا ہے اور بدلنے والے کی تبدیلی کو بھی۔ نہ اس سے کوئی آواز پوشیدہ نہ کوئی راز۔ حیف کے معنی خطا اور غلطی کے ہیں مثلاً کسی وارث کو کسی طرح زیادہ دلوادینا مثلاً کہد یا کہ فلاں چیز فلاں کے ہاتھ اتنے اتنے میں بچ دی جائے وغیرہ۔ اب یہ خواہ بطور غلطی اور خطا کے ہو یا زیادتی محبت و شفقت کی وجہ سے بغیر قصد ایسی حرکت سرزد ہوگئی ہو یا گناہ کے طور پر ہو تو وصی کو اس کے رد و بدل میں کوئی گناہ نہیں۔ وصیت کو شرعی احکام کے مطابق کر کے جاری کر دے تاکہ میت بھی عذاب الہی سے بچے اور حقداروں کو حق بھی پہنچے اور وصیت بھی شروع کے مطابق پوری ہو۔ ایسی حالت میں بدلنے والے پر کوئی گناہ یا حرج نہیں۔ واللہ اعلم۔ ابی حاتم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: زندگی میں ظلم کر کے صدقہ دینے والے کا صدقہ اسی طرح لوٹا دیا جائے گا جس طرح موت کے وقت گناہگار کرنے والے کا صدقہ لوٹا دیا جاتا ہے۔ یہ حدیث ابن مردویہ میں بھی مروی ہے۔ ابن ابی حاتم فرماتے ہیں ولید بن یزید جو اس حدیث کا راوی ہے اس نے اس میں غلطی کی ہے۔ دراصل یہ کلام حضرت عروہ کا ہے۔ ولید بن مسلم نے اسے اوزاعی سے روایت کیا ہے اور عروہ سے آگے سند نہیں لے گئے۔

امام ابن مردویہ بھی ایک مرفوع حدیث بروایت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ وصیت کی کمی بیشی کبیرہ گناہ ہے لیکن اس حدیث کے مرفوع ہونے میں بھی کلام ہے۔ اس بارے میں سب سے اچھی وہ حدیث ہے جو مسند عبدالرزاق میں بروایت حضرت ابو ہریرہؓ مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آدمی نیک لوگوں کے اعمال ستر سال تک کرتا رہتا ہے اور وصیت میں ظلم کرتا ہے اور برائی کے عمل پر خاتمہ ہونے کی وجہ سے جہنمی بن جاتا ہے اور بعض لوگ ستر برس تک بد اعمالیاں کرتے رہتے ہیں لیکن وصیت میں عدل و انصاف کرتے ہیں اور آخری عمل ان کا بھلا ہوتا ہے اور وہ جنتی بن جاتے ہیں۔ پھر حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا: اگر چاہو تو قرآن پاک کی اس آیت کو پڑھ لو تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی حدیں ہیں ان سے آگے نہ بڑھو۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى
الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝ أَيَّامًا مَعْدُودَاتٍ فَمَنْ
كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ وَعَلَى الَّذِينَ
يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَهُ
وَأَن تَصُومُوا خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ۝

اے ایمان والو تم پر روزے فرض کئے گئے جس طرح تم سے اگلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تم پر جاؤ ○ کتنی کے چند ہی دن ہیں لیکن تم میں سے جو شخص بیمار ہو یا سفر میں ہو تو وہ اور دنوں میں اس کتنی کو پورا کر لے۔ طاقت رکھنے والے فدیہ میں ایک مسکین کو کھانا دیں اور جو شخص نیکی میں سبقت کرے وہ اس کے لئے بہتر ہے لیکن تمہارے حق میں افضل کام روزے رکھنا ہی ہے اگر تم با علم ہو ○

رواد روزہ اور صلوة : ☆ ☆ (آیت ۱۸۳-۱۸۴) اللہ تعالیٰ اس امت کے ایمان داروں کو مخاطب کر کے انہیں حکم دے رہا ہے کہ روزے رکھو روزے کے معنی اللہ تعالیٰ کے فرمان کی بجا آوری کی خالص نیت کے ساتھ کھانے پینے اور جماع سے رک جانے کے ہیں۔ اس

سے فائدہ یہ ہے کہ نفس انسان پاک صاف اور طیب و طاہر ہو جاتا ہے۔ ردی، اخلاط اور بے ہودہ اخلاق سے انسان کا تنقیہ ہو جاتا ہے۔ اس حکم کے ساتھ ہی فرمایا گیا ہے کہ اس حکم کے ساتھ تم تنہا نہیں بلکہ تم سے اگلوں کو بھی روزے رکھنے کا حکم تھا، اس بیان سے یہ بھی مقصد ہے کہ یہ امت اس فریضہ کی بجا آوری میں اگلی امتوں سے پیچھے نہ رہ جائے جیسے اور جگہ ہے لِكُلِّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا الخ یعنی ہر ایک کے لئے ایک طریقہ اور راستہ ہے اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی امت کر دیتا لیکن وہ تمہیں آزما رہا ہے۔ تمہیں چاہئے کہ نیکیوں میں سبقت کرتے رہو یہی یہاں بھی فرمایا کہ تم پر بھی روزے اسی طرح فرض ہیں جس طرح تم سے پہلے گزرنے والوں پر تھے روزے سے بدن کو پاکیزگی ملتی ہے اور عمل شیطانی راہ پر چلنے سے رک جاتا ہے۔

صحیحین میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اے جو انو تم میں سے جسے نکاح کی طاقت ہو وہ نکاح کر لے اور جسے طاقت نہ ہو وہ روزے رکھے۔ اس کے لئے یہ جوش کو سرد کر دیتے ہیں پھر روزوں کی مقدار بیان ہو رہی ہے کہ یہ چند دن ہی ہیں تاکہ کسی پر بھاری نہ پڑے اور ادائیگی سے قاصر نہ رہ جائے بلکہ ذوق و شوق سے اس الہی فریضہ کو بجالائے پہلے تو ہر ماہ میں تین روزوں کا حکم تھا۔ پھر رمضان کے روزوں کا حکم ہوا اور اگلا حکم منسوخ ہوا۔ اس کا مفصل بیان آ رہا ہے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

حضرت معاذؓ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت ابن عباسؓ، عطاءؓ، قتادہؓ، ضحاکؓ کا فرمان ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ سے ہر مہینہ میں تین روزوں کا حکم تھا جو حضورؐ کی امت کے لئے بدلا اور ان پر اس مبارک مہینہ کے روزے فرض ہوئے۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ اگلی امتوں پر بھی ایک مہینہ کامل کے روزے فرض تھے۔ ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ رمضان کے روزے تم سے پہلے کی امتوں پر بھی فرض تھے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ پہلی امتوں کو یہ حکم تھا کہ جب وہ عشاء کی نماز ادا کر لیں اور سو جائیں تو ان پر کھانا پینا، عورتوں سے مباشرت کرنا حرام ہو جاتا ہے، حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں اگلے لوگوں سے مراد اہل کتاب ہیں۔ پھر بیان ہو رہا ہے کہ تم میں سے جو شخص ماہ رمضان میں بیمار ہو یا سفر میں ہو تو وہ اس حالت میں روزے چھوڑ دے، مشقت نہ اٹھائے اور اس کے بعد اور دنوں میں جبکہ یہ عذر ہٹ جائیں قضا کر لیں، ہاں ابتداء اسلام میں جو شخص تندرست ہو اور مسافر بھی نہ ہو، اسے بھی اختیار تھا خواہ روزہ رکھے خواہ نہ رکھے مگر فدیہ میں ایک مسکین کو کھانا کھلا دے۔ اگر ایک سے زیادہ کو کھلائے تو افضل تھا۔ گوروزہ رکھنا فدیہ دینے سے زیادہ بہتر تھا، ابن مسعودؓ، ابن عباسؓ، مجاہدؓ، طاؤسؓ، مقاتلؓ وغیرہ یہی فرماتے ہیں۔ مسند احمد میں ہے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں نماز کی اور روزے کی تین حالتیں بدلی گئیں۔ پہلے تو سولہ سترہ مہینہ تک مدینہ میں آ کر حضورؐ نے بیت المقدس کی طرف نماز ادا کی۔ پھر ”قَدْ نَزَى“ والی آیت آئی اور مکہ شریف کی طرف آپؐ نے منہ پھیرا۔ دوسری تبدیلی یہ ہوئی کہ نماز کے لئے ایک دوسرے کو پکارتا تھا اور جمع ہو جاتے تھے لیکن اس سے آخر عاجز آ گئے۔ پھر ایک انصاری حضرت عبداللہ بن زید حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ میں نے خواب میں دیکھا لیکن وہ خواب گویا بیداری کی سی حالت میں تھا کہ ایک شخص سبز رنگ کا حلہ پہنے ہوئے ہے اور قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر کہہ رہا ہے اللہ اکبر اللہ اکبر اشہد ان لا الہ الا اللہ دوبارہ یونہی اذان پوری کی پھر تھوڑی دیر کے بعد اس نے تکبیر کہی جس میں قد قامت الصلوۃ بھی دوسرے کہا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حضرت بلالؓ کو یہ سکھاؤ۔ وہ اذان کہیں گے چنانچہ سب سے پہلے حضرت بلالؓ نے اذان کہی۔ دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے بھی آ کر اپنا یہی خواب بیان کیا تھا۔ لیکن ان سے پہلے حضرت زیدؓ آ چکے تھے۔ تیسری تبدیلی یہ ہوئی کہ پہلے یہ دستور تھا کہ حضورؐ نماز پڑھا رہے ہیں۔ کوئی آیا کچھ رکعتیں ہو چکی ہیں تو وہ کسی سے دریافت کرتا کہ کتنی رکعتیں ہو چکی ہیں۔ وہ

جواب دیتا کہ اتنی رکعتیں پڑھ لی ہیں۔ وہ اتنی رکعتیں ادا کرتا پھر حضورؐ کے ساتھ مل جاتا، حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مرتبہ آئے اور کہنے لگے کہ میں حضورؐ کو جس حال میں پاؤں گا اسی میں مل جاؤں گا اور جو نماز چھوٹ گئی ہے اسے حضورؐ کے سلام پھیرنے کے بعد ادا کروں گا چنانچہ انہوں نے یہی کیا اور آنحضرت ﷺ کے سلام پھیرنے کے بعد اپنی رہی ہوئی رکعتیں ادا کرنے کے لئے کھڑے ہوئے آنحضرت ﷺ نے انہیں دیکھ کر فرمایا حضرت معاذ نے تمہارے لئے یہ اچھا طریقہ نکالا ہے۔ تم بھی اب یونہی کیا کر دیتے تین تبدیلیاں تو نماز کی ہوئیں۔ روزوں کی تبدیلیاں سنئے۔ اول جب نبی ﷺ مدینہ میں آئے تو ہرمینہ میں تین روزے رکھتے تھے اور عاشورے کا روزہ رکھا کرتے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آیت **كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ** الخ نازل فرما کر رمضان کے روزے فرض کئے۔ دوسرا ابتدائی یہ حکم تھا کہ جو چاہے روزہ رکھے جو چاہے نہ رکھے اور فدیہ دے دے۔ پھر یہ آیت اتری **فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ** تم میں سے جو شخص رمضان کے مہینے میں قیام کی حالت میں ہو وہ روزہ رکھا کرے پس جو شخص مقیم ہو مسافر نہ ہو تندرست ہو بیمار نہ ہو اس پر روزہ رکھنا ضروری ہو گیا ہاں بیمار اور مسافر کے لئے رخصت ملی اور ایسا بوڑھا جو روزے کی طاقت ہی نہ رکھتا ہو اسے بھی رخصت دی گئی۔ تیسری حالت یہ ہے کہ ابتداء میں کھانا پینا عورتوں کے پاس آنا سونے سے پہلے پہلے جائز تھا۔ سو گیا تو پھر گورات کو ہی جاگے لیکن کھانا پینا اور جماع اس کے لئے منع تھا۔ پھر صرمہ نامی ایک انصاری صحابی دن بھر کام کاج کر کے رات کو تھکے ہارے گھر آئے۔ عشاء کی نماز ادا کی اور نیند آ گئی۔ دوسرے دن کچھ کھائے پئے بغیر روزہ رکھا لیکن حالت بہت نازک ہو گئی۔ حضورؐ نے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے؟ تو انہوں نے سارا واقعہ کہہ دیا۔ ادھر یہ واقعہ تو ان کے ساتھ ہوا۔ ادھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سو جانے کے بعد اپنی بیوی صاحبہ سے مجامعت کر لی اور حضورؐ کے پاس آ کر حسرت و افسوس کے ساتھ اپنے اس قصور کا اقرار کیا جس پر آیت **اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَى نِسَائِكُمْ** سے **ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى الْاٰلِیٰ تَنْکِ نَازِلِ** اور مغرب کے بعد سے لے کر صبح صادق کے طلوع ہونے تک رمضان کی راتوں میں کھانے پینے اور مجامعت کرنے کی رخصت دے دی گئی۔ بخاری و مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ پہلے عاشورے کا روزہ رکھا جاتا تھا۔ جب رمضان کی فرضیت نازل ہوئی تو اب ضروری نہ رہا۔ جو چاہتا رکھ لیتا۔ جو نہ چاہتا نہ رکھتا۔ حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابن مسعودؓ سے بھی یہ مروی ہے۔ **وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ** کا مطلب حضرت معاذؓ بیان فرماتے ہیں کہ ابتداء اسلام میں جو چاہتا روزہ رکھتا جو چاہتا نہ رکھتا اور ہر روزے کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلا دیتا۔ حضرت سلمہ بن اکوعؓ سے بھی صحیح بخاری میں ایک روایت آئی ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے وقت جو شخص چاہتا افطار کرتا اور فدیہ دے دیتا یہاں تک کہ اس کے بعد کی آیت اتری اور یہ منسوخ ہوئی، حضرت ابن عمرؓ بھی اسے منسوخ کہتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں یہ منسوخ نہیں۔ مراد اس سے بوڑھا مرد اور بڑھیا عورت ہے جسے روزے کی طاقت نہ ہو۔ ابن ابی لیلیٰؓ کہتے ہیں میں عطار رحمۃ اللہ علیہ کے پاس رمضان میں گیا۔ دیکھا کہ وہ کھانا کھا رہے ہیں۔ مجھے دیکھ کر فرمانے لگے کہ حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ اس آیت نے پہلی آیت کا حکم منسوخ کر دیا اب یہ حکم صرف بہت زیادہ بے طاقت بوڑھے بڑے کے لئے ہے حاصل کلام یہ ہے کہ جو شخص مقیم ہو اور تندرست ہو اس کے لئے یہ حکم نہیں بلکہ اسے روزہ ہی رکھنا ہو گا۔ ہاں ایسے بوڑھے بڑے، معمر اور کمزور آدمی جنہیں روزے کی طاقت ہی نہ ہو۔ روزہ نہ رکھیں اور نہ ان پر قضا ضروری ہے لیکن اگر وہ مالدار ہوں تو آیا انہیں کفارہ بھی دینا پڑے گا یا نہیں۔ ہمیں اختلاف ہے۔ امام شافعیؒ کا ایک قول تو یہ ہے کہ چونکہ اس میں روزے کی طاقت نہیں لہذا یہ بھی مثل بچے کے ہے۔ نہ اس پر کفارہ ہے نہ اس پر قضا کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ دوسرا قول حضرت امام

شافعی کا یہ ہے کہ اس کے ذمہ کفارہ ہے، اکثر علماء کرام کا بھی یہی فیصلہ ہے۔ حضرت ابن عباسؓ وغیرہ کی تفسیروں سے بھی یہی ثابت ہوا ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا پسندیدہ مسئلہ بھی یہی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ بہت بڑی عمر والا بوڑھا جسے روزے کی طاقت نہ ہو تو فدیہ دے دے جیسے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی بڑی عمر میں بڑھاپے کے آخری دنوں میں سال دو سال تک روزہ نہ رکھا اور ہر روزے کے بدلے ایک مسکین کو روٹی گوشت کھلا دیا کرتے، مسند ابولیلی میں ہے کہ جب حضرت انسؓ روزہ رکھنے سے عاجز ہو گئے تو گوشت روٹی تیار کر کے تیس مسکینوں کو بلا کر کھلا دیا کرتے۔ اسی طرح حمل والی اور دودھ پلانے والی عورت کے بارے میں جب انہیں اپنی جان کا یا اپنے بچے کی جان کا خوف ہو، علماء میں سخت اختلاف ہے، بعض تو کہتے ہیں کہ وہ روزہ نہ رکھیں۔ فدیہ دے دیں اور جب خوف ہٹ جائے قضا بھی کر لیں، بعض کہتے ہیں صرف فدیہ ہے قضا نہ کریں، بعض کہتے ہیں قضا کر لیں فدیہ نہیں اور بعض کا قول ہے کہ نہ روزہ رکھیں نہ فدیہ نہ قضا کریں۔ امام ابن کثیر نے اس مسئلہ کو اپنی کتاب الصیام میں بسط و تفصیل کے ساتھ لکھا ہے (الحمد للہ) (بظاہر یہی بات دلائل سے زیادہ قریب نظر آتی ہے کہ یہ دونوں ایسی حالت میں روزہ نہ رکھیں اور بعد میں قضا کریں۔ نہ فدیہ دیں۔)

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ
مِّنَ الْهُدَى وَالْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ وَمَنْ
كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ
الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا
اللَّهَ عَلَى مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ٥٥

ماہ رمضان وہ ہے جس میں قرآن اتار گیا جو لوگوں کو ہدایت کرنے والا ہے اور جس میں ہدایت کی اور حق و باطل کی تمیز کی نشانیاں ہیں۔ تم میں سے جو شخص اس مہینے میں مقیم ہوا سے روزہ رکھنا چاہے ہاں جو بیمار ہو یا مسافر ہو اسے دوسرے دنوں میں یہ کتنی پوری کرنی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کا ارادہ تمہارے ساتھ آسانی کا ہے۔ سختی کا نہیں۔ وہ چاہتا ہے کہ تم کتنی پوری کرو اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہدایت پر اس کی بڑائیاں بیان کرو اور اس کا شکر کرو ○

نزول قرآن اور ماہ رمضان: ☆☆ (آیت: ۱۸۵) ماہ رمضان شریف کی فضیلت و بزرگی کا بیان ہو رہا ہے کہ اسی ماہ مبارک میں قرآن کریم اترا۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے، حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ ابراہیمی صحیفہ رمضان کی پہلی رات اترا اور توراۃ چھٹی تاریخ، انجیل تیرہویں تاریخ اور قرآن چوبیسویں تاریخ نازل ہوا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ زبور بارہویں کو اور انجیل اٹھارہویں کو۔ اگلے تمام صحیفے اور توراۃ و انجیل و زبور جس پیغمبر پر اتریں، ایک ساتھ ایک ہی مرتبہ اتریں لیکن قرآن کریم بیت العزۃ سے آسمانی دنیا تک تو ایک ہی مرتبہ نازل ہوا اور پھر وقتاً فوقتاً حسب ضرورت زمین پر نازل ہوتا رہا۔ یہی مطلب اِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ اور اِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ مُبَرَّكَةٍ اور اُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ کا۔ مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم ایک ساتھ آسمان اول پر رمضان المبارک کے مہینے میں لیلۃ القدر کو نازل ہوا اور اسی کو لیلۃ مبارکہ بھی کہا ہے ابن عباسؓ وغیرہ سے یہی مروی ہے۔ آپؐ سے جب یہ سوال ہوا کہ قرآن کریم تو مختلف مہینوں میں برسوں میں اترتا رہا، پھر رمضان میں اور وہ بھی لیلۃ القدر میں اترنے کے کیا معنی؟ تو آپؐ نے یہی مطلب بیان کیا (ابن مردودہ وغیرہ) آپؐ سے یہ بھی مروی ہے

کہ آدمی رمضان میں قرآن کریم دنیا کے آسمان کی طرف اترے۔ بیت العزۃ میں رکھا گیا پھر حسب ضرورت وقائع اور سوالات پر تھوڑا تھوڑا اترتا رہا اور بیس سال میں کامل ہوا۔ اس میں بہت سی آیتیں کفار کے جواب میں بھی اتریں کفار کا ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ یہ قرآن کریم ایک ساتھ سارا کیوں نہیں اترتا؟ جس کے جواب میں فرمایا گیا لِنُبَيِّنَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنَاهُ تَرْتِيْلًا الخ یہ اس لئے کہ تیرے دل کو برقرار اور مضبوط رکھیں۔ پھر قرآن کریم کی تعریف میں بیان ہو رہا ہے کہ یہ لوگوں کے دلوں کی ہدایت ہے اور اس میں واضح اور روشن دلیلیں ہیں۔ تدبر اور غور و فکر کرنے والا اس سے صحیح راہ پر پہنچ سکتا ہے۔ یہ حق و باطل، حرام و حلال میں فرق ظاہر کرنے والا ہے ہدایت و گمراہی اور رشد و برائی میں علیحدگی کرنے والا ہے، بعض سلف سے منقول ہے کہ صرف رمضان کا مہینہ کہاں مکر وہ ہے۔ شہر رمضان یعنی رمضان کا مہینہ کہنا چاہئے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے رمضان نہ کہو یہ اللہ تعالیٰ کا نام ہے شہر رمضان یعنی رمضان کا مہینہ کہا کر حضرت مجاہدؓ اور محمد بن کعبؓ سے بھی یہی مروی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ کا مذہب اس کے خلاف ہے۔ رمضان نہ کہنے کے بارے میں ایک مرفوع حدیث بھی ہے لیکن سند اودھ وہی ہے۔ امام بخاریؒ نے بھی اس کے رد میں باب باندھ کر بہت سی حدیثیں بیان فرمائی ہیں۔ ایک میں ہے جو شخص رمضان کے روزے ایمان اور نیک نیتی کے ساتھ رکھے اس کے سبب اس کے اگلے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں وغیرہ غرض اس آیت سے ثابت ہوا کہ جب رمضان کا چاند چڑھے کوئی شخص اپنے گھر ہو سفر میں نہ ہو اور تندرست بھی ہو اسے روزے رکھنے لازمی اور ضروری ہیں۔ پہلے اس قسم کے لوگوں کو بھی جو رخصت تھے وہ اٹھ گئی اس کا بیان فرما کر پھر بیمار اور مسافر کے لئے رخصت کا بیان فرمایا کہ یہ لوگ روزہ ان دنوں میں نہ رکھیں اور پھر قضا کر لیں یعنی جس کے بدن میں کوئی تکلیف ہو جس کی وجہ سے روزے میں مشقت پڑے یا تکلیف بڑھ جائے یا سفر میں ہو تو افطار کر لے اور جتنے روزے جائیں اتنے دن پھر قضا کر لے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ ان حالتوں میں رخصت عطا فرما کر تمہیں مشقت سے بچالینا یہ سراسر ہماری رحمت کا ظہور ہے اور احکام اسلام میں آسانی ہے۔ اب یہاں چند مسائل بھی سنئے (۱) سلف کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ جو شخص اپنے گھر میں مقیم ہو اور چاند چڑھ جائے رمضان شریف کا مہینہ آجائے پھر درمیان میں اسے سفر درپیش ہو تو اسے روزہ ترک کرنا جائز نہیں کیونکہ ایسے لوگوں کو روزہ رکھنے کا صاف حکم قرآن پاک میں موجود ہے ہاں ان لوگوں کو بحالت سفر روزہ چھوڑنا جائز ہے جو سفر میں ہوں اور رمضان کا مہینہ آجائے لیکن یہ قول غریب ہے ابو محمد بن حزمؒ نے اپنی کتاب محلی میں صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت کا یہی مذہب نقل کیا ہے لیکن اس میں کلام ہے۔ واللہ اعلم۔

نبی ﷺ رمضان المبارک میں فتح مکہ کے غزوہ کے لئے نکلے روزے سے تھے۔ کدید میں پہنچ کر روزہ افطار کیا اور لوگوں کو بھی حکم دیا کہ روزہ توڑ دیں (شق علیہ) (۲) صحابہؓ اور تابعین کی ایک اور جماعت نے کہا ہے کہ سفر میں روزہ توڑ دینا واجب ہے کیونکہ قرآن کریم میں ہے فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اٰخَرَ لیکن صحیح قول جو جمہور کا مذہب ہے یہ ہے کہ آدمی کو اختیار ہے خواہ رکھے خواہ نہ رکھے اس لئے کہ ماہ رمضان میں لوگ جناب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلتے تھے بعض روزے سے ہوتے تھے بعض روزے سے نہیں ہوتے تھے پس روزے دار بے روزہ پر اور بے روزہ دار روزہ دار پر کوئی عیب نہیں پکڑتا تھا۔ اگر افطار واجب ہوتا تو روزہ رکھنے والوں پر انکار کیا جاتا بلکہ خود نبی ﷺ سے بحالت سفر روزہ رکھنا ثابت ہے صحیحین میں ہے حضرت ابوہریرہؓ اور دراجی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں رمضان المبارک میں سخت گرمی کے موسم میں ہم نبی ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے گرمی کی شدت کی وجہ سے سر پر ہاتھ رکھے رکھے پھر رہے تھے ہم میں سے کوئی بھی روزے سے نہ تھا سوائے رسول اللہ ﷺ اور حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کے۔ تیسرا مسئلہ ایک جماعت علماء کا خیال ہے جن میں حضرت امام شافعیؒ رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں کہ سفر

میں روزہ رکھنا نہ رکھنے سے افضل ہے کیونکہ حضورؐ سے بحالت سفر روزہ رکھنا ثابت ہے ایک دوسری جماعت کا خیال ہے کہ روزہ نہ رکھنا افضل ہے کیونکہ اس میں رخصت پر عمل ہے اور ایک حدیث میں ہے کہ حضورؐ سے سفر کے روزے کی بابت سوال ہوا تو آپؐ نے فرمایا جو روزہ توڑ دے اس نے اچھا کیا اور جو نہ توڑے اس پر کوئی گناہ نہیں ایک اور حدیث شریف میں ہے نبی ﷺ نے فرمایا اللہ کی رخصتوں کو جو اس نے تمہیں دی ہیں تم لے لو۔ تیسری جماعت کا قول ہے کہ رکھنا نہ رکھنا دونوں برابر ہے۔ ان کی دلیل حضرت عائشہؓ والی حدیث ہے کہ حضرت حمزہ بن عمروؓ نے کہا یا رسول اللہؐ میں روزے اکثر رکھا کرتا ہوں تو کیا اجازت ہے کہ سفر میں بھی روزے رکھ لیا کروں۔ فرمایا اگر چاہو نہ رکھو (بخاری و مسلم)

بعض لوگوں کا قول ہے کہ اگر روزہ بھاری پڑتا ہو تو افطار کرنا افضل ہے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا اس پر سایہ کیا گیا ہے پوچھا یہ کیا بات ہے؟ لوگوں نے کہا حضورؐ یہ روزے سے ہے۔ آپؐ نے فرمایا۔ سفر میں روزہ رکھنا نیکی نہیں (بخاری و مسلم) یہ خیال رہے کہ جو شخص سنت سے منہ پھیرے اور روزہ چھوڑنا سفر کی حالت میں بھی مکروہ جانے تو اس پر افطار ضروری ہے اور روزہ رکھنا حرام ہے۔ مسند احمد وغیرہ میں حضرت ابن عمرؓ حضرت جابرؓ وغیرہ سے مروی ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی رخصت کو قبول نہ کرے اس پر عرفات کے پہاڑوں برابر گناہ ہوگا۔ چوتھا مسئلہ آیا قضا روزوں میں پے در پے روزے رکھنے ضروری ہیں یا جدا جدا بھی رکھ لئے جائیں تو حرج نہیں؟ ایک مذہب بعض لوگوں کا یہ ہے کہ قضا کو مثل ادا کے پورا کرنا چاہئے ایک کے پیچھے ایک یونہی لگا تا روزے رکھنے چاہئیں۔ دوسرے یہ کہ پے در پے رکھنے واجب نہیں۔ خواہ الگ الگ رکھے خواہ ایک ساتھ اختیار ہے۔ جمہور سلف و خلف کا یہی قول ہے اور دلائل سے ثبوت بھی اسی کا ہے۔ رمضان میں پے در پے رکھنا اس لئے ہیں کہ وہ مہینہ ہی ادائیگی روزہ کا ہے اور رمضان کے نکل جانے کے بعد تو صرف وہ گنتی پوری کرنی ہے خواہ کوئی دن ہو۔ اسی لئے قضا کے حکم کے بعد اللہ کی آسانی کی نعمت کا بیان ہوا ہے۔

مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بہتر دین وہی ہے جو آسانی والا ہو بہتر دین وہی ہے جو آسانی والا ہو۔ مسند ہی کی ایک اور حدیث میں ہے عربی عروہ کہتے ہیں ہم ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کا انتظار کر رہے تھے کہ آپؐ تشریف لائے۔ سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ معلوم ہوتا تھا کہ وضو یا غسل کر کے تشریف لا رہے ہیں۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو لوگوں نے آپؐ سے سوالات کرنے شروع کر دیئے کہ حضورؐ کیا فلاں کام میں کوئی حرج ہے؟ فلاں کام میں کوئی حرج ہے؟ آخر میں حضورؐ نے فرمایا اللہ کا دین آسانوں والا ہے تین مرتبہ یہی فرمایا مسند ہی کی ایک اور حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں لوگو آسانی کرو سختی نہ کرو تسکین دو، نفرت نہ دلاؤ۔

صحیحین کی حدیث میں بھی ہے رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذؓ اور حضرت ابو موسیٰؓ کو جب یمن کی طرف بھیجا تو فرمایا تم دونوں خوشخبریاں دینا، نفرت نہ دلانا آسانیاں کرنا سختیاں نہ کرنا۔ آپس میں اتفاق سے رہنا۔ اختلاف نہ کرنا۔ سنن اور مسانید میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں یکطرفہ نرمی اور آسانی والے دین کے ساتھ بھیجا گیا ہوں۔

حج بن ادريس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ غور سے آپؐ اسے دیکھتے رہے۔ پھر فرمایا کیا تم اسے سچائی کے ساتھ نماز پڑھتے ہوئے دیکھ رہے ہو۔ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ یہ تمام اہل مدینہ سے زیادہ نماز پڑھنے والا ہے۔ آپؐ نے فرمایا۔ اسے نہ سناؤ۔ کہیں یہ اس کی ہلاکت کا باعث نہ ہو۔ سنو اللہ تعالیٰ کا ارادہ اس امت کے ساتھ آسانی کا ہے۔ سختی کا نہیں پس آیت کا مطلب یہ ہوا کہ مریض اور مسافر وغیرہ کو یہ رخصت دینا اور انہیں معذور جاننا اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ آسانی

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ۖ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ
إِذَا دَعَانِ ۚ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ ﴿٥٥﴾

دعا اور اللہ مجیب الدعوات: ☆☆ (آیت: ۱۸۶) ایک اعرابی نے پوچھا تھا کہ یا رسول اللہ ﷺ کیا ہمارا رب قریب ہے؟ اگر قریب ہو تو ہم اس سے سرگوشیاں کر لیں یا دور ہے؟ اگر دور ہو تو ہم اونچی اونچی آوازوں سے اسے پکاریں۔ نبی ﷺ خاموش رہے۔ اس پر یہ آیت اتری (ابن ابی حاتم) ایک اور روایت میں ہے کہ صحابہؓ کے اس سوال پر کہ ہمارا رب کہاں ہے؟ یہ آیت اتری (ابن جریر) حضرت عطاؓ فرماتے ہیں کہ جب آیت اذْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ نازل ہوئی یعنی مجھے پکارو میں تمہاری دعائیں قبول کرتا رہوں گا تو لوگوں نے پوچھا کہ دعا کس وقت کرنی چاہئے؟ اس پر یہ آیت اتری (ابن جریر) حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک غزوے میں تھے ہر بلندی پر چڑھتے وقت ہر وادی میں اترتے وقت بلند آوازوں سے تکبیر کہتے جا رہے تھے۔ نبی ﷺ ہمارے پاس آ کر کر فرمانے لگے لوگو اپنی جانوں پر رحم کرو۔ تم کسی کم سننے والے یا دور والے کو نہیں پکار رہے بلکہ جسے تم پکارتے ہو وہ تم سے تمہاری سوار یوں کی گردن سے بھی زیادہ قریب ہے اے عبداللہ بن قیسؓ جنّت کا خزانہ لاحول ولا قوالا باللہ ہے (مسند احمد) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرا بندہ میرے ساتھ جیسا عقیدہ رکھتا ہے میں بھی اس کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کرتا ہوں۔ جب بھی وہ مجھ سے دعا مانگتا ہے میں اس کے قریب ہی ہوتا ہوں (مسند احمد) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرا بندہ جب مجھے یاد کرتا ہے اور اس کے ہونٹ میرے ذکر میں پلتے ہیں میں اس کے قریب ہوتا ہوں۔ اس کو امام احمدؒ نے روایت کیا ہے۔ اس مضمون کی آیت کلام پاک میں بھی ہے۔ فرمان ہے اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَالَّذِیْنَ

هُم مُّحْسِنُونَ جو تقویٰ و احسان و خلوص والے لوگ ہوں ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہوتا ہے۔ حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام سے فرمایا جاتا ہے اِنْنِیْ مَعَكُمْ اَسْمَعُ و اَرْیٰ میں تم دونوں کے ساتھ ہوں سنتا ہوں اور دیکھ رہا ہوں۔ مقصود یہ ہے کہ باری تعالیٰ دعا کرنے والوں کی دعا کو ضائع نہیں کرتا نہ ایسا ہوتا ہے کہ وہ اس دعا سے غافل رہے یا نہ سنے اس نے دعا کرنے کی دعوت دی ہے اور اس کے ضائع نہ ہونے کا وعدہ کیا ہے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ بندہ جب اللہ تعالیٰ کے سامنے ہاتھ بلند کر کے دعا مانگتا ہے تو وہ ارحم الراحمین اس کے ہاتھوں کو خالی پھیرتے ہوئے شرماتا ہے (مسند احمد)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو بندہ اللہ تعالیٰ سے کوئی ایسی دعا کرتا ہے جس میں نہ گناہ ہو نہ رشتے نہ لٹے ہو تو اسے اللہ تعالیٰ تین باتوں میں سے ایک ضرور عطا فرماتا ہے۔ یا تو اس کی دعا اسی وقت قبول فرما کر اس کی منہ مانگی مراد پوری کرتا ہے یا اسے ذخیرہ کر کے رکھ چھوڑتا ہے اور آخرت میں عطا فرماتا ہے یا اس کی وجہ سے کوئی آنے والی بلا اور مصیبت کو ٹال دیتا ہے۔ لوگوں نے یہ سن کر کہا کہ حضور پھر تو ہم بکثرت دعا مانگا کریں گے۔ آپ نے فرمایا پھر اللہ کے ہاں کیا کمی ہے؟ (مسند احمد)

عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ روئے زمین کا جو مسلمان اللہ عزوجل سے دعا مانگے اسے اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے۔ یا تو اسے اس کی منہ مانگی مراد ملتی ہے یا ویسی ہی برائی ملتی ہے جب تک کہ گناہ کی اور رشتہ داری کے کٹنے کی دعا نہ ہو (مسند احمد) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تک کوئی شخص دعا میں جلدی نہ کرے اس کی دعا ضرور قبول ہوتی ہے۔ جلدی کرنا یہ ہے کہ کہنے لگے میں نے تو ہر چند دعا مانگی لیکن اللہ قبول نہیں کرتا (موطأ مالک) بخاری کی روایت میں یہ بھی ہے کہ اسے ثواب میں جنت عطا فرماتا ہے صحیح مسلم میں یہ بھی ہے کہ تا مقبولیت کا خیال کر کے وہ ناامیدی کے ساتھ دعا مانگنا ترک کر دے یہ جلدی کرنا ہے ابو جعفر طبری کی تفسیر میں یہ قول حضرت عائشہ کا بیان کیا گیا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ دل مثل برتنوں کے ہیں۔ بعض بعض سے زیادہ مگرانی کرنے والے ہوتے ہیں۔ ابے لوگو تم جب اللہ تعالیٰ سے دعا مانگا کرو تو قبولیت کا یقین رکھا کرو۔ سنو غفلت والے دل کی دعا اللہ تعالیٰ ایک مرتبہ بھی قبول نہیں فرماتا (مسند احمد) حضرت عائشہ صدیقہؓ نے ایک مرتبہ حضور ﷺ سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے دعا کی کہ اے العالمین عائشہؓ کے اس سوال کا جواب کیا ہے؟ جبرئیل علیہ السلام آئے اور فرمایا اللہ تعالیٰ آپ کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے مراد اس سے وہ شخص ہے جو نیک اعمال کرنے والا ہو اور سچی نیت اور نیک دلی کے ساتھ مجھے پکارے تو میں لبیک کہہ کر اس کی حاجت ضرور پوری کر دیتا ہوں (ابن مردویہ) یہ حدیث اسناد کی رو سے غریب ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ حضور نے اس آیت کی تلاوت کی۔ پھر فرمایا اے اللہ تو نے دعا کا حکم دیا ہے اور اجابت کا وعدہ فرمایا ہے۔ میں حاضر ہوں الہی میں حاضر ہوں۔ میں حاضر ہوں۔ اے لاشریک اللہ میں حاضر ہوں حمد و نعمت اور ملک تیرے ہی لئے ہے۔ تیرا کوئی شریک نہیں میری گواہی ہے کہ تو زالا، یکتا، بے مثل اور ایک ایسی ہے۔ تو پاک ہے۔ بیوی بچوں سے دور ہے تیرا ہم پلہ کوئی نہیں تیری کھوکھا کوئی نہیں تجھ جیسا کوئی نہیں۔ میری گواہی ہے کہ تیرا وعدہ سچا تیری ملاقات حق جنت، دوزخ، قیامت اور دوبارہ جہنم یہ سب برحق امر ہیں (ابن مردویہ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے اے ابن آدم ایک چیز تو تیری ہے ایک میری ہے اور ایک مجھ اور تجھ میں مشترک ہے۔ خالص میرا حق تو یہ ہے کہ ایک میری ہی عبادت کرے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے۔ گویا میرے لئے مخصوص یہ ہے کہ تیرے ہر عمل کا پورا پورا بدلہ میں تجھے ضرور دوں گا۔ کسی نیکی کو ضائع نہ کروں گا۔ مشترک

کی چیز یہ ہے کہ تو دعا کرو اور میں قبول کر دوں تیرا کام دعا کرنا میرا کام قبول کرنا (بزار) دعا کی اس آیت کو روزوں کے احکام کی آیتوں کے درمیان وارد کرنے کی حکمت یہ ہے کہ روزے ختم ہونے کے بعد لوگوں کو دعا کی ترغیب ہو بلکہ ہر روز افطار کے وقت وہ بکثرت دعائیں کیا کریں۔ حضور کا ارشاد ہے کہ روزے دار افطار کے وقت جو دعا کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے قبول فرماتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ افطار کے وقت اپنے گھر والوں کو اور بچوں کو سب کو بلا لیتے اور دعائیں کیا کرتے تھے (ابوداؤد طیالسی) ابن ماجہ میں بھی یہ روایت ہے اور اس میں صحابی کی یہ دعا منقول ہے اللھم انی اسئلك برحمتك اللتی وسعت کل شی ان تغفر لی یعنی اے اللہ میں تیری اس رحمت کو تجھے یاد دلا کر جس نے تمام چیزوں کو گھیر رکھا ہے تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ تو میرے گناہ معاف فرما دے۔ اور حدیث میں ہے تین مخصوص کی دعا رد نہیں ہوتی۔ عادل بادشاہ روزے دار شخص اور مظلوم اسے قیامت والے دن اللہ تعالیٰ بلند کرے گا۔ مظلوم کی بددعا کے لئے آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مجھے میری عزت کی قسم میں تیری مدد ضرور کروں گا گو دیر سے کروں (مسند ترمذی) نسائی اور ابن ماجہ

أَحَلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَى نِسَائِكُمْ هُنَّ لِبَاسٌ لَكُمْ
وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَهُنَّ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُونَ أَنْفُسَكُمْ فَتَابَ
عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ فَالآنَ بَاشِرُوهُنَّ وَأَبْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ
لَكُمْ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ
الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ وَلَا
تَبَاشِرُوهُنَّ وَأَنْتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَجِدِ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا
تَقْرُبُوهَا كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لِّلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ۝

روزے کی راتوں میں اپنی بیویوں سے ملنا تمہارے لئے حلال کیا گیا وہ تمہارا لباس ہیں اور تم ان کے لباس ہو تمہاری پوشیدہ خیانتوں کو اللہ تعالیٰ نے معلوم کر لیا۔ اس نے تمہاری توبہ قبول فرما کر تم سے درگزر فرمایا اب تمہیں ان سے مباشرت کی اور اللہ تعالیٰ کی لکھی ہوئی چیز کو تلاش کرنے کی اجازت ہے تم کھاتے پیتے رہو یہاں تک کہ صبح کا سفید دھاگا سیاہ دھاگے سے ظاہر ہو جائے گا۔ پھر رات تک روزے کو پورا کرو اور عورتوں سے اس وقت مباشرت نہ کرو جبکہ تم مسجدوں میں احتکاف میں ہو یہ اللہ تعالیٰ کی حدیں ہیں۔ تم ان کے قریب بھی نہ چلو اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنی آیتیں لوگوں کے لئے بیان فرماتا ہے تاکہ وہ بچیں ○

رمضان میں مراعات اور کچھ پابندیاں: ☆☆ (آیت: ۱۸) ابتداء اسلام میں یہ حکم تھا کہ افطار کے بعد کھانا پینا جماع کرنا عشاء کی نماز تک جائز تھا اور اگر کوئی اس سے بھی پہلے سو گیا تو اس پر نیند آتے ہی حرام ہو گیا۔ اس میں صحابہ کو قدرے مشقت ہوئی جس پر یہ رخصت کی آیتیں نازل ہوئیں اور آسانی کے احکام مل گئے۔ رفق سے مراد یہاں جماع ہے۔ ابن عباسؓ، عطاءؓ، مجاہدؓ، سعید بن جبیرؓ، طاؤسؓ، سالم بن عبد اللہؓ، عمرو بن دینارؓ، حسنؓ، قتادہؓ، زہریؓ، ضحاکؓ، ابراہیمؓ، نفعیؓ، سدیؓ، عطاء خراسانیؓ، مقاتلؓ، بن حیانؓ رحمہم اللہ بھی یہی فرماتے ہیں۔ لباس سے مراد سکون ہے۔ ربیع بن انسؓ لحاف کے معنی بیان کرتے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ میاں بیوی کے آپس کے تعلقات اس قسم کے ہیں کہ انہیں ان راتوں میں بھی اجازت دی جاتی ہے۔ پہلے حدیث گزر چکی ہے کہ اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟ جس میں بیان ہو چکا ہے کہ

جب یہ حکم تھا کہ افطار سے پہلے اگر کوئی سو جائے تو اب رات کو جاگ کر کھانی نہیں سکتا۔ اب اسے یہ رات اور دوسرا دن گذار کر مغرب سے پہلے کھانا پینا حلال ہوگا۔

حضرت قیس بن صرمہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ دن بھر کھیتی باڑی کا کام کر کے شام کو گھر آئے۔ بیوی سے کہا کچھ کھانے کو ہے؟ جواب ملا کچھ نہیں۔ میں جاتی ہوں اور کہیں سے لاتی ہوں۔ وہ تو گئیں اور یہاں ان کی آنکھ لگ گئی۔ جب آ کر دیکھا تو بڑا افسوس ہوا کہ اب یہ رات اور دوسرا دن بھوکے پیٹ کیسے گزرے گا؟ چنانچہ جب آدھا دن ہوا تو حضرت قیسؒ بھوک کے مارے بیہوش ہو گئے۔ حضور علیہ السلام کے پاس ذکر ہوا۔ اس پر یہ آیت اتری اور مسلمان بہت خوش ہوئے۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ صحابہؓ رمضان بھر عتقوں کے پاس نہیں جاتے تھے لیکن بعض لوگوں سے کچھ ایسے قصور بھی ہو جایا کرتے تھے جس پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔ ایک اور روایت میں ہے کہ یہ قصور کئی ایک حضرات سے ہو گیا تھا جن میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ بھی تھے جنہوں نے عشاء کی نماز کے بعد اپنی اہلیہ سے مباشرت کی تھی۔ پھر دربار نبوت میں شکایتیں ہوئیں اور یہ رحمت کی آیتیں اتریں۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے جب آ کر یہ واقعہ سنایا تو آپؐ نے فرمایا۔ عمر تم سے تو ایسی امید نہ تھی۔ اسی وقت یہ آیت اتری۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت قیسؓ نے عشاء کی نماز کے بعد نیند سے ہوشیار ہو کر کھانی لیا تھا اور صبح حاضر ہو کر سرکار محمدیؐ میں اپنا قصور بیان کیا تھا۔ ایک اور روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت عمرؓ نے جب مباشرت کا ارادہ کیا تو بیوی صاحبہ نے فرمایا کہ مجھے نیند آگئی تھی لیکن انہوں نے اسے بہانہ سمجھا۔ اس رات آپؐ دیر تک مجلس نبویؐ میں بیٹھے رہے تھے اور بہت رات گئے گھر پہنچے تھے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی ایسا ہی قصور ہو گیا تھا مامکتب اللہ سے مراد اولاد ہے۔ بعضوں نے کہا جماع مراد ہے۔ بعض کہتے ہیں لیلۃ القدر مراد ہے، قتادہ کہتے ہیں مراد یہ رخصت ہے۔ تطبیق ان سب اقوال میں اس طرح ہو سکتی ہے کہ عموم کے طور پر سبھی مراد ہیں۔ جماع کی رخصت کے بعد کھانے پینے کی اجازت مل رہی ہے کہ صبح صادق تک اس کی بھی اجازت ہے۔

صحیح بخاری شریف میں ہے، حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، جب من الفجر کا لفظ نہیں اترتا تھا تو چند لوگوں نے اپنے پاؤں میں سفید اور سیاہ دھاگے باندھ لئے اور جب تک ان کی سفیدی اور سیاہی میں تمیز نہ ہوئی، کھاتے پیتے رہے۔ اس کے بعد یہ لفظ اتر ا اور معلوم ہو گیا کہ اس سے مراد رات سے دن ہے، مسند احمد میں ہے حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دو دھاگے (سیاہ اور سفید) اپنے نکلے تلے رکھ لئے اور جب تک ان کے رنگ میں تمیز نہ ہوئی تب تک کھانا پیتا رہا۔ صبح کو حضرتؐ سے ذکر کیا تو آپؐ نے فرمایا تیرا نکیہ بڑا لمبا چوڑا نکلا۔ اس سے مراد تو صبح کی سفیدی کا رات کی سیاہی سے ظاہر ہونا ہے، یہ حدیث صحیحین میں بھی ہے مطلب حضورؐ کے امر قول کا یہ ہے کہ آیت میں تو دھاگوں سے مراد دن کی سفیدی اور رات کی تاریکی ہے۔ اگر تیرے نکیے تلے یہ دونوں آ جاتی ہوں تو گویا اس کی لمبائی مشرق مغرب تک کی ہے، صحیح بخاری میں یہ تفسیر بھی روایتاً موجود ہے۔ بعض روایتوں میں یہ لفظ بھی ہیں کہ پھر تو تو بڑی لمبی چوڑی گردن والا ہے۔ بعض لوگوں نے اس کے معنی بیان کئے ہیں کہ کند ذہن ہے لیکن یہ معنی غلط ہیں بلکہ مطلب دونوں جملوں کا ایک ہی ہے کیونکہ جب نکیہ اتنا بڑا ہے تو گردن بھی اتنی بڑی ہی ہوگی۔ واللہ اعلم۔

بخاری شریف میں حضرت عدیؓ کا اسی طرح کا سوال اور آپؐ کا اسی طرح کا جواب تفصیل وار یہی ہے۔ آیت کے ان الفاظ سے سحری کھانے کا مستحب ہونا بھی ثابت ہوتا ہے اس لئے کہ اللہ کی رخصتوں پر عمل کرنا اسے پسند ہے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ سحری کھایا کرو۔ اس میں برکت ہے (بخاری و مسلم) ہمارے اور اہل کتاب کے روزوں میں سحری کھانے ہی کا فرق ہے (مسلم) سحری کا کھانا

برکت ہے۔ اسے نہ چھوڑو۔ اگر کچھ نہ ملے تو پانی کا گھونٹ ہی سہی۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے سحری کھانے والوں پر رحمت بھیجتے ہیں (مسند احمد) اسی طرح کی اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں۔ سحری کو دیر کر کے کھانا چاہئے۔ ایسے وقت کہ فراغت کے کچھ ہی دیر بعد صبح صادق ہو جائے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم سحری کھاتے ہی نماز کے لئے کھڑے ہو جایا کرتے تھے۔ اذان اور سحری کے درمیان اتنا ہی فرق ہوتا تھا کہ پچاس آیتیں پڑھ لی جائیں (بخاری و مسلم) رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں۔ جب تک میری امت افطار میں جلدی کرے اور سحری میں تاخیر کرے گی تب تک بھلائی میں رہے گی (مسند احمد) یہ بھی حدیث سے ثابت ہے کہ حضورؐ نے اس کا نام غذا مبارک رکھا ہے مسند احمد وغیرہ کی حدیث میں ہے حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے حضورؐ کے ساتھ سحری کھائی ایسے وقت کہ گویا سورج طلوع ہونے والا ہی تھا لیکن اس میں ایک راوی عامر بن ابونجود منفرد ہیں اور مراد اس سے دن کی نزدیکی ہے جیسے فرمان باری تعالیٰ ہے فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ اِلٰحٰی یعنی جب وہ عورتیں اپنے وقتوں کو پہنچ جائیں۔ مراد یہ ہے کہ جب عدت کا زمانہ ختم ہو جانے کے قریب ہو یہی مراد یہاں اس حدیث سے بھی ہے کہ انہوں نے سحری کھائی اور صبح صادق ہو جانے کا یقین نہ تھا بلکہ ایسا وقت تھا کہ کوئی کہتا تھا ہو گئی کوئی کہتا تھا نہیں ہوئی۔ اکثر اصحاب رسول اللہ ﷺ کا دیر سے سحری کھانا اور آخری وقت تک کھاتے رہنا ثابت ہے جیسے حضرت ابو بکرؓ حضرت عمرؓ حضرت علیؓ ابن مسعودؓ حضرت حذیفہؓ حضرت ابو ہریرہؓ حضرت ابن عمرؓ حضرت ابن عباسؓ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اور تابعین کی بھی ایک بہت بڑی جماعت سے صبح صادق طلوع ہونے کے بالکل قریب تک ہی سحری کھانا مروی ہے جیسے محمد بن صادق بن حسین ابو جہلہ ابراہیم نخعی ابو الضحیٰ ابو دائل وغیرہ شاگردان ابن مسعودؓ عطاء حسن حاکم بن عینیہ مجاہد عروہ بن زبیر ابو الششاء جابر بن زید کا بھی یہی مذہب ہے۔ اعش اور جابر بن رشد کا اللہ تعالیٰ ان سب پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے ہم نے ان سب کی اسنادیں اپنی مستقل کتاب کتاب الصیام میں بیان کر دی ہیں ولله الحمد ابن جریرؒ نے اپنی تفسیر میں بعض لوگوں سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ سورج کے طلوع ہونے تک کھانا پینا جائز ہے جیسے غروب ہوتے ہی افطار کرنا لیکن یہ قول کوئی اہل علم قبول نہیں کر سکتا کیونکہ نص قرآن کے خلاف ہے۔ قرآن میں حیط کا لفظ موجود ہے بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حضرت (بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی اذان سن کر تم سحری سے نہ رک جایا کرو۔ وہ رات باقی ہوتے ہی اذان دیا کرتے ہیں۔ تم کھاتے پیتے رہو جب تک حضرت عبد اللہ بن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اذان نہ سن لو۔ وہ اذان نہیں کہتے جب تک فجر طلوع نہ ہو جائے مسند احمد میں حدیث ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ وہ فجر نہیں جو آسمان کے کناروں میں لمبی پھیلتی ہے بلکہ وہ جو سرخی والی اور کنارے کنارے ظاہر ہونے والی ہوتی ہے ترمذی میں بھی یہ روایت ہے اس میں ہے۔ کہ اس پہلی فجر کو جو طلوع ہو کر اوپر کو چڑھتی ہے دیکھ کر کھانے پینے سے نہ روکو بلکہ کھاتے پیتے رہو یہاں تک کہ سرخ دھاری پیش ہو جائے ایک اور حدیث میں صبح کاذب اور اذان بلال کو ایک ساتھ بھی بیان فرمایا ہے ایک اور روایت میں صبح کاذب کو صبح کی سفیدی کے ستون کی مانند بتایا ہے دوسری روایت میں اس پہلی اذان کو جس کے موذن حضرت بلالؓ تھے یہ وجہ بیان کی ہے کہ وہ سوتوں کو جگانے اور نماز (تہجد) پڑھنے والوں اور قضا لوٹانے کے لئے ہوتی ہے فجر اس طرح نہیں ہے جب تک اس طرح نہ ہو یعنی آسمان میں اونچی چڑھنے والی نہیں بلکہ کناروں میں دھاری کی طرح ظاہر ہونے والی ایک مرسل حدیث میں ہے فجر وہ ہیں ایک تو بھیڑیئے کی دم کی طرح ہے۔ اس سے روزے دار پر کوئی چیز حرام نہیں ہوتی۔ ہاں وہ فجر جو کناروں میں ظاہر ہو وہ نماز صبح کا وقت ہے اور روزے دار کے کھانے پینے کو موقوف کرنے کا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جو سفیدی آسمان کے نیچے سے اوپر کو چڑھتی ہے اسے نماز کی حلت اور روزے کی حرمت سے کوئی سروکار نہیں لیکن فجر جو پہاڑوں

کی چوٹیوں پر چمکنے لگتی ہے، وہ کھانا پینا حرام کرتی ہے۔ حضرت عطل سے مروی ہے کہ آسمان میں لمبی لمبی چڑھنے والی روشنی نہ تو روزہ رکھنے والے پر کھانا پینا حرام کرتی ہے نہ اس سے نماز کا وقت آیا ہوا معلوم ہو سکتا ہے نہ حج فوت ہوتا ہے لیکن جو صبح پہاڑوں کی چوٹیوں پر پھیل جاتی ہے یہ وہ صبح ہے کہ روزہ دار کے لئے سب چیزیں حرام کر دیتی ہے اور نمازی کو نماز حلال کر دیتی ہے اور حج فوت ہو جاتا ہے۔ ان دونوں روایتوں کی سند صحیح ہے اور بہت سے سلف سے منقول ہے۔ اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔

مسئلہ: ☆☆ چونکہ جماع کا اور کھانے پینے کا آخری وقت اللہ تعالیٰ نے روزہ رکھنے والے کے لئے صبح صادق کا مقرر کیا ہے اس سے اس مسئلہ پر بھی استدلال ہو سکتا ہے کہ صبح کے وقت جو شخص جنبی اٹھا، وہ غسل کر لے اور اپنا روزہ پورا کر لے۔ اس پر کوئی حرج نہیں چاروں اماموں اور سلف و خلف کے جمہور علماء کرام کا یہی مذہب ہے۔ بخاری و مسلم میں حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ رات کو جماع کرتے۔ صبح کے وقت جنبی اٹھتے۔ پھر غسل کر کے روزہ رکھتے، آپ کا یہ جنبی ہونا احتلام کے سبب نہ ہوتا تھا۔ حضرت ام سلمہؓ والی روایت میں ہے پھر آپ نہ افطار کرتے تھے۔ نہ قضا کرتے تھے صحیح مسلم شریف میں حضرت عائشہؓ سے روایت میں ہے کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میں صبح نماز کا وقت آ جانے تک جنبی ہوتا ہوں تو پھر کیا میں روزہ رکھ لوں؟ آپ نے فرمایا یہی بات میرے ساتھ بھی ہوتی ہے اور میں روزہ رکھتا ہوں۔ اس نے کہا یا رسول اللہ ہم تو آپ جیسے نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے تو سب اگلے پچھلے گناہ معاف فرما دیئے ہیں آپ نے فرمایا۔ واللہ مجھے تو امید ہے کہ تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا اور تم سب سے زیادہ تقویٰ کی باتوں کو جاننے والا میں ہوں۔ مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے کہ جب صبح کی اذان ہو جائے اور تم میں سے کوئی جنبی ہو تو وہ اس دن روزہ نہ رکھے۔ اس کی اسناد بہت عمدہ ہے اور یہ حدیث شرط شنیعین پر ہے جیسے کہ ظاہر ہے یہ حدیث بخاری و مسلم میں بھی حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے۔ وہ فضل بن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں وہ نبی ﷺ سے نسائی میں یہ حدیث بروایت ابو ہریرہؓ ہے وہ اسامہ بن زیدؓ سے اور فضل بن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں اور مرفوع نہیں اور بعض دیگر علماء کا یہی مذہب ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سالم، عطاء، شام بن عروہ اور حسن بصریؒ یہی کہتے ہیں بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگر جنبی ہو کر سو گیا ہو اور آنکھ کھلے تو صبح صادق ہو گئی ہو تو اس کے روزے میں کوئی نقصان نہیں۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلمہؓ والی حدیث کا یہی مطلب ہے اور اگر اس نے عمدہ غسل نہیں کیا اور اسی حالت میں صبح صادق ہو گئی تو اس کا روزہ نہیں ہوگا۔ حضرت عروہؓ، طاؤسؓ اور حسنؓ یہی کہتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں اگر فرضی روزہ ہو تو پورا تو کر لے لیکن قضا لازم ہے اور نفلی روزہ ہو تو کوئی حرج نہیں ابراہیم نخعیؒ یہی کہتے ہیں خوارج بن بصریؒ سے بھی ایک روایت ہے بعض کہتے ہیں حضرت ابو ہریرہؓ والی حدیث حضرت عائشہؓ والی حدیث سے منسوخ ہے لیکن حقیقت میں تاریخ کا پتہ نہیں جس سے نسخ ثابت ہو سکے۔

ابن حزمؒ فرماتے ہیں اس کی ناخ یہ آیت قرآنی ہے لیکن یہ بھی دور کی بات ہے اس لئے کہ اس آیت کا بعد میں ہونا تاریخ سے ثابت نہیں بلکہ اس حیثیت سے تو بظاہر یہ حدیث اس آیت کے بعد کی ہے بعض لوگ کہتے ہیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی حدیث میں لا کمال نفی کا ہے یعنی اس شخص کا روزہ کامل نہیں کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت ام سلمہؓ والی حدیث سے جواز صاف طور سے ثابت ہو رہا ہے۔ یہی مسلک ٹھیک بھی ہے۔ اور دوسرے تمام اقوال سے یہ قول عمدہ ہے اور یوں کہنے سے دونوں روایتوں میں تطبیق کی صورت بھی نکل آتی ہے۔ واللہ اعلم۔ پھر فرماتا ہے کہ روزے کو رات تک پورا کرو۔ اس سے ثابت ہوا کہ سورج کے ڈوبتے ہی روزہ افطار کر لینا چاہئے بخاری و مسلم میں امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب ادھر سے

رات آجائے اور ادھر سے دن چلا جائے تو روزے دار افطار کر لے بخاری و مسلم میں حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تک لوگ افطار کرنے میں جلدی کریں گے، خیر سے رہیں گے، مسند احمد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا، اللہ عز و جل کا ارشاد ہے کہ مجھے سب سے زیادہ پیارے وہ بندے ہیں جو روزہ افطار کرنے میں جلدی کرنے والے ہیں، امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کو حسن غریب کہتے ہیں۔

مسند کی ایک اور حدیث میں ہے کہ بشیر بن خصاصیہ کی بیوی صاحبہ حضرت لیلیٰ فرماتی ہیں کہ میں نے دو روزوں کو بغیر افطار کئے ملانا چاہا تو میرے خاوند نے مجھے منع کیا اور کہا رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع کیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ کام نصرائیوں کا ہے۔ تم تو روزے اس طرح رکھو جس طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ رات کو روزہ افطار کر لیا کرو۔ اور بھی بہت سی حدیثوں میں روزے سے روزے کو ملائے کی ممانعت آئی ہے۔ مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا روزے سے روزہ نہ ملاؤ تو لوگوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ خود آپ تو ملاتے ہیں آپ نے فرمایا میں تم جیسا نہیں ہوں۔ میں رات گزارتا ہوں۔ میرا رب مجھے کھلا پلا دیتا ہے لیکن لوگ پھر بھی اس سے باز نہ رہے تو آپؐ نے دو دن دو راتوں کا برابر روزہ رکھا۔ پھر چاند دکھائی دیا تو آپؐ نے فرمایا اگر چاند نہ چڑھتا تو میں تو یونہی روزوں کو ملائے جاتا گویا آپ اپنی عاجزی ظاہر کرنا چاہتے تھے۔

صحیحین میں بھی یہ حدیث ہے اور اسی طرح روزے کو بے افطار کئے اور رات کو کچھ کھائے بغیر دوسرے روزے سے ملا لینے کی ممانعت میں بخاری و مسلم میں حضرت انسؓ، حضرت ابن عمرؓ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے بھی مرفوع حدیثیں مروی ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ امت کو تو منع کیا گیا ہے لیکن آپؐ کی ذات اس سے مستثنیٰ تھی۔ آپؐ کو اس کی طاقت تھی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپؐ کی مدد کی جاتی تھی۔ یہ بھی خیال رہے کہ مجھے میرا رب کھلا پلا دیتا ہے اس سے مراد حقیقتاً کھانا پینا نہیں کیونکہ پھر تو روزے سے روزے کا وصال نہ ہوا بلکہ یہ صرف روحانی طور پر مدد ہے جیسے کہ ایک عربی شاعر کا شعر ہے۔

لہا احادیث من ذکراک تشغلہا عن الشراب وتلہیہا عن الزاد

یعنی اسے تیرے ذکر اور تیری باتوں میں وہ دلچسپی ہے کہ کھانے پینے سے یک قلم بے پرواہ ہو جاتی ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص دوسری سحری تک رک رہنا چاہے تو یہ جائز ہے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا روزے کو روزے سے مت ملاؤ۔ جو ملنا ہی چاہے تو سحری تک ملا لے۔ لوگوں نے کہا۔ آپؐ تو ملا دیتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا۔ میں تم جیسا نہیں مجھے تو رات ہی کو کھلانے والا کھلا دیتا ہے اور پلانے والا پلا دیتا ہے (بخاری و مسلم) ایک اور روایت میں ہے کہ ایک صحابیہؓ عورت نبی ﷺ کے پاس آئیں۔ آپؐ سحری کھا رہے تھے۔ فرمایا آؤ تم بھی کھا لو۔ اس نے کہا میں تو روزے سے ہوں۔ آپؐ نے فرمایا تم روزہ کس طرح رکھتی ہو اس نے بیان کیا۔ آپؐ نے فرمایا۔ آل محمد ﷺ کی طرح سحری کے وقت سے دوسری سحری کے وقت تک کا ملا ہوا روزہ کیوں نہیں رکھتی؟ (ابن جریر) مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ ایک سحری سے دوسری سحری تک کا روزہ رکھتے تھے۔ ابن جریر میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ سلف صالحین سے مروی ہے کہ وہ کئی کئی دن تک پے در پے بغیر کچھ کھائے روزہ رکھتے تھے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ عبادت کے طور پر نہ تھا بلکہ نفس کو مارنے کے لئے ریاضت کے طور پر تھا۔ واللہ اعلم۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ انہوں نے سمجھا ہو کہ حضورؐ کا اس سے روکنا صرف شفقت اور مہربانی کے طور پر تھا نہ کہ ناجائز بتلانے کے طور پر جیسے کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں، آپؐ نے لوگوں پر رحم کھا کر اس سے منع فرمایا تھا۔ پس ابن زبیرؓ اور ان کے صاحبزادے عامر اور ان کی راہ چلنے والے اپنے نفس میں قوت پاتے تھے اور روزے پر روزہ رکھے جاتے تھے یہ بھی مروی

ہے کہ جب وہ افطار کرتے تو پہلے گھی اور کڑوا گوند کھاتے تاکہ پہلے غذا پیچنے سے آنتیں جل نہ جائیں، مروی ہے کہ حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سات سات دن تک برابر روزے سے رہتے۔ اس اثناء میں دن کو یارات کو کچھ نہ کھاتے اور پھر ساتویں دن خوب تندرست، چست و چالاک اور سب سے زیادہ قوی پائے جاتے، ابو العالیہؒ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے دن کا روزہ فرض کر دیا، رہی رات تو جو چاہے کھا لے نہ چاہے نہ کھائے۔ پھر فرمان ہوتا ہے کہ اعتکاف کی حالت میں عورتوں سے مباشرت نہ کرو۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے جو شخص مسجد میں اعتکاف میں بیٹھا ہو، خواہ رمضان میں خواہ اور مہینوں میں اس پردن کے وقت یارات کے وقت اپنی بیوی سے جماع کرنا حرام ہے۔ جب تک اعتکاف پورا نہ ہو جائے، حضرت ضحاکؒ فرماتے ہیں پہلے لوگ اعتکاف کی حالت میں بھی جماع کر لیا کرتے تھے جس پر یہ آیت اتری اور مسجد میں اعتکاف کئے ہوئے پر جماع حرام کیا گیا۔ مجاہدؒ اور قتادہؒ بھی یہی کہتے ہیں۔

پس علمائے کرام کا متفقہ فتویٰ ہے کہ اعتکاف والا اگر کسی ضروری حاجت کے لئے گھر میں جائے مثلاً پیشاب پاخانہ کے لئے یا کھانا کھانے کے لئے تو اس کام سے فارغ ہوتے ہی مسجد میں چلا آئے۔ وہاں ٹھہرنا جائز نہیں نہ اپنی بیوی سے بوس و کننا وغیرہ جائز ہے نہ کسی اور کام میں سوائے اعتکاف کے مشغول ہونا اس کے لئے جائز ہے بلکہ بیمار کی بیمار پرسی کے لئے بھی جانا جائز نہیں۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ چلتے چلتے پوچھ لئے اعتکاف کے اور بھی بہت سے احکام ہیں۔ بعض میں اختلاف بھی ہے جن سب کو ہم نے اپنی مستقل کتاب کتاب الصیام کے آخر میں بیان کئے ہیں واللہ الحمد والمنة چونکہ قرآن پاک میں روزوں کے بیان کے بعد اعتکاف کا ذکر ہے اسی لئے اکثر مصنفین نے بھی اپنی اپنی کتابوں میں روزے کے بعد ہی اعتکاف کے احکام بیان کئے ہیں۔ اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ اعتکاف روزے کی حالت میں کرنا چاہئے یا رمضان کے آخر میں، آنحضرت ﷺ بھی رمضان شریف کے آخری دنوں میں اعتکاف کیا کرتے تھے یہاں تک کہ آپؐ کو وفات آئی۔ آپ کے بعد اہمات المؤمنینؓ آپ کی بیویاں اعتکاف کیا کرتی تھیں (بخاری و مسلم) بخاری و مسلم میں ہے کہ حضرت صفیہ بنت حبیبہؓ کی خدمت میں آپ کی اعتکاف کی حالت میں حاضر ہوتی تھیں اور کوئی ضروری بات پوچھنے کی ہوتی تو وہ دریافت کر کے چلی جاتیں۔ ایک مرتبہ رات کو جب جانے لگیں تو چونکہ مکان مسجد نبوی سے فاصلہ پر تھا اس لئے حضورؐ ساتھ ہو لئے کہ پہنچا آئیں راستہ میں دو انصاری صحابی مل گئے اور آپ کے ساتھ آپ کی بیوی صاحبہ کو دیکھ کر شرم کے مارے جلدی جلدی قدم بڑھا کر جانے لگے۔ آپؐ نے فرمایا۔ ٹھہر جاؤ۔ سنو۔ یہ میری بیوی صفیہ ہیں۔ وہ کہنے لگے سبحان اللہ (کیا ہمیں کوئی اور خیال بھی ہو سکتا ہے؟) آپؐ نے فرمایا۔ شیطان انسان کی رگ رگ میں خون کی طرح پھرتا رہتا ہے۔ مجھے خیال ہوا کہ کہیں تمہارے دل میں کوئی بدگمانی نہ پیدا کر دے۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ اپنے اس واقعہ سے اپنی امت کو گویا سبق سکھا رہے ہیں کہ وہ تہمت کی جگہوں سے بچتے رہیں ورنہ ناممکن ہے کہ وہ پاکباز صحابہؓ حضورؐ کی نسبت کوئی برا خیال بھی دل میں لائیں اور یہ بھی ناممکن ہے کہ آپؐ ان کی نسبت یہ خیال فرمائیں۔ واللہ اعلم۔ آیت میں مراد مباشرت سے جماع اور اس کے اسباب ہیں جیسے بوس و کننا وغیرہ ورنہ کسی چیز کا لینا دینا وغیرہ یہ سب باتیں جائز ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اعتکاف کی حالت میں سرمہ پاک میری طرف جھکا دیا کرتے تھے۔ میں آپؐ کے سر میں کنگھی کر دیا کرتی تھی حالانکہ میں حیض سے ہوتی تھی۔ آپؐ اعتکاف کے دنوں میں ضروری حاجت کے رفع کے سوا اور وقت گھر میں تشریف نہیں لاتے تھے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں اعتکاف کی حالت میں تو چلتے چلتے ہی گھر کے بیمار کی بیمار پرسی کر لیا کرتی ہوں۔ پھر فرماتا ہے کہ یہ ہماری بیان کردہ باتیں اور فرض کئے ہوئے احکام اور مقرر کی ہوئی حدیں ہیں۔ روزے اور روزوں کے احکام اور اس کے مسائل اور اس میں جو کام جائز ہیں یا جو ناجائز ہیں غرض وہ سب ہماری حد بندیاں ہیں۔ خبردار ان کے قریب بھی نہ آنا نہ ان سے

تجاوز کرنا نہ ان کے آگے بڑھنا بعض کہتے ہیں یہ حد اعتکاف کی حالت میں مباشرت سے الگ رہنا ہے۔ بعض کہتے ہیں ان آیاتوں کے چاروں حکم مراد ہیں۔ پھر فرمایا جس طرح روزے اور اس کے احکام اور اس کے مسائل اور اس کی تفصیل ہم نے بیان کر دی اسی طرح اور احکام بھی ہم اپنے بندے اور رسول کی معرفت سب کے سب تمام جہان کے لئے بیان کیا کرتے ہیں تاکہ وہ یہ معلوم کر سکیں کہ ہدایت کیا ہے اور اطاعت کسے کہتے ہیں؟ اور اس بنا پر وہ متقی بن جائیں جیسے اور جگہ ہے **هُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ عَلَى عَبْدِهِ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ لِّيُخْرِجَكُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَإِنَّ اللَّهَ بِكُمْ لَرَؤُوفٌ رَحِيمٌ** وہ خدا جو اپنے بندے پر روشن آیتیں نازل فرماتا ہے تاکہ تمہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لائے۔ اللہ تعالیٰ تم پر رافت و رحمت کرنے والا ہے۔

**وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَآ إِلَى الْحُكْمِ
لِتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ٢٨٥**

ایک دوسروں کا مال ناحق نہ کھایا کرو نہ حاکموں کو رشوت پہنچا کر کسی کا کچھ مال ظلم و ستم سے اپنا کر لیا کرو حالانکہ تم جانتے ہو ○

منصف، انصاف اور مدعی: ☆☆ (آیت: ۱۸۸) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں یہ آیت اس شخص کے بارے میں ہے جس پر کسی اور کا مال چاہئے اور اس حقدار کے پاس کوئی دلیل نہ ہو تو یہ شخص اس کا انکار کر جائے اور حاکم کے پاس جا کر بری ہو جائے حالانکہ وہ جانتا ہو کہ اس پر اس کا حق ہے اور وہ اس کا مال مار رہا ہے اور حرام کھا رہا ہے اور اپنے تئیں گنہگاروں میں کر رہا ہے حضرت مجاہد، سعید بن جبیر، عکرمہ، مجاہد، حسن، قتادہ، سدی، مقاتل بن حیان، عبد الرحمن بن زید، اسلم رحمہم اللہ بھی یہی فرماتے ہیں کہ باوجود اس علم کے کہ تو ظالم ہے جھگڑا نہ کر، صحیحین میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں انسان ہوں۔ میرے پاس لوگ جھگڑا لے کر آتے ہیں۔ شاید ایک دوسرے سے زیادہ حجت باز ہو۔ میں اس کی چٹکی چڑی تقریریں کر اس کے حق میں فیصلہ کر دوں (حالانکہ درحقیقت میرا فیصلہ واقعہ کے خلاف ہو) تو سمجھ لو کہ جس کے حق میں اس طرح کے فیصلہ سے کسی مسلمان کے حق کو میں دلوادوں وہ آگ کا ایک ٹکڑا ہے خواہ اٹھالے خواہ نہ اٹھائے۔ میں کہتا ہوں یہ آیت اور حدیث اس امر پر دلیل ہے کہ حاکم کا حکم کسی معاملہ کی حقیقت کو شریعت کے نزدیک بدلتا نہیں، فی الواقع بھی نفس الامر کے مطابق ہو تو خیر ورنہ حاکم کو تو اجر ملے گا لیکن اس فیصلہ کی بنا پر ناحق کو حق بنالینے والا اللہ کا مجرم ٹھہرے گا اور اس پر وبال باقی رہے گا جس پر آیت مندرجہ بالا گواہ ہے کہ تم اپنے دعوے کو باطل ہونے کا علم رکھتے ہوئے لوگوں کے مال مار کھانے کے لئے جموئے مقدمات بنا کر جموئے گواہ گزار کر ناجائز طریقوں سے حکام کو غلطی کھلا کر اپنے دعوؤں کو ثابت نہ کیا کرو حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں لوگو سمجھ لو کہ قاضی کا فیصلہ تیرے لئے حرام کو حلال نہیں کر سکتا اور نہ باطل کو حق کر سکتا ہے۔ قاضی تو اپنی عقل سمجھ سے گواہوں کی گواہی کے مطابق ظاہری حالات کو دیکھتے ہوئے فیصلہ صادر کر دیتا ہے اور وہ بھی آخر انسان ہی ہے۔ ممکن ہے خطا کرے اور ممکن ہے خطا سے بچ جائے تو جان لو کہ اگر فیصلہ قاضی کا واقعہ کے خلاف ہو تو تم صرف قاضی کا فیصلہ سمجھ کر اسے جائز مال نہ سمجھو۔ یہ جھگڑا باقی ہی ہے یہاں تک کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ دونوں کو جمع کرے اور باطل والوں پر حق والوں کو غلبہ دے کر ان کا حق ان سے دلوائے اور دنیا میں جو فیصلہ ہوا تھا اس کے خلاف فیصلہ صادر فرما کر اس کی نیکیوں میں اسے بدلہ دلوائے۔

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْإِهْلَةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ وَلَيْسَ
الْبِرُّ بِاتِّبَاعِ آبَائِكَ أَوْ أَبْنَاءِكَ أَوْ إِخْوَانِكَ أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ
الْبِرَّ يَأْتِي تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ ظُهُورِهَا وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقَى
وَأَتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۱۸۹﴾

لوگ تم سے چاند کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ تم کہو کہ یہ لوگوں کے وعدے کے وقتوں اور حج کے موسم کے لئے ہے (احرام کی حالت میں) گھروں کے پیچھے سے تمہارا آنا کچھ نیکی نہیں بلکہ نیکی والا وہ ہے جو تقویٰ ہو۔ گھروں میں تو دروازوں میں سے آیا کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ ○

چاند اور مہ وسال: ☆☆ (آیت: ۱۸۹) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے لوگوں نے چاند کے بارے میں سوال کیا جس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ اس سے قرض وغیرہ کے وعدوں کی معیاد معلوم ہو جاتی ہے، عورتوں کی عدت کا وقت معلوم ہوتا ہے، حج کا وقت معلوم ہوتا ہے، مسلمانوں کے روزے کے افطار کا تعلق بھی اسی سے ہے۔ مسند عبد الرزاق میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے چاند کو لوگوں کے وقت معلوم کرنے کے لئے بنایا ہے اسے دیکھ کر روزے رکھو اسے دیکھ کر عید مناؤ، اگر ابرو باران کی وجہ سے چاند نہ دیکھ سکو تو تیس دن پورے گن لیا کرو اس روایت کو حضرت امام حاکم نے صحیح کہا ہے یہ حدیث اور سندوں میں بھی مروی ہے۔ حضرت علیؓ سے ایک موقوف روایت میں بھی یہ مضمون وارد ہوا ہے۔ آگے چل کر ارشاد ہوتا ہے کہ بھلائی گھروں کے پیچھے سے آنے میں نہیں بلکہ بھلائی تقویٰ میں ہے۔ گھروں میں دروازوں سے آؤ، صحیح بخاری شریف میں ہے کہ جاہلیت کے زمانہ میں یہ دستور تھا کہ احرام میں ہوتے تو گھروں میں پشت کی جانب سے آتے جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ابوداؤد طیالسی میں بھی یہ روایت ہے۔ انصار کا عام دستور تھا کہ سفر سے جب واپس آتے تو گھر کے دروازے میں نہیں گھستے تھے۔ دراصل یہ بھی جاہلیت کے زمانہ میں قریشیوں نے اپنے لئے ایک اور امتیاز قائم کر لیا تھا کہ اپنا نام انہوں نے جس رکھا تھا۔ احرام کی حالت میں یہ تو براہ راست اپنے گھروں میں آ سکتے تھے لیکن باقی کے لوگ سیدھے راستے گھروں میں داخل نہیں ہو سکتے تھے۔ آنحضرت ﷺ ایک بارغ سے اس کے دروازے سے نکلے۔ آپ کے ایک انصار صحابی حضرت قطبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی آپ کے ساتھ ہی اسی دروازے سے نکلے۔ اس پر لوگوں نے حضرت سے کہا یا رسول اللہؐ۔ یہ تو ایک تجارت پیشہ شخص ہیں۔ یہ آپ کے ساتھ آپ کی طرح دروازے سے کیوں نکلے؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں نے تو حضورؐ کو جس طرح کرتے دیکھا، کیا مانا کہ آپؐ جس میں سے ہیں لیکن میں بھی تو آپ کے دین پر ہی ہوں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی (ابن ابی حاتم) حضرت ابن عباسؓ وغیرہ سے بھی یہ روایت مروی ہے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جاہلیت کے زمانے میں بہت سی قوموں کا یہ رواج تھا کہ جب وہ سفر کے ارادے سے نکلتے، پھر سفر ادھورا چھوڑ کر اگر کسی وجہ سے واپس چلے آتے تو گھر کے دروازے سے گھر میں نہ آتے بلکہ پیچھے کی طرف سے چڑھ کر آتے جس سے اس آیت میں ردو گیا۔ محمد بن کعبؓ فرماتے ہیں اعتکاف کی حالت میں بھی یہی دستور تھا جسے اسلام نے ختم کیا، عطا فرماتے ہیں اہل مدینہ کا عیدوں میں بھی یہی دستور تھا جسے اسلام نے ختم کر دیا۔ پھر فرمایا اللہ تعالیٰ کے حکموں کو بجالانا، اس کے منع کئے ہوئے کاموں سے رک جانا، اس کا ڈر دل میں رکھنا یہ چیزیں ہیں جو دراصل اس دن کام آنے والی ہیں جس دن ہر شخص اللہ کے سامنے پیش ہوگا اور پوری پوری جزا سزا پائے گا۔

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ
لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ﴿۱۹۰﴾ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ وَأَخْرِجُوهُمْ

مِنْ حَيْثُ أَخْرَجُوكُمْ وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ وَلَا تُقَاتِلُوهُمْ
عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّى يَقْتُلُوَكُمْ فِيهِ فَإِنْ قَتَلُوكُمْ
فَاقْتُلُوهُمْ كَذَلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ ۝ فَإِنْ انْتَهَوْا فَإِنَّ
اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ وَقَتْلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ
الدِّينُ لِلَّهِ فَإِنْ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ إِلَّا عَلَى الظَّالِمِينَ ۝

لڑو اللہ کی راہ میں ان سے جو تم سے لڑتے ہیں اور زیادتی نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔ انہیں مارو جہاں بھی پاؤ اور انہیں نکالو جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا (سنو) فتنہ قتل سے بھی زیادہ سخت ہے۔ مسجد حرام کے پاس ان سے لڑائی نہ کرو جب تک کہ یہ خود تم سے وہاں نہ لڑیں۔ اگر یہ تم سے لڑیں تو تم بھی انہیں مارو کافروں کا بدلہ یہی ہے ۝ اگر یہ باز آجائیں تو اللہ تعالیٰ بھی بخشنے والا مہربان ہے ۝ ان سے لڑو جب تک کہ فتنہ نہ مٹ جائے اور اللہ کا دین غالب نہ آجائے۔ اگر یہ رک جائیں (تو تم بھی رک جاؤ) زیادتی تو صرف ظالموں پر ہی ہے ۝

حکم جہاد اور شرائط: ☆ ☆ (آیت: ۱۹۰-۱۹۳) حضرت ابوالعالیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مدینہ شریف میں جہاد کا پہلا حکم یہی نازل ہوا ہے حضور علیہ السلام اس آیت کے حکم کی رو سے صرف ان لوگوں سے ہی لڑتے تھے جو آپ سے لڑیں۔ جو آپ سے نہ لڑیں خود ان سے لڑائی نہیں کرتے تھے یہاں تک کہ سورہ برات نازل ہوئی بلکہ عبدالرحمن بن زید بن اسلام رحمۃ اللہ علیہ تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ ہے اور تاریخ آیت فَاَقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ ہے یعنی جہاں کہیں مشرکین کو پاؤ انہیں قتل کرو لیکن اس بارہ میں اختلاف ہے اس لئے کہ اس سے تو مسلمانوں کو رغبت دلانا اور انہیں آمادہ کرنا ہے کہ اپنے ایسے دشمنوں سے کیوں جہاد نہ کرو جو تمہارے اور تمہارے دین کے کھلے دشمن ہیں۔ جیسے وہ تم سے لڑتے ہیں تم بھی ان سے لڑو جیسے اور جگہ فرمایا وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَآفَّةً یعنی مل جل کر مشرکوں سے جہاد کرو جس طرح وہ تم سے سب کے سب مل کر لڑائی کرتے ہیں چنانچہ اس آیت میں بھی فرمایا انہیں قتل کرو جہاں پاؤ اور انہیں وہاں سے نکالو جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا ہے مطلب یہ ہے کہ جس طرح ان کا قصد تمہارے قتل کا اور تمہیں جلا وطن کرنے کا ہے تمہارا بھی اس کے بدلے میں یہی قصد رہنا چاہئے۔ پھر فرمایا تجاؤز کرنے والے کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا یعنی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرو ناک کان وغیرہ نہ کاؤ خیانت اور چوری نہ کرو عورتوں اور بچوں کو قتل نہ کرو ان بوڑھے بڑے لوگوں کو بھی نہ مارو جو نہ لڑنے کے لائق ہیں نہ لڑائی میں دخل دیتے ہیں درویشوں اور تارک دنیا لوگوں کو بھی قتل نہ کرو بلکہ بلا مصلحت جنگی نہ درخت کا ٹوٹ نہ حیوانوں کو ضائع کرو۔ حضرت ابن عباسؓ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ حضرت مقاتل بن حیانؓ وغیرہ نے اس آیت کی تفسیر میں یہی فرمایا ہے صحیح مسلم شریف میں ہے رسول اللہ ﷺ مجاہدین کو فرمان دیا کرتے تھے کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرو۔ خیانت نہ کرو۔ بدعہدی سے بچو ناک کان وغیرہ اعضاء نہ کاؤ بچوں کو اور زہد لوگوں کو جو عبادت خانوں میں پڑے رہتے ہیں قتل نہ کرو مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے اللہ کا نام لے کر نکلو۔ اللہ کی راہ میں جہاد کرو کفار سے لڑو ظلم و زیادتی نہ کرو دھوکہ بازی نہ کرو۔ دشمن کے اعضاء بدن نہ کاؤ درویشوں کو قتل نہ کرو صحیحین میں ہے کہ ایک مرتبہ ایک غزوے میں ایک عورت قتل کی ہوئی پائی گئی۔ حضورؐ نے اسے بہت برا مانا اور عورتوں اور بچوں کے قتل کو منع فرمادیا مسند احمد میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے ایک، تین، پانچ، سات، نو گیارہ، مثالیں دیں۔ ایک تو ظاہر کر دی۔ باقی چھوڑ دیں۔ فرمایا

کچھ لوگ کمزور اور مسکین تھے کہ ان پر زور آور مالدار دشمن چڑھ آیا اللہ تعالیٰ نے ان ضعیفوں کی مدد کی اور ان طاقتوروں پر انہیں غالب کر دیا۔ اب ان لوگوں نے ان پر ظلم و زیادتی شروع کر دی جس باعث اللہ تعالیٰ ان پر قیامت تک کے لئے ناراض ہو گیا یہ حدیث اسناداً صحیح ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب یہ کمزور قوم غالب آگئی تو انہوں نے ظلم و زیادتی شروع کر دی۔ فرمان باری تعالیٰ کا کوئی لحاظ نہ کیا۔ اس باعث پروردگار عالم ان پر ناراض ہو گیا۔ اس بارے میں احادیث اور آثار بکثرت ہیں جن سے صاف ظاہر ہے کہ ظلم و زیادتی اللہ کو ناپسند ہے اور ایسے لوگوں سے اللہ ناخوش رہتا ہے چونکہ جہاد کے احکام میں یہ ظاہر قتل و خون ہوتا ہے اس لئے یہ بھی فرما دیا کہ ادھر اگر قتل و خون ہے تو ادھر اللہ کے ساتھ شرک و کفر ہے اور اس مالک کی راہ سے اس کی مخلوق کو روکنا ہے اور یہ فتنہ قتل سے بہت زیادہ سخت ہے ابو مالکؓ فرماتے ہیں تمہاری یہ خطا کاریاں اور بدکاریاں قتل سے زیادہ زبوں تر ہیں۔

پھر فرمان جاری ہوتا ہے کہ بیت اللہ میں ان سے لڑائی نہ کرو جیسے صحیحین میں ہے کہ یہ شہر حرمت والا ہے۔ آسمان و زمین کی پیدائش کے زمانے سے لے کر قیامت تک باحرمت ہی ہے۔ صرف تھوڑے سے وقت کے لئے اللہ تعالیٰ نے میرے لئے اسے حلال کر دیا تھا لیکن وہ آج اس وقت بھی حرمت والا ہے اور قیامت تک اس کا یہ احترام اور بزرگی باقی رہے گی۔ اس کے درخت نہ کاٹے جائیں۔ اس کے کانٹے نہ اکھیرے جائیں۔ اگر کوئی شخص اس میں لڑائی کو جائز کہے اور میری جنگ کو دلیل میں لائے تو تم کہہ دینا اللہ تعالیٰ نے صرف اپنے رسول (ﷺ) کے لئے اجازت دی تھی لیکن تمہیں کوئی اجازت نہیں۔ آپ کے اس فرمان سے مراد فتح مکہ کا دن ہے جس دن آپ نے مکہ والوں سے جہاد کیا تھا اور مکہ کو فتح کیا تھا چند مشرکین مارے بھی گئے تھے۔ گو بعض علماء کرام یہ بھی فرماتے ہیں کہ مکہ صلح سے فتح ہوا۔ حضورؐ نے صاف ارشاد فرمایا تھا کہ جو شخص اپنا دروازہ بند کر لے۔ وہ امن میں ہے۔ جو مسجد میں چلا جائے امن میں ہے۔ جو ابوسفیان کے گھر میں چلا جائے۔ وہ بھی امن میں ہے۔ پھر فرمایا کہ ہاں اگر وہ تم سے یہاں لڑائی شروع کر دیں تو تمہیں اجازت ہے کہ تم بھی یہیں ان سے لڑو تا کہ یہ ظلم دفع ہو سکے چنانچہ آنحضرت ﷺ نے حدیبیہ والے دن اپنے اصحابؓ سے لڑائی کی بیعت لی جبکہ قریشیوں نے ان کے ساتھیوں سے مل کر یورش کی تھی اور آپؐ نے درخت تلے اپنے اصحاب سے بیعت لی۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اس لڑائی کو دفع کر دیا چنانچہ اس نعمت کا بیان اس وقت میں ہے کہ وهو الذی کَفَّ اَیْدِیْہُمْ عَنْکُمْ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اگر یہ کفار حرم میں لڑائی بند کر دیں اور اس سے باز آ جائیں اور اسلام قبول کر لیں تو اللہ تعالیٰ ان کے گناہ معاف فرمادے گا، گو انہوں نے مسلمانوں کو حرم میں قتل کیا ہو باری تعالیٰ ایسے بڑے گناہ کو بھی معاف فرمادے گا۔ پھر حکم ہوتا ہے کہ ان مشرکین سے جہاد جاری رکھو تا کہ یہ شرک کا فتنہ مٹ جائے اور اللہ تعالیٰ کا دین غالب اور بلند ہو جائے اور تمام دنیا پر ظاہر ہو جائے جیسے صحیحین میں حضرت موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ ایک شخص اپنی بہادری جتانے کے لئے لڑتا ہے ایک شخص حمیت و غیرت قومی سے لڑتا ہے ایک شخص ریا کاری اور دکھاوے کے طور پر لڑتا ہے تو فرمائیے کہ ان میں سے کون شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والا ہے؟ آپؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والا وہی ہے جو اس لئے لڑے کہ اللہ تعالیٰ کی بات بلند ہو۔ اس کے دین کا بول بالا ہو بخاری و مسلم کی ایک اور حدیث میں ہے مجھے حکم کیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جہاد کرتا رہوں یہاں تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کہیں ان کی جان و مال کا تحفظ میرے ذمہ ہو گا مگر اسلامی احکام اور ان کے باطنی حساب اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔ پھر فرمایا اگر یہ کفار شرک و کفر سے اور تمہیں قتل کرنے سے باز آ جائیں تو تم بھی ان سے رک جاؤ۔ اس کے بعد جو قتل کرے گا وہ ظالم ہو گا اور ظالموں کو ظلم کا بدلہ دینا ضروری ہے۔ یہی

معنی ہیں حضرت مجاہدؒ کے اس قول کے کہ جو لڑیں ان سے ہی لڑا جائے یا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ ان حرکات سے رک جائیں تو وہ ظلم یعنی شرک سے ہٹ گئے۔ پھر کوئی وجہ نہیں کہ ان سے جنگ وجدال ہو۔ یہاں لفظ عدوان جو کہ زیادتی کے معنی میں ہے وہ زیادتی کے مقابلہ میں زیادتی کے بدلے کے لئے ہے۔ حقیقتاً وہ زیادتی نہیں جیسے فرمایا فَمَنْ اَعْتَدَىٰ عَلَیْكُمْ فَاَعْتَدُوا عَلَیْهِ بِمِثْلِ مَا اَعْتَدَىٰ عَلَیْكُمْ یعنی تم پر جو زیادتی کرے تم بھی اس پر اس جیسی زیادتی کر لو اور جگہ ہے جَزَاؤُ سَبِّحَةٍ سَبِّحَةٍ مِّثْلُهَا یعنی برائی کا بدلہ اسی جیسی برائی ہے۔ اور جگہ فرمان ہے وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوِفْتُمْ بِهِ یعنی اگر تم سزا اور عذاب کرو تو اسی مثل سزا کرو جو تم کئے گئے ہو پس ان تینوں جگہوں میں زیادتی برائی اور سزا ”بدلے“ کے طور پر کہا گیا ہے ورنہ فی الواقع وہ زیادتی برائی اور سزا عذاب نہیں۔ حضرت عکرمہؒ اور حضرت قتادہؒ کا فرمان ہے اصلِ ظالم وہی ہے جو لا الہ الا اللہ کو تسلیم کرنے سے انکار کرے۔

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو گھیر کر کہا کہ لوگ تو مرکٹ رہے ہیں آپ حضرت عمرؓ کے صاحبزادے ہیں۔ رسول اللہؐ کے صحابی ہیں۔ کیوں اس لڑائی میں شامل نہیں ہوتے؟ آپؐ نے فرمایا سنو اللہ تعالیٰ نے مسلمان بھائی کا خون حرام کر دیا ہے۔ انہوں نے کہا کیا جناب باری کا یہ فرمان نہیں کہ ان سے لڑو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے۔ آپؐ نے جواب دیا کہ ہم تو لڑتے رہے یہاں تک کہ فتنہ دب گیا اور اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین غالب آ گیا لیکن اب تم چاہتے ہو کہ تم لڑو تا کہ فتنہ پیدا ہو اور دوسرے مذاہب ابھر آئیں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ کسی نے آپؐ سے پوچھا کہ اے ابوعبدالرحمنؓ آپؐ نے اللہ کی راہ میں جہاد کرنا کیوں چھوڑ رکھا ہے اور یہ کیا اختیار کر رکھا ہے کہ حج پر حج کر رہے ہو۔ ہر دوسرے سال حج کو جایا کرتے ہو حالانکہ جہاد کے فضائل آپؐ سے مخفی نہیں۔ آپؐ نے فرمایا بھتیجے سنو اسلام کی بنائیں پانچ ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا پانچوں وقتوں کی نماز ادا کرنا رمضان کے روزے رکھنا زکوٰۃ دینا بیت اللہ شریف کا حج کرنا۔ اس نے کہا کیا قرآن پاک کا یہ حکم آپؐ نے نہیں سنا کہ ایمان والوں کی دو جماعتیں اگر آپس میں جھگڑیں تو تم ان میں صلح کرادو۔ اگر پھر بھی ایک گروہ دوسرے پر بغاوت کرے تو باغی گروہ سے لڑو یہاں تک کہ وہ پھر سے اللہ کا فرمانبردار بن جائے اور جگہ ارشاد ہے ان سے لڑو تا فتنہ یہ کہ فتنہ مٹ جائے۔ آپؐ نے فرمایا ہم نے حضور کے زمانہ میں اس کی تعمیل کر لی جبکہ اسلام کمزور تھا اور مسلمان تھوڑے تھے۔ جو اسلام قبول کرتا تھا اس پر فتنہ اُڑتا تھا یا تو قتل کر دیا جاتا یا سخت عذابوں میں پھنسا جاتا یہاں تک کہ یہ پاک دین پھیل گیا اور اس کے حلقہ بگوش بہ کثرت ہو گئے اور فتنہ برباد ہو گیا۔ اس نے کہا اچھا تو پھر فرمائیے کہ حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ کے بارے میں آپؐ کا کیا خیال ہے فرمایا عثمانؓ کو تو اللہ تعالیٰ نے معاف فرمادیا گو تم اس معافی سے برامناؤ اور علیؓ تو رسول اللہ ﷺ کے چچازاد بھائی اور آپؐ کے داماد تھے اور یہ دیکھو ان کا مکان یہ رہا جو تمہاری آنکھوں کے سامنے ہے۔

الشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمَتُ قِصَاصٌ فَمَنْ اَعْتَدَىٰ
عَلَيْكُمْ فَاَعْتَدُوا عَلَیْهِ بِمِثْلِ مَا اَعْتَدَىٰ عَلَیْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ
وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ ۝

حرمت والے مہینے حرمت والے مہینوں کے بدلے ہیں اور حرمتیں ادا کرنے کے لئے ہیں۔ جو تم پر زیادتی کرے تم بھی اس پر اسی کے مثل زیادتی کرو جو تم پر کی ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ پر ہیز گاروں کے ساتھ ہے ۝

بیعت رضوان: ☆☆ (آیت: ۱۹۴) ذوالقعدہ سن ۶ ہجری میں رسول کریم ﷺ عمرے کے لئے صحابہ کرامؓ سمیت مکہ کو تشریف لے چلے لیکن مشرکین نے آپ کو حدیبیہ والے میدان میں روک لیا بالاخر اس بات پر صلح ہوئی کہ آئندہ سال آپ عمرہ کریں اور اس سال واپس تشریف لے جائیں چونکہ ذی القعدہ کا مہینہ بھی حرمت والا مہینہ ہے اس لئے یہ آیت نازل ہوئی۔ مسند احمد میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ حرمت والے مہینوں میں جنگ نہیں کرتے تھے۔ ہاں اگر کوئی آپ پر چڑھائی کرے تو اور بات ہے بلکہ جنگ کرتے ہوئے اگر حرمت والے مہینے آجائے تو آپ گڑائی موقوف کر دیتے۔ حدیبیہ کے میدان میں بھی جب حضور علیہ السلام کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مشرکوں نے قتل کر دیا جو کہ حضور کا پیغام لے کر مکہ شریف میں گئے تھے تو آپ نے اپنے چودہ سو صحابہؓ سے ایک درخت تلے مشرکوں سے جہاد کرنے کی بیعت لی۔ پھر جب معلوم ہوا کہ یہ خبر غلط ہے تو آپ نے اپنا ارادہ ملتوی کر دیا اور صلح کی طرف مائل ہو گئے۔ پھر جو واقعہ ہوا۔ وہ ہوا اسی طرح آپ جبکہ ہوازن کی لڑائی سے حنین والے دن فارغ ہوئے اور مشرکین طائف میں جا کر قلعہ بند ہو گئے تو آپ نے اپنے اس کا محاصرہ کر لیا۔ چالیس دن تک یہ محاصرہ رہا۔ بالاخر کچھ صحابہؓ کی شہادت کے بعد محاصرہ اٹھا کر آپ مکہ کی طرف لوٹ گئے اور ہجرانہ سے آپ نے عمرے کا احرام باندھا۔ یہیں حنین کی غنیمتیں تقسیم کیں اور یہ عمرہ آپ کا ذوالقعدہ میں ہوا۔ یہ سن ۸ ہجری کا واقعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ پر درود و سلام بھیجے۔

پھر فرماتا ہے جو تم پر زیادتی کرے تم بھی اس پر اتنی ہی زیادتی کرو یعنی مشرکین سے بھی عدل کا خیال رکھو یہاں بھی زیادتی کے بدلے کو زیادتی سے تعبیر کرنا دوسرا یہ ہے جیسے اور جگہ عذاب و سزا کے بدلے میں برائی کے لفظ سے بیان کیا گیا، حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں یہ آیت مکہ شریف میں اتری جہاں مسلمانوں میں کوئی شوکت و شان نہ تھی نہ جہاد کا حکم تھا۔ پھر یہ آیت مدینہ شریف میں جہاد کے حکم سے منسوخ ہو گئی، لیکن امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات کی تردید کی ہے اور فرماتے ہیں کہ یہ آیت مدنی ہے۔ عمرہ قضا کے بعد نازل ہوئی ہے۔ حضرت مجاہدؓ کا قول بھی یہی ہے۔ ارشاد ہے اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور پرہیزگاری اختیار کرو اور اسے جان لو کہ ایسے ہی لوگوں کے ساتھ دین و دنیا میں اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت رہتی ہے۔

وَأَنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ وَأَحْسِنُوا

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ

اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کیا کرو اور اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو اور سلوک و احسان کرو اللہ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے ○

حق جہاد کیا ہے؟ ☆☆ (آیت: ۱۹۵) حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے بارے میں نازل ہوئی ہے (بخاری) اور بزرگوں نے بھی اس آیت کی تفسیر میں یہی بیان فرمایا ہے، حضرت ابو عمرؓ فرماتے ہیں کہ مہاجرین میں سے ایک نے قسطنطنیہ کی جنگ میں کفار کے لشکر پر دلیرانہ حملہ کیا اور ان کی صفوں کو چیرتا ہوا ان میں گھس گیا تو بعض لوگ کہنے لگے کہ یہ دیکھو یہ اپنے ہاتھوں اپنی جان کو ہلاکت میں ڈال رہا ہے۔ حضرت ابو ایوبؓ نے یہ سن کر فرمایا اس آیت کا صحیح مطلب ہم خوب جانتے ہیں۔ سنو یہ آیت ہمارے ہی بارے میں نازل ہوئی ہے ہم نے حضورؐ کی صحبت اٹھائی آپ کے ساتھ جنگ و جہاد میں شریک رہے۔ آپ کی مدد پر تے رہے یہاں تک کہ اسلام غالب ہوا اور مسلمان غالب آ گئے تو ہم انصاریوں نے ایک مرتبہ جمع ہو کر آپس میں مشورہ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی صحبت کے ساتھ ہمیں مشرف فرمایا۔ ہم آپ کی خدمت میں لگے رہے۔ آپ کی ہر کابی میں جہاد کرتے رہے۔ اب محمد اللہ

اسلام پھیل گیا۔ مسلمانوں کا غلبہ ہو گیا۔ لڑائی ختم ہو گئی۔ ان دنوں میں نہ ہم نے اپنی اولاد کی خبر گیری کی نہ مال کی دیکھ بھال کی نہ کھیتوں اور باغوں کا کچھ خیال کیا۔ پس اب ہمیں چاہئے کہ اپنے خانگی معاملات کی طرف توجہ کریں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ پس جہاد کو چھوڑ کر بال بچوں اور پیسہ تجارت میں مشغول ہو جانا یہ اپنے ہاتھوں اپنے تئیں ہلاک کرنا ہے (ابوداؤد ترمذی نسائی وغیرہ)

ایک اور روایت میں ہے کہ قسطنطنیہ کی لڑائی کے وقت مصریوں کے سردار حضرت عقبہ بن عامر تھے اور شامیوں کے سردار یزید بن فضالہ بن عبیدہ تھے حضرت برابن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک شخص نے پوچھا کہ اگر میں اکیلا تنہا دشمن کی صف میں گھس جاؤں اور وہاں گھر جاؤں اور قتل کر دیا جاؤں تو کیا اس آیت کے مطابق میں اپنی جان کو آپ ہی ہلاک کرنے والا بنوں گا؟ آپ نے جواب دیا۔ نہیں نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی سے فرماتا ہے فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا تُكَلِّفُ الْاَنْفُسَکَ اے نبی اللہ کی راہ میں لڑنا رہ۔ تو اپنی جان کا ہی مالک ہے۔ اسی کو تکلیف دے یہ آیت تو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے رک جانے والوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے (ابن مردویہ وغیرہ) ترمذی کی ایک اور روایت میں اتنی زیادتی ہے کہ آدمی کا گناہوں پر گناہ کئے چلے جانا اور توبہ نہ کرنا یہ اپنے ہاتھوں اپنے تئیں ہلاک کرنا ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ مسلمانوں نے دمشق کا محاصرہ کیا اور از دشمن قبیلہ کا ایک آدمی جرات کر کے دشمنوں میں گھس گیا۔ ان کی صفیں چیرتا پھاڑتا اندر چلا گیا۔ لوگوں نے اسے برا جانا اور حضرت عمرو بن عاصؓ کے پاس یہ شکایت کی۔ چنانچہ حضرت عمروؓ نے انہیں بلالیا اور فرمایا قرآن میں ہے اپنی جانوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں لڑائی میں اس طرح کی بہادری کرنا اپنی جان کو بربادی میں ڈالنا نہیں بلکہ اللہ کی راہ میں مال خرچ نہ کرنا ہلاکت میں پڑنا ہے۔ حضرت سخاک بن ابو جبیرؓ فرماتے ہیں کہ انصار اپنے مال اللہ کی راہ میں کھلے دل سے خرچ کرتے رہتے تھے لیکن ایک سال قحط سالی کے موقع پر انہوں نے وہ خرچ روک لیا جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ حضرت امام حسن بصریؒ فرماتے ہیں اس سے مراد بخل کرنا ہے۔

حضرت نعمان بن بشیرؓ فرماتے ہیں کہ گنہگار کا رحمت باری سے ناامید ہو جانا یہ ہلاک ہونا ہے اور حضرات مفسرین بھی فرماتے ہیں کہ گناہ ہو جائیں پھر بخشش سے ناامید ہو کر گناہوں میں مشغول ہو جانا اپنے ہاتھوں پر آپ ہلاک ہونا ہے۔ تہلکۃ سے مراد اللہ کا عذاب بھی بیان کیا گیا ہے۔ قرطبیؒ وغیرہ سے روایت ہے کہ لوگ حضورؐ کے ساتھ جہاد میں جاتے تھے اور اپنے ساتھ کچھ خرچ نہیں لے جاتے تھے۔ اب یا تو وہ بھوکوں میں یا ان کا بوجھ دوسروں پر پڑے تو ان سے اس آیت میں فرمایا جاتا ہے کہ اللہ نے جو تمہیں دیا ہے اسے اس کی راہ کے کاموں میں لگاؤ اور اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو کہ بھوک پیاس سے یا پیدل چل چل کر مر جاؤ۔ اس کے ساتھ ہی ان لوگوں کو جن کے پاس کچھ ہے حکم ہو رہا ہے کہ تم احسان کرو تا کہ اللہ تمہیں دوست رکھے۔ نیکی کے ہر کام میں خرچ کیا کرو بالخصوص جہاد کے موقع پر اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے نہ روکو۔ یہ دراصل خود تمہاری ہلاکت ہے پس احسان اعلیٰ درجہ کی اطاعت ہے جس کا یہاں حکم ہو رہا ہے اور ساتھ ہی بیان ہو رہا ہے کہ احسان کرنے والے اللہ کے دوست ہیں۔

وَاتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ۚ فَإِنْ أُخْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ
الْهَدْيِ وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ ۚ فَمَنْ
كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِّن رَّأْسِهِ فَفِدْيَةٌ مِّن صِيَامٍ

أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسْكَ فَإِذَا أَمِنْتُمْ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ
فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ
وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ عَشْرَةٌ كَامِلَةٌ ذَلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ
أَهْلَهُ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ
الْعِقَابِ ۝

جج اور عمرے کو اللہ تعالیٰ کے لئے پورا کر ڈا اگر تم روک لئے جاؤ تو جو قربانی میسر ہو اسے کر ڈا وادرا اپنے سر نہ منڈاؤ جب تک قربانی قربانی گاہ تک نہ پہنچ جائے ہاں تم میں سے جو بیمار ہو یا اس کے سر میں کوئی تکلیف ہو تو اس پر فدیہ ہے خواہ روزے رکھ لے خواہ صدقہ دے دے خواہ قربانی کر لئے ہاں اس کی حالت میں جو شخص عمرے سے لے کر حج تک تمتع کرے وہ جو قربانی میسر ہو اسے کر ڈالے۔ جسے طاقت ہی نہ ہو وہ تین روزے تو حج کے دنوں میں رکھ لے اور سات واپسی میں یہ پورے دس ہو گئے۔ یہ حکم ان کے لئے ہے جو مسجد حرام کے رہنے والے نہ ہوں۔ لوگو اللہ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ سخت عذابوں والا ہے ○

جج اور عمرہ کے مسائل: ☆ ☆ (آیت: ۱۹۶) اوپر چونکہ روزوں کا ذکر ہوا تھا پھر جہاد کا بیان ہوا اب حج کا تذکرہ ہو رہا ہے اور حکم ہوتا ہے کہ حج اور عمرے کو پورا کر ڈا ظاہر الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ حج اور عمرے کو شروع کرنے کے بعد پورا کرنا چاہئے تمام علماء اس پر متفق ہیں کہ حج و عمرے کو شروع کرنے کے بعد ان کا پورا کرنا لازم ہے۔ گو عمرے کی واجب ہونے اور مستحب ہونے میں علماء کے دو قول ہیں جنہیں ہم نے پوری طرح کتاب الاحکام میں بیان کر دیا ہے فلله الحمد والمنة حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ پورا کرنا یہ ہے کہ تم اپنے گھر سے احرام باندھو۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان کا تمام کرنے کا مقصد یہ ہے کہ تم اپنے گھر سے احرام باندھو۔ تمہارا سفر صرف حج و عمرے کی غرض سے ہو میقات پہنچ کر بلیک پکارنا شروع کر دو۔ تمہارا ارادہ تجارت یعنی کسی اور دنیوی غرض کا نہ ہو کہ نکلے تو اپنے کام کو اور مکہ کے قریب پہنچ کر خیال آ گیا کہ آؤ حج و عمرہ بھی کرتا چلوں۔ گو اس طرح بھی حج و عمرہ ادا ہو جائے گا لیکن یہ پورا کرنا نہیں پورا کرنا یہ ہے کہ صرف اسی ارادے سے گھر سے نکلو۔ حضرت کھول فرماتے ہیں کہ ان کا پورا کرنا یہ ہے کہ انہیں میقات سے شروع کرے حضرت عمرؓ فرماتے ہیں۔ ان کا پورا کرنا یہ ہے کہ ان دونوں کو الگ الگ ادا کرے اور عمرے کو حج کے مہینوں میں نہ کرے۔ اس لئے کہ قرآن شریف میں ہے الْحُجُّ أَشْهُرٌ مَّعْلُومَاتٌ حج کے مہینے مقرر ہیں۔ قاسم بن محمدؒ فرماتے ہیں کہ حج کے مہینوں میں عمرہ کرنا پورا ہونا نہیں ان سے پوچھا گیا کہ محرم میں عمرہ کرنا کیسا ہے؟ کہا لوگ اسے تو پورا کہتے تھے لیکن اس قول میں شبہ ہے۔ اس لئے کہ یہ ثابت شدہ امر ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے چار عمرے کئے اور چاروں ذوالقعدہ میں کئے۔ ایک سن ۶ ہجری میں ذوالقعدہ کے مہینے میں دوسرا ذوالقعدہ سن ۷ ہجری میں عمر القضاء تیسرا ذوالقعدہ سن ۸ ہجری میں عمرہ الحھر انہ چوتھا ذوالقعدہ سن ۱۰ ہجری میں حج کے ساتھ ان عمروں کے سوا ہجرت کے بعد آپ کا اور کوئی عمرہ نہیں ہوا۔ ہاں آپ نے ام ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا تھا کہ رمضان میں عمرہ کرنا میرے ساتھ حج کرنے کے برابر ہے یہ آپ نے اس لئے فرمایا تھا کہ ان ام ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ کے ساتھ حج کے لئے جانے کا ارادہ کر لیا تھا لیکن سواری کی وجہ سے ساتھ نہ جاسکیں جیسے کہ بخاری شریف میں یہ واقعہ منقول ہے۔ حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ تو صاف فرماتے ہیں کہ یہ ام ہانی کے لئے ہی مخصوص ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حج و عمرے کا احرام باندھنے کے بعد بغیر پورا کئے چھوڑنا جائز نہیں، حج اس وقت پورا ہوتا ہے جبکہ قربانی والے دن جمرہ عقبہ کو نکل کر مار لے اور بیت اللہ کا طواف کر لے اور صفا و مروہ کے درمیان دوڑ لے اب حج ادا ہو گیا، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں حج عرفات کا نام ہے اور عمرہ طواف ہے، حضرت عبداللہؓ کی قرات یہ ہے واتموا الحج والعمرة الى البيت عمرہ بیت اللہ تک جاتے ہی پورا ہو گیا، حضرت سعید بن جبیرؓ سے جب یہ ذکر ہوا تو آپؐ نے فرمایا، حضرت ابن عباسؓ کی قرات بھی یہی تھی، حضرت علقمہؓ بھی یہی فرماتے ہیں، ابراہیمؑ سے مروی ہے واقیموا الحج والعمرة الى البيت حضرت شعیبؓ کی قرات میں والعمرة ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔ عمرہ واجب نہیں۔ گو اس کے خلاف بھی ان سے مروی ہے، بہت سی احادیث میں بہت سی سندوں کے ساتھ حضرت انسؓ اور صحابہؓ کی ایک جماعت سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حج و عمرے دونوں کو جمع کیا، اور صحیح حدیث میں ہے کہ آپؐ نے اپنے اصحابؓ سے فرمایا، جس کے ساتھ قربانی کا جانور ہے وہ حج و عمرے کا ایک ساتھ احرام باندھے، ایک اور حدیث میں ہے عمرہ حج میں قیامت تک کے لئے داخل ہو گیا۔ ابو محمد بن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں ایک روایت وارد کی ہے کہ ایک شخص آنحضرت ﷺ کے پاس آیا اور زعفران کی خوشبو سے مہک رہا تھا۔ اس نے پوچھا۔ یا رسول اللہؐ میرے احرام کے بارے میں کیا حکم ہے۔ اس پر یہ آیت اتری۔ حضورؐ نے پوچھا۔ وہ سائل کہاں ہے؟ اس نے کہا، یا رسول اللہؐ میں موجود ہوں، فرمایا اپنے زعفرانی کپڑے اتار ڈال اور خوبل کر غسل کر لو اور جو اپنے حج میں کرتا ہے وہی عمرے میں بھی کر، یہ حدیث غریب ہے اور یہ سیاق عجیب ہے۔ بعض روایتوں میں غسل کا در اس آیت کے نازل ہونے کا ذکر نہیں۔ ایک روایت میں اس کا نام یعلیٰ بن امیہؓ آیا ہے۔ دوسری روایت میں صفوان بن امیہؓ ہے۔ واللہ اعلم۔ پھر فرمایا، اگر تم گھیر لئے جاؤ تو جو قربانی میسر ہو، کر ڈالو۔ مفسرین نے ذکر کیا کہ یہ آیت سن ۶ ہجری میں حدیبیہ کے میدان میں اتری جبکہ مشرکین نے رسول اللہ ﷺ کو مکہ جانے سے روکا تھا اور اسی بارے میں پوری سورہ فتح اتری اور حضورؐ کے صحابہؓ کو رخصت ملی کہ وہ اپنی قربانیوں کو وہیں ذبح کر ڈالیں چنانچہ ستر اونٹ ذبح کئے گئے، سرمنڈوائے گئے اور احرام کھول دیئے گئے۔ اول مرتبہ حضورؐ کے فرمان کو سن کر لوگ ذرا ہلکے اور انہیں انتظار تھا کہ شاید کوئی ناخ حکم اترے یہاں تک کہ خود آپؐ باہر آئے اور اپنا سرمنڈوایا۔ پھر سب لوگ آمادہ ہو گئے۔ بعض نے سر منڈوایا۔ بعض نے کچھ بال کتروائے جس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ سرمنڈوانے والوں پر رحم کرے۔ لوگوں نے کہا حضورؐ بال کتروانے والوں کے لئے بھی دعا کیجئے۔ آپؐ نے پھر سرمنڈوانے والوں کے لئے یہی دعا کی، تیسری مرتبہ کتروانے والوں کے لئے بھی دعا کر دی، سات سات شخص ایک ایک اونٹ میں شریک تھے۔ صحابہؓ کی کل تعداد چودہ تھی، حدیبیہ کے میدان میں ٹھہرے ہوئے تھے جو حرم سے باہر تھا۔ گو یہ بھی مروی ہے کہ حرم کے کنارے پر تھے۔ واللہ اعلم۔

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ حکم صرف ان لوگوں کے لئے ہی ہے جنہیں دشمن گھیرے یا کسی بیماری وغیرہ سے بھی کوئی مجبور ہو جائے تو اس کے لئے بھی رخصت ہے کہ وہ اسی جگہ احرام کھول ڈالے اور سرمنڈو لے اور قربانی کر دے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو صرف پہلی قسم کے لوگوں کے لئے ہی بتاتے ہیں۔ ابن عمرؓ طواس زہری اور زید بن اسلمؓ بھی یہی فرماتے ہیں لیکن مسند احمد کی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ جس شخص کا ہاتھ پاؤں ٹوٹ جائے یا بیمار ہو جائے یا لنگڑا لولا ہو جائے تو وہ حلال ہو گیا۔ وہ اگلے سال حج کر لے۔ راوی حدیث کہتا ہے کہ میں نے اسے ابن عباسؓ اور ابو ہریرہؓ سے ذکر کیا۔ انہوں نے بھی فرمایا۔ سچ ہے۔ سنن اربعہ میں بھی یہ حدیث ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ، ابن زبیرؓ، علقمہؓ، سعید بن مسیبؓ، عروہ بن زبیرؓ، مجاہدؓ، خنیؓ، عطاءؓ، مقاتل بن حیانؓ سے بھی یہی مروی ہے کہ بیمار ہو جانا اور لنگڑا لولا ہو جانا بھی ایسا ہی عذر ہے۔ حضرت سفیان ثوریؓ ہر مصیبت و ایذا کو ایسا ہی عذر بتاتے ہیں، صحیحین کی ایک حدیث میں ہے

کہ حضرت زبیر بن عبد المطلب کی صاحبزادی ضباعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رسول اللہ ﷺ سے دریافت کرتی ہیں کہ حضور میرا ارادہ حج کا ہے لیکن میں بیمار رہتی ہوں۔ آپؐ نے فرمایا۔ حج کو چلی جاؤ اور شرط کر لو کہ میرے احرام سے فارغ ہونے کی وہی جگہ ہوگی جہاں میں مرض کی وجہ سے رک جاؤں اسی حدیث کی بنا پر بعض علماء کرام کا فتویٰ ہے کہ حج میں شرط کرنا ناجائز ہے امام شافعیؒ بھی فرماتے ہیں کہ اگر یہ حدیث صحیح ہو تو میرا قول بھی یہی ہے حضرت امام تہجدیؒ فرماتے ہیں۔ یہ حدیث بالکل صحیح ہے۔

پس امام صاحبؒ کا مذہب بھی یہی ہوا۔ فالحمد للہ۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ جو قربانی میسر ہو اسے قربان کر دے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں یعنی ایک بکری ذبح کر دے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں اونٹ ہو گاے ہو بکری ہو بھیڑ ہو ان کے زہوں ان آٹھوں قسموں میں سے جسے چاہے ذبح کرے ابن عباسؓ سے صرف بکری بھی مروی ہے۔ اور بھی بہت سے مفسرین نے یہی فرمایا اور چاروں اماموں کا بھی یہی مذہب ہے۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت ابن عمرؓ وغیرہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد صرف اونٹ اور گاے ہی ہے غالباً ان کی دلیل حدیبیہ والا واقعہ ہوگا۔ اس میں کسی صحابیؓ سے بکری کا ذبح کرنا منقول نہیں۔ گاے اور اونٹ ہی ان بزرگوں نے قربان کئے ہیں صحیحین میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ہمیں اللہ کے نبیؐ نے حکم دیا کہ ہم سات سات آدمی گاے اور اونٹ میں شریک ہو جائیں حضرت ابن عباسؓ سے یہ بھی منقول ہے کہ جس جانور کے ذبح کرنے کی وسعت ہو اسے ذبح کر ڈالے۔ اگر مالدار ہے تو اونٹ اس سے کم حیثیت والا ہے تو گاے ورنہ پھر بکری حضرت عروہؓ فرماتے ہیں مہنگے ستے داموں پر موقوف ہے۔ جمہور کے اس قول کی کہ بکری کافی ہے یہ دلیل ہے کہ قرآن نے میسر آسان ہونے کا ذکر فرمایا ہے یعنی کم سے کم وہ چیز جس پر قربانی کا اطلاق ہو سکے اور قربانی کے جانور اونٹ گاے بکریاں اور بھیڑیں ہیں جیسے حمر البحر ترجمان قرآن رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد بھائی حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ہے صحیحین کی ایک حدیث میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے ایک مرتبہ بکری کی قربانی کی۔

پھر فرمایا جب تک قربانی اپنی جگہ پر نہ پہنچ لے تم اپنے سروں کو نہ منڈاؤ اس کا عطف و ائتّموا الحج الخ پر ہے فَإِنْ أُخْصِرْتُمْ پر نہیں۔ امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ سے یہاں سہو ہو گیا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ اور آپ کے ساتھیوں نے حدیبیہ والے سال جبکہ مشرکین رکاوٹ بن گئے تھے اور آپ کو حرم میں نہ جانے دیا تو حرم سے باہر ہی سب نے سر بھی منڈوائے اور قربانیاں بھی کر دیں لیکن امن کی حالت میں جبکہ حرم میں پہنچ سکتے ہوں تو جائز نہیں جب تک کہ قربانی اپنی جگہ پر نہ پہنچ جائے اور حاجی حج و عمرے کے جملہ احکام سے فارغ نہ ہو لے۔ اگر وہ حج و عمرے کا ایک ساتھ احرام باندھے ہوئے ہو تو ان میں سے ایک کو کرنے والے ہو تو خواہ اس نے صرف حج کا احرام باندھا ہو خواہ تمتع کی نیت کی ہو بخاری مسلم میں ہے کہ حضرت ام المومنین حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ سب نے تو احرام کھول ڈالے لیکن آپؐ تو احرام میں ہی ہیں۔ آپؐ نے فرمایا ہاں میں نے اپنا سر منڈوا لیا ہے اور اپنی قربانی کے جانور کے گلے میں علامت ڈال دی ہے۔ جب تک یہ ذبح نہ ہو جائے میں احرام نہیں اتار سکتا۔

پھر حکم ہوتا ہے کہ بیمار اور سر کی تکلیف والا شخص فدیہ دے دے۔ صحیح بخاری شریف میں ہے عبد اللہ بن معقل کہتے ہیں کہ میں کوفہ کی مسجد میں حضرت کعب بن عجرہؓ کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے ان سے اس آیت کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے جواب میں کہا کہ مجھے لوگ اٹھا کر حضورؐ کے پاس لے گئے۔ جوئیں میرے منہ پر چل رہی تھیں۔ آپؐ نے مجھے دیکھ کر فرمایا تمہاری حالت یہاں تک پہنچ گئی ہوگی میں خیال بھی نہیں کر سکتا۔ کیا تمہیں اتنی طاقت نہیں کہ ایک بکری ہی ذبح کر ڈالو؟ میں نے کہا حضورؐ میں تو مفلس آدمی ہوں۔ آپؐ نے فرمایا

جاؤ۔ اپنا سرمند وادو اور تین روزے رکھ لینا یا چھ مسکینوں کو آدھا آدھا ساع (تقریباً سو اسیر سو اچھا ٹانک) اناج دے دینا۔ یہ آیت میرے بارے میں اتری ہے اور حکم کے اعتبار سے ہر ایک ایسے معذور شخص کو شامل ہے ایک اور روایت میں ہے کہ ہنڈیا تلے آگ سلگا رہا تھا کہ حضور نے میری یہ حالت دیکھ کر مجھے یہ مسئلہ بتایا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ یہ واقعہ حدیبیہ کا ہے اور میرے سر پر بڑے بڑے بال تھے جن میں بکثرت جوئیں ہو گئی تھیں۔ ابن مردویہ کی روایت میں ہے کہ پھر میں نے سرمند وادیا اور ایک بکری ذبح کر دی۔ ایک اور حدیث میں ہے نسک یعنی قربانی ایک بکری ہے اور روزے اگر رکھے تو تین رکھے۔ اگر صدقہ دے تو ایک فرق (پیمانہ) چھ مسکینوں کے درمیان تقسیم کر دینا ہے حضرت علیؓ، محمد بن کعب، علقمہ، ابراہیم، مجاہد، عطاء، سدی اور ربیع بن انس رحمہم اللہ کا بھی یہی فتویٰ ہے ابن ابی حاتم کی حدیث میں ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تینوں مسئلے بتلا کر فرما دیا تھا کہ اس میں سے جس پر تم چاہو عمل کرو کافی ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جہاں دو تین صورتیں لفظ ”او“ کے ساتھ بیان ہوئی ہوں وہاں اختیار ہوتا ہے جسے چاہے کر لے۔

حضرت مجاہد، عکرمہ، عطاء، طاؤس، حسن، حمید، اعرج، ابراہیم، نخعی اور ضحاک رحمہم اللہ سے بھی یہی مروی ہے۔ چاروں اماموں اور اکثر علماء کا بھی یہی مذہب ہے کہ اگر چاہے روزے رکھ لے اگر چاہے صدقہ کر دے اگر چاہے قربانی کر لے روزے تین ہیں۔ صدقہ ایک فرق یعنی تین صاع یعنی آٹھ سیر میں آدھی چھٹانک کم ہے۔ چھ مسکینوں پر تقسیم کر دے اور قربانی ایک بکری کی ہے۔ ان تینوں صورتوں میں سے جو چاہے کر لے پروردگار رحمن ورحیم کو چونکہ یہاں رخصت دینی تھی اس لئے سب سے پہلے روزے بیان فرمائے جو سب سے آسان صورت ہے پھر صدقہ کا ذکر کیا پھر قربانی کا اور حضور علیہ السلام کو چونکہ افضلیت پر عمل کرانا تھا اس لئے پہلے بکری کی قربانی کا ذکر کیا پھر چھ مسکینوں کو کھلانے کا پھر تین روزے رکھنے کا سبحان اللہ دونوں مقام کے اعتبار سے دونوں ترکیبیں کس قدر درست اور مجمل ہیں۔ فالحمد للہ۔

سعید بن جبیرؒ سے اس آیت کا مطلب پوچھا جاتا ہے تو فرماتے ہیں کہ غلہ کا حکم لگایا جائے گا۔ اگر اس کے پاس ہے تو ایک بکری خرید لے ورنہ بکری کی قیمت درہموں سے لگائی جائے اور اس کا غلہ خریداجائے اور صدقہ کر دیا جائے ورنہ ہر آدھے صاع کے بدلے ایک روزہ رکھے حضرت حسنؒ فرماتے ہیں جب محرم کے سر میں تکلیف ہو تو بال مند وادے اور ان تین میں سے ایک فدیہ ادا کر دے۔ روزے دس ہیں صدقہ دس مسکینوں پر تقسیم کرنا پڑے گا۔ ہر مسکین کو ایک مکوک کھجور اور ایک مکوک گیہوں اور قربانی میں بکری۔ حسنؒ اور عکرمہؒ بھی دس مسکینوں کا کھانا بتلاتے ہیں لیکن یہ اقوال ٹھیک نہیں۔ اس لئے کہ مرفوع حدیث میں آچکا ہے کہ روزے تین ہیں اور چھ مسکینوں کا کھانا ہے اور ان تینوں صورتوں میں اختیار ہے۔ قربانی کی بکری کر دے خواہ تین روزے رکھ لے خواہ چھ فقیروں کو کھانا کھلا دے ہاں یہ ترتیب احرام کی حالت میں شکار کرنے والے پر ہے جیسے کہ قرآن کریم کے الفاظ ہیں اور فقہاء کا اجماع ہے لیکن یہاں ترتیب ضروری نہیں اختیار ہے طاؤسؒ فرماتے ہیں یہ قربانی اور یہ صدقہ مکہ میں ہی کرے لیکن روزے جہاں چاہے رکھ لے۔

ایک اور روایت میں ہے ابو اسماء جو ابن جعفر کے مولیٰ ہیں فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ حج کو نکلے۔ آپؐ کے ساتھ حضرت علیؓ اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی تھے۔ میں ابو جعفر کے ساتھ تھا۔ ہم نے دیکھا کہ ایک شخص سویا ہوا ہے اور اس کی اونٹنی اس کے سر ہانے بندھی ہوئی ہے۔ میں نے اسے جگایا۔ دیکھا تو وہ حضرت حسینؓ تھے۔ ابن جعفر انہیں لے کر چلے یہاں تک کہ ہم سقیا میں پہنچے۔ وہاں بیس دن تک ہم ان کی تیمارداری میں رہے۔ ایک مرتبہ حضرت علیؓ نے پوچھا کیا حال ہے؟ جناب حسینؓ نے اپنے سر کی طرف اشارہ کیا۔ آپؐ نے حکم دیا کہ سرمند والو۔ پھر اونٹ منگو کر ذبح کر دیا تو اگر اس اونٹ کا نحر کرنا احرام سے حلال ہونے کے لئے تھا تو خیر اور اگر یہ فدیہ کے لئے تھا تو ظاہر ہے کہ مکہ کے باہر یہ قربانی ہوئی۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ تمتع والا شخص بھی قربانی کرے خواہ حج و عمرے کا ایک ساتھ

احرام باندھا ہو یا پہلے عمرے کا احرام باندھا ہو یا اس سے فارغ ہو کر حج کا احرام باندھا ہو اصل تمتع یہی ہے اور فقہاء کے کلام میں بھی مشہور یہی ہے اور عام تمتع ان دونوں قسموں کو شامل ہے جیسے کہ اس پر صحیح حدیثیں دلالت کرتی ہیں۔ بعض راوی تو کہتے ہیں کہ حضورؐ نے خود حج تمتع کیا تھا۔ بعض کہتے ہیں آپؐ قارن تھے اور اتنا سب کہتے ہیں کہ قربانی کے جانور آپؐ کے ساتھ تھے پس آیت میں یہ حکم ہے کہ تمتع کرنے والا جس قربانی پر قادر ہو وہ کر ڈالے جس کا ادنیٰ درجہ ایک بکری کو قربان کرنا ہے۔ گوگائے کی قربانی بھی کر سکتا ہے چنانچہ حضورؐ نے اپنی بیویوں کی طرف سے گائے کی قربانی کی تھی جو سب کی سب تمتع والی تھیں (ابن مردودہ)

اس سے ثابت ہوا کہ تمتع بھی مشروع ہے عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ تمتع کی آیت بھی قرآن میں نازل ہو چکی ہے اور ہم نے خود آنحضرت ﷺ کے ساتھ تمتع کیا۔ پھر نہ تو قرآن میں اس کی ممانعت نازل ہوئی نہ حضورؐ نے اس سے روکا لیکن لوگوں نے اپنی رائے سے اسے ممنوع قرار دیا، امام بخاریؒ فرماتے ہیں اس سے مراد غالباً حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ حضرت امام احمد شہن کی یہ بات بالکل صحیح ہے حضرت عمرؓ سے منقول ہے کہ وہ لوگوں کو اس سے روکتے تھے اور فرماتے تھے کہ اگر ہم کتاب اللہ کو لیں تو اس میں بھی حج و عمرے کے پورا کرنے کا حکم موجود ہے۔ وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ لیکن یہ یاد رہے کہ لوگ بکثرت بیت اللہ شریف کا قصد حج و عمرے کے ارادے سے کریں جیسے کہ آپؐ سے صراحتاً مروی ہے۔ پھر فرمایا جنھیں قربانی نہ کر سکے وہ تین روزے حج میں رکھ لے اور سات روزے اس وقت رکھ لے جب حج سے لوٹے۔ یہ پورے دس ہو جائیں گے یعنی قربانی کی طاقت جسے نہ ہو وہ روزے رکھ لے تین تو ایام حج میں اور بقیہ بعد میں علماء کا فرمان ہے کہ اولیٰ یہ ہے کہ یہ روزے عرفے سے پہلے پہلے ذی الحج کے دنوں میں رکھ لے حضرت عطاءؒ کا قول یہی ہے یا احرام باندھتے ہی رکھ لے۔ حضرت ابن عباسؓ وغیرہ کا قول یہی ہے کیونکہ فی الحج کا لفظ ہے۔ حضرت طاووسؓ مجاہدؒ وغیرہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ اول شوال میں بھی یہ روزے جائز ہیں حضرت شعبیؒ وغیرہ فرماتے ہیں ان روزوں کو اگر عرفہ کے دن کا روزہ شامل کر کے ختم کرے تو بھی اختیار ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی یہ منقول ہے کہ اگر عرفے سے پہلے دو دنوں میں دو روزے رکھ لے اور تیسرا عرفہ کے دن ہو تو بھی جائز ہے حضرت ابن عمرؓ بھی فرماتے ہیں ایک روزہ یوم الترویہ سے پہلے ایک یوم الترویہ کا ایک عرفہ کا حضرت علیؓ کا فرمان بھی یہی ہے۔ اگر کسی شخص سے یہ تینوں روزے یا ایک دو چھوٹ گئے ہوں اور ایام تشریق یعنی بقرہ عید کے بعد کے تین دن آجائیں تو حضرت عائشہؓ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا فرمان ہے کہ وہ ان دنوں میں بھی یہ روزے رکھ سکتا ہے۔ (بخاری) امام شافعیؒ کا بھی پہلا قول یہی ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بھی یہ مروی ہے حضرت عکرمہؒ حسن بصریؒ اور عروہ بن زبیر رحمہم اللہ سے بھی شامل ہے۔

حضرت امام شافعیؒ کا نیا قول یہ ہے کہ ان دنوں میں یہ روزے ناجائز ہیں کیونکہ صحیح مسلم شریف میں حدیث ہے کہ ایام تشریق کھانے پینے اور اللہ کا ذکر کرنے کے دن ہیں۔ پھر سات روزے لوٹنے کے وقت۔ اس سے مراد یا تو یہ ہے کہ جب لوٹ کر اپنی قیام گاہ پہنچ جاؤ۔ پس لوٹنے وقت راستہ میں بھی یہ سات روزے رکھ سکتا ہے۔ مجاہدؒ اور عطاءؒ بھی کہتے ہیں یا مراد وطن میں پہنچ جانے سے ہے۔ ابن عمرؓ بھی فرماتے ہیں۔ اور بھی بہت سے تابعین کا یہی مذہب ہے بلکہ ابن جریرؒ تو اس پر اجماع بتاتے ہیں بخاری شریف کی ایک مطول حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے حجۃ الوداع میں عمرے کا حج کے ساتھ تمتع کیا اور قربانی دی ذوالحلیفہ سے آپؐ نے قربانی ساتھ لے لی تھی۔ عمرے کے پھر حج کی تہلیل کی۔ لوگوں نے بھی آپؐ کے ساتھ تمتع کیا۔ بعض لوگوں نے تو قربانی ساتھ ہی رکھ لی تھی۔

بعض کے ساتھ قربانی کے جانور نہ تھے۔ مکہ شریف پہنچ کر آپؐ نے فرمایا کہ جس کے ساتھ قربانی ہے وہ حج فتم ہونے تک احرام میں رہے اور جس کے ساتھ قربانی نہیں وہ بیت اللہ شریف کا طواف کر کے صفا و مردہ کے درمیان دوڑ کر احرام کھول ڈالے سر کے بال منڈوا لے یا

کتر والے۔ پھر حج کا احرام باندھے۔ اگر قربانی کی طاقت نہ ہو تو تین روزے تو حج میں رکھ لے اور سات روزے جب اپنے وطن پہنچے تب رکھ لے (بخاری مسلم) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ سات روزے وطن میں جانے کے بعد ہیں۔ پھر فرمایا 'یہ پورے دس ہیں۔ یہ فرمان تاکید کے لئے ہے جیسے عربوں میں کہا جاتا ہے میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ کانوں سے سنا۔ ہاتھ سے لکھا اور قرآن میں بھی ہے وَلَا طَیْرٌ یَّطِیْرُ بِحَنَاحَیْہِ نہ کوئی پرند جو اپنے دونوں پروں سے اڑتا ہو اور جگہ ہے وَلَا تَخْطُہُ بِیَمَیْنِکَ تو اپنے دائیں ہاتھ سے لکھنا نہیں اور جگہ ہے "ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو تیس راتوں کا وعدہ دیا اور دس اور اس کے ساتھ پوری اور اس کے رب کا وقت مقررہ چالیس راتوں کو پورا ہوا" پس جیسے ان سب جگہوں میں صرف تاکید ہے ایسے ہی یہ جملہ بھی تاکید کے لئے ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ حکم ہے تمام و کمال کرنے کا اور کاملہ کا مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ یہ قربانی کے بدلے کافی ہیں۔ اس کے بعد فرمایا گیا ہے 'یہ حکم ان لوگوں کے لئے ہے جن کے گھر والے مسجد حرام کے رہنے والے نہ ہوں۔ اس پر تو اجماع ہے کہ حرم والے تمتع نہیں کر سکتے۔

حضرت ابن عباسؓ کی فرماتے ہیں بلکہ آپ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا 'اے مکہ والو تم تمتع نہیں کر سکتے۔ باہر والوں کے لئے تمتع ہے۔ تم کو تو ذرا سی دور جانا پڑتا ہے۔ تھوڑا سا فاصلہ طے کیا۔ پھر عمرے کا احرام باندھ لیا۔ حضرت طاؤسؓ کی تفسیر بھی یہی ہے لیکن حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میقات یعنی احرام باندھنے کے مقامات کے اندر ہوں وہ بھی اسی حکم میں ہیں۔ ان کے لئے بھی تمتع کرنا جائز نہیں، مکحول بھی یہی فرماتے ہیں 'تو عرفات والوں کا، مزدلفہ والوں کا، عرفہ اور ربیع کے رہنے والوں کا بھی یہی حکم ہے 'زہری' فرماتے ہیں 'مکہ شریف سے ایک دن کی راہ کے فاصلہ پر ہوا اس کے قریب وہ تو تمتع کر سکتا ہے۔ اور لوگ نہیں کر سکتے' حضرت عطاءؒ دو دن بھی فرماتے ہیں 'امام شافعیؒ کا مذہب یہ ہے کہ اہل حرم اور جو اتنے فاصلے پر ہوں کہ وہاں کئی لوگوں کے لئے نماز قصر کرنا جائز نہ ہو ان سب کے لئے یہی حکم ہے۔ اس لئے کہ یہ سب حاضر کہے جائیں گے۔ ان کے علاوہ سب مسافر اور ان سب کے لئے حج میں تمتع کرنا جائز ہے۔ واللہ اعلم۔ پھر فرمایا۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ اس کے احکام بجالاؤ۔ جن کاموں سے اس نے منع کیا ہے رک جاؤ اور یقین رکھو کہ اس کے نافرمانوں کو وہ سخت سزا کرتا ہے۔

الْحَجُّ أَشْهُرٌ مَّعْلُومَاتٌ فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ وَمَا تَفَعَّلُوا مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمْهُ اللَّهُ وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَىٰ وَاتَّقُونِ يَا أُولِيَ الْأَلْبَابِ ﴿۱۹۷﴾

حج کے مہینے مقرر ہیں۔ جو شخص ان میں حج مقرر کرے وہ اپنی بیوی سے میل ملاپ کرنے، گناہ کرنے اور لڑائی جھگڑے کرنے سے بچتا رہے تم جو نیکی کرو گے اس سے اللہ تعالیٰ باخبر ہے اور اپنے ساتھ سفر خرچ لے لیا کرو سب سے بہتر تو اللہ تعالیٰ کا ڈر ہے اور اے عظیم و مجھ سے ڈرتے رہا کرو ○

احرام کے مسائل: ☆☆ (آیت: ۱۹۷) عربی دان حضرات نے کہا ہے کہ مطلب اگلے جملہ کا یہ ہے کہ حج حج ہے۔ ان مہینوں کا جو معلوم اور مقرر ہیں، پس حج کے مہینوں میں احرام باندھنا دوسرے مہینوں کے احرام سے زیادہ کامل ہے گو اور ماہ کا احرام بھی صحیح ہے، امام مالک، امام ابو حنیفہ، امام احمد، امام اہلق، امام ابراہیم نفعی، امام ثوری، امام لیث اللہ تعالیٰ ان پر سب رحمتیں نازل فرمائے فرماتے ہیں کہ سال بھر میں جس مہینہ میں چاہے حج کا احرام باندھ سکتا ہے۔ ان بزرگوں کی دلیل یَسْأَلُونَكَ عَنِ الْاٰهْلِةِ الْخٰیجَةِ ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ حج اور عمرہ دونوں کو نسک کہا گیا ہے اور عمرے کا احرام ہر مہینہ میں باندھ سکتا ہے تو حج کا احرام بھی جب باندھے گا صحیح ہوگا ہاں حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ حج کا احرام حج کے مہینوں میں ہی باندھنا صحیح ہوگا بلکہ اگر اور ماہ میں حج کا احرام باندھا تو غیر صحیح ہے لیکن اس سے عمرہ بھی ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اس میں امام صاحب کے دو قول ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ حضرت جابرؓ حضرت عطاءؓ مجاہد رحمہم اللہ کا بھی یہی مذہب ہے کہ حج کا احرام حج کے مہینوں کے سوا باندھنا غیر صحیح ہے اور اس پر دلیل الحج اشہر معلومت ہے۔ عربی داں حضرات کی ایک دوسری جماعت کہتی ہے کہ آیت کے ان الفاظ سے مطلب یہ ہے کہ حج کا وقت خاص خاص مقرر کردہ مہینے میں تو ثابت ہوا کہ ان مہینوں سے پہلے حج کا جو احرام باندھے گا وہ صحیح نہ ہوگا۔ جس طرح نماز کے وقت سے پہلے کوئی نماز پڑھ لے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمیں مسلم بن خالد نے خبر دی انہوں نے ابن جریجؒ سے سنا اور انہیں عمر بن عطاءؓ نے کہا ان سے عکرمہؒ نے ذکر کیا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ہے کہ کسی شخص کو لائق نہیں کہ حج کے مہینوں کے سوا بھی حج کا احرام باندھے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے الحج اشہر معلومات اس روایت کی اور بھی بہت سی سندیں ہیں۔

ایک سند میں ہے کہ سنت یہی ہے صحیح ابن خزیمہ میں بھی یہ روایت منقول ہے۔ اصول کی کتابوں میں یہ مسئلہ طے شدہ ہے کہ صحابیؓ کا فرمان حکم میں مرفوع حدیث کے مساوی ہوتا ہے پس یہ حکم رسولؐ ہو گیا اور صحابیؓ بھی یہاں وہ صحابیؓ ہیں جو مفسر قرآن اور ترجمان القرآن ہیں۔ علاوہ ازیں ابن مردویہ کی ایک مرفوع حدیث میں ہے حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ حج کا احرام باندھنا کسی کو سواج کے مہینوں کے لائق نہیں۔ اس کی اسناد بھی اچھی ہے لیکن شافعیؒ اور تیمیؒ نے روایت کی ہے کہ اس حدیث کے راوی حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا گیا کہ حج کے مہینوں سے پہلے حج کا احرام باندھ لیا جائے تو آپ نے فرمایا نہیں یہ موقوف حدیث ہی زیادہ ثابت اور زیادہ صحیح ہے اور صحابیؓ کے اس فتوے کی تقویت حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے کہ سنت یوں ہے۔ واللہ اعلم۔ اشہر معلومات سے مراد حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں شوال ذوالقعدہ اور دس دن ذوالحجہ کے ہیں (بخاری) یہ روایت ابن جریرؒ میں بھی ہے مستدرک حکم میں بھی ہے اور امام حاکمؒ اسے صحیح بتلاتے ہیں حضرت عمرؓ حضرت علیؓ حضرت ابن مسعودؓ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی یہی مروی ہے حضرت عطاءؓ حضرت مجاہدؓ حضرت ابراہیمؒ حضرت شعیبؓ حضرت حسنؓ حضرت ابن سیرینؓ حضرت کھولؓ حضرت قتادہؓ حضرت ضحاک بن مزاحمؓ حضرت ربیع بن انسؓ حضرت مقاتل بن حیانؓ رحمہم اللہ بھی یہی کہتے ہیں حضرت امام شافعیؒ امام ابو حنیفہؒ امام احمد بن حنبلؒ ابو یوسفؒ اور ابو ثور رحمۃ اللہ علیہم کا بھی یہی مذہب ہے امام ابن جریرؒ بھی اسی قول کو پسند فرماتے ہیں۔ اشہر کا لفظ جمع ہے تو اس کا اطلاق دو پورے مہینوں اور تیسرے کے بعض حصے پر بھی ہو سکتا ہے جیسے عربی میں کہا جاتا ہے میں نے اس سال یا آج کے دن اسے دیکھا ہے۔ پس حقیقت میں سارا سال اور پورا دن تو دیکھنا نہیں رہتا بلکہ دیکھنے کا وقت تھوڑا ہی ہوتا ہے مگر اغلباً (تقریباً) ایسا بول دیا کرتے ہیں۔ اسی طرح یہاں بھی اغلباً تیسرے مہینہ کا ذکر ہے قرآن میں بھی ہے فمن تعجل فی یومین حالانکہ وہ جلدی ڈیڑھ دن کی ہوتی ہے مگر گنتی میں دو دن کہے گئے امام مالکؒ امام شافعیؒ کا ایک پہلا قول یہ بھی ہے کہ شوال ذوالقعدہ اور ذوالحجہ کا پورا مہینہ ہے ابن عمرؓ سے بھی یہی مروی ہے ابن شہابؒ عطاءؓ جابر بن عبداللہؓ سے بھی یہی مروی ہے۔ طاؤسؓ مجاہدؓ عروہؓ ربیع اور قتادہؓ رحمہم اللہ سے بھی یہی مروی ہے ایک مرفوع حدیث میں بھی یہ آیا ہے لیکن وہ موضوع ہے کیونکہ اس کا راوی حسین بن خارقؒ ہے جس پر احادیث کو وضع کرنے کی تہمت ہے بلکہ اس کا مرفوع ہونا ثابت نہیں۔ واللہ اعلم۔

امام مالکؒ کے اس قول کو مان لینے کے بعد یہ ثابت ہوتا ہے کہ ذوالحجہ کے مہینے میں عمرہ کرنا صحیح نہ ہوگا۔ یہ مطلب نہیں کہ دس ذی الحجہ کے بعد بھی حج ہو سکتا ہے چنانچہ حضرت عبداللہؓ سے روایت ہے کہ حج کے مہینوں میں عمرہ درست نہیں امام ابن جریرؒ بھی ان اقوال کا یہی مطلب

بیان کرتے ہیں کہ حج کا زمانہ تو مئی کے دن گذرتے ہی جاتا رہا محمد بن سیرین کا بیان ہے کہ میرے علم میں تو کوئی اہل علم ایسا نہیں جو حج کے مہینوں کے علاوہ عمرہ کرنے کو ان مہینوں کے اندر عمرہ کرنے سے افضل ماننے میں شک کرتا ہو قاسم بن محمد سے ابن عون نے حج کے مہینوں میں عمرہ کرنے کے مسئلہ کو پوچھا تو آپ نے جواب دیا کہ اسے لوگ پورا عمرہ نہیں مانتے، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی حج کے مہینوں کے علاوہ عمرہ کرنا پسند فرماتے تھے بلکہ ان مہینوں میں عمرہ کرنے کو منع کرتے تھے۔ واللہ اعلم (اس سے اگلی آیت کی تفسیر میں گذر چکا ہے) کہ رسول اللہ ﷺ نے ذوالقعدہ میں چاروں عمرے ادا فرمائے ہیں اور ذوالقعدہ بھی حج کا مہینہ ہے۔ پس حج کے مہینوں میں عمرہ ادا فرماتے ہیں اور ذوالقعدہ بھی حج کا مہینہ ہے۔ پس حج کے مہینوں میں عمرہ کرنا جائز ٹھہرا۔ واللہ اعلم۔ مترجم) پھر ارشاد ہوتا ہے کہ جو شخص ان مہینوں میں حج مقرر کرے یعنی حج کا احرام باندھ لے۔ اس سے ثابت ہوا کہ حج کا احرام باندھنا اور اسے پورا کرنا لازم ہے۔ فرض سے مراد یہاں واجب و لازم کر لینا ہے ابن عباسؓ فرماتے ہیں حج اور عمرے کا احرام باندھنے والا مراد ہے۔ عطاءؓ فرماتے ہیں فرض سے مراد احرام ہے ابراہیم اور ضحاکؓ کا بھی یہی قول ہے ابن عباسؓ فرماتے ہیں احرام باندھ لینے اور لبیک پکار لینے کے بعد کہیں ٹھہرا رہنا ٹھیک نہیں اور بزرگوں کا بھی یہی قول ہے، بعض بزرگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ فرض سے مراد لبیک پکارنا ہے۔ رفق سے مراد جماع ہے جیسے اور جگہ قرآن میں ہے اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَائِكُمْ یعنی روزے کی راتوں میں اپنی بیویوں سے جماع کرنا تمہارے لئے حلال کیا گیا ہے احرام کی حالت میں جماع اور اس کے تمام مقدمات بھی حرام ہیں جیسے مباشرت کرنا، بوسہ لینا، ان باتوں کا عورتوں کی موجودگی میں ذکر کرنا۔ گو بعض نے مردوں کی محفلوں میں بھی ایسی باتیں کرنے کو رفق میں داخل کیا ہے لیکن حضرت ابن عباسؓ سے اس کے خلاف مروی ہے۔ انہوں نے ایک مرتبہ کوئی ایسا ہی شعر پڑھا اور دریافت کرنے پر فرمایا کہ عورتوں کے سامنے اس قسم کی باتیں کرنی رفق ہے۔ رفق کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ جماع وغیرہ کا ذکر کیا جائے، فحش باتیں کرنا، دبی زبان سے ایسے ذکر کرنا، اشاروں کنایوں میں جماع کا ذکر اپنی بیوی سے کہنا کہ احرام مکمل جائے تو جماع کریں گے، پھیڑ چھا کرنا، مساس کرنا وغیرہ یہ سب رفق میں داخل ہے اور احرام کی حالت میں یہ سب باتیں حرام ہیں مختلف مفسروں کے مختلف اقوال کا مجموعہ یہ ہے۔ فسوق کے معنی عصیان و نافرمانی، شکار گالی گلوچ وغیرہ بد زبانی ہے جیسے حدیث میں ہے مسلمان کو گولی دینا فسق ہے اور اسے قتل کرنا کفر ہے اللہ کے سوا دوسروں کے تقرب کے لئے جانوروں کو ذبح کرنا بھی فسق ہے جیسے قرآن کریم میں ہے اَوْ فِسْقًا اٰهْلًا لِغَيْرِ اللّٰهِ بِہِـدَالِقَابِ سے یاد کرنا بھی فسق ہے قرآن فرماتا ہے لَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ مختصر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہر نافرمانی فسق میں داخل ہے گو یہ فسق ہر وقت حرام ہے لیکن حرمت والے مہینوں میں اس کی حرمت اور بڑھ جاتی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَلَا تَظْلُمُوا فِيْهِمْ اَنْفُسَكُمْ اِنَّ حَرَمْتَ وَالْمَہِیْنُوں میں اپنی جان پر ظلم نہ کرو۔ اس طرح حرم میں بھی یہ حرمت بڑھ جاتی ہے۔ ارشاد ہے وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِالْحَادِ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابِ الْاَلِیْمِ یعنی حرم میں جو الحاد اور بے دینی کا ارادہ کرے اور اسے ہم المناک عذاب کریں گے، امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں یہاں مراد فسق سے وہ کام ہیں جو احرام کی حالت میں منع ہیں جیسے شکار کھیلنا، بال منڈوانا یا کتروانا، ناخن لینا وغیرہ، حضرت ابن عمرؓ سے بھی یہی مروی ہے لیکن بہترین تفسیر وہی ہے جو ہم نے بیان کی یعنی ہر گناہ سے روکا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔ صحیحین میں ہے جو شخص بیت اللہ کا حج کرے نہ رفق کرے نہ فسق تو وہ گناہوں سے ایسا نکل جاتا ہے جیسے اپنے پیدا ہونے کے دن تھا۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ حج میں جھگڑا نہیں یعنی حج کے وقت اور حج کے ارکان وغیرہ میں جھگڑا نہ کرو اور اس کا پورا بیان اللہ تعالیٰ نے فرما دیا ہے۔ حج کے مہینے مقرر ہو چکے ہیں۔ ان میں کی زیادتی نہ کرو، موسم حج کو آگے پیچھے نہ کرو جیسا کہ مشرکین کا وطیرہ تھا جس کی مذمت قرآن کریم

میں اور جگہ فرمادی گئی ہے اسی طرح قریش مشعر حرام کے پاس مزدلفہ میں ٹھہر جاتے تھے اور باقی عرب عرفات میں ٹھہرتے تھے۔ پھر آپس میں جھگڑتے تھے اور ایک دوسرے سے کہتے تھے کہ ہم صحیح راہ پر اور طریق ابراہیمی پر ہیں جس سے یہاں ممانعت کی جارہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کے ہاتھوں وقت حج، ارکان حج اور ٹھہرنے وغیرہ کی جگہیں بیان کر دی ہیں۔ اب نہ کوئی ایک دوسرے پر فخر کرے نہ حج کے دن آگے پیچھے کرے۔ پس یہ جھگڑے اب میٹ دو۔ واللہ اعلم۔ یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ حج کے سفر میں آپس میں نہ جھگڑو نہ ایک دوسرے کو غصہ دلاؤ نہ کسی کو گالیاں دو۔ بہت سے مفسرین کا یہ قول بھی ہے اور بہت سے مفسرین کا پہلا قول بھی ہے۔ حضرت عکرمہؓ فرماتے ہیں کہ کسی کا اپنے غلام کو ڈانٹ ڈپٹ کر نایہ اس میں داخل نہیں ہاں مارے نہیں۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ غلام کو اگر مار بھی لے تو کوئی ڈر خوف نہیں۔

مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر حج میں تھے اور عرج میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آنحضرت ﷺ کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں اور حضرت اسماءؓ اپنے والد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آنحضرت ﷺ کے اونٹوں کا سامان حضرت ابوبکرؓ کے خادم کے پاس تھا۔ حضرت صدیقؓ اس کا انتظار کر رہے تھے۔ تھوڑی دیر میں وہ آ گیا۔ اس سے پوچھا کہ اونٹ کہاں ہے؟ اس نے کہا۔ حضرت کل رات کو گم ہو گیا۔ آپ ناراض ہوئے اور فرمانے لگے ایک اونٹ کو بھی تو سنبھال نہ سکا۔ یہ کہہ کر آپ نے اسے مارا۔ نبی ﷺ مسکرا رہے تھے اور فرماتے جارہے تھے دیکھو احرام کی حالت میں یہ کیا کر رہے ہیں؟ یہ حدیث ابوداؤد اور ابن ماجہ میں بھی ہے، بعض سلف سے یہ بھی مروی ہے کہ حج کے تمام ہونے میں یہ بھی ہے لیکن یہ خیال رہے کہ آنحضور ﷺ کا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس کام پر یہ فرمانا اس میں نہایت لطافت کے ساتھ ایک قسم کا انکار ہے پس مسئلہ یہ ہوا کہ اسے چھوڑ دینا ہی اولیٰ ہے۔ واللہ اعلم۔

مسند عبد بن حمید میں ہے کہ جو شخص اپنا حج پورا کرے اور مسلمان اس کی زبان اور ہاتھ سے ایذا نہ پائیں اس کے تمام اگلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ پھر فرمایا تم جو بھلائی کرو اس کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے۔ چونکہ اوپر ہر بڑائی سے روکا تھا کہ نہ کوئی برا کام کرو نہ بری بات کہو تو یہاں نیکی کی رغبت دلائی جارہی ہے کہ ہر نیکی کا پورا پورا بدلہ قیامت کے دن پاؤ گے۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ توشہ اور سفر خرچ لے لیا کرو۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں لوگ بلا خرچ ”سفر“ حج کو نکل کھڑے ہوتے تھے۔ پھر لوگوں سے مانگتے پھرتے۔ جس پر یہ حکم ہوا، حضرت عکرمہؓ حضرت عیینہؓ بھی یہی فرماتے ہیں بخاری، نسائی وغیرہ میں یہ روایتیں مروی ہیں ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ عینی لوگ ایسا کرتے تھے اور اپنے تئیں متوکل کہتے تھے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ جب احرام باندھتے تو جو کچھ توشہ بھنا ہوتا سب پھینک دیتے اور نئے سرے سے نیا سامان کرتے۔ اس پر یہ حکم ہوا کہ ایسا نہ کرو۔ آنا ستو وغیرہ تو شے ہیں۔ ساتھ لے لو۔ دیگر بہت سے معتبر مفسرین نے بھی اسی طرح کہا ہے بلکہ ابن عمرؓ تو یہ بھی فرماتے ہیں کہ انسان کی عزت اسی میں ہے کہ وہ عمدہ سامان سفر ساتھ رکھے، آپ اپنے ساتھیوں سے دل کھول کر خرچ کرنے کی شرط کر لیا کرتے تھے۔ چونکہ دنیوی توشہ کا حکم دیا ہے تو ساتھ ہی فرمایا ہے کہ آخرت کے توشہ کی تیاری بھی کر لو یعنی اپنی قبر میں اپنے ساتھ خوف خدا لے کر جاؤ جیسے اور جگہ لباس کا ذکر کر کے ارشاد فرمایا وَلِبَاسُ التَّقْوَىٰ ذَٰلِكَ خَيْرٌ۔ پرہیزگاری کا لباس بہتر ہے، یعنی خشوع و خضوع، طاعت و تقویٰ کے باطنی لباس سے بھی خالی نہ رہو بلکہ یہ لباس اس ظاہری لباس سے کہیں زیادہ بہتر اور نفع دینے والا ہے ایک حدیث میں بھی ہے کہ دنیا میں اگر کچھ کھوؤ گے تو آخرت میں پاؤ گے۔ یہاں کا توشہ وہاں فائدہ دے گا (طبرانی) اس حکم کو سن کر ایک مسکین صحابیؓ نے حضور

سے کہا، یا رسول اللہ ہمارے پاس تو کچھ ہے ہی نہیں۔ آپؐ نے فرمایا اتنا تو ہونا چاہئے جس سے کسی سے سوال نہ کرنا پڑے اور بہترین خزانہ اللہ تعالیٰ کا خوف ہے (ابن ابی حاتم)

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ عقلمندو! مجھ سے ڈرتے رہا کرو یعنی میرے غذاہوں سے، میری پکڑ دھکڑ سے، میری گرفت سے، میری سزاؤں سے ڈرؤ، دُوب کر میرے احکام کی تعمیل کرو، میرے ارشاد کے خلاف نہ کرو تا کہ نجات پاسکو۔ یہی عقلی امتیاز ہے۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِّن رَّبِّكُمْ فَإِذَا أَفَضْتُمْ
مِّنْ عَرَفَتٍ فَأَذْكُرُوا اللَّهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ وَاذْكُرُوهُ
كَمَا هَدَيْتُكُمْ وَإِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهِ لَمَنِ الضَّالِّينَ ۝

تم پر اپنے رب کا فضل تلاش کرنے میں کوئی گناہ نہیں۔ جب تم عرفات سے لوٹو تو مشعر الحرام کے پاس ذکر اللہ کرو۔ اس کا ذکر کرو جیسے کہ اس نے تمہیں ہدایت دی حالانکہ تم اس سے پہلے راہ بھولے ہوئے تھے ○

تجارت اور حج: ☆ ☆ (آیت: ۱۹۸) صحیح بخاری شریف میں اس آیت کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جاہلیت کے زمانہ میں عکاظ، بجنہ اور ذوالحجۃ نامی بازار تھے۔ اسلام کے بعد صحابہ کرامؓ ایام حج میں تجارت کو گناہ سمجھ کر ڈرے تو انہیں اجازت دی گئی کہ ایام حج میں تجارت کرنا گناہ نہیں، ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ یہ مسئلہ آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا گیا جس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ حج کے دنوں میں احرام سے پہلے یا احرام کے بعد حاجی کے لئے خرید و فروخت حلال ہے، ابن عباسؓ کی قرأت میں من ربکم کے بعد فی موسم الحج کا لفظ بھی ہے، ابن زبیرؓ سے بھی یہی مروی ہے۔ دوسرے مفسرین نے بھی اس کی تفسیر اسی طرح کی ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا گیا کہ ایک شخص حج کو نکلتا ہے اور ساتھ ہی خوش الحانی کے ساتھ پڑھتا جاتا ہے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ آپؓ نے یہی آیت پڑھ کر سنائی (ابن جریر)

مسند احمد کی روایت میں ہے کہ ابوامامہؓ نے حضرت ابن عمرؓ سے پوچھا کہ ہم حج میں جانور کرایہ پر دیتے ہیں۔ کیا ہمارا بھی حج ہوتا ہے؟ آپؓ نے فرمایا کہ تم بیت اللہ شریف کا طواف نہیں کرتے؟ کیا تم عرفات میں نہیں ٹھہرتے؟ کیا تم شیطانوں کو کنکریاں نہیں مارتے؟ کیا تم سر نہیں منڈواتے؟ اس نے کہا یہ سب کام تو ہم کرتے ہیں تو آپؓ نے فرمایا، سنو ایک شخص نے یہی سوال نبی ﷺ سے کیا تھا اور اس کے جواب میں حضرت جبریل علیہ السلام آیت لیس علیکم جناح الخ لے کر اترے اور حضورؐ نے اسے بلا کر فرمایا کہ تم حاجی ہو۔ تمہارا حج ہو گیا، مسند عبدالرزاق میں بھی یہ روایت ہے اور تفسیر عبد بن حمید وغیرہ میں بھی۔ بعض روایتوں میں الفاظ کی کچھ کمی بیشی بھی ہے، ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ کیا تم احرام نہیں باندھتے؟

امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال ہوتا ہے کہ کیا آپ حضرات حج کے دنوں میں تجارت بھی کرتے تھے؟ آپؓ نے فرمایا اور تجارت کا موسم ہی کونسا تھا؟ عرفات کو منصرف (یعنی تصرف کر کے) پڑھا گیا ہے حالانکہ اس کے غیر منصرف ہونے کے دو سبب اس میں موجود ہیں یعنی (اسم علم) اور تانیث، اس لئے کہ دراصل یہ جمع ہے جیسے مسلمات اور مومنات ایک خاص جگہ کا نام مقرر کر دیا گیا ہے۔ اس لئے اصلیت کی رعایت کی گئی اور منصرف پڑھا گیا، عرفہ وہ جگہ ہے جہاں کا ٹھہرنا حج کا بنیادی رکن ہے، مسند احمد وغیرہ میں حدیث ہے کہ حج عرفات ہے۔ تین مرتبہ حضورؐ نے یہی فرمایا۔ جو سورج نکلنے سے پہلے عرفات میں پہنچ گیا، اس نے حج کو پایا، منی کے تین

دنوں میں جلدی یادیر کی جاسکتی ہے۔ اس پر کوئی گناہ نہیں، ٹھہرنے کا وقت عرفہ کے دن سورج ڈھلنے کے بعد سے لے کر عید کی صبح صادق کے طلوع ہونے تک ہے، نبی ﷺ جتہ الوداع میں ظہر کی نماز کے بعد سورج غروب ہونے تک یہاں ٹھہرے رہے اور فرمایا تھا مجھ سے حج کے طریقے سیکھ لو، حضرت امام مالکؒ، امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ کا بھی مذہب ہے کہ دسویں کی فجر سے پہلے جو شخص عرفات میں پہنچ جائے، اس نے حج پالیا، حضرت امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ٹھہرنے کا وقت عرفہ کے دن کے شروع سے ہے۔ ان کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ مزدلفہ میں نماز کے لئے نکلے تو ایک شخص حاضر خدمت ہوا اور اس نے پوچھا کہ یا رسول اللہ میں طلی کی پہاڑیوں سے آ رہا ہوں۔ اپنی سواری کو میں نے تھکا دیا اور اپنے نفس پر بڑی مشقت اٹھائی۔ واللہ ہر ہر پہاڑ پر ٹھہرتا آیا ہوں۔ کیا میرا حج ہو گیا؟ آپؐ نے فرمایا جو شخص ہمارے یہاں کی اس نماز میں پہنچ جائے اور ہمارے ساتھ چلتے وقت تک ٹھہرا رہے اور اس سے پہلے وہ عرفات میں بھی ٹھہر چکا ہو، خواہ رات کو خواہ دن کو، اس کا حج پورا ہو گیا اور وہ فریضہ سے فارغ ہو گیا (مسند احمد و سنن) امام ترمذیؒ اسے صحیح کہتے ہیں۔ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو بھیجا اور انہوں نے آپؐ کو حج کرایا جب عرفات میں پہنچے تو پوچھا کہ عرفہ کیا تم نے پہچان لیا؟ حضرت خلیل اللہؑ نے جواب دیا عرفہ میں نے جان لیا کیونکہ اس سے پہلے یہاں آچکے تھے اس لئے اس جگہ کا نام ہی عرفہ ہو گیا، حضرت عطاءؒ حضرت ابن عباسؒ حضرت ابن عمرؒ اور حضرت ابو بکرؓ سے بھی یہی مروی ہے۔ واللہ اعلم۔ عرفات کا نام ”مشعر الحرام“، ”مشعر الاقصی“ اور ”اللال“ بھی ہے، اور اس پہاڑ کو بھی عرفات کہتے ہیں جس کے درمیان جبل الرحۃ ہے، ابو طالب کے ایک مشہور قصیدے میں بھی ایک شعر ان معنوں کا ہے، اہل جاہلیت بھی عرفات میں ٹھہرتے تھے۔ جب پہاڑ کی دھوپ چوٹیوں پر ایسی باقی رہ جاتی جیسے آدمی کے سر پر عمامہ ہوتا ہے تو وہ وہاں سے چل پڑتے لیکن حضورؐ یہاں سے اس وقت چلے جب سورج بالکل غروب ہو گیا، پھر مزدلفہ میں پہنچ کر یہاں پڑاؤ کیا اور سویرے اندھیرے ہی اندھیرے بالکل اول وقت رات کے اندھیرے اور صبح کی روشنی کے ملے جلے وقت میں آپؐ نے یہیں نماز صبح ادا کی اور جب روشنی واضح ہو گئی تو صبح کی نماز کے آخری وقت میں آپؐ نے وہاں سے کوچ کیا۔ حضرت مسور بن مخرمہؓ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ہمیں عرفات میں خطبہ سنایا اور حسب عادت حمد و ثنا کے بعد اما بعد کہہ کر فرمایا کہ حج اکبر آج ہی کا دن ہے۔ دیکھو مشرک اور بت پرست تو یہاں سے جب دھوپ پہاڑوں کی چوٹیوں پر اس طرح ہوتی تھی جس طرح لوگوں کے سروں پر عمامہ ہوتا ہے تو سورج غروب ہونے سے پیشتر ہی لوٹ جاتے تھے لیکن ہم سورج غروب ہونے کے بعد یہاں سے واپس ہوں گے۔ وہ مشعر الحرام سے سورج نکلنے کے بعد چلتے تھے جبکہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر دھوپ اس طرح نمایاں ہو جاتی جس طرح لوگوں کے سروں پر عمامے ہوتے ہیں لیکن ہم سورج نکلنے سے پہلے ہی چل دیں گے۔ ہمارا طریقہ مشرکین کے طریقے کے خلاف ہے (ابن مردویہ و مستدرک حاکم) امام حاکمؒ نے اسے شرط بخین پر اور بالکل صحیح بتلایا ہے، اس سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ حضرت مسور رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، ان لوگوں کا قول ٹھیک نہیں جو فرماتے ہیں کہ حضرت مسورؓ نے حضورؐ کو دیکھا ہے لیکن آپؐ سے کچھ سنا نہیں، حضرت معمر بن سویدؓ کا بیان ہے کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عرفات سے لوٹتے ہوئے دیکھا گویا اب تک بھی وہ منظر میرے سامنے ہے۔ آپؐ کے سر کے اگلے حصے پر بال نہ تھے۔ اپنے اونٹ پر تھے اور فرما رہے تھے، ہم واضح روشنی میں لوٹے، صحیح مسلم کی حضرت جابر والی ایک مطول حدیث جس میں جتہ الوداع کا پورا بیان ہے، اس میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سورج کے غروب ہونے تک عرفات میں ٹھہرے۔ جب سورج چھپ گیا اور قدرے زردی ظاہر ہونے لگی تو آپؐ نے اپنے پیچھے اپنی سواری پر حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سوار کیا اور اونٹنی کی ٹکیل تان لی یہاں تک کہ اس کا سر پالان کے قریب پہنچ گیا اور دائیں ہاتھ سے لوگوں کو اشارہ سے فرماتے جاتے تھے کہ لوگو آہستہ آہستہ چلو۔ نرمی، اطمینان، سکون

اور دلجمعی کے ساتھ چلو جب کوئی پہاڑی آتی تو تکمیل قدرے ڈھیلی کرتے تاکہ جانور بہ آسانی اوپر چڑھ جائے مزدلفہ میں آکر آپؐ نے مغرب اور عشاء کی نماز ادا کی۔ اذان ایک ہی کہلوائی اور دونوں نمازوں کی تکبیریں الگ الگ کہلوائیں۔ مغرب کے فرضوں اور عشاء کے فرضوں کے درمیان سنت نوافل کچھ نہیں پڑھے۔ پھر لیٹ گئے صبح صادق کے طلوع ہونے کے بعد نماز فجر ادا کی جس میں اذان و اقامت ہوئی۔ پھر قصوانامی اونٹنی پر سوار ہو کر مشعر الحرام میں آئے۔ قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر دعائیں مشغول ہو گئے اور اللہ اکبر اور لا الہ الا اللہ اور اللہ کی توحید بیان کرنے لگے یہاں تک کہ خوب سویرا ہو گیا سورج نکلنے سے پہلے ہی پہلے آپؐ یہاں سے روانہ ہو گئے حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال ہوتا ہے کہ حضور ﷺ جب یہاں سے چلے تو کیسی چال چلتے تھے۔ فرمایا: درمیانہ اور دھیمی چال سے سواری چلا رہے تھے۔ ہاں جب راستہ میں کشادگی دیکھتے تو ذرا تیز کر لیتے (بخاری و مسلم)

پھر فرمایا عرفات سے لوٹتے ہوئے مشعر الحرام میں اللہ کا ذکر کرو یعنی یہاں دونوں نمازیں جمع کر لیں۔ عمرو بن میمون رحمۃ اللہ علیہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مشعر الحرام کے بارے میں دریافت فرماتے ہیں تو آپؐ خاموش رہتے ہیں۔ جب قافلہ مزدلفہ میں جا کر اترتا ہے تو فرماتے ہیں: سائل کہاں ہے۔ یہ ہے مشعر الحرام آپؐ سے یہ بھی مروی ہے کہ مزدلفہ تمام کا تمام مشعر الحرام ہے۔ پہاڑ بھی اور اس کے آس پاس کی کل جگہ آپؐ نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ قروح پر بھیڑ بھاڑ کر رہے ہیں تو فرمایا یہ لوگ کیوں بھیڑ بھاڑ کر رہے ہیں یہاں کی سب جگہ مشعر الحرام ہے۔ اور بھی بہت سے مفسرین نے یہی فرمایا ہے کہ دونوں پہاڑوں کے درمیان کی کل جگہ مشعر الحرام ہے حضرت عطاءؓ سے سوال ہوتا ہے کہ مزدلفہ کہاں ہے۔ آپؐ فرماتے ہیں جب عرفات سے چلے اور میدان عرفات کے دونوں کنارے چھوڑے پھر مزدلفہ شروع ہو گیا۔ وادی حمر تک جہاں چاہو ٹھہرو لیکن میں تو قروح سے ادھر ہی ٹھہرنا پسند کرتا ہوں تاکہ راستے سے یکسوئی ہو جائے مشاعر کہتے ہیں: ظاہری نشانوں کو مزدلفہ کو مشعر الحرام اس لئے کہتے ہیں کہ وہ حرم میں داخل ہے سلف صالحین کی ایک جماعت کا اور بعض اصحاب شافعی کا مثلاً قتال اور ابن خزیمہ کا خیال ہے کہ یہاں کا ٹھہرنا حج کا کارکن ہے۔ بغیر یہاں ٹھہرے حج صحیح نہیں ہوتا کیونکہ ایک حدیث حضرت عروہ بن مضر سے اس معنی کی مروی ہے، بعض کہتے ہیں یہ ٹھہرنا واجب ہے۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول یہ بھی ہے اگر کوئی یہاں نہ ٹھہرا تو قربانی دینی پڑے گی امام صاحب کا دوسرا قول یہ ہے کہ مستحب ہے۔ اگر نہ بھی ٹھہرا تو کچھ ہرج نہیں۔ پس یہ تین قول ہوئے ہم یہاں اس بحث کو زیادہ طول دینا مناسب نہیں سمجھتے۔ واللہ اعلم۔ (قرآن کریم کے ظاہری الفاظ پہلے قول کی زیادہ تائید کرتے ہیں۔ واللہ اعلم مترجم) ایک مرسل حدیث میں ہے کہ عرفات کا سارا میدان ٹھہرنے کی جگہ ہے عرفات سے بھی اٹھو اور مزدلفہ کی کل حد بھی ٹھہرنے کی جگہ ہے۔ ہاں وادی حمر نہیں مسند احمد کی اس حدیث میں اس کے بعد ہے کہ مکہ شریف کی تمام گلیاں قربانی کی جگہ ہیں اور ایام تشریق سب کے سب قربانی کے دن ہیں لیکن یہ حدیث بھی منقطع ہے اس لئے کہ سلیمان بن موسیٰ رشق نے جبیر بن مطعم کو نہیں پایا لیکن اس کی اور سندیں بھی ہیں۔ واللہ اعلم۔

پھر ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو جیسے کہ اس نے تمہیں ہدایت دی ہے کہ احکام حج وضاحت کے ساتھ بیان فرما دیئے اور خلیل اللہ کی اس سنت کو واضح کر دیا۔ حالانکہ اس سے پہلے تم اس سے بے خبر تھے یعنی اس ہدایت سے پہلے اس قرآن سے پہلے اس رسولؐ سے پہلے فی الواقع ان تینوں باتوں سے پہلے دنیا گمراہی میں تھی فالحمد للہ

ثُمَّ أَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ

بہترم اس جگہ سے لوگوں جس جگہ سے سب لوگ لوٹنے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے طلب بخشش کرتے رہو۔ اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے ○

قریش سے خطاب اور معمول نبوی ﷺ: ☆ ☆ (آیت: ۱۹۹) ”ثم“ یہاں پر خبر کا خبر پر عطف ڈالنے کے لئے ہے تاکہ ترتیب ہو جائے گویا کہ عرفات میں ٹھہرنے والے کو حکم ملا کہ وہ یہاں سے مزدلفہ جائے تاکہ مشعر الحرام کے پاس اللہ تعالیٰ کا ذکر کر سکے اور یہ بھی فرمادیا کہ وہ تمام لوگوں کے ساتھ عرفات میں ٹھہرے جیسے کہ عام لوگ یہاں ٹھہرتے تھے البتہ قریشیوں نے فخر و تکبر اور نشان امتیاز کے طور پر یہ ٹھہرا لیا تھا کہ وہ حد حرم سے باہر نہیں جاتے تھے اور حرم کی آخری حد پر ٹھہر جاتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم اللہ والے ہیں اسی کے شہر کے رئیس ہیں اور اس کے گھر کے مجاور ہیں۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ قریش اور ان کے ہم خیال لوگ مزدلفہ میں ہی رک جایا کرتے تھے اور اپنا نام حس رکھتے تھے۔ باقی کل عرب عرفات میں جا کر ٹھہرتے تھے اور وہیں سے لوٹنے تھے اسی لئے اسلام نے حکم دیا کہ جہاں سے عام لوگ لوٹتے ہیں تم وہیں سے لوٹا کرو حضرت ابن عباسؓ، حضرت مجاہدؓ، حضرت عطاءؓ، حضرت قتادہؓ، حضرت سدیؓ وغیرہ یہی فرماتے ہیں امام ابن جریرؒ بھی اسی تفسیر کو پسند کرتے ہیں اور اسی پر اجماع بتاتے ہیں مسند احمد میں ہے حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میرا دونوں عرفات میں گم ہو گیا۔ میں اسے ڈھونڈنے کے لئے نکلا تو میں نے نبی ﷺ کو وہاں ٹھہرے ہوئے دیکھا۔ کہنے لگا۔ یہ کیا بات ہے کہ یہ جس ہیں اور پھر یہاں حرم کے باہر آ کر ٹھہرے ہیں ابن عباسؓ فرماتے ہیں افاضہ سے مراد یہاں مزدلفہ سے رمی جمار کے لئے منیٰ کو جانا ہے۔ واللہ اعلم۔ اور الناس سے مراد حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام ہیں۔ بعض کہتے ہیں مراد امام ہے۔ ابن جریرؒ فرماتے ہیں اگر اس کے خلاف اجماع کی حجت نہ ہوتی تو یہی قول رائج رہتا۔

پھر استغفار کا ارشاد ہوتا ہے جو عموماً عبادات کے بعد فرمایا جاتا ہے۔ حضور علیہ السلام فرض نماز سے فارغ ہو کر تین مرتبہ استغفار کیا کرتے تھے (مسلم) آپ لوگوں کو سبحان اللہ الحمد للہ اللہ اکبر تینتیس تینتیس مرتبہ پڑھنے کا حکم دیا کرتے تھے (بخاری و مسلم) یہ بھی مروی ہے کہ عرفہ کے دن شام کے وقت آنحضرت ﷺ نے اپنی امت کے لئے استغفار کیا (ابن جریرؒ) آپ کا یہ ارشاد بھی مروی ہے کہ تمام استغفاروں کا سردار یہ استغفار ہے اللهم انت ربی لا اله الا انت خلقتنی وانا عبدک وانا علی عهدک ووعدک ما استطعت اعوذ بک من شر ما صنعت ابوء لک بنعمتک علی وابوء بذنبی فاغفر لی فانہ لا یغفر الذنوب الا انت حضورؐ فرماتے ہیں جو شخص اسے رات کے وقت پڑھ لے اگر اسی رات مر جائے گا تو قطعاً جنتی ہوگا اور جو شخص اسے دن کے وقت پڑھے گا اور اسی دن مرے گا تو وہ بھی جنتی ہے (بخاری) حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ کہا کہ یا رسول اللہ مجھے کوئی دعا سکھائیے کہ میں نماز میں اسے پڑھا کروں۔ آپؐ نے فرمایا یہ پڑھو۔ اللهم انی ظلمت نفسی ظلماً کثیراً ولا یغفر الذنوب الا انت فاغفر لی مغفرة من عندک وارحمنی انک انت الغفور الرحیم ○ (بخاری و مسلم) استغفار کے بارے میں اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں۔

فَإِذَا قُضِيَتْ مَنَاسِكُكُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ أَوْ أَشَدَّ
ذِكْرًا ۚ فَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهُ فِي
الْآخِرَةِ مِن خَلَقٍ ۚ وَمِنْهُمْ مَّن يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا
حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۚ أُولَٰئِكَ لَهُمْ

نَصِيبٌ مِّمَّا كَسَبُوا ۖ وَاللَّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ

پھر جب تم ارکان حج ادا کر چکو تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو جس طرح تم اپنے باپ دادوں کا ذکر کیا کرتے تھے بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ پس بعض لوگ وہ ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں بھلائی دے ۝ ایسے لوگوں کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ اور بعض لوگ وہ بھی ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں نیکی دے اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما اور ہمیں عذاب جہنم سے نجات دے ۝ یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے ان کے اعمال کا حصہ ہے اور اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے ۝

تکمیل حج کے بعد: ☆ ☆ (آیت: ۲۰۰-۲۰۲) یہاں اللہ تعالیٰ حکم کرتا ہے کہ فراغت حج کے بعد اللہ تعالیٰ کا بہ کثرت ذکر کرو اگلے جملے کے ایک معنی تو یہ بیان کئے گئے ہیں کہ اس طرح اللہ کا ذکر کرو جس طرح بچہ اپنے ماں باپ کو یاد کرتا رہتا ہے دوسرے معنی یہ ہیں کہ اہل جاہلیت میں حج کے موقع پر پڑھتے وقت کوئی کہتا تھا، میرا باپ بڑا مہمان نواز تھا، کوئی کہتا تھا، وہ لوگوں کے کام کاج کر دیا کرتا تھا۔ سخاوت و شجاعت میں یکتا تھا وغیرہ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ فضول باتیں چھوڑ دو اور اللہ تعالیٰ کی بزرگیاں، بڑائیاں، عظمتیں اور عزتیں بیان کرو اکثر مفسرین نے یہی بیان کیا ہے غرض یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کی کثرت کرو اسی لئے ”اَوْ اَشَدُّ“ پر زبر تیز کی بنا پر لائی گئی ہے یعنی اس طرح اللہ کی یاد کرو جس طرح اپنے بڑوں پر فخر کیا کرتے تھے۔ اَوْ سے یہاں خبر کی مثلث کی تحقیق ہے جیسے اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً میں اور اَوْ اَشَدُّ خَشْيَةً میں اور اَوْ يَزِيدُونَ میں اور اَوْ اَذْنَىٰ میں ان تمام مقامات میں لفظ ”اَوْ“ ہرگز ہرگز شک کے لئے نہیں ہے بلکہ ”فجر عنہ“ کی تحقیق کے لئے ہے یعنی وہ ذکر اتنا ہی ہو بلکہ اس سے بھی زیادہ۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ کا ذکر بکثرت کر کے دعائیں مانگو کیونکہ یہ موقع قبولیت کا ہے ساتھ ہی ان لوگوں کی برائی بھی بیان ہو رہی ہے جو اللہ سے سوال کرتے ہوئے صرف دنیا طلب کرتے ہیں اور آخرت کی طرف نظریں نہیں اٹھاتے۔ فرمایا ان کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ بعض اعراب یہاں ٹھہر کر صرف یہی دعائیں مانگتے ہیں کہ الہی، اس سال بارشیں اچھی برساتا کہ غلہ اچھے پیدا ہوں۔ اولادیں بکثرت ہوں وغیرہ۔ لیکن مومنوں کی دعائیں دونوں جہان کی بھلائوں کی ہوتی تھیں۔ اس لئے ان کی تعریفیں کی گئیں اس دعا میں تمام بھلائیاں دین و دنیا کی جمع کر دی ہیں اور تمام برائیوں سے بچاؤ ہے اس لئے کہ دنیا کی بھلائی میں عافیت، راحت، آسانی، تندرستی، گھربار، بیوی بچے، روزی، علم، عمل، اچھی سواریاں، نوکر چاکر، لونڈی، غلام، عزت و آبرو وغیرہ تمام چیزیں آگئیں اور آخرت کی بھلائی میں حساب کا آسان ہونا، گھبراہٹ سے نجات پانا، نامہ اعمال کا دائیں ہاتھ میں ملنا، سرخرو ہونا، بالاخر عزت کے ساتھ جنت میں داخل ہونا سب آگیا۔ پھر اس کے بعد عذاب جہنم سے نجات چاہنا۔ اس سے یہ مطلب ہے کہ ایسے اسباب اللہ تعالیٰ مہیا کر دے مثلاً حرام کاریوں سے اجتناب، گناہ اور بدیوں کا ترک وغیرہ، قاسمؓ فرماتے ہیں جسے شکر اور ذکر کرنے والی زبان اور صبر کرنے والا جسم مل گیا، اسے دنیا اور آخرت کی بھلائی مل گئی اور عذاب سے نجات پا گیا، بخاری میں ہے کہ آنحضرت ﷺ اس دعا کو بکثرت پڑھا کرتے تھے۔ اس حدیث میں ربنا سے پہلے اللہم بھی ہے۔ حضرت قتادہؓ نے حضرت انسؓ سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ زیادہ تر کس دعا کو پڑھتے تھے تو آپؐ نے جواب میں یہی دعا بتائی (احمد) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود بھی جب کبھی دعا مانگتے اس دعا کو نہ چھوڑتے چنانچہ حضرت ثابتؓ نے ایک مرتبہ کہا کہ حضرت آپ کے یہ بھائی چاہتے ہیں کہ آپ ان کے لئے دعا کریں۔ آپ نے یہی دعا اللہم اتنا فی الدنیا الخ پڑھی۔ پھر کچھ دیر بیٹھے اور بات چیت کرنے کے بعد جب وہ جانے لگے تو پھر دعا کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا کیا تم ٹکڑے کرنا چاہتے ہو۔ اس دعا میں تو تمام بھلائیاں آگئیں (ابن ابی حاتم) آنحضرت ﷺ ایک مسلمان بیمار کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔ دیکھا کہ وہ بالکل دبا پتلا ہو رہا ہے۔ صرف

ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ گیا ہے آپؐ نے پوچھا کیا تم کوئی دعا بھی اللہ تعالیٰ سے مانگا کرتے تھے؟ اس نے کہا- ہاں میری یہ دعا تھی کہ الہی جو عذاب تو مجھے آخرت میں کرنا چاہتا ہے وہ دنیا میں ہی کر ڈال' آپؐ نے فرمایا سبحان اللہ کسی میں ان کے برداشت کی طاقت بھی ہے؟ تو نے یہ دعا ربنا اتنا (آخر تک) کیوں نہ پڑھی؟ چنانچہ بیمار نے اب سے اسی دعا کو پڑھنا شروع کیا اور اللہ تعالیٰ نے اسے شفا دے دی (احمد) رکن نبی حج اور رکن اسود کے درمیان حضور علیہ السلام اس دعا کو پڑھا کرتے تھے (ابن ماجہ وغیرہ) لیکن اس کی سند میں ضعف ہے- واللہ اعلم- آپؐ فرماتے ہیں میں جب کبھی رکن کے پاس سے گذرتا ہوں دیکھتا ہوں کہ وہاں فرشتہ ہے اور وہ آمین کہہ رہا ہے- تم جب کبھی یہاں سے گذرو تو ربنا اتنا پڑھا کرو (ابن مردویہ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک شخص نے آ کر پوچھا کہ میں نے ایک قافلہ کی ملازمت کر لی ہے- اس اجرت پر وہ مجھے اپنے ساتھ سواری پر سوار کر لیں اور حج کے موقع پر مجھے وہ رخصت دے دیں کہ میں حج ادا کر لوں ویسے اور دنوں میں میں ان کی خدمت میں لگا رہوں تو فرمائیے کیا اس طرح میرا حج ادا ہو جائے گا- آپؐ نے فرمایا ہاں بلکہ تو ان لوگوں میں سے ہے جن کے بارے میں فرمان ہے اولئک لہم نصیب (مستدرک حاکم)

وَاذْكُرُوا اللَّهَ فِي أَيَّامٍ مَّعْدُودَاتٍ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِي يَوْمَيْنِ
فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ وَمَنْ تَأَخَّرَ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ لِمَنِ اتَّقَىٰ وَاتَّقُوا
اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ إِلَيْهِ تَحْشَرُونَ ﴿۲۰۳﴾

اللہ تعالیٰ کی یاد ان کئی کے چند دنوں میں کرتے رہا کرو دونوں کی جلدی کرنے والے پر بھی کوئی گناہ نہیں اور جو پیچھے رہ جائے اس پر بھی کوئی گناہ نہیں- یہ پرہیزگاروں کے لئے ہے- اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو اور جان رکھو کہ تم سب اسی کی طرف جمع کئے جاؤ گے ○

ایام تشریق ☆ ☆ (آیت: ۲۰۳) ایام معدودات سے مراد ایام تشریق اور ایام معلومات سے مراد ذی الحجہ کے دس دن ہیں ذکر اللہ سے مراد یہ ہے کہ ایام تشریق میں فرض نمازوں کے بعد اللہ اکبر اللہ اکبر کہیں- آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں عرفہ کا دن قربانی کا دن اور ایام تشریق ہمارے یعنی اہل اسلام کی عید کے دن ہیں اور یہ دن کھانے پینے کے ہیں (احمد) اور حدیث میں ہے ایام تشریق کھانے پینے اور اللہ کا ذکر کرنے کے ہیں (احمد) پہلے یہ حدیث بھی بیان ہو چکی ہے کہ عرفات ساری ٹھہرنے کی جگہ ہے اور ایام تشریق سب قربانی کے دن ہیں اور یہ حدیث بھی پہلے گذر چکی ہے کہ منی کے دن تین ہیں- دونوں میں جلدی یاد دیر کرنے والے پر کوئی گناہ نہیں، ابن جریر کی ایک حدیث میں ہے کہ ایام تشریق کھانے اور ذکر اللہ کرنے کے دن ہیں حضور علیہ السلام نے عبد اللہ بن حذافہؓ کو بھیجا کہ وہ منی میں گھوم کر منادی کر دیں کہ ان دنوں کوئی روزہ نہ رکھیں- یہ دن کھانے پینے اور اللہ کا ذکر کرنے کے ہیں ایک اور مسل روایت میں اتنا زیادہ ہے کہ مگر جس پر قربانی کے بدلے روزے ہوں اس کے لئے یہ زائد نیکی ہے- ایک اور روایت میں ہے کہ منادی بشر بن حنیمؓ تھے- اور حدیث میں ہے کہ آپؐ نے ان دنوں کے روزوں کی ممانعت فرمائی ہے- ایک روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور علیہ السلام کے سفید خچر پر سوار ہو کر شعب انصار میں کھڑے ہو کر یہ حکم سنایا تھا کہ گوئیہ دن روزوں کے نہیں بلکہ کھانے پینے اور ذکر اللہ کرنے کے ہیں-

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں ایام معدودات ایام تشریق ہیں اور یہ چار دن ہیں- دسویں ذی الحجہ اور تین دن اس کے بعد کے یعنی

دس سے تیرہ تک - ابن عمرؓ ابن زبیرؓ ابو موسیٰؓ عطاء مجاہدؓ عکرمہؓ سعید بن جبیرؓ ابو مالکؓ ابراہیم نخعیؓ یحییٰ بن ابی کثیرؓ حسنؓ قتادہؓ سدیؓ زہریؓ ربیع بن انسؓ ضحاکؓ مقاتل بن حیانؓ عطاء خراسانیؓ امام مالکؓ رحمہ اللہ وغیرہ بھی یہی فرماتے ہیں۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں یہ تین دن ہیں دسویں گیارہویں اور بارہویں۔ ان میں جب چاہو قربانی کرو لیکن افضل پہلا دن ہے مگر مشہور قول یہی ہے اور آیت کریمہ کے الفاظ کی ظاہری دلالت بھی اسی پر ہے کیونکہ دودن میں جلدی یا دیر معاف ہے تو ثابت ہوا کہ عید کے بعد تین دن ہونے چاہئیں اور ان دنوں میں اللہ کا ذکر کرنا قربانیوں کے ذبح کے وقت ہے اور یہ بھی پہلے بیان ہو چکا ہے کہ رائج مذہب اس میں حضرت امام شافعیؒ کا ہے کہ قربانی کا وقت عید کے دن سے ایام تشریق کے ختم ہونے تک ہے اور اس سے مراد نمازوں کے بعد کا مقررہ ذکر بھی ہے اور ویسے عام طور پر یہی اللہ کا ذکر مراد ہے اور اس کے مقررہ وقت میں گو علماء کرام کا اختلاف ہے لیکن زیادہ مشہور قول جس پر عمل درآمد بھی ہے یہ ہے کہ عرفے کی صبح سے ایام تشریق کے آخر دن کی عصر کی نماز تک اس بارے میں ایک مرفوع حدیث بھی وارد قطعی میں ہے لیکن اس کا مرفوع ہونا صحیح نہیں۔ واللہ اعلم۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے خیمہ میں بکبیر کہتے اور آپ کی بکبیر پر بازار والے لوگ بکبیر کہتے یہاں تک کہ منی کا میدان گونگ اٹھتا اسی طرح یہ مطلب بھی ہے کہ شیطانوں کو کنکریاں مارنے کے وقت بکبیر اور اللہ کا ذکر کیا جائے جو ایام تشریق کے ہر دن ہوگا۔ ابوداؤد وغیرہ میں حدیث ہے کہ بیت اللہ کا طواف صفا و مروہ کی سعی شیطانوں کو کنکریاں مارنی یہ سب اللہ تعالیٰ کے ذکر کو قائم کرنے کے لئے ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے حج کی پہلی اور دوسری واپسی کا ذکر کیا اور اس کے بعد لوگ ان پاک مقامات کو چھوڑ کر اپنے اپنے شہروں اور مقامات کو لوٹ جائیں گے اس لئے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو اور یقین رکھو کہ تمہیں اس کے سامنے جمع ہونا ہے۔ اسی نے تمہیں زمین میں پھیلایا۔ پھر وہی سمیٹ لے گا۔ پھر اسی کی طرف حشر ہوگا پس جہاں کہیں ہو اس سے ڈرتے رہا کرو۔

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَعْجِبُ قَوْلُهُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيُشْهَدُ اللَّهُ عَلَىٰ مَا فِي قَلْبِهِ ۖ وَهُوَ أَلَدُّ الْخِصَامِ ۖ وَإِذَا تَوَلَّىٰ سَعَىٰ فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْفُسَادَ ۗ

بعض لوگوں کی دنیوی غرض کی باتیں آپ کو خوش کر دیتی ہیں اور وہ اپنے دل کی باتوں پر اللہ کو گواہ کرتا جاتا ہے حالانکہ دراصل وہ زبردست مجھڑا لو ہے ○ جب وہ لوٹ کر جاتا ہے تو زمین میں فساد پھیلانے کی اور کھیتی اور نسل کی بربادی کی کوشش میں لگا رہتا ہے اللہ تعالیٰ فساد کو ناپسند رکھتا ہے ○

دل بھڑیوں کے اور کھال انسانوں کی ☆☆ (آیت ۲۰۴-۲۰۵) سدیؒ کہتے ہیں کہ یہ آیت اخنس ابن شریک ثقفی کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ یہ منافق شخص تھا۔ ظاہر میں مسلمان تھا، لیکن باطن میں مخالف تھا۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ منافقوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جنہوں نے حضرت ضعیبؓ اور ان کے ساتھیوں کی برائیاں کی تھیں جو رجیع میں شہید کئے گئے تھے تو ان شہداء کی تعریف میں من بشریؓ والی آیت اتری اور ان منافقین کی مذمت کے بارے میں مِّنْ يُعْجِبُكَ الْحٰیٰۃِ والی آیت نازل ہوئی، بعض کہتے ہیں کہ یہ آیت عام ہے۔ تمام منافقوں کے بارے میں پہلی اور دوسری آیت ہے اور تمام مومنوں کی تعریف کے بارے میں تیسری آیت ہے قتادہؓ وغیرہ کا قول یہی ہے اور یہی صحیح ہے حضرت نوف بکالی جو توماۃ والنجیل کے بھی عالم تھے فرماتے ہیں کہ میں اس امت کے بعض لوگوں کی برائیاں اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب میں پاتا ہوں۔ لکھا ہے کہ بعض لوگ دین کے حیلے سے دنیا کماتے ہیں۔ ان کی زبانیں تو شہد سے زیادہ میٹھی ہیں

لیکن دل ایلوے (مصر) سے زیادہ کڑوے ہیں۔ لوگوں کے لئے بکریوں کی کھالیں پہنتے ہیں لیکن دل ان کے بھیڑیوں جیسے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: کیا وہ مجھ پر جرات کرتے ہیں اور میرے ساتھ دھوکے بازیاں کرتے ہیں۔ مجھے اپنی ذات کی قسم کہ میں ان پر وہ فتنہ بھیجوں گا کہ بردبار لوگ بھی حیران رہ جائیں گے، قرطی کہتے ہیں: میں نے غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ منافقوں کا وصف ہے اور قرآن میں بھی موجود ہے۔ پڑھئے آیت وَمِنَ النَّاسِ مَن يُعْجِبُكَ الرِّجَالُ حَضَرْتُ سَعِيدُ نے بھی جب یہ بات اور کتابوں سے حوالے سے بیان کی تو حضرت محمد بن کعبؓ نے یہی فرمایا تھا کہ یہ قرآن شریف میں بھی ہے اور اسی آیت کی تلاوت کی تھی۔ سعید کہنے لگے: میں جانتا ہوں کہ یہ آیت کس کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ آپ نے فرمایا سنئے۔ آیت شان نزول کے اعتبار سے گو کسی کے بارے میں ہی ہو لیکن حکم کے اعتبار سے عام ہوتی ہے۔ ابن تحصن کی قرات میں یٰ شہید اللہ ہے تو معنی یہ ہوں گے کہ گودہ اپنی زبان سے کچھ ہی کہے لیکن اس کے دل کا حال اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے جیسے اور جگہ ہے اِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ اِنْ لَّيْنِ مَنَافِقٍ تیرے پاس آ کر تیری نبوت کی گواہی دیتے ہیں۔ اللہ جانتا ہے کہ تو اس کا رسول ہے لیکن اللہ کی گواہی ہے کہ یہ منافق یقیناً جھوٹے ہیں، لیکن جمہور کی قرات یٰ شہید اللہ ہے تو معنی یہ ہوئے کہ لوگوں کے سامنے تو اپنی خیانت چھپاتے ہیں لیکن اللہ کے سامنے ان کے دل کا کفر و نفاق ظاہر ہے، جیسے اور جگہ ہے یَسْتَخْفُونَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُونَ مِنَ اللَّهِ اِنْ لَّيْنِ لِّلَّهِ اِنْ لَّيْنِ لِّلَّهِ لوگوں سے چھپاتے ہیں لیکن اللہ سے نہیں چھپا سکتے، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ لوگوں کے سامنے اسلام ظاہر کرتے ہیں اور ان کے سامنے قسمیں کھا کر باور کراتے ہیں کہ جو ان کی زبان پر ہے وہی ان کے دل میں ہے، صحیح معنی آیت کے یہی ہیں کہ عبدالرحمن بن زیدؓ اور مجاہدؓ سے بھی یہی مروی ہے، ابن جریرؒ بھی اسی کو پسند فرماتے ہیں۔

”الد“ کے معنی لغت میں ہیں سخت ٹیڑھا، جیسے اور جگہ ہے وَتَنْذِرُ بِهِ قَوْمًا لِّذٰلِكَہِی حالت منافق کی ہے کہ وہ اپنی جہت میں جھوٹ بولتا ہے اور حق سے ہٹ جاتا ہے، سیدھی بات چھوڑ دیتا ہے اور افسر اور بہتان بازی کرتا ہے اور گالیاں بکتا ہے، صحیح حدیث میں ہے کہ منافق کی تین نشانیاں ہیں: جب بات کرے جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے بیوفائی کرے، جب جھگڑا کرے گالیاں بکے، ایک اور حدیث میں ہے: سب سے زیادہ برا شخص اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ ہے جو سخت جھگڑالو ہو، اس کی کئی ایک سندیں ہیں۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ جس طرح یہ بڑے اقوال والا ہے اسی طرح افعال بھی اس کے بدترین ہیں تو قول تو یہ ہے لیکن فعل اس کے سراسر خلاف ہے، عقیدہ بالکل فاسد ہے۔

نماز اور ہماری رفتار: ☆☆ سہی سے مراد یہاں قصد ہے جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ثُمَّ اَدْ بَرَسْعٰی اِنْ اَوْ فَرَمَانَ ہے فاسعوا الی ذکر اللہ یعنی جمعہ کی نماز کا قصد و ارادہ کرو، یہاں سہی کے معنی دوڑنے کے نہیں کیونکہ نماز کے لئے دوڑ کر جانا ممنوع ہے، حدیث شریف میں ہے جب تم نماز کے لئے آؤ تو دوڑتے ہوئے نہ آؤ، لکھ سکتے دو قار کے ساتھ آؤ۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللَّهَ أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ فَحَسْبُهُ جَهَنَّمُ
وَلَيْسَ الْمَاهَدُ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ
اللَّهِ وَاللَّهُ رَؤُوفٌ بِالْعِبَادِ

اور جب اس سے کہا جائے کہ اللہ سے ڈر تو تکبر اور تعصب اسے گناہ پر آمادہ کر دیتا ہے۔ ایسے کو جہنم ہی بس ہے اور یقیناً وہ بدترین جگہ ہے ○ اور بعض لوگ وہ بھی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی طلب میں اپنی جان تک بیچ ڈالتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بڑی شفقت کرنے والا ہے ○

منافقوں کا مزید تعارف: ☆☆ (آیت: ۲۰۶-۲۰۷) غرض یہ کہ ان منافقوں کا قصد زمین میں فساد پھیلانا، کھیتی باڑی، زمین کی پیداوار اور حیوانوں کی نسل کو بر باد کرنا ہی ہوتا ہے۔ یہ بھی معنی مجاہد سے مروی ہیں کہ ان لوگوں کے نفاق اور ان کی بدکرداریوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ بارش کو روک لیتا ہے جس سے کھیتوں کو اور جانوروں کو نقصان پہنچتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو جو بانی فساد ہوں ناپسند کرتا ہے۔ ان بدکرداروں کو جب وعظ و نصیحت کے ذریعہ سمجھایا جائے تو یہ اور بھڑک اٹھتے ہیں اور مخالفت کے جوش میں گناہوں پر اور آمادہ ہو جاتے ہیں جیسے اور جگہ ہے و اذا تلی علیہم آیاتنا بینات تعرف فی وجوہ الذین کفروا المنکر الخ یعنی اللہ تعالیٰ کے کلام کی آیتیں جب ان کے سامنے تلاوت کی جاتی ہیں تو ان کافروں کے منہ چڑھ جاتے ہیں اور پڑھنے والوں پر چھپتے ہیں، سنو اس سے بھی بڑھ کر سنو۔ کافروں کے لئے ہمارا فرمان جہنم کا ہے جو بدترین جگہ ہے۔ یہاں بھی یہی فرمایا کہ انہیں جہنم کافی ہے یعنی سزا میں وہ بدترین اوڑھنا بچھونا ہے۔

مومن کون؟ ☆☆ منافقوں کی مذموم خصلتیں بیان فرما کر اب مومنوں کی تعریفیں ہو رہی ہیں یہ آیت حضرت صہیب بن سنان رومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ یہ مکہ میں مسلمان ہوئے تھے۔ جب مدینہ کی طرف ہجرت کرنی چاہی تو کافروں نے ان سے کہا کہ ہم تمہیں مال لے کر نہیں جانے دیں گے۔ اگر تم مال چھوڑ کر جانا چاہتے ہو تو تمہیں اختیار ہے آپ نے سب مال سے علیحدگی کر لی اور کفار نے اس پر قبضہ کر لیا اور آپ نے ہجرت کی، جس پر یہ آیت اتری۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور صحابہ کرامؓ کی ایک بڑی جماعت آپ کے استقبال کے لئے حرہ تک آئی اور مبارکبادیاں دیں کہ آپ نے بڑا اچھا بیو پار کیا۔ بڑے نفع کی تجارت کی، آپ یہ سن کر فرمانے لگے اللہ تعالیٰ آپ کی تجارتوں کو بھی نقصان دالی نہ کرے۔ آخر بتلاؤ تو یہ مبارکبادیاں کیا ہیں۔ ان بزرگوں نے فرمایا، آپ کے بارے میں حضور ﷺ پر یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ جب حضورؐ کے پاس پہنچے تو آپ نے بھی یہی خوشخبری سنائی۔ قریش نے ان سے کہا تھا کہ جب آپ مکہ میں آئے آپ کے پاس مال نہ تھا، یہ سب مال یہیں کمایا۔ اب اس مال کو لے کر ہم جانے نہ دیں گے چنانچہ آپ نے مال کو چھوڑا اور دین لے کر خدمت رسولؐ میں حاضر ہو گئے۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ جب آپ ہجرت کے ارادے سے نکلے اور کفار مکہ کو علم ہوا تو سب نے آپ کو گھیر لیا۔ آپ نے اپنے ترکش سے تیر نکال لئے اور فرمایا اے مکہ والو تم خوب جانتے ہو کہ میں کیسا تیر انداز ہوں۔ میرا ایک نشانہ بھی خطا نہیں جاتا۔ جب تک یہ تیر ختم نہ ہوں گے، میں تم کو چھیدتا رہوں گا، اس کے بعد تلوار سے تم سے لڑوں گا اور اس میں بھی تم میں سے کسی سے کم نہیں ہوں۔ جب تلوار کے بھی ٹکڑے ہو جائیں گے، پھر تم میرے پاس آ سکتے ہو۔ پھر جو چاہو کر لو۔ اگر یہ تمہیں منظور ہے تو بسم اللہ ورنہ سنو میں تمہیں اپنا کل مال دینے دیتا ہوں۔ سب لے لو اور مجھے جانے دو۔ وہ مال لینے پر رضامند ہو گئے اور اس طرح آپ نے ہجرت کی، آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچنے سے پہلے ہی وہاں بذریعہ وحی یہ آیت نازل ہو چکی تھی۔ آپ کو دیکھ کر حضورؐ نے مبارک باد دی، اکثر مفسرین کا یہ قول بھی ہے کہ یہ آیت عام ہے۔ ہر مجاہد فی سبیل اللہ کی شان ہے جیسے اور جگہ ہے ان اللہ اشتری من المومنین انفسہم و اموالہم بان لہم الجنۃ الخ یعنی اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی جانیں اور مال خرید لئے ہیں اور ان کے بدلے جنت دے دی ہے۔ یہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں، مارتے بھی ہیں اور شہید بھی ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ سچا عہد توراۃ و انجیل اور قرآن میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ سے زیادہ سچے عہد والا اور کون ہوگا۔ تم اے ایماندارو اس خرید و فروخت اور ادلے بدلے سے خوش ہو جاؤ۔ یہی بڑی کامیابی ہے، حضرت ہشام بن عامرؓ نے جبکہ کفار کی دونوں صفوں میں گھس کر ان پر یکہ دتھا بے پناہ حملہ کر دیا تو بعض لوگوں نے اسے خلاف شرع سمجھا۔ لیکن حضرت عمرؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ وغیرہ نے ان کی تردید کی اور اسی آیت من یشری کی تلاوت کر کے سنادی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً وَلَا تَتَّبِعُوا
خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ ۝ فَإِنْ زَلَلْتُمْ مِنْ بَعْدِ
مَآجَاءِ تَكْمُرِ الْبَيْتِ فَأَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝

ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدموں کی تابعداری نہ کرو وہ تمہارا کھلا دشمن ہے ○ اگر تم باوجود تمہارے پاس دلیلیں آجانے کے بھی پھسل جاؤ تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ غلبہ والا اور حکمت والا ہے ○

مکمل اطاعت ہی مقصود ہے: ☆☆ (آیت ۲۰۸-۲۰۹) اللہ تعالیٰ اپنے اوپر ایمان لانے والوں اور اپنے نبی کی تصدیق کرنے والوں سے ارشاد فرماتا ہے کہ وہ کُل احکام کو بجالائیں۔ کُل ممنوعات سے بچ جائیں۔ کُل شریعت پر عمل کریں۔ سِلْم سے مراد اسلام ہے۔ اطاعت اور صلح جوئی بھی مراد ہے۔ کافہ کے معنی سب کے سب پورے پورے، عکرمہ کا قول ہے کہ حضرت عبد اللہ بن سلامؓ اسد بن عبیدہؓ مثلیہ وغیرہ جو یہود سے مسلمان ہوئے تھے انہوں نے حضورؐ سے گزارش کی، ہمیں ہفتہ کے دن کی عزت کی اور راتوں کے وقت توراۃ پر عمل کرنے کی اجازت دی جائے جس پر یہ آیت اتری کہ اسلامی احکام پر عمل کرتے رہو لیکن اس میں حضرت عبد اللہؓ کا نام کچھ ٹھیک نہیں معلوم ہوتا۔ وہ اعلیٰ عالم تھے اور پورے مسلمان تھے۔ انہیں مکمل طور پر معلوم تھا کہ ہفتہ کے دن کی عزت منسوخ ہو چکی ہے۔ اس کی بجائے اسلامی عید جمعہ کے دن کی مقرر ہو چکی ہے۔ پھر ناممکن ہے کہ وہ ایسی خواہش میں اوروں کا ساتھ دیں، بعض مفسرین نے ”کافہ“ کو حال کہا ہے یعنی تم سب کے سب اسلام میں داخل ہو جاؤ لیکن پہلی بات زیادہ صحیح ہے یعنی اپنی طاقت بھر اسلام کے کل احکام کو مانو، حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ بعض اہل کتاب باوجود ایمان لانے کے توراۃ کے بعض احکام پر جے ہوئے تھے۔ ان سے کہا جاتا ہے کہ محمدی دین میں پوری طرح آ جاؤ۔ اس کا کوئی عمل نہ چھوڑو۔ توراۃ پر صرف ایمان رکھنا کافی ہے۔ پھر فرمان ہے کہ اللہ کی اطاعت کرتے رہو۔ شیطان کی نہ مانو۔ وہ تو برائیوں اور بدکاریوں کو اور اللہ پر بہتان باندھنے کو کہتا ہے۔ اس کی اور اس کے گروہ کی تو خواہش یہ ہے کہ تم جنہی بن جاؤ وہ تمہارا حکم کھلا دشمن ہے۔ اگر تم دلائل معلوم کرنے کے بعد بھی حق سے ہٹ جاؤ تو جان رکھو کہ اللہ بھی بدلہ لینے میں غالب ہے نہ اس سے کوئی بھاگ کر بچ سکے نہ اس پر کوئی غالب ہے۔ اپنی پکڑ میں وہ حکیم ہے۔ اپنے امر میں وہ کفار پر غلبہ رکھتا ہے اور عذر و حجت کو کاٹ دینے میں حکمت رکھتا ہے۔

هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ فِي ظُلُلٍ مِّنَ الْغَمَامِ
وَالْمَلَائِكَةُ وَاقِعِينَ الْأَمْرَ وَالِإِلَٰهِي تَرْجِعُ الْأُمُورَ ۝

کیا لوگوں کو اس بات کا انتظار ہے کہ ان کے پاس خود اللہ تعالیٰ ابر کے سائبانوں میں آ جائے اور فرشتے بھی اور کام انتہائیک پہنچا دیا جائے؟ اللہ ہی کی طرف تمام کام

لوٹائے جاتے ہیں ○

تذکرہ شفاعت: ☆☆ (آیت ۲۱۰) اس آیت میں اللہ تبارک و تعالیٰ کفار کو دھمکا رہا ہے کہ کیا انہیں قیامت ہی کا انتظار ہے جس دن حق کے ساتھ فیصلے ہو جائیں گے اور ہر شخص اپنے کئے کو بھگت لے گا جیسے اور جگہ ارشاد ہے کلا اذا دکت الارض الخ یعنی جب زمین کے ریزے ریزے اڑ جائیں گے اور تیرا رب خود آ جائے گا اور فرشتوں کی صفیں کی صفیں بندھ جائیں گی اور جہنم بھی لا کر کھڑی کر دی جائے گی اس دن یہ لوگ عبرت و نصیحت حاصل کریں گے لیکن اس سے کیا فائدہ؟ اور جگہ فرمایا هل ينظرون الا ان تاتيهم الملائكة الخ یعنی کیا

انہیں اس بات کا انتظار ہے کہ ان کے پاس فرشتے آئیں یا خود اللہ تعالیٰ آئے یا اس کی بعض نشانیاں آجائیں۔ اگر یہ ہو گیا تو پھر انہیں نہ ایمان نفع دے نہ نیک اعمال کا وقت رہے، امام ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہاں پر ایک لمبی حدیث لکھی ہے جس میں صورت وغیرہ کا مفصل بیان ہے جس کے راوی حضرت ابو ہریرہؓ ہیں، مسند وغیرہ میں یہ حدیث ہے۔ اس میں ہے کہ جب لوگ گھبرا جائیں گے تو انبیاء علیہم السلام سے شفاعت طلب کریں گے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر ایک ایک پیغمبر کے پاس جائیں گے اور وہاں سے صاف جواب پائیں گے۔ یہاں تک کہ ہمارے نبی اکرم ﷺ کے پاس پہنچیں گے۔ آپؐ جواب دیں گے، میں تیار ہوں، میں ہی اس کا اہل ہوں۔ پھر آپؐ جائیں گے اور عرشِ تسلیم کے دروازے پر پہنچیں گے اور اللہ تعالیٰ سے سفارش کریں گے کہ وہ بندوں کا فیصلہ کرنے کے لئے تشریف لائے۔ اللہ تعالیٰ آپؐ کی شفاعت قبول فرمائے گا اور بادلوں کے سائبان میں آئے گا۔ دنیا کا آسمان ٹوٹ جائے گا اور اس کے تمام فرشتے آجائیں گے۔ پھر دوسرا بھی پھٹ جائے گا اور اس کے فرشتے بھی آجائیں گے اسی طرح ساتوں آسمان شق ہو جائیں گے اور ان کے فرشتے آجائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ کا عرش اترے گا اور بزرگ تر فرشتے نازل ہوں گے اور خود وہ جبار اللہ تشریف لائے گا۔ فرشتے سب کے سب تسبیح خوانی میں مشغول ہوں گے۔ ان کی تسبیح اس وقت یہ ہوگی سبحان ذی الملك والملكوت، سبحان ذی العزۃ والجبروت سبحان الحی الذی لا یموت، سبحان الذی یمیت الخلائق ولا یموت، سبحان قدوس رب الملائکۃ والروح، سبحان قدوس، سبحان ربنا الاعلیٰ، سبحان ذی السلطان والعظمت، سبحانہ سبحانہ ابدًا ابدًا حافظ ابو بکر بن مردویہؒ بھی اس آیت کی تفسیر میں بہت سی احادیث لائے ہیں جن میں غرابت ہے۔ واللہ اعلم۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ حضورؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ انگوٹھ پھیلوں کو اس دن جمع کرے گا۔ جس کا وقت مقرر ہے۔ وہ سب کے سب کھڑے ہوں گے۔ آنکھیں پھرائی ہوئی اور اوپر کو لگی ہوئی ہوں گی۔ ہر ایک کو فیصلہ کا انتظار ہوگا اللہ تعالیٰ ابر کے سائبان میں عرش سے کسی پر نزل فرمائے گا۔ ابن ابی حاتم میں ہے عبد اللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ جس وقت وہ اترے گا تو مخلوق اور اس کے درمیان ستر ہزار پردے ہوں گے۔ نور کی چکا چوند کے اور پانی کے اور پانی سے وہ آوازیں آرہی ہوں گی جس سے دل مل جائیں، زبیر بن محمدؓ فرماتے ہیں کہ وہ بادل کا سائبان یا قوت کا جزا ہوا اور جو روز بربد والا ہوگا، حضرت مجاہدؓ فرماتے ہیں یہ بادل معمولی بادل نہیں بلکہ یہ وہ بادل ہے جو بنی اسرائیل کے سروں پر وادی تہ میں تھا ابو العالیہؓ فرماتے ہیں فرشتے بھی بادل کے سائے میں آئیں گے اور اللہ تعالیٰ جس میں چاہے آئے گا چنانچہ بعض قراتوں میں یوں بھی ہے هل ينظرون الا ان ياتيهم الله في ظلل من الغمام والملائکۃ ھجے اور جگہ ہے ویوم تشق السماء بالغمام ونزل الملائکۃ تنزیلاً یعنی اس دن آسمان بادل سمیت پھٹے گا اور فرشتے اتر آئیں گے۔

سَلِّ بَنِي إِسْرَآئِيلَ كَمَا أَتَيْنَهُمْ مِّنْ آيَةٍ بَيِّنَةٍ وَمَنْ يُبَدِّلْ
نِعْمَةَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُ فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿٥٠﴾
لِّلَّذِينَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُونَ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا
وَالَّذِينَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ۗ وَاللَّهُ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ
حِسَابٍ ﴿٥١﴾

بنی اسرائیل سے پوچھو تو کہ ہم نے انہیں کس قدر روشن نشانیاں عطا فرمائیں۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو اپنے پاس پہنچ جانے کے بعد بدل ڈالے (وہ جان لے) کہ اللہ تعالیٰ بھی سخت عذابوں والا ہے ○ کافروں کے لئے دنیا کی زندگی خوب زینت دار کی گئی وہ ایمانداروں سے ہنسی مذاق کرتے ہیں حالانکہ پرہیزگار لوگ قیامت کے دن ان سے اعلیٰ ہوں گے اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب روزی دیتا ہے ○

احسان فراموش بنی اسرائیل اور ترغیب صدقات: ☆ ☆ (آیت: ۲۱۱-۲۱۲) اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ دیکھو بنی اسرائیل کو میں نے بہت سے معجزات دکھلا دیئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں کی لکڑی ان کے ہاتھ کی روشنی ان کے لئے دریا کو چیر دینا ان پر سخت گرمیوں میں ابر کا سایہ کرنا، من و سلوی اتارنا وغیرہ وغیرہ جن سے میرا خود مختار فاعل کل ہونا صاف ظاہر تھا اور میرے نبی حضرت موسیٰ کی نبوت کی کھلی تصدیق تھی لیکن تاہم ان لوگوں نے میری ان نعمتوں کا کفر کیا اور بجائے ایمان کے کفر پراڑے رہے اور میری نعمتوں پر بجائے شکر کے ناشکری کی۔ پھر بھلا میرے سخت عذابوں سے یہ کیسے بچ سکتے؟ یہی خبر کفار قریش کے بارے میں بھی بیان فرمائی ہے۔ ارشاد ہے الم تر الى الذين بدلوا نعمة الله كفرا الخ کیا تو نے ان لوگوں کو دیکھا جنہوں نے اللہ کی نعمت کو کفر سے بدل دیا اور اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر یعنی جہنم جیسی بدترین قرار گاہ میں پہنچا دیا۔

پھر بیان ہوتا ہے کہ یہ کفار صرف دنیا کی زندگی پر دیوانے ہوئے ہیں۔ مال جمع کرنا اور اللہ کی راہ کے خرچ میں بخل کرنا یہی ان کا رنگ ڈھنگ ہے بلکہ جو ایمان دار اس دنیا کے فانی سے سیوٹم ہیں اور پروردگار کی رضا مندی میں اپنے مال لٹاتے رہتے ہیں یہ ان کا مذاق اڑاتے ہیں حالانکہ حقیقی نصیب والے یہی لوگ ہیں۔ قیامت کے دن ان کے مرتبے دیکھ کر ان کافروں کی آنکھیں کھل جائیں گی۔ اس وقت اپنی بدتری اور ان کی برتری دیکھ کر معاملہ کی اونچ نیچ سمجھ میں آ جائے گی۔ دنیا کی روزی جسے اللہ جتنی چاہے دے دے۔ جسے چاہے بے حساب دے بلکہ جسے چاہے یہاں بھی دے اور پھر وہاں بھی دے حدیث شریف میں ہے اے ابن آدم تو میری راہ میں خرچ کر میں تجھے دیتا چلا جاؤں گا۔ آپ نے حضرت بلالؓ سے فرمایا راہ اللہ میں دیئے جاؤ اور عرش والے سے تنگی کا خوف نہ کرو۔ قرآن میں ہے وما انفقم من شئني يخلفه ثم جو کچھ خرچ کرو اللہ اس کا بدلہ دے گا۔ صحیح حدیث میں ہے ہر منج و فرشتے اترتے ہیں۔ ایک دعا کرتا ہے اللہ میری راہ میں خرچ کرنے والے کو عزت عطا فرما۔ دوسرا کہتا ہے بخیل کے مال کو برباد کر۔ ایک اور حدیث میں ہے انسان کہتا رہتا ہے میرا مال میرا مال حالانکہ تیرا مال وہ ہے جسے تو نے کھالیا! وہ تو فنا ہو چکا اور جسے پہن لیا! وہ بوسیدہ ہو گیا۔ ہاں جو تو نے صدقہ میں دیا! اسے تو نے باقی رکھ لیا اس کے سوا جو کچھ ہے اسے تو تو دوسروں کے لئے چھوڑ کر یہاں سے چل دے گا۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے دنیا اس کا گھر ہے جس کا گھر نہ ہو دنیا اس کا مال ہے جس کا مال نہ ہو دنیا کے لئے جمع وہ کرتا ہے جسے عقل نہ ہو۔

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِينَ مُبَشِّرِينَ
وَمُنْذِرِينَ وَأَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ
فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلَّا الَّذِينَ أُوتُوهُ مِنْ بَعْدِ مَا
جَاءَتْهُمْ الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ فَهَدَى اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا لِمَا اخْتَلَفُوا
فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِهِ وَاللَّهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ

مُسْتَقِیْمٌ

دراصل لوگ ایک ہی گروہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو خوشخبریاں دینے اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا اور ان کے ساتھ بھی کتاب نازل فرمائی تاکہ لوگوں کے ہر اختلافی امر کا فیصلہ ہو جائے اور صرف ان ہی لوگوں نے جو اسے دیئے گئے تھے اپنے پاس دلائل آچکنے کے بعد آپس کے بغض و عناد سے اس میں اختلاف کیا۔ پس اللہ پاک نے ایمان والوں کو اس اختلاف میں بھی حق کی طرف اپنے ارادہ سے رہبری کی اور اللہ تعالیٰ جس کی چاہے سیدھی راہ کی طرف رہبری کرتا ہے ○

آدم علیہ السلام سے حضرت نوح علیہ السلام تک: ☆ ☆ (آیت: ۲۱۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ حضرت نوحؑ اور حضرت آدمؑ کے درمیان دس زمانے تھے۔ ان زمانوں کے لوگ حق پر اور شریعت کے پابند تھے۔ پھر اختلاف ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا بلکہ آپ کی قرأت بھی یوں ہے کہ ان الناس امة واحدة فاختلَفوا فبعث الخ ابی بن کعب کی قرأت بھی یہی ہے۔ قتادہؒ نے بھی اس کی تفسیر اسی طرح کی ہے کہ جب ان میں اختلاف پیدا ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنا پہلا پیغمبر بھیجا یعنی حضرت نوح علیہ السلام حضرت مجاہد بھی یہی کہتے ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے ایک روایت مروی ہے کہ پہلے سب کے سب کافر تھے، لیکن اول قول معنی کے اعتبار سے بھی اور سند کے اعتبار سے بھی زیادہ صحیح ہے پس ان پیغمبروں نے ایمان والوں کو خوشیاں سنائیں اور ایمان نہ لانے والوں کو ڈرایا۔ ان کے ساتھ اللہ کتاب بھی تھی تاکہ لوگوں کے ہر اختلاف کا فیصلہ قانون الہی سے ہو سکے لیکن ان دلائل کے بعد بھی صرف آپس کے حسد و بغض، تعصب و ضد اور نفسانیت کی بنا پر پھر اتفاق نہ کر سکے لیکن ایمان دار سنبھل گئے اور اس اختلاف کے چکر سے نکل کر سیدھی راہ لگ گئے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ہم دنیا میں آنے کے اعتبار سے سب سے آگے ہوں گے۔ اہل کتاب کو کتاب اللہ ہم سے پہلے دی گئی۔ ہمیں اس کے بعد دی گئی لیکن انہوں نے اختلاف کیا اور اللہ پاک نے ہماری رہبری کی۔ جمعہ کے بارے میں بھی نا اتفاقی رہی۔ لیکن ہمیں ہدایت نصیب ہوئی۔ یہ کُل کے کُل اہل کتاب اس لحاظ سے بھی ہمارے پیچھے ہیں۔ جمعہ ہمارا ہے۔ ہفتہ یہودیوں کا اور اتوار نصرانیوں کا۔ زید بن اسلمؒ فرماتے ہیں جمعہ کے علاوہ قبلہ کے بارے میں بھی یہی ہوا نصاریٰ نے مشرق کو قبلہ بنایا۔ یہود نے بھی اُن میں سے بعض کی نماز رکوع ہے اور سجدہ نہیں۔ بعض کے ہاں سجدہ ہے اور رکوع نہیں۔ بعض نماز میں بولتے چلتے پھرتے رہتے ہیں لیکن امت محمدیؐ نماز سکون و وقار والی ہے۔ نہ یہ بولیں نہ چلیں پھریں۔ روزوں میں بھی اسی طرح اختلاف ہوا اور اس میں بھی امت محمدیؐ گود ہدایت نصیب ہوئی۔ ان میں سے کوئی تو دن کے بعض حصے کا روزہ رکھتا ہے۔ کوئی گروہ بعض قسم کے کھانے چھوڑ دیتا ہے لیکن ہمارا روزہ ہر طرح کامل ہے اور اس میں بھی راہ حق ہمیں سمجھائی گئی ہے۔ اسی طرح حضرت ابراہیمؑ کے بارے میں یہود نے کہا کہ وہ یہودی تھے۔ نصرانیوں نے انہیں نصاریٰ کہا لیکن دراصل وہ یکسر مسلمان تھے۔ پس اس بارے میں بھی ہماری رہبری کی گئی اور خلیل اللہ کی نسبت صحیح خیال تک ہم کو پہنچا دیا گیا۔ حضرت عیسیٰؑ کو بھی یہودیوں نے جھٹلایا اور ان کی والدہ ماجدہ کی نسبت بدکلامی کی۔ نصرانیوں نے انہیں اللہ اور اللہ کا بیٹا کہا لیکن مسلمان اس افراط و تفریط سے بچا لئے گئے اور انہیں روح اللہ مکنتہ اللہ اور نبی جن جن مانا۔

ربیع بن انسؒ فرماتے ہیں مطلب آیت کا یہ ہے کہ جس طرح ابتداء میں سب لوگ اللہ واحد کی عبادت کرنے والے نیکوں کے عامل برائیوں سے مجتنب تھے، بیچ میں اختلاف رونما ہو گیا تھا، پس اس آخری امت کو اہل کی طرح اختلاف سے ہٹا کر صحیح راہ پر لگادیا۔ یہ امت اور امتوں پر گواہ ہوگی یہاں تک کہ امت نوح پر بھی ان کی شہادت ہوگی۔ قوم یہود قوم صالح، قوم شعیب اور آل فرعون کا بھی حساب کتاب انہی کی گواہیوں پر ہوگا۔ یہ کہیں گے کہ ان پیغمبروں نے تبلیغ کی اور ان امتوں نے تکذیب کی۔ حضرت ابی بن کعبؓ کی قرأت میں واللہ

بہدی الخ سے پہلے یہ لفظ بھی ہیں ولیکونوا شہداء علی الناس یوم القیامتہ الخ ابوالعالیہؒ فرماتے ہیں اس آیت میں گویا حکم ہے کہ شبہ سے گمراہی سے اور فتنوں سے بچنا چاہئے۔ یہ ہدایت اللہ کے علم اور اس کی رہبری سے ہوئی۔ وہ جسے چاہے راہ استقامت بچھا دیتا ہے۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ آنحضرت ﷺ رات کو جب تہجد کے لئے اٹھتے تو یہ دعا پڑھتے اللھم رب جبریل و میکائیل و اسرافیل فاطر السموت والارض عالم الغیب والشہادۃ انت تحكم بین عبادک فیما کانوا فیہ یختلفون اھدنی لما یختلف فیہ من الحق باذنک انک تھدی من تشاء الی صراط مستقیم ○ یعنی اے اللہ! اے جبریل میکائیل اور اسرافیل کے اللہ عزوجل! اے آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے والے الہ العالمین! اے چھپے کھلے کے جاننے والے اللہ جل شانہ! تو ہی اپنے بندوں کے آپس کے اختلافات کا فیصلہ کرتا ہے۔ میری دعا ہے کہ جس چیز میں یہ اختلاف کریں تو مجھے اس میں حق بات سمجھا۔ تو جسے چاہے راہ راست دکھا دیتا ہے حضورؐ سے ایک دعا یہ بھی منقول ہے اللھم ارنا الحق حقاً وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابہ ولا تجعلہ متلبساً علینا فضل واجعلنا للمتقین اماماً ○ اے اللہ! ہمیں حق کو حق دکھا اور اس کی تابعداری نصیب فرما اور باطل کو باطل دکھا اور اس سے بچا۔ ایسا نہ ہو کہ حق و باطل ہم پر خلط ملط ہو جائے اور ہم بہک جائیں اے اللہ ہمیں نیکو کار اور پرہیزگار لوگوں کا امام بنا۔

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَأْسَاءُ وَالضَّرَاءُ وَزُلْزِلُوا حَتَّى يَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مَتَى نَصُرُ اللَّهُ أَلَا إِنَّ نَصْرَ اللَّهِ قَرِيبٌ ﴿۲۱۵﴾

قَرِيبٌ ﴿۲۱۵﴾

کیا تم یہ گمان کئے بیٹھے ہو کہ جنت میں چلے جاؤ گے؟ حالانکہ اب تک تم پر وہ حالات نہیں آئے جو تم سے اگلے لوگوں پر آئے تھے۔ انہیں بیماریاں اور مصیبتیں پہنچیں اور وہ یہاں تک جھنجھوڑے گئے کہ رسول اور اس کے ساتھ کے ایماندار کہنے لگے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی؟ سن رکھو کہ اللہ کی مدد قریب ہی ہے ○

ہم سب کو آزمائش سے گزرنا ہے: ☆☆ (آیت ۲۱۴) مطلب یہ ہے کہ آزمائش اور امتحان سے پہلے جنت کی آرزوئیں ٹھیک نہیں۔ اگلی امتوں کا بھی امتحان لیا گیا۔ انہیں بھی بیماریاں، مصیبتیں پہنچیں، باسائے کے معنی فقیری اور ضراء کے معنی سخت بیماری بھی کیا گیا ہے۔ (زلزلو) ان پر دشمنوں کا خوف اس قدر طاری ہوا کہ کانپنے لگے۔ ان تمام سخت امتحانوں میں وہ کامیاب ہوئے اور جنت کے وارث بنے۔ شیخ حدیث میں ہے ایک مرتبہ حضرت خباب بن ارت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ آپ ہماری امداد کی دعا نہیں کرتے؟ آپ نے فرمایا بس ابھی سے گھبرا اٹھے۔ سنو تم سے اگلے موحدون کو پکڑ کر ان کے سروں پر آرے رکھ دیئے جاتے تھے اور چیر کر مکمل دو ٹکڑے کر دیئے جاتے تھے لیکن وہ توحید و سنت سے نہ ہٹتے تھے۔ لوہے کی کنگھیوں سے ان کے گوشت پوست نوچے جاتے تھے لیکن وہ اللہ تعالیٰ کے دین کو نہیں چھوڑتے تھے۔ قسم اللہ کی اس میرے دین کو تو میرا رب اس قدر پورا کرے گا کہ بلا خوف و خطر صنعاء سے حضرموت تک سوار تبا سفر کرنے لگے گا۔ اسے سوائے اللہ کے کسی کا خوف نہ ہوگا البتہ دل میں یہ خیال ہونا اور بات ہے کہ کہیں میری بکریوں پر بھیڑیا نہ پڑے لیکن افسوس تم جلدی

کرتے ہو۔ قرآن میں ٹھیک یہی مضمون دوسری جگہ ان الفاظ میں بیان ہوا ہے الم ○ حسب الناس ان یتروا الخ کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ محض ایمان کے اقرار سے ہی چھوڑ دیئے جائیں گے اور ان کی آزمائش نہ ہوگی۔ ہم نے تو انگوں کی بھی آزمائش کی۔ بچوں کو اور جھوٹوں کو یقیناً ہم نکال کر رہیں گے چنانچہ اسی طرح صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی پوری آزمائش ہوئی۔ یوم الاحزاب یعنی جنگ خندق میں ہوئی جیسے خود قرآن پاک نے اس کا نقشہ کھینچا ہے فرمان ہے اذ جائوکم من فوقکم الخ یعنی جبکہ کافروں نے تمہیں اوپر نیچے سے گھیر لیا جبکہ آنکھیں پتھر اگئیں۔ دل حلقوں تک آگئے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ گمان ہونے لگے۔ اس جگہ مومنوں کی پوری آزمائش ہو گئی اور وہ خوب جھنجھوڑ دیئے گئے جبکہ منافق اور دھل مل یقین والے لوگ کہنے لگے کہ اللہ رسول کے وعدے تو غرور کے ہی تھے۔ ہر قل نے جب ابوسفیان سے ان کے کفر کی حالت میں پوچھا تھا کہ تمہاری کوئی لڑائی بھی اس دعویدار نبوت سے ہوئی ہے۔ ابوسفیان نے کہا ہاں۔ پوچھا۔ پھر کیا رنگ رہا۔ کہا کبھی ہم غالب رہے۔ کبھی وہ غالب رہے تو ہر قل نے کہا انبیاء کی اسی طرح آزمائش ہوتی رہتی ہے لیکن انجام کار کھلا غلبہ انہی کا ہوتا ہے۔

مثلاً کے معنی طریقہ کے ہیں جیسے اور جگہ ہے ومضى مثل الاولین ○ الخ اگلے مومنوں نے مع نبیوں کے ایسے وقت میں اللہ تعالیٰ کی مدد طلب کی اور سختی اور تنگی سے نجات چاہی جنہیں جواب ملا کہ اللہ تعالیٰ کی بہت ہی نزدیک ہے۔ جیسے اور جگہ ہے فان مع العسر يسرا ○ ان مع العسر يسرا الخ یقیناً سختی کی ساتھ آسانی ہے بُرائی کے ساتھ بھلائی ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ بندے جب ناامید ہونے لگتے ہیں تو اللہ تعالیٰ تعجب کرتا ہے کہ میری فریاد رسی تو آہنچنے کو ہے اور یہ ناامید ہوتا چلا جا رہا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ ان کی غلت اور اپنی رحمت کے قرب پر ہنس دیتا ہے۔

يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ قُلْ مَا أَنْفَقْتُ مِنْ خَيْرٍ فَلِلَّهِ الدِّينُ
وَالْأَقْرَبِينَ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ
خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ٥١

تم سے پوچھتے ہیں کہ وہ کیا کچھ خرچ کریں۔ تو کہہ جو مال تم خرچ کر دو وہ مال باپ کے لئے ہے اور شتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے۔ تم جو کچھ بھلائی کرو گے اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ہے ○

نفل خیرات: ☆ ☆ (آیت: ۲۱۵) مقاتل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ آیت نفلی خیرات کے بارے میں ہے۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں اسے آیت زکوٰۃ نے منسوخ کر دیا۔ لیکن یہ قول ذرا غور طلب ہے مطلب آیت کا یہ ہے کہ اے نبی لوگ تم سے سوال کرتے ہیں کہ وہ کس طرح خرچ کریں۔ تم انہیں کہہ دو کہ ان لوگوں سے سلوک کریں جن کا بیان ہوا۔ حدیث میں ہے اپنی ماں سے سلوک کر اور اپنے باپ اور اپنی بہن سے اور اپنے بھائی سے۔ پھر قریبی لوگوں سے۔ یہ حدیث بیان فرما کر حضرت میمون بن مہران نے اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا یہ ہیں جن کے ساتھ مالی سلوک کیا جائے اور ان پر مال خرچ کیا جائے نہ کہ طلبوں باجوں تصویروں اور دیواروں پر کپڑا چسپاں کرنے میں۔ پھر ارشاد ہوتا ہے تم جو بھی نیک کام کرو اس کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے اور وہ اس پر بہترین بدلہ عطا فرمائے گا وہ ذرے برابر ظلم نہیں کرتا۔

کُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ وَعَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا
شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسَىٰ أَن تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ
وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ٢١٦

تم پر جہاد فرض کیا گیا گو وہ تمہیں دشوار معلوم ہو۔ ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو بری جانو اور دراصل وہی تمہارے لئے بھلی ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو اچھی سمجھو حالانکہ وہ تمہارے لئے بری ہو۔ حقیقی علم اللہ ہی کو ہے۔ تم محض بے خبر ہو ○

جہاد بقائے ملت کا بنیادی اصول: ☆ ☆ (آیت: ۲۱۶) دشمنان اسلام سے دین اسلام کے بچاؤ کے لئے جہاد کی فریضیت کا اس آیت میں حکم ہو رہا ہے۔ زہریٰ فرماتے ہیں جہاد ہر شخص پر فرض ہے خواہ لڑائی میں نکلے خواہ بیٹھا رہے۔ سب بھلیہ مض ہے کہ جب ان سے مدد طلب کی جائے تو وہ امداد کریں جب ان سے فریاد کی جائے یہ فریاد رسی کریں جب انہیں میدان میں بلایا جائے یہ نکل کھڑے ہوں۔ صحیح حدیث شریف میں ہے جو شخص مرجائے اور اس نے نہ تو جہاد کیا ہو نہ اپنے دل میں جہاد کی بات چیت کی ہو وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔ اور حدیث میں ہے فتح مکہ کے بعد ہجرت تو نہیں رہی لیکن جہاد اور نیت موجود ہے اور جب تم سے جہاد کے لئے نکلنے کو کہا جائے تو نکل کھڑے ہو۔ یہ حکم آپؐ نے مکہ کی فتح کے دن فرمایا تھا۔

پھر فرمایا ہے حکم جہاد کو تم پر بھاری پڑے گا اور اس میں تمہیں مشقت اور تکلیف نظر آئے گی، ممکن ہے قتل بھی کئے جاؤ، ممکن ہے زخمی ہو جاؤ، پھر سفر کی تکلیف دشمنوں کی یورش کا مقابلہ ہو لیکن سمجھو تو ممکن ہے۔ تم برا جانو اور وہ تمہارے لئے اچھا ہو کیونکہ اسی سے تمہارا غلبہ اور دشمن کی پامالی ہے۔ ان کے مال، ان کے ملک بلکہ ان کے بال بچے تک بھی تمہارے قدموں میں گر پڑیں گے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تم کسی چیز کو اپنے لئے اچھا جانو اور وہی تمہارے لئے برا ہو۔ عموماً ایسا ہوتا ہے کہ انسان ایک چیز کو چاہتا ہے لیکن فی الواقع نہ اس میں مصلحت ہوتی ہے نہ خیر و برکت۔ اسی طرح گو تم جہاد نہ کرنے میں اچھائی سمجھو دراصل وہ تمہارے لئے زبردست برائی ہے کیونکہ اس سے دشمن تم پر غالب آجائے گا اور دنیا میں قدم نکالنے کو بھی تمہیں جگہ نہ ملے گی۔ تمام کاموں کے انجام کا علم محض پروردگار عالم کو ہی ہے۔ وہ جانتا ہے کہ کونسا کام تمہارے لئے انجام کے لحاظ سے اچھا ہے اور کونسا برا ہے۔ وہ اسی کام کا حکم دیتا ہے جس میں تمہارے لئے دونوں جہان کی بہتری ہو۔ تم اس کے احکام دل و جان سے قبول کر لیا کرو اور اس کے ہر حکم کو خندہ پیشانی سے مان لیا کرو۔ اسی میں تمہاری بھلائی اور عمدگی ہے۔

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ
 وَصَدٌّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَكُفْرٌ بِهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَإِخْرَاجُ
 أَهْلِهِ مِنْهُ أَكْبَرُ عِنْدَ اللَّهِ وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ وَلَا
 يَزَالُونَ يَقَاتِلُونَكُمْ حَتَّى يَرُدُّوكُمْ عَنْ دِينِكُمْ إِنِ اسْتَطَاعُوا
 وَمَنْ يَرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فِيمَتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَأُولَٰئِكَ حَبِطَتْ
 أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا
 خَالِدُونَ ﴿٢١٧﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَجْهَهُمْ فِي سَبِيلِ
 اللَّهِ أُولَٰئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَ اللَّهِ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٢١٨﴾

لوگ تجھ سے حرمت والے مہینوں میں لڑائی کی بابت سوال کرتے ہیں تو کہہ ان میں لڑائی کرنا بڑا گناہ ہے لیکن اللہ کی راہ سے روکنا اس کے ساتھ کھڑے کرنا اور مسجد حرام سے روکنا اور وہاں کے رہنے والوں کو وہاں سے نکالنا یہ اللہ کے نزدیک اس سے بھی بڑا ہے یہ فتنہ قتل سے بھی بڑا گناہ ہے یہ لوگ تم سے لڑائی بھڑائی کرتے ہی رہیں گے یہاں تک کہ اگر ان سے ہو سکے تو تمہیں تمہارے دین سے مرتد کر دیں اور تم میں سے جو لوگ اپنے دین سے پلٹ جائیں اور اسی کفر کی حالت میں مریں ان کے اعمال دنیوی اور اخروی سب غارت ہو جائیں گے۔ یہ لوگ جہنمی ہوں گے اور ہمیشہ جہنم میں ہی رہیں گے ○ ایمان لانے والے ہجرت کرنے والے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے ہی رحمت اللہ کے امیدوار ہیں اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بہت مہربانی کرنے والا ہے ○

حضری کا قتل: ☆☆ (آیت: ۲۱۷-۲۱۸) رسول اللہ ﷺ نے ایک جماعت کو بھیجا اور اس کا امیر حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بنایا جب وہ جانے لگے تو حضورؐ سے جدائی کے صدمہ سے رو دیئے۔ آپ نے انہیں روک لیا اور ان کے بدلے حضرت عبد اللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سردار لشکر مقرر کیا اور انہیں ایک خط لکھ کر دیا اور فرمایا کہ جب تک یمن نخل نہ پہنچو اس خط کو نہ پڑھنا اور وہاں پہنچ کر جب اس مضمون کو دیکھو تو ساتھیوں میں سے کسی کو اپنے ساتھ چلنے پر مجبور نہ کرنا چنانچہ حضرت عبد اللہؓ اس مختصری جماعت کو لے کر چلے جب اس مقام پر پہنچے تو فرمان نبیؐ پڑھا اور انا للہ الخ پڑھ کر کہا میں نے حضورؐ کے فرمان کو پڑھا اور میں فرمانبرداری کے لئے تیار ہوں۔ پھر اپنے ساتھیوں کو پڑھ کر سنایا اور واقعہ بیان کیا۔ دو شخص تو لوٹ گئے لیکن اور سب ساتھ چلنے کے لئے آمادہ ہو گئے۔ آگے چل کر ابن الحضرمی کافر کو انہوں نے پایا۔ چونکہ یہ علم نہ تھا کہ جمادی الاخریٰ کا یہ آخری دن ہے یا ربیع الاول کا پہلا دن ہے۔ انہوں نے اس لشکر پر حملہ کر دیا۔ ابن الحضرمی مارا گیا اور صحابہؓ کی یہ جماعت وہاں سے واپس ہوئی۔

اب مشرکین نے مسلمانوں پر اعتراض شروع کیا کہ دیکھو انہوں نے حرمت والے مہینوں میں لڑائی کی اور قتل بھی کیا اس بارے میں یہ آیت اتری (ابن ابی حاتم) ایک اور روایت میں ہے کہ اس جماعت میں حضرت عمار بن یاسرؓ حضرت ابو حذیفہؓ بن عتبہؓ بن ربیعہؓ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ حضرت عتبہؓ بن غزوہؓ سلمیٰؓ حضرت سہیلؓ بن بیضاءؓ اور حضرت عامرؓ بن فہیرہؓ اور حضرت واقد بن عبد اللہؓ یروی رضی اللہ

تعالیٰ عنہم تھے۔ لیکن نخلہ پہنچ کر حضرت عبداللہ جشؓ نے صاف فرما دیا تھا کہ جو شخص شہادت کا آرزو مند ہو وہی آگے بڑھے یہاں سے واپس جانے والے حضرت سعد ابی وقاصؓ اور عتبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما تھے ان کے ساتھ نہ جانے کی وجہ یہ ہوئی تھی کہ ان کا اونٹ گم ہو گیا تھا جس کے ڈھونڈنے میں وہ رہ گئے۔ مشرکین میں حکم بن کیسان، عثمان بن عبداللہ وغیرہ تھے حضرت واقعہ کے ہاتھوں عمر قتل ہوا اور یہ جماعت مال غنیمت لے کر واپس لوٹی۔ یہ پہلی غنیمت تھی جو مسلمان صحابہؓ کو ملی اور یہ جاننا ز جماعت دو قیدیوں کو اور مال غنیمت لے کر واپس آئی مشرکین مکہ نے قیدیوں کا فدیہ ادا کرنا چاہا اور انہوں نے اعتراضاً کہا کہ دیکھو حضرت کا دعویٰ یہ ہے کہ وہ اللہ کے اطاعت گزار ہیں لیکن حرمت والے مہینوں کی کوئی حرمت نہیں کرتے اور ماہ رجب میں جدال و قتال کرتے ہیں مسلمان کہتے تھے کہ ہم نے رجب میں قتل نہیں کیا بلکہ جمادی الاخریٰ میں لڑائی ہوئی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ رجب کی پہلی رات اور جمادی الاخریٰ کی آخری شب تھی رجب شروع ہوتے ہی مسلمانوں کی تلواریں میان میں ہو گئی تھیں۔ مشرکین کے اس اعتراض کا جواب اس آیت میں دیا جا رہا ہے کہ یہ سچ ہے کہ ان مہینوں میں جنگ حرام ہے لیکن اسے مشرکوں تمہاری بد اعمالیاں تو برائی میں اس سے بھی بڑھ کر ہیں۔ تم اللہ کا انکار کرتے ہو تم میرے نبی اور ان کے ساتھیوں کو میری مسجد سے روکتے ہو۔ تم نے انہیں وہاں سے نکال دیا پس اپنی ان سیاہ کاریوں پر نظر ڈالو کہ یہ کس قدر بدترین کام ہیں انہی حرمت والے مہینوں میں ہی مشرکین نے مسلمانوں کو بیت اللہ شریف سے روکا تھا اور وہ مجبوراً واپس ہوئے تھے۔ اگلے سال اللہ تعالیٰ نے حرمت والے مہینوں میں ہی مکہ کو اپنے نبی کے ہاتھ فتح کروایا انہیں ان آیتوں میں لا جواب کیا گیا۔ عمرو بن الحضرمی جو قتل کیا گیا یہ طائف سے مکہ کو آ رہا تھا۔ گور جب کا چاند چڑھ چکا تھا لیکن صحابہؓ کو معلوم نہ تھا وہ اس رات کو جمادی الاخریٰ کی آخری رات جانتے تھے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن جشؓ کے ساتھ آٹھ آدمی تھے سات تو وہی جن کے نام اوپر بیان ہوئے۔ آٹھویں حضرت رباب اسدیؓ تھے انہیں بدر اہل سے واپسی کے وقت حضورؐ نے بھیجا تھا یہ سب مہاجر صحابہ تھے۔ ان میں ایک بھی انصاری نہ تھا۔ دودن چل کر حضورؐ کے اس نامہ مبارک کو پڑھا جس میں تحریر تھا کہ میرے اس حکم نامہ کو پڑھ کر مکہ اور طائف کے درمیان نخلہ میں جاؤ۔ وہاں ٹھہرو اور قریش کے قافلہ کا انتظار کرو اور ان کی خبریں معلوم کر کے مجھے پہنچاؤ یہ بزرگ یہاں سے چلے تو سب ہی چلے تھے دو صحابی جو اونٹ کو ڈھونڈنے کے لئے رہ گئے تھے وہ بھی یہاں سے ساتھ ہی تھے لیکن فرغ کے اوپر معدن پر پہنچ کر نجران میں انہیں اونٹوں کی تلاش میں رک جانا پڑا۔ قریشیوں کے اس قافلہ میں زیتون وغیرہ تجارتی مال تھا مشرکین میں علاوہ ان لوگوں کے جن کے نام اوپر بیان ہوئے ہیں، نوفل بن عبداللہ وغیرہ بھی تھے۔ مسلمان اول تو انہیں دیکھ کر گھبرائے لیکن پھر مشورہ کر کے مسلمانوں نے یہ سوچ کر کہ اگر انہیں چھوڑ دیا تو اس رات کے بعد حرمت کا مہینہ آجائے گا تو ہم پھر کچھ بھی نہ کر سکیں گے انہوں نے شجاعت و مردانگی کے ساتھ حملہ کیا۔

حضرت واقعہ بن عبداللہ تسمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عمرو بن حضرمی کو ایسا تاک کر تیر لگایا کہ اس کا تو فیصلہ ہی ہو گیا عثمان اور حکم کو قید کر لیا اور مال وغیرہ لے کر حضورؐ کی خدمت میں پہنچے راستہ میں ہی سردار لشکر نے کہہ دیا تھا کہ اس مال میں سے پانچواں حصہ تو اللہ کے رسول کا ہے چنانچہ یہ حصہ تو الگ کر کے رکھ دیا گیا اور باقی مال صحابہؓ میں تقسیم کر دیا اور اب تک یہ حکم نازل نہیں ہوا تھا کہ مال غنیمت میں سے پانچواں حصہ نکالنا چاہیے۔ جب یہ لشکر سرکار نبویؐ میں پہنچا تو آپؐ نے واقعہ سن کر ناراضگی ظاہر فرمائی اور فرمایا کہ میں نے تمہیں حرمت والے مہینوں میں لڑائی کرنے کو کب کہا تھا نہ تو قافلہ کا کچھ مال آپؐ نے لیا نہ قیدیوں کو قبضہ میں کیا۔ حضورؐ کے اس قول و فعل سے یہ مسلمان سخت نادم ہوئے اور

اپنی گنہگاری کا انہیں یقین ہو گیا پھر اور مسلمانوں نے بھی انہیں کچھ کہنا سننا شروع کیا۔

ادھر قریشیوں نے طعنہ دینا شروع کیا کہ محمد (ﷺ) اور آپ کے صحابہ حرمت والے مہینوں میں بھی جدال و قتال سے باز نہیں رہتے دوسری جانب یہودیوں نے ایک بدفالی نکالی چونکہ عمرو قتل کیا گیا تھا۔ انہوں نے کہا عَمَرُ الْحَرْبِ لڑائی پر رونق اور خوب زور و شور سے لمبی مدت تک ہوگی اس کے باپ کا نام حضری تھا۔ اس سے انہوں نے فال لی کہ حضرت الحرب وقت لڑائی آپہنچا قاتل کا نام واقد تھا جس سے انہوں نے کہا وَقَدَّتِ الْحَرْبُ لڑائی کی آگ بھڑک اٹھی لیکن قدرت نے اسے برعکس کر دیا اور نتیجہ تمام تر مشرکین کے خلاف رہا اور ان کے اعتراض کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی کہ اگر بالفرض جنگ حرمت والے مہینے میں ہوئی بھی ہو تو اس سے بھی بدترین تمہاری سیاہ کاریاں موجود ہیں تمہارا یہ فتنہ کہ تم دین اللہ سے مسلمانوں کو مرتد کرنے کی اپنی تمام تر امکانی کوششیں کر رہے ہو، یہ اس قتل سے بھی بڑھ کر ہے اور تم نہ تو اپنے ان کاموں سے رکتے ہو نہ توبہ کرتے ہو نہ اس پر نادم ہوتے ہو۔ ان آیات کے نازل ہونے کے بعد مسلمانوں نے اس رنج و افسوس سے نجات پائی اور حضورؐ نے قافلہ اور قیدیوں کو اپنے قبضہ میں لیا قریشیوں نے پھر آپؐ کے پاس قاصد بھیجا کہ ان دونوں قیدیوں کا فدیہ لے لیجئے مگر آپؐ نے فرمایا کہ میرے دونوں صحابی سعد بن ابی وقاص اور عتبہ بن غزوہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) جب آجائیں تب آؤ مجھے ڈر ہے کہ تم انہیں ایذا نہ پہنچاؤ چنانچہ جب وہ آگئے تو آپؐ نے فدیہ لے لیا اور دونوں قیدیوں کو رہا کر دیا۔ حکم بن کیسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو مسلمان ہو گئے اور حضورؐ کی خدمت میں ہی رہ گئے آخر خیر معونہ کی لڑائی میں شہید ہوئے (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ہاں عثمان بن عبد اللہ مکہ واپس گیا اور وہیں کفر میں ہی مرا ان غازیوں کو یہ آیت سن کر بڑی خوشی حاصل ہوئی اور حضورؐ کی ناراضگی کی وجہ سے حرمت والے مہینوں کی بے ادبی کے سبب سے دوسرے صحابہؓ کی چشمک کی بناء پر کفار کے طعنہ کے باعث جو رنج و غم ان کے دلوں پر تھا سب دور ہو گیا لیکن اب یہ فکر پڑی کہ ہمیں اخروی اجر بھی ملے گا یا نہیں ہم غازیوں میں بھی شمار ہوں گے یا نہیں جب حضورؐ سے یہ سوالات کئے گئے تو اس کے جواب میں یہ آیت اِنَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِلَيْكَ نَازِلٌ ہوتی اور ان کی بڑی بڑی امیدیں بندھ گئیں رضی اللہ عنہم اجمعین۔

اسلام اور کفر کے مقابلہ میں کافروں میں سب سے پہلے یہی ابن الحضری مارا گیا کفار کا وفد حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سوال کیا کہ کیا حرمت والے مہینوں میں قتل کرنا جائز ہے اس پر یہ آیت یَسْأَلُوْكَ اَلَمْ نُنَزِّلْ لَكَ اِلٰیْكَ نَازِلٌ ہوتی یہی مال غنیمت تھا جو سب سے پہلے مسلمانوں کے ہاتھ لگا اور سب سے پہلے پانچواں حصہ حضرت عبد اللہ بن جحش نے ہی نکالا جو اسلام میں باقی رہا اور حکم الہی بھی اسی طرح نازل ہوا اور یہی دو قیدی تھے جو سب سے پہلے مسلمانوں کے ہاتھوں اسیر ہوئے اس واقعہ کو ایک نظم میں بھی ادا کیا گیا ہے بعض تو کہتے ہیں کہ یہ اشعار حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہیں لیکن یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ اشعار عبد اللہ بن جحش کے ہیں جو اس مختصر سے لشکر کے سردار تھے اللہ ان سے خوش ہو۔

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَمَنْفَعٌ
لِّلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَا اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا
يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ الْآٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ
تَتَفَكَّرُوْنَ ۝۱۵۱ فِي الدُّنْيَا وَالْآٰخِرَةِ وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْيَتٰمٰی قُلْ

ہے کہ شراب اور جوئے کے باعث تم میں آپس میں عداوت و بغض ڈال دے اور تمہیں اللہ کے ذکر اور نماز سے روک دے۔ کیا باتم ان شیطانی کاموں سے رک جانے والے بن جاؤ گے؟ اس کا پورا بیان ان شاء اللہ سورہ مائدہ میں آئے گا۔ مفسرین تابعی فرماتے ہیں کہ شراب کے بارے میں پہلے یہی آیت نازل ہوئی پھر سورہ نساء کی آیت نازل ہوئی پھر سورہ مائدہ کی آیت اتری اور شراب مکمل طور پر حرام ہو گئی۔

عفو اور اس کی وضاحتیں: ☆☆ قُلِ الْعَفْوَ کی ایک قرأت قُلِ الْعَفْوَ بھی ہے اور دونوں قراتیں ٹھیک ہیں معنی قریب قریب اور ایک ہو سکتے ہیں اور بندھی بیٹھ سکتے ہیں حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت ثعلبہؓ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور دریافت کیا کہ حضور ہمارے غلام بھی ہیں بال بچے بھی ہیں اور ہم مال دار بھی ہیں کیا کچھ راہ اللہ دیں جس کے جواب میں قُلِ الْعَفْوَ کہا گیا۔ یعنی جو اپنے بال بچوں کے خرچ کے بعد بچے۔ بہت سے صحابہ اور تابعین سے اس کی یہی تفسیر مروی ہے حضرت طاؤسؓ کہتے ہیں ہر چیز میں تھوڑا تھوڑا اللہ کی راہ میں بھی دیتے رہا کرو رائج کہتے ہیں افضل اور بہتر مال اللہ کی راہ میں دو۔ سب اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ حاجت سے زائد چیز اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ حضرت حسنؓ فرماتے ہیں ایسا نہ کرو کہ سب دے ڈالو اور پھر خود سوال کے لئے بیٹھ جاؤ۔ چنانچہ صحیح مسلم شریف میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے کہا حضور میرے پاس ایک دینار ہے۔ آپ نے فرمایا اپنے کام میں لاؤ کہا۔ میرے پاس ایک اور ہے۔ فرمایا اپنی بیوی پر خرچ کرو کہا حضرت ایک اور ہے فرمایا اپنے بچوں کی ضروریات پر لگاؤ کہا ایک اور بھی ہے۔ فرمایا تو اپنی عقل سے خود بھی خرچ کر سکتا ہے۔

صحیح مسلم شریف کی ایک اور حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے ایک شخص سے فرمایا اپنے نفس سے شروع کر پہلے اسی پر صدقہ کر پھر تو اپنے بال بچوں پر پھر بچے تو اپنے رشتہ داروں پر پھر تو اور حاجت مندوں پر اسی کتاب میں ایک اور حدیث میں ہے کہ سب سے افضل خیرات وہ ہے جو انسان اپنے خرچ کے مطابق باقی رکھ کر بچی ہوئی چیز کو اللہ کی راہ دے۔ اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے افضل ہے پہلے انہیں دے جن کا خرچ تیرے ذمہ ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے اے ابن آدم جو تیرے پاس اپنی ضرورت سے زائد ہو اسے اللہ کی راہ میں دے ڈالنا ہی تیرے لئے بہتر ہے اس کا روک رکھنا تیرے لئے برا ہے ہاں اپنی ضرورت کے مطابق خرچ کرنے میں تجھ پر کوئی ملامت نہیں۔ ابن عباسؓ کا ایک قول یہ بھی مروی ہے کہ یہ حکم زکوٰۃ کے حکم سے منسوخ ہو گیا۔ حضرت مجاہدؓ کہتے ہیں زکوٰۃ کی آیت گویا اس آیت کی تفسیر اور اس کا واضح بیان ہے۔ ٹھیک قول یہی ہے۔

پھر ارشاد ہے کہ جس طرح یہ احکام واضح کر کے کھول کھول کر ہم نے بیان فرمائے اسی طرح ہم باقی احکام بھی وضاحت اور تشریح کے ساتھ بیان فرمائیں گے۔ وعدے وعید بھی صاف طور پر کھول دیئے جائیں گے تاکہ تم دنیاۓ فانی کی طرف سے بے رغبت ہو کر آخرت کی طرف متوجہ ہو جاؤ جو ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔ حضرت حسنؓ نے اس آیت کی تلاوت کر کے فرمایا واللہ جو غور و تدبر کرے گا جان لے گا کہ دنیا بلا کا گھر ہے اور اس کا انجام فنا ہے اور آخرت جزا اور بقا کا گھر ہے۔ حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں فکر کرنے سے صاف معلوم ہو سکتا ہے کہ دنیا پر آخرت کو کس قدر فضیلت ہے۔ پس عقلمند کو چاہئے کہ آخرت کی بھلائی کے جمع کرنے کی کوشش میں لگ جائے۔

یتیم کا مال اور ہماری ذمہ داری: ☆☆ پھر یتیم کے بارے میں احکام نازل ہوتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں پہلے یہ حکم ہوا تھا کہ وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ یعنی یتیم کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ مگر اس طریقہ سے جو بہترین طریقہ ہو اور فرمایا گیا تھا إِنَّ الدِّينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا وَهُمْ لَا يَبْصُرُونَ سَعِيرًا یعنی جو لوگ ظلم سے یتیموں کا مال کھا جاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ بھڑک رہے ہیں اور وہ بھڑکتی ہوئی جہنم میں منقریب داخل ہوں گے۔ تو ان آیتوں کو سن کر ان لوگوں نے جو یتیموں کے والی تھے یتیموں کا کھانا اور ان کا پانی اپنے گھر کے کھانے اور گھر کے پانی سے بالکل جدا کر دیا۔

اب اگر ان کا پکا ہوا کھانا بچ رہتا تو اسے یا تو وہ خود ہی دوسرے وقت کھائے یا خراب ہو جائے تو یوں ایک طرف تو ان قیموں کا نقصان ہونے لگا۔ دوسری جانب والیان یتیم بھی تنگ آ گئے کہ کب تک ایک ہی گھر میں اس طرح رکھ رکھاؤ کیا کریں تو ان لوگوں نے آ کر حضورؐ سے عرض کی جس پر یہ آیت قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ اِلٰح نازل ہوئی اور نیک نیتی اور دیانت داری کے ساتھ ان کے مال کو اپنے مال میں ملا لینے کی رخصت دی گئی۔ ابوداؤد و نسائی وغیرہ میں یہ روایتیں موجود ہیں اور سلف و خلف کی ایک بہت بڑی جماعت نے اس کا شان نزول یہی بیان فرمایا ہے۔

حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں یتیم کے ذرا اور اس کے مال کی اس طرح دیکھ بھال سخت مشکل ہے کہ اس کا کھانا الگ ہو اس کا پینا الگ ہو۔ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ اِلٰح سے تو یہی علیحدگی مراد ہے لیکن پھر وَاِنْ تُخَالِطُوهُمْ فَرٰمٰکُمْ کھانا پینا ملا جلارکھنے کی اجازت دی گئی اس لئے کہ وہ بھی دینی بھائی ہیں ہاں نیت نیک ہونی چاہئے۔ قصد اور ارادہ اگر یتیم کی نقصان رسانی کا ہے تو وہ بھی اللہ تبارک و تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں اور اگر مقصود یتیم کی بھلائی اور اس کے مال کی نگہبانی ہے تو اسے بھی وہ علام الغیوب بخوبی جانتا ہے۔ پھر فرمایا کہ اللہ تمہیں تکلیف و مشقت میں مبتلا رکھنا نہیں چاہتا۔ جو تنگی اور حرج تم پر یتیم کا کھانا پینا بالکل جدا رکھنے میں تھا وہ اللہ تعالیٰ نے دور فرما دیا اور تم پر تخفیف کر دی اور ایک ہنڈیا رکھنا اور ملا جلا کام کرنا تمہارے لئے مباح قرار دیا بلکہ یتیم کا نگران اگر تشدد ست مسکین محتاج ہو تو مطابق دستور اپنے خرچ میں لاسکتا ہے اور اگر کسی مالدار نے اپنے بوقت ضرورت اس کی چیز کام میں لے لی تو پھر ادا کر دے۔ یہ مسائل ان شاء اللہ وضاحت کے ساتھ سورہ نساء کی تفسیر میں بیان ہوں گے۔

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَةَ حَتَّىٰ تُؤْمِنَ ۖ وَلَا مَٰمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ
مُّشْرِكَةٍ وَلَوْ أَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يُؤْمِنُوا ۚ وَلَعَبْدٌ
مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَلَوْ أَعْجَبَكُمْ ۚ اُولٰٓئِكَ يَدْعُونَ إِلَى
التَّارِ ۚ وَاللّٰهُ يَدْعُوٓا۟ إِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ
لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝۲۱

شرک کرنے والی عورتوں سے تا وقتیکہ وہ ایمان نہ لائیں تم نکاح نہ کرو ایماندار لونڈی بھی شرک کرنے والی آزاد عورت سے بہت بہتر ہے گو تمہیں مشرکہ ہی اچھی لگتی ہو اور نہ شرک کرنے والے مردوں کے نکاح میں دو جب تک کہ وہ ایمان نہ لائیں ایماندار غلام آزاد شرک سے بہتر ہے گو مشرک تمہیں اچھا لگے۔ یہ لوگ تو تمہیں جہنم کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ تمہیں جنت کی طرف اور اپنی بخشش کی طرف اپنے حکم سے بلاتا ہے۔ وہ اپنی آیتیں لوگوں کے لئے بیان فرما رہا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں ○

پاک دامن عورتیں: ☆ ☆ (آیت: ۲۲۱) بت پرست مشرکہ عورتوں سے نکاح کی حرمت بیان ہو رہی ہے گو آیت کا عموم تو ہر ایک مشرکہ عورت سے نکاح کرنے کی ممانعت پر ہی دلالت کرتا ہے لیکن دوسری جگہ فرمان ہے وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ اِلٰح یعنی تم سے پہلے جو لوگ کتاب اللہ دیئے گئے ہیں ان کی پاک دامن عورتوں سے بھی جواز ناکاری سے بچنے والی ہوں ان کے مہر ادا کر کے ان سے نکاح کرنا تمہارے لئے حلال ہے حضرت ابن عباسؓ کا قول بھی یہی ہے کہ ان مشرکہ عورتوں میں سے اہل کتاب عورتیں

مخصوص ہیں۔ مجاہدؒ، عکرمہؒ، سعید بن جبہؒ، کھولؒ، حسنؒ، ضحاکؒ، قتادہؒ، زید بن اسلمؒ اور ربیع بن انسؒ رحمہم اللہ کا بھی یہی فرمان ہے۔ بعض کہتے ہیں یہ آیت صرف بت پرست مشرک عورتوں ہی کے لئے نازل ہوئی ہے جیسے بھی کہہ لیں مطلب دونوں کا ایک ہی ہے واللہ اعلم۔ ابن جریر میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کئی قسم کی عورتوں سے نکاح کرنے کو ناجائز قرار دیا سوائے ایمان دار ہجرت کر کے آنے والی عورتوں خصوصاً ان عورتوں سے جو کسی دوسرے مذہب کی پابند ہوں قرآن کریم میں اور جگہ ہے وَمَنْ يَتَّخِزْ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ یعنی کافروں کے اعمال برباد ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ نے یہودیہ عورت سے نکاح کیا تھا اور حضرت حذیفہ بن یمانؓ نے ایک نصرانیہ عورت سے نکاح کر لیا تھا جس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سخت ناراض ہوئے۔ یہاں تک کہ قریب تھا کہ انہیں کوڑے لگائیں، ان دونوں بزرگوں نے کہا اے امیر المؤمنین، آپ ناراض نہ ہوں ہم انہیں طلاق دے دیتے ہیں آپؐ نے فرمایا اگر طلاق دینی حلال ہے تو پھر نکاح بھی حلال ہونا چاہئے میں انہیں تم سے چھین لوں گا اور اس ذلت کے ساتھ انہیں الگ کروں گا لیکن یہ حدیث نہایت غریب ہے اور حضرت عمرؓ سے بالکل ہی غریب ہے۔ امام ابن جریرؒ نے اہل کتاب عورتوں سے نکاح کے حلال ہونے پر اجماع نقل کیا ہے اور حضرت عمرؓ کے اس اثر کے بارے میں تحریر کیا ہے کہ یہ صرف سیاسی مصلحت کی بنا پر تھا تا کہ مسلمان عورتوں سے لوگ بے رغبتی نہ کریں یا اور کوئی حکمت عملی اس فرمان میں تھی چنانچہ اس روایت میں یہ بھی ہے کہ جب حضرت حذیفہؓ کو یہ فرمان ملا تو انہوں نے جواب میں لکھا کہ کیا آپ اسے حرام کہتے ہیں۔ خلیفہ المسلمین نے جواب دیا کہ حرام تو نہیں کہتا مگر مجھے خوف ہے کہیں تم مومن عورتوں سے نکاح نہ کرو؟ اس روایت کی اسناد بھی صحیح ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ مسلمان مرد نصرانی عورت سے نکاح کر سکتا ہے لیکن نصرانی مرد کا نکاح مسلمان عورت سے نہیں ہو سکتا۔ اس روایت کی سند پہلی روایت سے زیادہ صحیح ہے۔ ابن جریرؒ میں تو ایک مرفوع حدیث بھی باسناد مروی ہے کہ ہم اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کر لیں لیکن اہل کتاب مرد مسلمان عورتوں سے نکاح نہیں کر سکتے لیکن اس سند میں کچھ کمزوری ہے مگر امت کا اجماع اسی پر ہے۔ ابن ابی حاتمؒ کی روایت میں ہے کہ حضرت فاروقؓ نے اہل کتاب کے نکاح کو ناپسند کیا اور اس آیت کی تلاوت فرمادی، امام بخاریؒ حضرت عمرؓ کا یہ قول بھی نقل فرماتے ہیں کہ میں کسی شرک کو اس شرک سے بڑھ کر نہیں پاتا کہ وہ عورت کہتی ہے کہ عیسیٰ اس کے اللہ ہیں حضرت امام احمدؒ سے اس آیت کا مطلب پوچھا جاتا ہے تو آپؐ فرماتے ہیں، مراد اس سے عرب کی وہ مشرک عورتیں ہیں جو بت پرست تھیں۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ ایمان والی لونڈی شرک کرنے والی آزاد عورت سے اچھی ہے۔ یہ فرمان عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں نازل ہوتا ہے۔ ان کی ایک سیاہ رنگ کی لونڈی تھی ایک مرتبہ غصہ میں آ کر اسے تھپڑ مار دیا تھا پھر گھبرائے ہوئے آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور واقعہ عرض کیا۔ آپؐ نے پوچھا۔ اس کا کیا خیال ہے کہا حضورؐ وہ روزے رکھتی ہے نماز پڑھتی ہے اچھی طرح وضو کرتی ہے اللہ کی وحدانیت اور آپؐ کی رسالت کی گواہی دیتی ہے۔ آپؐ نے فرمایا اے ابو عبد اللہ پھر تو وہ ایماندار ہے کہنے لگے یا رسول اللہؐ قسم اس اللہ کی جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، میں اسے آزاد کروں گا اور اتنا ہی نہیں بلکہ اس سے نکاح بھی کر لوں گا چنانچہ یہی کیا جس پر بعض مسلمانوں نے انہیں طعنہ دیا وہ چاہتے تھے کہ مشرکوں میں ان کا نکاح کر دیں اور انہیں اپنی لڑکیاں بھی دیں تا کہ شرافت نسب قائم رہے اس پر یہ فرمان نازل ہوا کہ مشرک آزاد عورت سے تو مسلمان لونڈی ہزار ہا درجہ بہتر ہے اور اسی طرح مشرک آزاد مرد سے غلام مسلم مرد بھی بڑھ چڑھ کر ہے۔

مسند عبد بن حمید میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، عورتوں کے محض حسن پر فریفتہ ہو کر ان سے نکاح نہ کر لیا کرو ممکن ہے ان کا حسن انہیں مغرور کر دے عورتوں کے مال کے پیچھے ان سے نکاح نہ کر لیا کرو ممکن ہے مال انہیں سرکش کر دے نکاح کرو تو دینداری دیکھا کرو بد صورت سیاہ فام لونڈی بھی اگر دیندار ہو تو بہت افضل ہے لیکن اس حدیث کے راویوں میں افریقی ضعیف ہے۔ بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا چار باتیں دیکھ کر عورتوں سے نکاح کیا جاتا ہے ایک تو مال دوسرے حسب نسب۔ تیسرے جمال و خوبصورتی چوتھے دین تم دینداری نہ لو مسلم شریف میں ہے دنیا کل کی کل ایک متاع ہے متاع دنیا میں سب سے افضل چیز نیک بخت عورت ہے۔ پھر فرمان ہے کہ مشرک مردوں کے نکاح میں مسلمان عورتیں بھی نہ دو جیسے اور جگہ ہے لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ نہ کا فر عورتیں مسلمان مردوں کے لئے حلال نہ مسلمان مرد کا فر عورتوں کے لئے حلال۔ پھر فرمان ہے کہ مومن مرد کو چاہے جی غلام ہو پھر بھی رئیس اور سردار آزاد کا فر سے بہتر ہے۔ ان لوگوں کا میل جول ان کی صحبت، محبت دنیا، حفاظت دنیا اور دنیا طلبی اور دنیا کو آخرت پر ترجیح دینی سکھاتی ہے جس کا انجام جہنم ہے اور اللہ تعالیٰ کے فرمان کی پابندی اس کے حکموں کی تعمیل جنت کی رہبری کرتی ہے۔ گناہوں کی مغفرت کا باعث بنتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے وعظ و نصیحت اور پند و عبرت کے لئے اپنی آیتیں واضح طور پر بیان فرمادیں۔

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أَذًى لَا فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّى يَطْهَرْنَ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ ﴿٥٥﴾ نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنْتِ شِئْتُمْ وَقَدِّمُوا لِأَنْفُسِكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ مُلْقَوَةٌ ۗ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٥٦﴾

تم سے حیض کے بارے میں سوال ہوتا ہے۔ کہہ دو کہ وہ گندگی ہے حالت حیض میں عورتوں سے الگ رہو اور جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں ان کے قریب نہ جاؤ۔ ہاں جب وہ پاک ہو جائیں تو ان کے پاس جاؤ جہاں سے اللہ نے تمہیں اجازت دی ہے۔ اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں اور پاک رہنے والوں کو پسند فرماتا ہے ○ تمہاری بیویاں تمہاری کھیتیاں ہیں اپنی کھیتوں میں جس طرح چاہو آؤ اور اپنے لئے آگے بھیجو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو اور جان رکھو کہ تم اس سے ملنے والے ہو ایمان والوں کو خوشخبری سنا دو ○

ایام حیض اور جماع سے متعلقہ مسائل ☆ ☆ (آیت ۲۲۲-۲۲۳) حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ یہودی لوگ حائضہ عورتوں کو نہ اپنے ساتھ کھلاتے تھے نہ اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ صحابہؓ نے اس بارے میں حضورؐ سے سوال کیا جس کے جواب میں یہ آیت اتری اور حضورؐ نے فرمایا سوائے جماع کے اور سب کچھ حلال ہے۔ یہودی یہ سن کر کہنے لگے کہ انہیں تو ہماری مخالفت سے ہی غرض ہے۔ حضرت اسید بن حنیفؓ اور حضرت عباد بن بشرؓ نے یہودیوں کا یہ کلام نقل کر کے کہا کہ حضورؐ پھر ہمیں جماع کی بھی رخصت دی جائے آپ کا چہرہ یہ سن کر متغیر ہو گیا یہاں تک کہ اور صحابہؓ نے خیال کیا کہ آپ ان پر ناراض ہو گئے جب یہ بزرگ جانے لگے تو آنحضرت ﷺ کے پاس کوئی بزرگ تحفتاً دودھ لے کر آئے۔ آپ نے ان کے پیچھے آدی بھیج کر انہیں بلایا اور وہ دودھ انہیں پلایا اب معلوم ہوا کہ وہ غصہ جاتا رہا (مسلم)۔ پس اس فرمان کا کہ

حیض کی حالت میں عورتوں سے الگ رہو یہ مطلب ہوا کہ جماع نہ کرو اس لئے کہ اور سب حلال ہے اکثر علماء کا مذہب ہے کہ سوائے جماع کے مباشرت جائز ہے۔ حدیثوں میں ہے کہ حضور بھی ایسی حالت میں ازواج مطہرات سے ملتے جلتے لیکن وہ تہمد باندھے ہوئے ہوتی تھیں (ابوداؤد) حضرت عمارہ کی پھوپھی صاحبہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سوال کرتی ہیں کہ اگر عورت حیض کی حالت میں ہو اور گھر میں میاں بیوی کا ایک ہی بستر ہو تو وہ کیا کرے؟ یعنی ایسی حالت میں اس کے ساتھ اس کا خاوند سو سکتا ہے یا نہیں؟ آپ نے فرمایا سنو! ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ گھر میں تشریف لائے۔ آتے ہی اپنی نماز کی جگہ تشریف لے گئے اور نماز میں مشغول ہو گئے دیر زیادہ لگ گئی اور اس عرصہ میں مجھے نیند آ گئی۔ آپ کو سردی لگنے لگی تو آپ نے مجھ سے فرمایا۔ ادھر آؤ میں نے کہا حضور! میں تو حیض سے ہوں۔ آپ نے میرے گھٹنوں کے اوپر سے کپڑا ہٹانے کا حکم دیا اور پھر میری ران پر رخسار اور سینہ رکھ کر لیٹ گئے۔ میں بھی آپ پر جھک گئی تو سردی کچھ کم ہوئی اور اس گرمی میں آپ کو نیند آ گئی۔ صلی اللہ علیہ وسلم ازواجہ و اصحابہ وسلم۔

حضرت مسروقؓ ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آئے اور کہا اَلْسَّلَامُ عَلَی النَّبِیِّ وَعَلِیْ اٰہِلِہٖ حضرت عائشہ نے جواب دے کر مَرْحَبًا مَرْحَبًا کہا اور اندر آنے کی اجازت دی۔ آپ نے کہا ام المومنین ایک مسئلہ پوچھتا ہوں لیکن شرم معلوم ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا میں تیری ماں ہوں اور تو قاسمقام میرے بیٹے کے ہے جو پوچھنا ہو پوچھ کہا فرمائیے آدمی کے لئے اپنی حائضہ بیوی سے کیا حلال ہے؟ فرمایا سوائے شرمگاہ کے اور سب جائز ہے (ابن جریر) اور سندوں سے بھی مختلف الفاظ کے ساتھ حضرت ام المومنینؓ کا یہ قول مروی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ مجاہدؓ حسن اور عکرمہؓ کا فتویٰ بھی یہی ہے مقصد یہ ہے کہ حائضہ عورت کے ساتھ لیٹنا بیٹھنا اس کے ساتھ کھانا پینا وغیرہ امور بالاتفاق جائز ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے منقول ہے کہ میں نبی ﷺ کا سردھویا کرتی آپ میری گود میں ٹیک لگا کر لیٹ کر قرآن شریف کی تلاوت فرماتے حالانکہ میں حیض سے ہوتی تھی میں ہڈی چوستی تھی اور آپ بھی اسی ہڈی کو وہیں منہ لگا کر چوستے تھے میں پانی پیتی تھی پھر گلاس آپ کو دیتی آپ بھی وہیں منہ لگا کر اسی گلاس سے پانی پیتے اور میں اس وقت حائضہ ہوتی تھی۔ ابوداؤد میں روایت ہے کہ میرے حیض کے شروع دنوں میں آنحضرت ﷺ میرے ساتھ ہی لحاف میں سوتے تھے اگر آپ کا کپڑا کہیں سے خراب ہو جاتا تو آپ اتنی ہی جگہ کو دھو ڈالتے اگر جسم مبارک پر کچھ لگ جاتا تو اسے بھی دھو ڈالتے اور پھر ان ہی کپڑوں میں نماز پڑھتے۔ ہاں ابوداؤد کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں میں جب حیض سے ہوتی تو بسترے سے اتر جاتی اور بورینے پر آ جاتی۔ نبی ﷺ میرے قریب بھی نہ آتے جب تک کہ میں پاک نہ ہو جاؤں تو یہ روایت محمول ہے کہ آپ پر ہیز اور احتیاط کرتے تھے نہ یہ کہ یہ محمول ہو حرمت اور ممانعت پر۔

بعض حضرات یہ بھی فرماتے ہیں کہ تہمد ہوتے ہوئے فائدہ اٹھائے۔ حضرت میمونہ بنت حارثؓ ہلالہؓ فرماتی ہیں کہ نبی ﷺ جب اپنی کسی اہلیہ سے ان کی حیض کی حالت میں ملنا چاہتے تھے تو انہیں حکم دیتے تھے کہ تہمد باندھ لیں (بخاری) اس طرح بخاری و مسلم میں بھی یہ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے۔ حضورؐ سے ایک شخص سوال کرتا ہے کہ میری بیوی سے مجھے اس کے حیض کے حالت میں کیا کچھ حلال ہے۔ آپؐ نے فرمایا تہمد کے اوپر کا کل (ابوداؤد وغیرہ)

ایک اور روایت میں ہے کہ اس سے بھی بچنا بہتر ہے۔ حضرت عائشہؓ حضرت ابن عباسؓ حضرت سعید بن مسیبؓ اور حضرت شریحؓ کا مذہب بھی یہی ہے۔ امام شافعیؒ کے اس بارے میں دو قول ہیں جن میں ایک یہ بھی ہے اکثر عراقیوں وغیرہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ یہ تو متفقہ فیصلہ ہے کہ جماع حرام ہے اس لئے اس کے آس پاس سے بھی بچنا ہی چاہئے تاکہ حرمت میں واقع ہونے کا خطرہ نہ

رہے۔ حالت حیض میں جماع کی حرمت اور اس کام کے کرنے والے کا گنہگار ہونا تو یقینی امر ہے جسے تو بہ استغفار کرنا لازمی ہے لیکن اسے کفارہ بھی دینا پڑے گا یا نہیں اس میں علماء کرام کے دو قول ہیں۔ ایک تو یہ کہ کفارہ بھی ہے چنانچہ مسند احمد اور سنن میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اپنی حائضہ بیوی سے جماع کرے وہ ایک دینار یا آدھا دینار صدقہ دے۔ ترمذی میں ہے کہ خون اگر سرخ ہو تو ایک دینار اور زرد رنگ ہو تو آدھا دینار مسند احمد میں ہے کہ اگر خون پیچھے بٹ گیا ہو اور ابھی اس عورت نے غسل نہ کیا ہو اور اس حالت میں اس کا خاوند اس سے ملے تو آدھا دینار ورنہ پورا دینار۔

دوسرا قول یہ ہے کہ کفارہ کچھ بھی نہیں۔ صرف اللہ عزوجل سے استغفار کرے امام شافعی کا بھی آخری اور زیادہ صحیح یہی مذہب ہے اور جمہور علماء بھی اسی کے قائل ہیں۔ جو حدیثیں اوپر بیان ہوئیں ان کی نسبت یہ حضرات فرماتے ہیں کہ ان کا مرفوع ہونا صحیح نہیں بلکہ صحیح یہی ہے کہ موقوف ہیں۔ گو یہ حدیث روایت مرفوع اور موقوف دونوں طرح مروی ہے لیکن اکثر ائمہ حدیث کی تحقیق ہے صحیح بات یہی ہے کہ یہ موقوف ہے۔ یہ فرمان کہ جب تک عورتیں پاک نہ ہو جائیں ان کے قریب نہ جاؤ یہ تفسیر ہے اس فرمان کی کہ عورتوں سے ان کی حیض کی حالت میں جدا رہو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس وقت حیض ختم ہو جائے پھر نزدیکی حلال ہے۔

حضرت امام ابو عبد اللہ احمد بن محمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں طہریٰ یعنی پاکی دلالت کرتی ہے کہ اب اس سے نزدیکی جائز ہے۔ حضرت میمونہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما کا یہ فرمانا کہ ہم میں سے جب کوئی حیض سے ہوتی تو تہہ بند باندھ لیتی اور نبی ﷺ کے ساتھ آپ کی چادر میں سوتی اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ جس نزدیکی سے منع کیا گیا ہے وہ جماع ہے ویسے سونا بیٹھنا وغیرہ سب جائز ہے۔ اس کے بعد یہ فرمان ”ان کے پاک ہو جانے کے بعد ان کے پاس آؤ“ اس میں ارشاد ہے کہ اس کے غسل کر لینے کے بعد ان سے جماع کرو۔ امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہر حیض کی پاکیزگی کے بعد جماع کرنا واجب ہے۔ اس کی دلیل لفظ فَاَتُوْهُنَّ ہے جس میں حکم ہے لیکن یہ دلیل کوئی پختہ نہیں یہ امر تو صرف حرمت کو ہٹا دینے کا اعلان ہے اور اس کے سوا اس کی کوئی دلیل ان کے پاس نہیں۔ علماء اصول میں سے بعض تو کہتے ہیں کہ امر یعنی حکم مطلقاً وجوب کے لئے ہوتا ہے۔ ان لوگوں کو امام ابن حزم کا جواب بہت گراں ہے۔

بعض کہتے ہیں یہ امر صرف اباحت کے لئے ہے اور چونکہ اس سے پہلے ممانعت وارد ہو چکی ہے یہ قریب ہے جو امر کو وجوب سے ہٹا دیتا ہے۔ لیکن یہ غور طلب بات ہے۔ دلیل سے جو بات ثابت ہے وہ یہ ہے کہ ایسے موقع پر یعنی پہلے منع ہو پھر حکم ہو تو حکم اپنی اصل پر رہتا ہے یعنی جو بات منع سے پہلے جیسی تھی ویسی ہی اب ہو جائے گی یعنی اگر منع سے پہلے وہ کام واجب تھا تو اب بھی واجب ہی رہے گا جیسے قرآن کریم میں ہے فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرْمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ یعنی جب حرمت والے مہینے گزر جائیں تو مشرکوں سے جہاد کرو۔ اور اگر وہ کام ممانعت سے پہلے مباح تھا تو اب بھی وہ مباح رہے گا جیسے وَ اِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا جب تم احرام کھول دو تو شکار رکھلو۔ اور جگہ ہے فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ یہ فیصلہ ان مختلف اقوال کو جمع بھی کر دیتا ہے جو امر کے وجوب وغیرہ کے بارے میں ہیں۔ غزالی وغیرہ نے بھی اسے بیان کیا ہے اور بعض ائمہ متاخرین نے بھی اسے پسند فرمایا ہے اور یہی صحیح بھی ہے۔ یہ مسئلہ بھی یاد رہے کہ تمام علماء امت کا اتفاق ہے کہ جب خون حیض کا آنا رک جائے مدت حیض گزر جائے پھر بھی اس کے خاوند کو اپنی بیوی سے جماعت کرنی حلال نہیں جب تک کہ وہ غسل نہ کر لے۔ ہاں اگر معذور ہو اور غسل کے عوض تیمم کرنا اسے جائز ہو تو تیمم کر لے۔ اس کے بعد اس کے پاس اس کا خاوند آ سکتا ہے۔ ہاں امام ابو حنیفہؒ ان تمام علماء کے مخالف ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب حیض زیادہ سے زیادہ دنوں تک کی آخری معیاد یعنی دس دن تک رہ کر بند ہو گیا تو اس کے خاوند کو اس سے محبت کرنا حلال ہے گو اس نے غسل نہ کیا ہو واللہ اعلم۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ تو لفظ یَطْهَرُونَ کا اس سے مراد خون حیض کا بند ہونا ہے۔ اور تَطَهَّرُونَ سے مراد غسل کرنا ہے۔ حضرت مجاہد، حضرت عکرمہ، حضرت حسن، حضرت مقاتل بن حیان، حضرت لیث بن سعد وغیرہ بھی یہی فرماتے ہیں۔ پھر ارشاد ہوتا ہے اس جگہ سے آؤ جہاں کا حکم اللہ نے تمہیں دیا ہے، مراد اس سے آگے کی جگہ ہے۔ حضرت ابن عباس، حضرت مجاہد وغیرہ بہت سے مفسرین نے اس کے یہی معنی بیان کئے ہیں کہ مراد اس سے بچوں کے تولد ہونے کی جگہ ہے۔ اس کے سوا اور جگہ یعنی پاخانہ کی جگہ جانا حرام ہے ایسا کرنے والے حد سے تجاوز کرنے والے ہیں۔ صحابہؓ اور تابعینؒ سے یہ بھی مروی ہے کہ مطلب یہ ہے کہ جس جگہ سے حالت حیض میں تم روکے گئے تھے اب وہ جگہ تمہارے لئے حلال ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ پاخانہ کی جگہ دلی کرنی حرام ہے۔ اس کا مفصل بیان بھی آتا ہے ان شاء اللہ۔ یہ معنی بھی کئے گئے ہیں کہ پاکیزگی کی حالت میں آؤ جبکہ حیض سے نکل آئیں اسی لئے اس کے بعد کے جملہ میں ہے کہ گناہوں سے توبہ کرنے والوں! اس حالت میں جماع سے باز رہنے والوں! گندگیوں اور ناپاکیوں سے بچنے والوں! حیض کی حالت میں اپنی بیوی سے نہ ملنے والوں کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے۔ اسی طرح دوسری جگہ سے محفوظ رہنے والوں کو بھی پروردگار اپنا محبوب بنا لیتا ہے۔ پھر فرمایا کہ تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں یعنی اولاد ہونے کی جگہ میں تم اپنی کھیتی میں جیسے بھی چاہو آؤ یعنی جگہ تو وہی ایک ہو طریقہ خواہ کوئی ہو سامنے کر کے یا اس کے خلاف۔

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ یہود کہتے تھے کہ جب عورت سے مجامعت سامنے رخ کر کے نہ کی جائے اور حمل ٹھہر جائے تو بچہ بھیگا پیدا ہوتا ہے۔ ان کی تردید میں یہ جملہ نازل ہوا کہ مرد کو اختیار ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ یہودیوں نے یہی بات مسلمانوں سے بھی کہی تھی۔ ابن جریج فرماتے ہیں کہ آیت کے نازل ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اختیار دیا کہ خواہ سامنے سے آئے خواہ پیچھے کی طرف سے لیکن ایک ہی رہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ سے ایک شخص نے پوچھا کہ ہم اپنی عورتوں کے پاس کیسے آئیں اور کیا چھوڑیں۔ آپ نے فرمایا وہ تیری کھیتی ہے جس طرح چاہے آئے۔ ہاں اس کے منہ پر نہ مار زیادہ برا نہ کہہ اس سے روٹھ کر الگ نہ ہو جا، ایک ہی گھر میں رہو (احمد و سنن)۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ حمیر کے قبیلہ کے ایک آدمی نے حضورؐ سے سوال کیا کہ مجھے اپنی بیویوں سے زیادہ محبت ہے تو اس کے بارے میں احکام مجھے بتائیے۔ اس پر یہ حکم نازل ہوا۔ مسند احمد میں ہے کہ چند انصار یوں نے حضورؐ سے یہ پوچھا تھا۔ طحاوی کی کتاب مشکل الحدیث میں ہے ایک شخص نے اپنی بیوی سے اسے الٹا کر کے مباشرت کی تھی لوگوں نے اسے برا بھلا کہا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ابن جریر میں ہے کہ حضرت عبد اللہ بن سابطؓ حضرت حفصہ بنت عبد الرحمن بن ابی بکرؓ کے پاس آئے اور کہا میں ایک مسئلہ پوچھنا چاہتا ہوں لیکن شرم آتی ہے فرمایا بھتیجہ تم نہ شرم آؤ اور جو پوچھنا ہو پوچھ لو کہا۔ فرمایا عورتوں کے پیچھے کی طرف سے جماع کرنا جائز ہے؟ فرمایا سنو مجھ سے حضرت ام سلمہؓ نے فرمایا ہے کہ انصار عورتوں کو الٹا لٹایا کرتے تھے اور یہود کہتے تھے کہ اس طرح سے بچہ بھیگا ہوتا ہے۔ جب مباہجہ مدینہ شریف آئے اور یہاں کی عورتوں سے ان کا نکاح ہوا اور انہوں نے بھی یہی کرنا چاہا تو ایک عورت نے اپنے خاوند کی بات نہ مانی اور با جب تک میں حضورؐ کی خدمت میں یہ واقعہ بیان نہ کر لوں تیری بات نہ مانوں گی چنانچہ وہ بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئی۔ ام سلمہؓ نے بٹھایا کہا ابھی آنحضرت ﷺ آجائیں گے۔ جب آنحضرت ﷺ آئے تو انصار یہ عورت شرمندگی کی وجہ سے نہ پوچھ سکی اور واپس چلی گئی لیکن ام المومنینؓ نے آپ سے پوچھا آپ نے فرمایا انصار یہ عورت کو بلاؤ۔ پھر یہ آیت پڑھ کر سنائی اور فرمایا۔ جگہ ایک ہی ہو۔

مسند احمد میں ہے کہ ایک مرتبہ عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ حضورؐ میں تو ہلاک ہو گیا۔ آپ نے پوچھا کیا بات ہے۔ کہا میں نے رات کو اپنی سواری الٹی کر دی آپ نے کچھ جواب نہ دیا۔ اسی وقت یہ آیت نازل ہوئی اور آپ نے فرمایا

سامنے سے آ پیچھے سے آ اختیار ہے لیکن حیض کی حالت میں نہ آ اور پاخانہ کی جگہ نہ آ۔ انصار والا واقعہ قدرے تفصیل کے ساتھ بھی مروی ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر کو اللہ بخشے انہیں کچھ وہم سا ہو گیا۔ بات یہ ہے کہ انصاریوں کی جماعت پہلے بت پرست تھی اور یہودی اہل کتاب تھے بت پرست لوگ ان کی فضیلت اور علیت کے قائل تھے اور اکثر افعال میں ان کی بات مانا کرتے تھے یہودی ایک ہی طرح پر اپنی بیویوں سے ملتے تھے یہی عادت ان انصار کی بھی تھی۔ ان کے برخلاف مکہ والے کسی خاص طریقے کے پابند نہ تھے وہ جس طرح جی چاہتا ملتے۔ اسلام کے بعد مکہ والے مہاجر بن کر مدینہ میں انصار کے ہاں جب اترے تو ایک کی مہاجر مرد نے ایک مدنی انصاریہ عورت سے نکاح کیا اور اپنے من بھاتے طریقے برتنے چاہے عورت نے انکار کر دیا اور صاف کہہ دیا کہ اسی ایک مقررہ طریقہ کے علاوہ میں اجازت نہیں دیتی۔ بات بڑھتے بڑھتے حضور تک پہنچی اور یہ فرمان نازل ہوا۔ پس سامنے سے پیچھے کی طرف سے اور جس طرح چاہے اختیار ہے ہاں جگہ ایک ہی ہو۔

حضرت مجاہد فرماتے ہیں میں نے حضرت ابن عباسؓ سے قرآن شریف سیکھا اول سے آخر تک انہیں سنایا ایک ایک آیت کی تفسیر اور مطلب پوچھا۔ اس آیت پر پہنچ کر جب میں نے اس کا مطلب پوچھا تو انہوں نے یہی بیان کیا (جو اوپر گذرا) ابن عمرؓ کا وہم یہ تھا کہ بعض روایتوں میں ہے کہ آپ قرآن پڑھتے ہوئے کسی سے بولتے چالتے نہ تھے لیکن ایک دن تلاوت کرتے ہوئے جب اس آیت تک پہنچے تو اپنے شاگرد حضرت نافعؓ سے فرمایا جانئے ہو یہ آیت کس بارے میں نازل ہوئی؟ انہوں نے کہا نہیں فرمایا یہ عورتوں کی دوسری جگہ کی وحی کے بارے میں اتری ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا ایک شخص نے اپنی بیوی سے پیچھے سے کیا تھا جس پر اس آیت میں رخصت نازل ہوئی۔ لیکن ایک تو اس میں محدثین نے کچھ علت بھی بیان کی ہے۔ دوسرے اس کے معنی بھی یہی ہو سکتے ہیں کہ پیچھے کی طرف سے آگے کی جگہ میں کیا اور اوپر کی جو روایتیں ہیں وہ بھی سند صحیح نہیں بلکہ حضرت نافعؓ سے مروی ہے کہ ان سے کہا گیا کہ کیا آپ یہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ نے وحی دیکھ کر جاز کیا ہے؟ تو فرمایا لوگ جھوٹ کہتے ہیں پھر وہی انصاریہ عورت اور مہاجر مرد والا واقعہ بیان کیا اور فرمایا حضرت عبداللہ تو اس آیت کا یہ مطلب ارشاد فرماتے تھے۔ اس روایت کی اسناد بھی بالکل صحیح ہے اور اس کے خلاف سند صحیح نہیں معنی مطلب بھی اور ہو سکتا ہے اور خود حضرت ابن عمرؓ سے اس کے خلاف بھی مروی ہے۔ وہ روایتیں عنقریب بیان ہوں گی۔ ان شاء اللہ جن میں ہے کہ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ نہ یہ مباح ہے نہ حلال ہے بلکہ حرام ہے۔

تو یہ قول یعنی جواز کا بعض فقہاء مدینہ وغیرہ کی طرف بھی منسوب ہے اور بعض لوگوں نے تو اسے امام کی طرف بھی منسوب کیا ہے لیکن اکثر لوگ اس کا انکار کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ امام صاحب کا قول ہرگز یہ نہیں صحیح حدیثیں بکثرت اس فعل کی حرمت پر وارد ہیں۔ ایک روایت میں ہے لوگو شرم و حیا کرو اللہ تعالیٰ حق بات فرمانے سے شرم نہیں کرتا عورت کے پاخانہ کی جگہ وحی نہ کرو دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے اس حرکت سے لوگوں کو منع فرمایا (مسند احمد) اور روایت میں ہے کہ جو شخص کسی عورت یا مرد کے ساتھ یہ کام کرے اس کی طرف اللہ تعالیٰ رحمت سے نہیں دیکھے گا (ترمذی)۔ حضرت ابن عباسؓ سے ایک شخص یہ مسئلہ پوچھتا ہے تو آپ فرماتے ہیں کہ کیا تو کفر کرنے کی بابت سوال کرتا ہے؟ ایک شخص نے آپ سے آ کر کہا کہ میں نے انٹی شینٹم کا یہ مطلب سمجھا اور میں نے اس پر عمل کیا تو آپ بہت ناراض ہوئے اسے برا بھلا کہا اور فرمایا کہ مطلب یہ ہے کہ خواہ کھڑے ہو کر خواہ بیٹھ کر خواہ لیٹ کر لیکن جگہ وہی ایک ہو۔ ایک اور مرفوع حدیث میں ہے کہ جو شخص اپنی بیوی سے پاخانہ کی جگہ میں وحی کرے وہ جھوٹا لوطی ہے (مسند احمد) ابودرداءؓ فرماتے ہیں کہ یہ کفار کا کام ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ کا یہ فرمان بھی منقول ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے واللہ اعلم۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: سات قسم کے لوگ ہیں جن کی طرف اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نظر رحمت سے نہیں دیکھے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا اور ان سے فرمائے گا کہ جہنمیوں کے ساتھ جہنم میں چلے جاؤ۔ ایک تو اغلام بازی کرنے والا خواہ وہ اوپر والا ہو خواہ نیچے والا ہو اور اپنے ہاتھ سے حاجت روائی کرنے والا اور چوپائے جانور سے یہ کام کرنے والا اور عورت کی دبر میں وطی کرنے والا اور عورت اور اس کی بیٹی دونوں سے نکاح کرنے والا اور اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرنے والا اور ہمسایہ کو ستانے والا یہاں تک کہ وہ اس پر لعنت کرے۔ لیکن اس کی سند میں ابن لہیعہ اور ان کے استاد دونوں ضعیف ہیں۔ مسند کی ایک اور حدیث میں ہے کہ جو شخص اپنی بیوی سے دوسرے راستے سے وطی کرے اس کو اللہ تعالیٰ نظر رحمت سے نہیں دیکھے گا (مسند)۔

مسند احمد اور سنن میں مروی ہے کہ جو شخص حائضہ عورت سے جماع کرے یا غیر جگہ کرے یا کاہن کے پاس جائے اور اسے سچا سمجھے اس نے اس چیز کے ساتھ کفر کیا جو محمد کے اوپر اتاری ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ امام بخاری اس حدیث کو ضعیف بتلاتے ہیں۔ ترمذی میں روایت ہے کہ ابوسلمہ بھی دبر کی وطی کو حرام بتاتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: لوگوں کا اپنی بیوی سے یہ کام کرنا کفر ہے (نسائی) ایک مرفوع حدیث میں اس معنی کی مروی ہے لیکن زیادہ صحیح اس کا موقوف ہونا ہی ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ یہ جگہ حرام ہے۔ حضرت ابن مسعود بھی یہی فرماتے ہیں حضرت علیؓ سے جب یہ بات پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا بڑا کمینہ وہ شخص ہے۔ دیکھو قرآن میں ہے کہ لوطیوں سے کہا گیا: تم وہ بدکاری کرتے ہو جس کی طرف کسی نے تم سے پہلے توجہ تک نہیں کی پس صحیح حدیثوں سے اور صحابہ کرامؓ سے بہت سی روایتوں اور سندوں سے اس فعل کی حرمت مروی ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ بھی اسے حرام کہتے ہیں چنانچہ دارمی میں ہے کہ آپ سے ایک مرتبہ یہ سوال ہوا تو آپ نے فرمایا: کیا مسلمان بھی ایسا کر سکتا ہے؟ اس کی اسناد صحیح ہے اور حکم بھی حرمت کا صاف ہے۔ پس غیر صحیح اور مختلف معنی والی روایتوں میں پڑ کر اتنے بڑے جلیل القدر صحابی کی طرف ایک ایسا گندہ مسئلہ منسوب کرنا ٹھیک نہیں گور وایتیں اس قسم کی بھی ملتی ہیں۔ امام مالکؒ سوان کی طرف بھی اس مسئلہ کی نسبت صحیح نہیں بلکہ معمر بن عیسیٰ فرماتے ہیں کہ امام صاحب اسے حرام جانتے تھے۔ اسرائیل بن روح نے آپ سے ایک مرتبہ یہی سوال کیا تو آپ نے فرمایا تم بے سمجھ ہو۔ بوائی کھیت میں ہی ہوتی ہے خبردار شرمگاہ کے سوا اور جگہ سے بچو۔ سائل نے کہا: حضرت لوگ تو کہتے ہیں کہ آپ اس فعل کو جائز کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا جھوٹے ہیں۔ مجھ پر تہمت باندھتے ہیں۔ امام مالکؒ سے اس کی حرمت ثابت ہے۔

امام ابو حنیفہؒ شافعیؒ احمدؒ اور ان کے تمام شاگرد اور ساتھی سعید بن مسیبؒ ابوسلمہؒ عکرمہ طاووسؒ عطاءؒ سعید بن جبیرؒ عروہ بن زبیرؒ مجاہدؒ حسن وغیرہ سلف صالحین سب کے سب اسے حرام کہتے ہیں اور اس بارے میں سخت تشدد کرتے ہیں بلکہ بعض تو اسے کفر کہتے ہیں جمہور علماء کرام کا بھی اس کی حرمت پر اجماع ہے۔ گو بعض لوگوں نے فقہاء مدینہ بلکہ امام مالکؒ سے بھی اس کی حلت نقل کی ہے لیکن صحیح نہیں۔ عبد الرحمن بن قاسم کا قول ہے کہ کسی دیندار شخص کو میں نے تو اس کی حرمت میں شک کرنے والا نہیں پایا۔ پھر نسائوؒ کُھم حَرِثُ لَکُم پڑھ کر فرمایا: خود یہ لفظ حَرِث ہی اس کی حرمت ظاہر کرنے کے لئے کافی ہے کیونکہ وہ دوسری جگہ کھیتی کی جگہ نہیں۔ کھیتی میں جانے کے طریقے کا اختیار ہے نہ کہ جگہ بدلنے کا۔ گو امام مالکؒ سے اس کے مباح ہونے کی روایتیں بھی منقول ہیں لیکن ان کی اسنادوں میں سخت ضعف ہے واللہ اعلم۔ ٹھیک اس طرح امام شافعیؒ سے بھی ایک روایت لوگوں نے گھڑ لی ہے حالانکہ انہوں نے اپنی چھ کتابوں میں کھلے لفظوں میں اسے حرام لکھا ہے۔ پھر اللہ فرماتا ہے اپنے لئے کچھ آگے بھی بھیجو یعنی منوعات سے بچو۔ نیکیاں کرو تا کہ ثواب آگے جائے اللہ سے ڈرو اس سے ملنا ہے وہ حساب

کتاب لے گا ایماندار ہر حال میں خوشیاں منائیں۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں: یہ بھی مطلب ہے کہ جب جماع کا ارادہ کرے یہ دعا پڑھے
 بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْنَا یعنی اے اللہ تو ہمیں اور ہماری اولاد کو شیطان سے بچالے۔ نبی ﷺ
 فرماتے ہیں اگر اس جماع سے نطفہ قرار پکڑ گیا تو اس بچے کو شیطان ہرگز کوئی ضرر نہ پہنچا سکے گا۔

وَلَا تَجْعَلُوا لِلّٰهِ عُرْضَةً لِأَيْمَانِكُمْ أَنْ تَبَرُّوا وَتَتَّقُوا وَتُصْلِحُوا
 بَيْنَ النَّاسِ وَاللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِي
 أَيْمَانِكُمْ وَلَكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوبُكُمْ وَاللّٰهُ غَفُورٌ حَلِيمٌ ۝

اللہ تعالیٰ کو اپنی قسموں کا نشانہ نہ بناؤ کہ بھلائی اور پرہیزگاری اور لوگوں کے درمیان کی اصلاح کو چھوڑ بیٹھو اور اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے ○ اللہ تعالیٰ تمہیں
 تمہاری ان قسموں پر نہ پکڑے گا جو پختہ نہ ہوں ہاں اس کی پکڑ اس چیز پر ہے جو تمہارے دلوں کا فعل ہو اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور بردبار ہے ○

قسم اور کفارہ: ☆☆ (آیت: ۲۲۴-۲۲۵) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ نیکی اور صلہ رحمی کے چھوڑنے کا ذریعہ اللہ کی قسموں کو نہ بناؤ جیسے اور جگہ
 ہے وَلَا يَأْتَلُ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَلْعَنَىٰ یعنی وہ لوگ جو کشادہ حال اور فارغ البال ہیں وہ قربت داروں، مسکینوں اور اللہ کی
 راہ میں ہجرت کرنے والوں کو کچھ نہ دیئے پر قسمیں نہ کھا بیٹھیں۔ انہیں چاہئے کہ معاف کرنے اور درگزر کرنے کی عادت ڈالیں کیا تمہاری
 خود خواہش نہیں کہ اللہ تمہیں بخشے اگر کوئی ایسی قسم کھا بیٹھے تو اسے چاہئے کہ اسے توڑ دے اور کفارہ ادا کر دے صحیح بخاری شریف کی حدیث میں
 ہے کہ ہم پیچھے آنے والے ہیں لیکن قیامت کے دن سب سے آگے بڑھنے والے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ تم میں سے کوئی ایسی قسم کھالے اور
 کفارہ ادا نہ کرے اور اس پر اڑارے وہ بڑا گنہگار ہے۔ یہ حدیث اور بھی بہت سی سندوں اور بہت سی کتابوں میں مروی ہے۔ حضرت عبداللہ
 بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اس آیت کی تفسیر میں یہی فرماتے ہیں۔ حضرت مسروق وغیرہ بہت سے مفسرین سے بھی یہی مروی ہے۔ جمہور
 کے ان اقوال کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اللہ کی قسم ان شاء اللہ میں اگر کوئی قسم کھا بیٹھوں گا اور اس
 کے توڑنے میں مجھے بھلائی نظر آئے گی تو میں قطعاً اسے توڑ دوں گا اور اس قسم کا کفارہ ادا کروں گا۔ حضورؐ نے ایک مرتبہ حضرت عبدالرحمن بن
 سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا اے عبدالرحمن سرداری امارت اور امامت کو طلب نہ کر اگر بغیر مانگے تو دیا جائے گا تو اللہ کی جانب سے تیری
 مدد کی جائے گی اور اگر تو نے آپ مانگ کر لی ہے تو تجھے اس کی طرف سوپ دیا جائے گا تو اگر کوئی قسم کھالے اور اس کے خلاف بھی بھلائی دیکھ
 تو اپنی قسم کا کفارہ دے دے اور اس نیک کام کو کر لے۔

صحیح مسلم میں حدیث ہے کہ جو شخص کوئی قسم کھالے پھر اس کے سوا خوبی نظر آئے تو اسے چاہئے کہ اس خوبی والے کام کو کر لے اور اپنی
 اس قسم کو توڑ دے اس کا کفارہ دے دے مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ اس کا چھوڑ دینا ہی اس کا کفارہ ہے۔ ابوداؤد میں ہے نذر اور قسم
 اس چیز میں نہیں جو انسان کی ملکیت میں نہ ہو اور نہ خدائے تعالیٰ کی نافرمانی میں ہی ہے نہ رشتوں ناتوں کو توڑتی ہے جو شخص کوئی قسم کھالے اور
 نیکی اس کے کرنے میں ہو تو وہ قسم کو چھوڑ دے اور نیکی کا کام کرے اس قسم کو چھوڑ دینا ہی اس کا کفارہ ہے۔ امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں
 کل کی کل صحیح حدیثوں میں یہ لفظ ہیں کہ اپنی ایسی قسم کا کفارہ دے۔ ایک ضعیف حدیث میں ہے کہ ایسی قسم کا پورا کرنا یہی ہے کہ اسے توڑ دے
 اور اس سے رجوع کرے۔ ابن عباسؓ، سعید بن مسیبؓ، مسروق اور شعبیؓ بھی اسی کے قائل ہیں کہ ایسے شخص کے ذمہ کفارہ نہیں۔ پھر فرماتا ہے

جو قسمیں تمہارے منہ سے بغیر قصد اور ارادے کے عادتاً نکل جائیں ان پر پکڑ نہیں۔

بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے جو شخص لات اور عزی کی قسم کھا بیٹھے وہ لا الہ الا اللہ پڑھ لے۔ یہ ارشاد حضور کا ان لوگوں کو ہوا تھا جو ابھی ابھی اسلام لائے تھے اور جاہلیت کے زمانہ کی یہ قسمیں ان کی زبانوں پر چڑھی ہوئی تھیں تو ان سے فرمایا کہ اگر عادتاً کبھی ایسے شرکیہ الفاظ نکل جائیں تو فوراً کلمہ توحید پڑھ لیا کرو تا کہ بدلہ ہو جائے۔ پھر فرمایا ہاں جو قسمیں پختگی کے ساتھ دل کی ارادت کے ساتھ قصداً کھائی جائیں ان پر پکڑ ہے۔ دوسری آیت کے لفظ بِمَا عَقَّدْتُمُ الْاٰیْمَانَ ہیں ابوداؤد میں بروایت حضرت عائشہؓ ایک مرفوع حدیث مروی ہے جو اور روایتوں میں موقوف وارد ہوئی ہے کہ یہ دو قسمیں وہ ہیں جو انسان اپنے گھربار میں بال بچوں میں کہہ دیا کرتا ہے کہ ہاں اللہ کی قسم اور نہیں اللہ کی قسم۔ غرض بطور تنکیہ کلام کے یہ لفظ نکل جاتے ہیں۔ دل میں اس کی پختگی کا خیال بھی نہیں ہوتا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے یہ بھی مروی ہے کہ یہ وہ قسمیں ہیں جو ہنسی میں انسان کے منہ سے نکل جاتی ہیں ان پر کفارہ نہیں۔ ہاں جو ارادے کے ساتھ ہو پھر اس کا خلاف کرے تو کفارہ ادا کرنا پڑے گا۔ آپؐ کے علاوہ اور بھی بعض صحابہؓ اور تابعینؓ نے یہی تفسیر اس آیت کی بیان کی ہے یہ بھی مروی ہے کہ ایک آدمی اپنی تحقیق پر بھروسہ کر کے کسی معاملہ کی نسبت قسم کھا بیٹھے اور حقیقت میں وہ معاملہ یوں نہ ہو تو یہ قسمیں لغو ہیں۔ یہ معنی بھی دیگر بہت سے حضرات سے مروی ہیں۔

ایک حسن حدیث میں ہے جو مرسل ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ تیر اندازوں کی ایک جماعت کے پاس جا کھڑے ہوئے۔ وہ تیر اندازی کر رہے تھے اور ایک شخص کبھی کہتا تھا اللہ کی قسم اس کا تیر نشانہ پر لگے گا۔ کبھی کہتا تھا اللہ کی قسم یہ خطا کرے گا آپ کے صحابی نے کہا دیکھئے حضور اگر اس کی قسم کے خلاف ہو؟ آپ نے فرمایا یہ دو قسمیں لغو ہیں ان پر کفارہ نہیں اور نہ کوئی سزا یا عذاب ہے۔ بعض بزرگوں نے فرمایا ہے یہ وہ قسمیں ہیں جو انسان کھا لیتا ہے پھر خیال نہیں رہتا یا کوئی شخص اپنے کسی کام کے نہ کرنے پر کوئی بدعا کے کلمات اپنی زبان سے نکال دیتا ہے۔ وہ بھی لغو میں داخل ہیں یا غصے اور غضب کی حالت میں بے ساختہ زبان سے قسم نکل جائے یا حلال کو حرام یا حرام کو حلال کر لے تو اسے چاہئے کہ ان قسموں کی پروا نہ کرے۔ اور اللہ کے احکام کے خلاف نہ کرے۔ حضرت سعید بن مسیبؓ سے مروی ہے کہ انصار کے دو شخص جو آپس میں بھائی بھائی تھے ان کے درمیان کچھ میراث کا مال تھا تو ایک نے دوسرے سے کہا اب اس مال کو تقسیم کر دو دوسرے نے کہا اگر اب تو نے تقسیم کرنے کے لئے کہا تو میرا مال کعبہ کا خزانہ ہے۔ حضرت عمرؓ نے یہ واقعہ سن کر فرمایا کہ کعبہ ایسے مال سے غنی ہے۔ اپنی قسم کا کفارہ دے اور اپنے بھائی سے بول چال رکھ۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی رشتے ناطوں کے کاٹنے میں ہے اور جس چیز کی ملکیت نہ ہو اس میں نہ قسم ہے نہ نذر۔ پھر فرماتا ہے تمہارے دل جو کریں اس پر گرفت ہے یعنی اپنے جھوٹ کا علم ہو اور پھر قسم کھائے جیسے اور جگہ ہے وَلٰكِنْ يُّوٰحِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُمُ الْاٰیْمَانَ یعنی جو تم مضبوط اور تاکید والی قسمیں کھاؤ۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو بخشنے والا ہے اور ان پر علم و کرم کرنے والا ہے۔

لِّلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَائِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ فَاِنْ فَاَوْ فَاِنْ
اَللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۵۵ وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلٰقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝۵۶

جو لوگ اپنی بیویوں سے قسمیں کھائیں ان کے لئے چار مہینے کی مدت ہے۔ پس اگر وہ طلاق آئیں تو اللہ تعالیٰ بھی بخشنے والا مہربان ہے اور اگر طلاق کا ہی قصد کر لیں تو

اللہ تعالیٰ سننے جاننے والا ہے ○

ایلا اور اس کی وضاحت: ☆ ☆ (آیت: ۲۲۶-۲۲۷) ایلا کہتے ہیں ”قسم“ کو۔ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے جماعت نہ کرنے کی ایک مدت تک کے لئے قسم کھالے تو دو صورتیں ہیں یا تو وہ مدت چار مہینے سے کم ہوگی یا زیادہ ہوگی اگر کم ہو تو وہ مدت پوری کرے اور اس درمیان عورت بھی صبر کرے۔ اس سے مطالبہ اور سوال نہیں کر سکتی۔ پھر میاں بیوی آپس میں ملیں جلیں جیسے کہ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے ایک ماہ کے لئے قسم کھائی تھی اور انتیس دن پورے الگ رہے اور فرمایا کہ مہینہ انتیس کا بھی ہوتا ہے اور اگر چار مہینے سے زائد کی مدت کے لئے قسم کھائی ہو تو چار ماہ کے بعد عورت کو حق حاصل ہے کہ وہ تقاضہ اور مطالبہ کرے کہ یا تو وہ میل ملاپ کر لے یا طلاق دے دے اور حاکم اس خاوند کو ان دو باتوں میں سے ایک کے کرنے پر مجبور کرے گا تا کہ عورت کو ضرر نہ پہنچے۔ یہی بیان یہاں ہو رہا ہے کہ جو لوگ اپنی بیویوں سے ایلا کریں یعنی ان سے جماعت نہ کرنے کی قسم کھائیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ ”ایلا“ خاص ہے بیویوں کیلئے لوٹ پلوں کے لئے نہیں، یہی مذہب جمہور علماء کرام کا ہے۔ یہ لوگ چار مہینہ تک آزاد ہیں۔ اس کے بعد انہیں مجبور کیا جائے گا کہ یا تو وہ اپنی بیویوں سے مل لیں یا طلاق دے دیں یہ نہیں کہ اب بھی وہ اسی طرح چھوڑے رہیں۔ پھر اگر وہ لوٹ آئیں یہ اشارہ جماع کرنے کا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی بخش دے گا اور جو تفسیر عورت کے حق میں ان سے ہوئی ہے اسے اپنی مہربانی سے معاف فرما دے گا۔ اس میں دلیل ہے ان علماء کی جو کہتے ہیں کہ اس صورت میں خاوند کے ذمہ کفارہ کچھ بھی نہیں۔ امام شافعیؒ کا بھی پہلا قول یہی ہے۔ اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو اگلی آیت کی تفسیر میں گذر چکی کہ قسم کھانے والا اگر اپنی قسم کے توڑ ڈالنے میں نیکی دیکھتا ہو تو توڑ ڈالے۔ یہی اس کا کفارہ ہے اور علماء کرام کی ایک دوسری جماعت کا یہ مذہب ہے کہ اسے قسم کا کفارہ دینا پڑے گا۔ اس کی حدیثیں بھی اوپر گذر چکی ہیں اور جمہور کا مذہب بھی یہی ہے واللہ اعلم۔

پھر فرمان ہے کہ اگر چار ماہ گذر جانے کے بعد وہ طلاق دینے کا قصد کرے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ چار مہینے گذرتے ہی طلاق نہیں پڑ جائے گی۔ جمہور متاخرین کا یہی مذہب ہے۔ گو ایک دوسری جماعت یہ بھی کہتی ہے کہ بلا جماع چار ماہ گذرنے کے طلاق ہو جائے گی۔ حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابن عمرؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، رضوان اللہ علیہم اجمعین اور بعض تابعین سے بھی یہی مروی ہے لیکن یہ یاد رہے کہ راجح قول اور قرآن کریم کے الفاظ اور صحیح حدیث سے ثابت شدہ قول یہی ہے کہ طلاق واقع نہ ہوگی (مترجم) پھر بعض تو کہتے ہیں یہ طلاق رجعی ہوگی، بعض کہتے ہیں بائن ہوگی جو لوگ طلاق پڑنے کے قائل ہیں وہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد اسے عدت بھی گزارنی پڑے گی۔ ہاں ابن عباسؓ اور ابو الشعثاءؓ فرماتے ہیں کہ اگر ان چار مہینوں میں اس عورت کو تین حیض آگئے ہیں تو اس پر عدت بھی نہیں۔ امام شافعیؒ کا بھی قول یہی ہے لیکن جمہور متاخرین علماء کا فرمان یہی ہے کہ اس مدت کے گزرتے ہی طلاق واقع نہ ہوگی بلکہ اب ایلا کرنے والے کو تنگ کیا جائے گا کہ یا تو وہ اپنی قسم کو توڑ دے یا طلاق دے۔ مؤطا مالک میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہی مروی ہے۔

صحیح بخاری میں بھی یہ روایت موجود ہے۔ امام شافعیؒ اپنی سند سے حضرت سلیمان بن یسار سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے دس سے اوپر اور پڑھایوں سے سنا کہ وہ کہتے تھے چار ماہ کے بعد ایلا کرنے والے کو کھڑا کیا جائے گا، پس کم سے کم یہ تیرہ صحابی ہو گئے۔ حضرت علیؓ سے بھی یہی منقول ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں یہی ہمارا مذہب ہے اور یہی حضرت عمرؓ، حضرت ابن عمرؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت عثمانؓ، بن زید بن ثابتؓ اور دس سے اوپر اور پڑھایوں سے صحابہ کرامؓ سے مروی ہے۔ دارقطنیؒ میں ہے حضرت ابوصالحؒ فرماتے ہیں میں نے بارہ صحابیوں سے اس مسئلہ کو پوچھا سب نے یہی جواب عنایت فرمایا۔ حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابوالدرداءؓ، حضرت ام المومنین عائشہؓ

صدیقہ، حضرت ابن عمر، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم بھی یہی فرماتے ہیں اور تابعین میں سے حضرت سعید بن مسیب، حضرت عمر بن عبد العزیز، حضرت مجاہد، حضرت طاؤس، حضرت محمد بن کعب، حضرت قاسم رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کا بھی یہی قول ہے اور حضرت امام مالک، حضرت امام شافعی، حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہم اور ان کے ساتھیوں کا بھی یہی مذہب ہے، امام ابن جریر بھی اسی قول کو پسند کرتے ہیں، لیث، اسحق بن راہویہ، ابو عبیدہ، ابو ثور، داؤد وغیرہ بھی یہی فرماتے ہیں۔ یہ سب حضرات فرماتے ہیں کہ اگر چار ماہ کے بعد وہ رجوع نہ کرے تو اسے طلاق دینے پر مجبور کیا جائے گا۔ اگر طلاق نہ دے تو حاکم آپ اس کی طرف سے طلاق دے دے گا اور یہ طلاق رجعی ہوگی۔ عدت کے اندر رجعت کا حق خاوند کو حاصل ہے۔ ہاں صرف امام مالک فرماتے ہیں کہ اسے رجعت جائز نہیں یہاں تک کہ عدت میں جماع کرے لیکن یہ قول نہایت غریب ہے۔

یہاں جو چار مہینے کی تاخیر کی اجازت دی ہے اس کی مناسبت میں موطا امام مالک میں حضرت عبد اللہ بن دینار کی روایت سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک واقعہ عموماً فقہاء کرام ذکر کیا کرتے ہیں جو یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ راتوں کو مدینہ شریف کی گلیوں میں گشت لگاتے رہتے۔ ایک رات کو نکلے تو آپ نے سنا کہ ایک عورت اپنے سفر میں گئے ہوئے خاوند کی یاد میں کچھ اشعار پڑھ رہی ہے جن کا ترجمہ یہ ہے۔ افسوس ان کالی کالی اور لمبی راتوں میں میرا خاوند نہیں جس سے میں ہنسون بولوں۔ قسم اللہ کی اگر اللہ کا خوف نہ ہوتا تو اس وقت اس پلنگ کے پائے حرکت میں ہوتے۔ آپ اپنی صاحبزادی ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور فرمایا: تلاؤ زیادہ سے زیادہ عورت اپنے خاوند کی جدائی پر کتنی مدت صبر کر سکتی ہے۔ فرمایا چھ مہینے یا چار مہینے۔ آپ نے فرمایا اب میں حکم جاری کر دوں گا کہ مسلمان مجاہد سفر میں اس سے زیادہ نہ ٹھہریں۔ بعض روایتوں میں کچھ زیادتی بھی ہے اور اس کی بہت سی سندیں ہیں اور یہ واقعہ مشہور ہے۔

وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ أَنْ يَكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللَّهُ فِي أَرْحَامِهِنَّ إِنْ كُنَّ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ
الْآخِرِ وَبُعُوَّتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِي ذَلِكَ إِنْ أَرَادُوا إِصْلَاحًا وَلَهُنَّ
مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ وَاللَّهُ
عَزِيزٌ حَكِيمٌ

طلاق والی عورتیں اپنے تئیں تین حیض تک روکے رکھیں۔ انہیں حلال نہیں کہ اللہ نے ان کے رحم میں جو پیدا کیا ہو اسے چھپائیں۔ اگر انہیں اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان ہو ان کے خاوند اس مدت میں انہیں لوٹا لینے کے پورے حقدار ہیں اگر ان کا ارادہ اصلاح کا ہو۔ عورتوں کے بھی اسی مثل حق ہیں جیسے ان پر ہیں۔ اچھا کن کے ساتھ۔ ہاں مردوں کے ان پر بڑے درجے ہیں اور اللہ تعالیٰ غالب ہے حکمت والا ○

طلاق کے مسائل: ☆☆ (آیت: ۲۲۸) ان عورتوں کو جو خاوندوں سے مل چکی ہوں اور بالغ ہوں، حکم ہو رہا ہے کہ طلاق کے بعد تین حیض تک رک رکھیں۔ پھر اگر چاہیں تو اپنا نکاح دوسرا کر سکتی ہیں۔ ہاں چاروں اماموں نے اس میں لونڈی کو مخصوص کر دیا ہے۔ وہ دو حیض عدت گزارے کیونکہ لونڈی ان معاملات میں آزاد عورت سے آدھے پر ہے لیکن حیض کی مدت کا ادھورا ٹھیک نہیں بیٹھتا اس لئے وہ دو حیض گزارے۔ ایک حدیث میں یہ بھی ہے کہ لونڈی کی طلاقات بھی دو ہیں اور اس کی عدت بھی دو حیض ہیں (ابن جریر)۔ لیکن اس کے راوی

حضرت مظاہر ضعیف ہیں یہ حدیث ترمذی، ابوداؤد اور ابن ماجہ میں بھی ہے۔ امام حافظ دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صحیح بات یہ ہے کہ حضرت قاسم بن محمد کا اپنا قول ہے لیکن حضرت ابن عمرؓ سے یہ روایت مرفوع مروی ہے گو اس کی نسبت بھی امام دارقطنی یہی فرماتے ہیں کہ یہ حضرت عبداللہ کا اپنا قول ہی ہے۔ اسی طرح خود خلیفہ المسلمین حضرت فاروق اعظمؓ سے مروی ہے۔ بلکہ صحابہ میں اس مسئلہ میں اختلاف ہی نہ تھا۔ ہاں بعض سلف سے یہ بھی مروی ہے کہ عدت کے بارے میں آزاد اور لونڈی برابر ہے کیونکہ آیت اپنی عمومیت کے لحاظ سے دونوں کو شامل ہے اور اس لئے بھی کہ یہ فطری امر ہے۔ لونڈی اور آزاد عورت اس میں یکساں ہیں۔ محمد بن سیرین اور بعض اہل ظاہر کا یہی قول ہے لیکن یہ ضعیف ہے۔ ابن ابی حاتم کی ایک غریب سند والی روایت میں ہے کہ حضرت اسماء بنت یزید بن سکین انصاریہ کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ اس سے پہلے طلاق کی عدت نہ تھی سب سے پہلے عدت کا حکم ان ہی کی طلاق کے بعد نازل ہوا۔

قروء کے معنی میں سلف خلف کا برابر اختلاف رہا ہے۔ ایک قول تو یہ ہے کہ اس سے مراد طہر یعنی پاکی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہی فرمان ہے چنانچہ انہوں نے اپنی بیٹی حضرت عبدالرحمنؓ کی بیٹی حفصہ کو جبکہ وہ تین طہر گزار چکیں اور تیسرا حیض شروع ہوا تو حکم دیا کہ وہ مکان بدل لیں۔ حضرت عروہؓ نے جب یہ روایت بیان کی تو حضرت عروہ نے جو صدیقہؓ کی دوسری بیٹی ہیں اس واقعہ کی تصدیق کی اور فرمایا کہ لوگوں نے حضرت صدیقہؓ پر اعتراض بھی کیا تو آپؐ نے فرمایا اقرء سے مراد طہر ہیں (موطا مالک)۔ بلکہ موطا میں ابوبکر بن عبدالرحمنؓ کا تو یہ قول بھی مروی ہے کہ میں نے سمجھا در علماء و فقہاء کو قروء کی تفسیر طہر سے ہی کرتے سنا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ بھی یہی فرماتے ہیں کہ جب تیسرا حیض شروع ہوا تو یہ اپنے خاوند سے بری ہو گئی اور خاوند اس سے الگ ہوا (موطا) امام مالکؒ فرماتے ہیں ہمارے نزدیک بھی متحقق امر یہی ہے۔ ابن عباسؓ زید بن ثابتؓ سالمؓ قاسمؓ عروہؓ سلیمان بن یسارؓ ابوبکر بن عبدالرحمنؓ ابان بن عثمانؓ عطاءؓ قتادہؓ زہریؓ اور باقی ساتوں فقہاء کا بھی یہی قول ہے۔ امام مالکؒ امام شافعیؒ کا بھی یہی مذہب ہے۔ داؤد اور ابو ثورؒ بھی یہی فرماتے ہیں۔ امام احمدؒ سے بھی ایک روایت اسی طرح کی مروی ہے۔ اس کی دلیل ان بزرگوں نے قرآن کی اس آیت سے بھی نکالی ہے کہ فَطَلُّوْهُنَّ لِعَدَّتِهِنَّ یعنی انہیں عدت میں طلاق دو یعنی طہر میں پاکیزگی کی حالت میں۔ چونکہ جس طہر میں طلاق دی جاتی ہے وہ بھی نکلتی میں آتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ آیت مندرجہ بالا میں بھی قروء سے مراد حیض کے سوا کی یعنی پاکی حالت ہے۔ اسی لئے یہ حضرات فرماتے ہیں کہ جہاں تیسرا حیض شروع ہوا اور عورت اپنے خاوند کی عدت سے باہر ہو گئی اور اس کی کم سے کم مدت جس میں اگر عورت کہے کہ اسے تیسرا حیض شروع ہو گیا ہے تو اسے سچا سمجھا جائے، بیس دن اور دو لحظہ ہیں، عرب شاعروں کے شعر میں بھی یہ لفظ طہر کے معنی میں مستعمل ہوا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد تین حیض ہیں اور جب تک تیسرے حیض سے پاک نہ ہو لے تب تک وہ عدت میں ہی ہے۔ بعضوں نے غسل کر لینے تک کہا ہے اور اس کی کم سے کم مدت تینتیس دن اور ایک لحظہ ہے۔ اس کی دلیل میں ایک تو حضرت عمر فاروقؓ کا یہ فیصلہ ہے کہ ان کے پاس ایک مطلقہ عورت آئی اور کہا کہ میرے خاوند نے مجھے ایک یا دو طلاقیں دی تھیں۔ پھر وہ میرے پاس اس وقت آیا جب کہ اپنے کپڑے اتار کر دروازہ بند کئے ہوئے تھی (یعنی تیسرے حیض سے نہانے کی تیاری میں تھی تو فرمائیے کیا حکم ہے یعنی رجوع ہو جائے گا یا نہیں؟) آپؐ نے فرمایا میرا خیال تو یہی ہے رجوع ہو گیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی تائید کی، حضرت صدیق اکبرؓ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ حضرت ابودرداءؓ حضرت عبادہ بن صامتؓ حضرت انس بن مالکؓ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت معاذؓ حضرت ابی بن کعبؓ حضرت موسیٰ اشعریؓ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی یہی مروی ہے۔ سعید بن مسیبؓ علقمہؓ اسودؓ ابراہیمؓ مجاہدؓ عطاءؓ طاؤسؓ

سعید بن جبیر، عکرمہ، محمد بن سیرین، حسن، قتادہ، شعبی، ربیع، مقاتل بن حیان، سدی، مکحول، ضحاک، عطا خراسانی بھی یہی فرماتے ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب کا بھی یہی مذہب ہے۔ امام احمدؒ سے بھی زیادہ صحیح روایت میں یہی مروی ہے۔ آپؐ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ کے بڑے بڑے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے یہی مروی ہے۔ ثوری، اوزاعی، ابن ابی لیلیٰ، ابن شیرمہ، حسن بن صالح، ابو عبیدہ اور اسحاق بن راہویہ کا قول بھی یہی ہے، ایک حدیث میں بھی ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت فاطمہ بنت ابی جحشؓ سے فرمایا تھا نماز کو اپنے اقراء کے دنوں میں چھوڑ دو۔ پس معلوم ہوا کہ قرء سے مراد حیض ہے۔ لیکن اس حدیث کا ایک روای مندرجہ بالا ہے جو مشہور نہیں۔ ہاں ابن حبان اسے ثقہ بتلاتے ہیں۔ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں لختا قرء کہتے ہیں ہر اس چیز کے آنے اور جانے کے وقت کو جس کے آنے جانے کا وقت مقرر ہو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس لفظ کے دونوں معنی ہیں۔ حیض کے بھی اور طہر کے بھی اور بعض اصولی حضرات کا یہی مسلک ہے۔ واللہ اعلم۔ اصحی بھی فرماتے ہیں کہ قرء کہتے ہیں وقت کو۔ ابو عمر بن علا کہتے ہیں عرب میں حیض کو اور طہر کو دونوں کو قرء کہتے ہیں۔ ابو عمر بن عبد البر کا قول ہے کہ زبان عرب کے ماہر اور فقہاء کا اس میں اختلاف ہی نہیں کہ طہر اور حیض دونوں معنی قرء کے ہیں ہاں اس آیت کے معنی مقرر کرنے میں ایک جماعت اس طرف گئی اور دوسری اس طرف (مترجم کی تحقیق میں بھی قرء سے مراد یہاں حیض لینا ہی بہتر ہے)۔

پھر فرمایا، ان کے رحم میں جو ہو، اس کا چھپانا حلال نہیں، حمل ہو تو اور حیض آئے تو پھر فرمایا اگر انہیں اللہ پر اور قیامت پر ایمان ہو، اس میں دھمکایا جا رہا ہے کہ خلاف حق نہ کہیں اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس خبر میں ان کی بات کا اعتبار کیا جائے گا کیونکہ اس پر کوئی بیرونی شہادت قائم نہیں کی جاسکتی۔ اس لئے انہیں خبردار کر دیا گیا کہ عدت سے جلد نکل جانے کے لئے (حیض نہ آیا ہو) اور کہہ نہ دیں کہ انہیں حیض آ گیا یا عدت کو بڑھانے کے لئے آیا اور اسے چھپا نہ لیں۔ اسی طرح حمل کی بھی خبر کر دیں۔ پھر فرمایا کہ عدت کے اندر اس شوہر کو جس نے طلاق دی ہے، لوٹا لینے کا پورا حق حاصل ہے جبکہ طلاق رجعی ہو یعنی ایک طلاق کے بعد بھی اور دو طلاقیں کے بعد بھی۔ باقی رہی طلاق بائن یعنی تین طلاقیں جب ہو جائیں تو یاد رہے کہ جب یہ آیت اتری ہے تب تک طلاق بائن تھی ہی نہیں بلکہ اس وقت تک تو چاہے سوطلاقیں ہو جائیں سب رجعی ہی تھیں۔ طلاق بائن تو پھر اسلام کے احکام میں آئی کہ تین اگر ہو جائیں تو اب رجعت کا حق نہیں رہے گا۔ جب یہ بات خیال میں رہے گی تو علماء اصول کے اس قاعدے کا ضعف بھی معلوم ہو جائے گا کہ ضمیر لوٹانے سے پہلے کے عام لفظ کی خصوصیت ہوتی ہے یا نہیں اس لئے کہ اس آیت کے وقت دوسری شکل تھی ہی نہیں طلاق کی ایک ہی صورت تھی۔ واللہ اعلم۔

پھر فرماتا ہے کہ جیسے ان عورتوں پر مردوں کے حقوق ہیں ویسے ہی ان عورتوں کے مردوں پر بھی حقوق ہیں۔ ہر ایک کو دوسرے کا پاس و لحاظ عمدگی سے رکھنا چاہئے۔ صحیح مسلم شریف میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے اپنے خطبہ میں فرمایا، لوگو عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو تم نے اللہ کی امانت کہہ کر انہیں لیا ہے اور اللہ کے کلمہ سے ان کی شرمگاہوں کو اپنے لئے حلال کیا ہے۔ عورتوں پر تمہارا یہ حق ہے کہ وہ تمہارے فرش پر کسی ایسے کو نہ آنے دیں جس سے تم ناراض ہو۔ اگر وہ ایسا کریں تو انہیں مارو لیکن ایسی مار نہ ہو کہ ظاہر ہو۔ ان کا تم پر یہ حق ہے کہ انہیں اپنی بساط کے مطابق کھلاؤ، پلاؤ، پہناؤ، اڑھاؤ۔ ایک شخص نے حضورؐ سے دریافت کیا کہ ہماری عورتوں کے ہم پر کیا حق ہیں۔ آپؐ نے فرمایا جب تم کھاؤ تو اسے بھی کھلاؤ جب تم پہنو تو اسے بھی پہناؤ، اس کے منہ پر نہ مارو، اسے گالیاں نہ دو، اس سے روٹھ کر اور کہیں نہ بھیج دو ہاں گھر میں رکھو۔ اسی آیت کو پڑھ کر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ میں پسند کرتا ہوں کہ اپنی بیوی کو خوش کرنے کے لئے بھی اپنی زینت کروں جس طرح وہ مجھے خوش کرنے کے لئے اپنا بناؤ سنگھار کرتی ہے۔ پھر فرمایا کہ مردوں کو ان پر فضیلت ہے جسمانی حیثیت سے بھی اخلاقی حیثیت سے بھی، مرتبہ کی

حیثیت سے بھی، حکمرانی کی حیثیت سے بھی، خرچ اخراجات کی حیثیت سے بھی، دیکھ بھال اور نگرانی کی حیثیت سے بھی غرض دنیوی اور اخروی فضیلت کے ہر اعتبار سے۔ جیسے اور جگہ ہے **الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ** یعنی مرد عورتوں کے سردار ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایک کو ایک پر فضیلت دے رکھی ہے اور اس لئے بھی کہ یہ مال خرچ کرتے ہیں۔ پھر فرمایا اللہ تعالیٰ اپنے نافرمانوں سے بدلہ لینے پر غالب ہے اور اپنے احکام میں حکمت والا ہے۔

الطَّلَاقُ مَرَّتَيْنِ فَاِمْسَاكِ بِمَعْرُوفٍ اَوْ تَسْرِيجٍ بِاِحْسَانٍ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّا اَتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْئًا اِلَّا اَنْ يَخَافَا اِلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهَا تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظَّالِمُوْنَ

یہ طلاقیں دوسرے ہیں پھر یا تو اچھائی سے روکنا ہے یا عمدگی کے ساتھ چھوڑ دینا ہے اور تمہیں حلال نہیں کہ تم نے انہیں جو دے دیا ہو اس میں سے کچھ بھی لوہاں یہ اور بات ہے کہ دونوں کو اللہ کی حدیں قائم نہ رکھ سکنے کا خوف ہو۔ پس اگر تمہیں ڈر ہو کہ یہ دونوں اللہ کی حدیں قائم نہ رکھ سکیں گے تو عورت جو کچھ بدلہ دے کر چھوئے اس میں دونوں پر کچھ گناہ نہیں یہ ہیں حدیں اللہ کی۔ خبردار ان سے آگے نہ بڑھنا اور جو لوگ اللہ کی حدود سے تجاوز کر جائیں وہ ظالم ہیں ○

رسم طلاق میں آئینی اصلاحات اور خلع: ☆☆ (آیت: ۲۲۹) اسلام سے پہلے یہ دستور تھا کہ خاوند ختنی چاہے طلاقیں دیتا چلا جائے اور عدت میں رجوع کرتا جائے اس سے عورتوں کی جان غضب میں تھی کہ طلاق دی، عدت گزرنے کے قریب آئی، رجوع کر لیا، پھر طلاق دے دی۔ اس طرح عورتوں کو تنگ کرتے رہتے تھے پس اسلام نے حد بندی کر دی کہ اس طرح کی طلاقیں صرف دو ہی دے سکتے ہیں تیسری طلاق کے بعد لوٹا لینے کا کوئی حق نہ رہے گا۔ سنن ابوداؤد میں باب ہے کہ تین طلاقیں کے بعد مراجعت منسوخ ہے پھر یہ روایت لائے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ یہی فرماتے ہیں ابن ابی حاتم میں ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ نہ تو میں تجھے بساؤں گا نہ چھوڑوں گا۔ اس نے کہا یہ کس طرح؟ کہا طلاق دے دوں گا اور جہاں عدت ختم ہونے کا وقت آیا تو رجوع کر لوں گا۔ پھر طلاق دے دوں گا۔ پھر عدت ختم ہونے سے پہلے رجوع کر لوں گا یونہی کرتا چلا جاؤں گا وہ عورت حضورؐ کے پاس آئی اور اپنا یہ دکھ رونے لگی اس پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔

ایک اور روایت میں ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد لوگوں نے نئے سرے سے طلاق کا خیال رکھنا شروع کیا اور وہ سنبھل گئے اور تیسری طلاق کے بعد اس خاوند کو لوٹا لینے کا کوئی حق حاصل نہ رہا اور فرمایا گیا کہ دو طلاقیں تک تو تمہیں اختیار ہے کہ اصلاح کی نیت سے اپنی بیوی کو لوٹا لو۔ اگر وہ عدت کے اندر ہے اور یہ بھی اختیار ہے کہ نہ لوٹاؤ اور عدت گزر جانے دو تا کہ وہ دوسرے سے نکاح کرنے کے قابل ہو جائے اور اگر تیسری طلاق دینا چاہتے ہو تو بھی احسان و سلوک کے ساتھ ورنہ اس کا کوئی حق نہ مارو اس پر کوئی ظلم نہ کرو نہ اسے ضرر نقصان پہنچاؤ ایک شخص نے حضورؐ سے سوال کیا کہ دو طلاقیں تو اس آیت میں بیان ہو چکی ہیں تیسری کا ذکر کہاں ہے۔ آپ نے فرمایا اَوْ تَسْرِیْ یُحِبُّ بِالْحُسْنِ میں جب تیسری طلاق کا ارادہ کرے تو عورت کو تنگ کرنا اس پر سختی کرنا تا کہ وہ اپنا حق چھوڑ کر طلاق پر آمادگی ظاہر کرے یہ مردوں پر حرام ہے جیسے اور جگہ ہے وَلَا تَعْضَلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَا اَتَيْتُمُوْهُنَّ اِلَّا لِیُعْطِیَ عَوْرَتُوْنَ کُتْبَکُمْ نہ کرو تا کہ انہیں دیئے

ہوئے میں سے کچھ لے لو ہاں یہ اور بات ہے کہ عورت اپنی خوشی سے کچھ دے کر طلاق طلب کرے جیسے فرمایا فَإِنْ طَلَبَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِنْهُ نَفْسًا فَكُلُوهُ هَنِيئًا مَرِيئًا یعنی اگر عورتیں اپنی راضی خوشی سے کچھ چھوڑ دیں تو بیشک وہ تمہارے لئے حلال طیب ہے اور جب میاں بیوی میں نا اتفاقی بڑھ جائے عورت اس سے خوش نہ ہو اور اس کے حق کو نہ بجالاتی ہو ایسی صورت میں وہ کچھ لے دے کر اپنے خاوند سے طلاق حاصل کر لے تو اسے دینے میں اور اسے لینے میں کوئی گناہ نہیں۔ یہ بھی یاد رہے کہ اگر عورت بلا وجہ اپنے خاوند سے خلع طلب کرتی ہے تو وہ سخت گنہگار ہے چنانچہ ترمذی وغیرہ میں حدیث ہے کہ یہ جو عورت اپنے خاوند سے بے سبب طلاق طلب کرے اس پر جنت کی خوشبو بھی حرام ہے۔ اور روایت میں ہے کہ حالانکہ جنت کی خوشبو چالیس سال کی دوری سے آتی ہے۔ اور روایت میں ہے کہ ایسی عورتیں منافقہ ہیں۔ ائمہ سلف و خلف کی ایک بڑی جماعت کا فرمان ہے کہ خلع صرف اسی صورت میں ہے کہ نافرمانی اور سرکشی عورت کی طرف سے ہو۔ اس وقت مرد فدیہ لے کر اس عورت کو الگ کر سکتا ہے جیسے کہ قرآن پاک کی اس آیت میں ہے اس کے سوا کی صورت میں یہ بات جائز نہیں بلکہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ تو فرماتے ہیں کہ اگر عورت کو تکلیف پہنچا کر اس کے حق میں کمی کر کے اگر اسے مجبور کیا گیا اور اس سے کچھ مال واپس لیا گیا تو اس کا لوٹنا واجب ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ جب حالت اختلاف میں جائز ہے تو حالت اتفاق میں بطور اولیٰ جائز ٹھہرے گا۔ بکر بن عبد اللہ کہتے ہیں سرے سے خلع منسوخ ہے کیونکہ قرآن میں ہے وَاتَّيْتُمْ إِحْلَاهُنَّ قِنطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا یعنی اگر تم نے اپنی بیویوں کو ایک خرانہ بھی دے رکھا ہو تو بھی اس میں سے کچھ بھی نہ لو لیکن یہ قول ضعیف ہے اور مردود ہے۔

اب آیت کا شان نزول سنئے۔ موطا مالک میں ہے کہ حبیبہ بن سہل النصاریہ حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بیوی تھیں۔ آنحضرتؐ ایک دن صبح کی نماز کے لئے اندھیرے اندھیرے نکلے تو دیکھا کہ دروازے پر حضرت حبیبہؓ کھڑی ہیں۔ آپ نے پوچھا کون ہے؟ کہا میں حبیبہ بن سہل ہوں فرمایا کیا بات ہے؟ کہا حضورؐ میں ثابت بن قیس کے گھر میں نہیں رہ سکتی۔ یادہ نہیں یا میں نہیں۔ آپ سن کر خاموش ہو رہے۔ جب ثابتؓ آئے آپ نے فرمایا تمہاری بیوی صاحبہ کچھ کہہ رہی ہیں۔ حضرت حبیبہؓ نے کہا حضورؐ میرے خاوند نے مجھے جو دیا ہے وہ سب میرے پاس ہے اور میں اسے واپس کرنے پر آمادہ ہوں آپ نے حضرت ثابتؓ کو فرمایا۔ سب لے لو چنانچہ انہوں نے لے لیا اور حضرت حبیبہؓ آزاد ہو گئیں۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت ثابتؓ نے انہیں مارا تھا اور اس مار سے کوئی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔ حضورؐ نے جب انہیں یہ فرمایا اس وقت انہوں نے دریافت کیا کہ کیا میں یہ مال لے سکتا ہوں آپ نے فرمایا ہاں۔ کہا میں نے اسے دو باغ دیئے ہیں یہ واپس دلوا دیجئے وہ مہر کے دونوں باغ واپس کئے گئے اور جدائی ہو گئی۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حبیبہ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ میں اس کے اخلاق اور دین میں عیب گیری نہیں کرتی لیکن میں اسلام میں کفر کو ناپسند کرتی ہوں چنانچہ مال لے کر حضرت ثابتؓ نے طلاق دے دی۔ بعض روایات میں ان کا نام جلیلہ بھی آیا ہے۔ بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ مجھے اب غیظ و غضب کے برداشت کی طاقت نہیں رہی۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ نے فرمایا جو دیا ہے لے لو زیادہ نہ لینا۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت حبیبہؓ نے فرمایا تھا وہ صورت کے اعتبار سے بھی کچھ حسین نہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ یہ حضرت عبد اللہ بن امی کی بہن تھیں اور سب سے پہلا خلع تھا جو اسلام میں ہوا۔ ایک وجہ یہ بھی بیان کی تھی کہ حضرتؐ میں نے ایک مرتبہ خیمے کے پردہ کو جواٹھایا تو دیکھا کہ میرے خاوند چند آدمیوں کے ساتھ آ رہے ہیں۔ ان تمام میں یہ سیاہ فام چھوٹے قد والے اور بد صورت تھے۔ حضورؐ کے اس فرمان پر کہ اس کا باغ واپس کرو۔ حبیبہ نے کہا تھا کہ آپ فرمائیں تو میں کچھ اور بھی دینے کو تیار ہوں اور

روایت میں ہے کہ حبیبہؓ نے یہ بھی کہا تھا کہ حضور اگر اللہ کا خوف نہ ہوتا تو میں اس کے منہ پر تھوک دیا کرتی۔ جمہور کا مذہب تو یہ ہے کہ خلع میں عورت سے اپنے دیے ہوئے سے زیادہ لے تو بھی جائز ہے کیونکہ قرآن نے فی مآ افتدث بہ فرمایا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہیں اس ایک عورت اپنے خاوند سے بگڑی ہوئی آئی۔ آپ نے فرمایا اسے گندگی والے گھر میں قید کر دو۔ پھر قید خانہ سے اسے بلوایا اور کہا کیا حال ہے اس نے کہا آرام کی راتیں مجھ پر میری زندگی میں یہی گزری ہیں۔ آپ نے اس کے خاوند سے فرمایا اس سے خلع کر لے اگرچہ گوشوارہ کے بدلے ہی ہو۔ ایک روایت میں ہے اسے تین دن وہاں قید رکھا تھا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا اگر یہ اپنی چٹیا کی دجی بھی دے تو لے لے اور اسے الگ کر دے حضرت عثمانؓ فرماتے ہیں اس کے سوا سب کچھ لے کر بھی خلع ہو سکتا ہے ربيع بنت معوذ بن عفرہ فرماتی ہیں میرے خاوند اگر موجود ہوتے تو بھی میرے ساتھ سلوک کرنے میں کمی کرتے اور کہیں چلے جاتے تو بالکل ہی محروم کر دیتے ایک مرتبہ جھگڑے کے موقعہ پر میں نے کہہ دیا کہ میری ملکیت میں جو کچھ ہے لے لو اور مجھے خلع دو۔ اس نے کہا اور یہ معاملہ فیصل ہو گیا لیکن میرے چچا معاذ بن عفرہ اس قصہ کو لے کر حضرت عثمانؓ کے پاس گئے۔ حضرت عثمانؓ نے بھی اسے برقرار رکھا اور فرمایا کہ چوٹی کی دجی چھوڑ کر سب کچھ لے لو۔ بعض روایتوں میں ہے یہ بھی اور اس سے چھوٹی چیز بھی غرض سب کچھ لے لو۔ پس مطلب ان واقعات کا یہ ہے کہ یہ دلیل ہے اس پر کہ عورت کے پاس جو کچھ ہے سب کچھ دے کر وہ خلع کر سکتی ہے اور خاوند اپنی دی ہوئی چیز سے زائد لے کر بھی خلع کر سکتا ہے۔ ابن عمرؓ ابن عباسؓ مجاہدؓ عکرمہؓ ابراہیم نخعیؓ قیسہ بن ذویبؓ حسن بن صالحؓ عثمان رحمہم اللہ جمعین بھی یہی فرماتے ہیں امام مالکؒ عیثؒ امام شافعیؒ اور ابو ثورؒ کا مذہب بھی یہی ہے امام ابن جریرؒ بھی اسی کو پسند فرماتے ہیں اور اصحاب ابو حنیفہؒ کا قول ہے کہ اگر قصور اور ضرر رسانی عورت کی طرف سے ہو تو خاوند کو جائز ہے کہ جو اس نے دیا ہے واپس لے لے لیکن اس سے زیادہ لینا جائز نہیں گویا زیادہ لے لے تو بھی قضا کے وقت جائز ہوگا اور اگر خاوند کی اپنی جانب سے زیادتی ہو تو اسے کچھ بھی لینا جائز نہیں۔ گو لے لے تو قضاء جائز ہوگا۔ امام احمد ابو عبیدہ اور اسحاق بن راہویہ فرماتے ہیں کہ خاوند کو اپنے دیئے ہوئے سے زیادہ لینا جائز ہی نہیں سعید بن مسیبؒ عطاء عمر و بن شعیبؒ زہریؒ طاؤسؒ حسنؒ شعیبؒ حماد بن ابوسلمہؒ اور ربيع بن انسؒ کا بھی یہی مذہب ہے عمر اور حاکم کہتے ہیں۔ حضرت علیؓ کا بھی یہی فیصلہ ہے۔ اور ائی کا فرمان ہے کہ قاضیوں کا فیصلہ ہے کہ دیئے ہوئے سے زیادہ کو جائز نہیں جانتے۔ اس مذہب کی دلیل وہ حدیث بھی ہے جو اوپر بیان ہو چکی ہے جس میں ہے کہ اپنا باغ لے لو اور اس سے زیادہ نہ لو۔ مسند عبد بن حمید میں بھی ایک مرفوع حدیث ہے کہ نبی ﷺ نے خلع لینے والی عورت سے اپنے دیئے ہوئے سے زیادہ لینا مکروہ رکھا اور اس صورت میں جو کچھ فدیہ وہ دے گا کالفظ جو قرآن میں ہے اس کے معنی یہ ہوں گے کہ دیئے ہوئے میں سے جو کچھ دے کیونکہ اس سے پہلے یہ فرمان موجود ہے کہ تم نے جو انہیں دیا ہے اس میں سے کچھ نہ لو۔ ربيع کی قرأت میں بہ کے بعد مذہب کا لفظ بھی ہے۔ پھر فرمایا کہ یہ حدود اللہ ہیں ان سے تجاوز نہ کرو ورنہ گنہگار ہوں گے۔

فصل: خلع کو بعض حضرات طلاق میں شمار نہیں کرتے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اگر ایک شخص نے اپنی بیوی کو دو طلاقیں دے دی ہیں پھر اس عورت نے خلع کر لیا ہے تو اگر خاوند چاہے تو اس سے پھر بھی نکاح کر سکتا ہے اور اس پر دلیل یہی آیت وارد کرتے ہیں۔ یہ قول حضرت ابن عباسؓ کا ہے حضرت عکرمہؓ بھی فرماتے ہیں کہ یہ طلاق نہیں۔ دیکھو آیت کے اول آخر طلاق کا ذکر ہے۔ پہلے دو طلاقیں کا۔ پھر آخر میں تیسری طلاق کا اور درمیان میں خلع کا ذکر ہے۔

پس معلوم ہوا کہ خلع طلاق نہیں بلکہ فسخ ہے۔ امیر المومنین حضرت عثمان بن عفانؓ اور حضرت عمرؓ طاؤسؓ عکرمہؓ احمد بن حنبلؓ اسحاق بن راہویہؒ ابو ثورؒ و ابن علیؒ ظاہری کا بھی یہی مذہب ہے۔ امام شافعیؒ کا بھی قدیم قول یہی ہے اور آیت کے ظاہری الفاظ بھی یہی ہیں۔ بعض

دیگر بزرگ فرماتے ہیں کہ خلع طلاق بائن ہے اور اگر ایک سے زیادہ کی نیت ہوگی تو وہ بھی معتبر ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ ام بکر اسلمیہ نے اپنے خاوند عبداللہ بن خالد سے خلع لیا اور حضرت عثمانؓ نے اسے ایک طلاق ہونے کا فتویٰ دیا اور ساتھ ہی فرمادیا کہ اگر کچھ سامان لیا ہو تو جتنا سامان لیا ہو وہ ہے لیکن یہ اثر ضعیف ہے واللہ اعلم۔

حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت ابن عمرؓ، سعید بن مسیبؓ، حسنؓ، عطاء شریحؓ، شعبیؓ، ابراہیمؓ، جابر بن زیدؓ، مالکؓ، ابو حنیفہؓ ان کے ساتھی ثوریؓ، اوزاعیؓ، ابو عثمانؓ، یحییٰؓ کا یہی قول ہے کہ خلع طلاق ہے۔ امام شافعیؒ کا بھی جدید قول یہی ہے۔ ہاں حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر دو طلاق کی نیت خلع دینے والے کی ہے تو وہ ہو جائیں گی۔ اگر کچھ کچھ لفظ نہ کہے اور مطلق خلع ہو تو ایک طلاق بائن ہوگی اگر تین کی نیت ہے تو تین ہو جائیں گی۔ امام شافعیؒ کا ایک اور قول بھی ہے کہ اگر طلاق کا لفظ نہیں اور کوئی دلیل و شہادت بھی نہیں تو وہ بالکل کوئی چیز ہی نہیں۔

مسئلہ: ☆☆ امام ابو حنیفہ شافعیؒ، احمدؒ، اسحاقؒ بن راہویہ رحمہم اللہ کا مسلک ہے کہ خلع کی عدت طلاق کی عدت ہے۔ عمرؓ علیؓ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور سعید بن مسیبؓ، سلیمان بن یسارؒ، عروہؒ، سالمؒ، ابوسلمہؒ، عمر بن عبدالعزیزؒ، ابن شہابؒ، حسنؒ، شعبیؒ، ابراہیمؒ، ابوعیاضؒ، خلاص بن عمروؒ، قتادہؒ، سفیانؒ، ثوریؒ، اوزاعیؒ، لیث بن سعدؒ اور ابو عبیدہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کا بھی یہی فرمان ہے۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں، اکثر اہل علم اسی طرف گئے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ چونکہ خلع طلاق ہے پس عدت اس کی مثل عدت طلاق کے ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ صرف ایک حیض اس کی عدت ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہی فیصلہ ہے ابن عمرؓ گوتین حیض کا فتویٰ دیتے تھے لیکن ساتھ ہی فرمادیا کرتے تھے کہ حضرت عثمانؓ ہم سے بہتر ہیں اور ہم سے بڑے عالم ہیں اور ابن عمرؓ سے ایک حیض کی عدت بھی مروی ہے۔ ابن عباسؓ، عکرمہؒ، امان بن عثمانؓ اور تمام وہ لوگ جن کے نام اوپر آئے ہیں جو خلع کو فسخ کہتے ہیں ضروری ہے کہ ان سب کا قول بھی یہی ہو۔ ابو داؤدؒ اور ترمذیؒ کی حدیث میں بھی یہی ہے کہ ثابت بن قیسؒ کی بیوی صاحبہ کو آپؐ نے اس صورت میں ایک حیض عدت گزارنے کا حکم دیا تھا۔ ترمذیؒ میں ہے کہ ربیع بنت معوذہ کو بھی خلع کے بعد ایک ہی حیض عدت گزارنے کا حضورؐ کا فرمان صادر ہوا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خلع والی عورت سے فرمایا تھا کہ تجھ پر عدت ہی نہیں۔ ہاں اگر قریب کے زمانہ میں ہی خاوند سے ملی ہو تو ایک حیض آجانے تک اس کے پاس ٹھہری رہو۔ موئم مغالبہ کے بارے میں حضورؐ کا جو فیصلہ تھا اس کی متابعت حضرت امیر المومنین نے کی۔

مسئلہ: ☆☆ جمہور علمائے کرام اور چاروں اماموں کے نزدیک خلع والی عورت سے رجوع کرنے کا حق خاوند کو حاصل نہیں اس لئے کہ اس نے مال دے کر اپنے آپ کو آزاد کرالیا ہے۔ عبداللہ بن ابی اوفیؒ، ماہان خفیؒ، سعید اور زہریؒ کا قول ہے کہ اگر واپس کیا پھیر دے تو حق رجعت حاصل ہے۔ بغیر عورت کی رضا مندی کے بھی رجوع کر سکتا ہے۔ سفیانؒ، ثوریؒ فرماتے ہیں، اگر خلع میں طلاق کا لفظ نہیں تو وہ صرف جدائی ہے اور رجوع کرنے کا حق نہیں اور اگر طلاق کا نام لیا ہے تو بیشک وہ رجعت کا پورا پورا احقر ہے۔ داؤدؒ ظاہریؒ بھی یہی فرماتے ہیں۔ ہاں سب کا اتفاق ہے کہ اگر دونوں رضا مند ہوں تو نیا نکاح عدت کے اندر اندر کر سکتے ہیں۔ عبدالبرؒ ایک فرقہ کا یہ قول بھی حکایت کرتے ہیں کہ عدت کے اندر جس طرح دوسرا کوئی اس سے نکاح نہیں کر سکتا اسی طرح خلع دینے والا خاوند بھی نہیں کر سکتا لیکن یہ قول شاذ اور مردود ہے۔

مسئلہ: ☆☆ اس عورت پر عدت کے اندر اندر دوسری طلاق بھی واقع ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اس میں علماء کے تین قول ہیں۔ ایک یہ کہ نہیں کیونکہ وہ عورت اپنے نفس کی مالکہ ہے اور اس خاوند سے الگ ہو گئی ہے۔ ابن عباسؓ، ابن زبیرؒ، عکرمہؒ، جابر بن زیدؒ، حسن بصریؒ، شافعیؒ، احمدؒ، اسحاقؒ ابو ثورؒ کا یہی قول ہے۔ دوسرا قول امام مالکؒ کا ہے کہ اگر خلع کے ساتھ ہی بغیر خاموش رہے طلاق دے دے تو واقع ہو جائے گی ورنہ

نہیں۔ یہ مثل اس کے ہے جو حضرت عثمانؓ سے مروی ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ عدت میں طلاق واقع ہو جائے گی۔ ابو حنیفہ ان کے اصحاب ثوریؒ، اوزاعیؒ، سعید بن مسیبؒ، شریحؒ، طاؤسؒ، ابراہیمؒ، زہریؒ، حاکمؒ، حکمؒ اور حاد کا یہی قول ہے۔ ابن مسعود اور ابو الدرداءؒ سے بھی یہ مروی تو ہے لیکن ثابت نہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ یہ اللہ کی حدیں ہیں۔ صحیح حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ کی حدوں سے آگے نہ بڑھو۔ فرائض کو ضائع نہ کرو، محارم کی بے حرمتی نہ کرو، جن چیزوں کا ذکر شریعت میں نہیں، تم بھی ان سے خاموش رہو کیونکہ اللہ کی ذات بھول چوک سے پاک ہے۔ اس آیت سے استدلال ہے ان لوگوں کا جو کہتے ہیں کہ تینوں طلاقیں ایک مرتبہ ہی دینا حرام ہیں۔ مالکیہ اور ان کے موافقین کا یہی مذہب ہے ان کے نزدیک سنت طریقہ یہی ہے کہ طلاق ایک ایک دی جائے کیونکہ الطَّلَاقُ مَرَّتَيْنِ کہا پھر فرمایا کہ یہ حدیں ہیں اللہ کی ان سے تجاوز نہ کرو۔ اس کی تقویت اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو سنن نسائی میں ہے۔ حضورؐ کو ایک مرتبہ یہ معلوم ہوا کہ کسی شخص نے اپنی بیوی کو تینوں طلاقیں ایک ساتھ دی ہیں آپؐ سخت غضبناک ہو کر کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے کیا میری موجودگی میں کتاب اللہ کے ساتھ کھیلا جانے لگا یہاں تک کہ ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا، اگر حضورؐ اجازت دیں تو میں اس شخص کو قتل کر دوں لیکن اس روایت کی سند میں انقطاع ہے۔

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ
فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يَتَرَاجَعَا إِنْ ظَنَّا أَنْ
يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿۲۳۰﴾

پھر اگر اس کو طلاق دے دے تو اب اس کے لئے حلال نہیں جب تک کہ وہ عورت اس کے سوا دوسرے سے نکاح نہ کر لے۔ پھر اگر وہ بھی طلاق دے دے تو ان دونوں کو میل جول کر لینے میں کوئی گناہ نہیں بشرطیکہ یہ جان لیں کہ اللہ کی حدوں کو قائم رکھ سکیں گے۔ یہ ہیں اللہ تعالیٰ کی حدیں جنہیں وہ جاننے والوں کے لئے بیان

فرما رہا ہے ○

(آیت: ۲۳۰) پھر ارشاد ہے کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو دو طلاقیں دے چکنے کے بعد تیسری بھی دے دے تو وہ اس پر حرام ہو جائے گی یہاں تک کہ دوسرے سے باقاعدہ نکاح ہو، ہم بستری ہو پھر وہ مر جائے یا طلاق دے دے۔ پس اگر بغیر نکاح کے مثلاً لونڈی بنا کر گودلی بھی کر لے تو بھی اگلے خاوند کے لئے حلال نہیں ہو سکتی اسی طرح گو نکاح باقاعدہ ہو لیکن اس دوسرے خاوند نے جماعت نہ کی ہو تو بھی پہلے شوہر کے لئے حلال نہیں۔ اکثر فقہاء میں مشہور ہے کہ حضرت سعید بن مسیبؒ (صرف) عقد کو حلال کہتے ہیں گو میل نہ ہوا ہو لیکن یہ بات ان سے ثابت نہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص ایک عورت سے نکاح کرتا ہے اور دخول سے پہلے ہی طلاق دے دیتا ہے۔ وہ دوسرا نکاح کرتی ہے۔ وہ بھی اسی طرح دخول سے پہلے ہی طلاق دے دیتا ہے۔ تو کیا اگلے خاوند کو اب اس سے نکاح کرنا حلال ہے۔ آپؐ نے فرمایا نہیں نہیں جب تک کہ یہ اس سے اور وہ اس سے لطف اندوز نہ ہو لیں (مسند احمد ابن ماجہ وغیرہ) اس روایت کے راوی حضرت ابن عمرؓ سے خود امام سعید بن مسیبؒ ہیں پس کیسے ممکن ہے کہ وہ روایت بھی کریں اور پھر مخالفت بھی کریں اور پھر وہ بھی بلا دلیل ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ عورت رخصت ہو کر جاتی ہے ایک مکان میں میاں بیوی جاتے ہیں پردہ ڈال دیا جاتا ہے لیکن آپس میں نہیں ہوتی جب بھی حکم ہے خود آپؐ کے زمانہ میں ایسا واقعہ ہوا۔ آپؐ سے پوچھا گیا مگر آپؐ نے پہلے خاوند کی اجازت نہ دی (بخاری و مسلم) ایک روایت میں ہے کہ حضرت رفاعہ قرظیؓ کی بیوی صاحبہ تمیمہ بنت وہب کو جب انہوں نے آخری تیسری طلاق دے دی تو ان کا

نکاح حضرت عبدالرحمن بن زبیرؓ سے ہوا لیکن یہ شکایت لے کر دربار رسالت ماب میں آئیں اور کہا کہ وہ عورت کے مطلب کے نہیں۔ مجھے اجازت ہو کہ میں اپنے پہلے خاوند کے گھر چلی جاؤں۔ آپؐ نے فرمایا: یہ نہیں ہو سکتا جب تک کہ تمہاری کسی اور خاوند سے مجامعت نہ ہو۔ ان احادیث کی بہت سی سندیں ہیں اور مختلف الفاظ سے مروی ہیں۔

فصل: یہ یاد رہے کہ مقصود دوسرے خاوند سے یہ ہے کہ خود اسے رغبت ہو اور ہمیشہ بیوی بنا کر رکھنے کا خواہش مند ہو کیونکہ نکاح سے مقصود یہی ہے۔ یہ نہیں کہ اگلے خاوند کے لئے محض حلال ہو جائے اور بس۔ بلکہ امام مالک فرماتے ہیں کہ یہ بھی شرط ہے کہ یہ مجامعت بھی مباح اور جائز طریق پر ہو مثلاً عورت روزے سے نہ ہو، احرام کی حالت میں نہ ہو، اعتکاف کی حالت میں نہ ہو اور حیض یا نفاس کی حالت میں نہ ہو۔ اسی طرح خاوند بھی روزے سے نہ ہو، محرم یا معتکف نہ ہو اگر طرفین میں سے کسی کی یہ حالت ہو اور پھر چاہے وطی بھی ہو جائے پھر بھی پہلے شوہر پر حلال نہ ہوگی۔ اسی طرح اگر دوسرا خاوند ذمی ہو تو بھی اگلے خاوند کے لئے حلال نہ ہوگی کیونکہ امام صاحب کے نزدیک کفار کے آپس کے نکاح باطل ہیں۔ امام حسن بصریؒ تو یہ بھی شرط لگاتے ہیں کہ انزال بھی ہو کیونکہ حضورؐ کے الفاظ سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ جب تک کہ وہ تیرا اور تو اس کا مزہ نہ چکھے اور اگر یہی حدیث ان کے پیش نظر ہو جائے تو چاہئے کہ عورت کی طرف سے بھی یہ شرط معتبر ہو لیکن حدیث کے لفظ مسیلہ سے منی مراد نہیں۔ یہ یاد رہے کیونکہ مسند احمد اور نسائی میں حدیث ہے کہ ”عیلہ“ سے مراد جماع ہے اگر دوسرے خاوند کا ارادہ اس سے نکاح سے یہ ہے کہ یہ عورت پہلے خاوند کے لئے حلال ہو جائے تو ایسے لوگوں کی مذمت بلکہ ملعون ہونے کی تصریح حدیثوں میں آچکی ہے۔ مسند احمد میں ہے گودنے والی، گدوانے والی، ہال ملانے والی، ملوانے والی عورتیں ملعون، حلالہ کرنے والے اور جس کے لئے حلالہ کیا جاتا ہے ان پر بھی اللہ کی پھٹکار ہے۔ سودخور اور سود کھلانے والے بھی لعنتی ہیں۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں، صحابہ کا عمل اسی پر ہے، عمرؓ، عثمانؓ اور ابن عمرؓ کا یہی مذہب ہے، تابعین فقہاء بھی یہی کہتے ہیں، علی ابن مسعود اور ابن عباسؓ کا بھی یہی فرمان ہے۔ اور روایت میں ہے کہ بیان کی گواہی دینے والوں اور اس کے لکھنے والے پر بھی لعنت ہے۔ زکوٰۃ کے نہ دینے والوں اور لینے میں زیادتی کرنے والوں پر بھی لعنت ہے۔ ہجرت کے بعد لوٹ کر اعرابی بننے والے پر بھی پھٹکار ہے۔ نوہ کرنا بھی ممنوع ہے، ایک حدیث میں ہے، میں تمہیں بتاؤں کہ ادھار لیا ہوا سا نڈ کونسا ہے؟ لوگوں نے کہا ہاں۔ فرمایا جو حلالہ کرے یعنی طلاق والی عورت سے اس لئے نکاح کرے کہ وہ اگلے خاوند کے لئے حلال ہو جائے اس پر اللہ کی لعنت ہے اور جو اپنے لئے ایسا کرائے وہ بھی ملعون ہے (ابن ماجہ)

ایک روایت میں ہے کہ ایسے نکاح کی بابت حضورؐ سے پوچھا گیا تو آپؐ نے فرمایا یہ نکاح ہی نہیں جس میں مقصود اور ہو اور ظاہر اور ہو۔ جس میں اللہ کی کتاب کے ساتھ مذاق اور ہنسی ہو نکاح صرف وہی ہے جو رغبت کے ساتھ ہو۔ مستدرک حاکم میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے سوال کیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تیسری طلاق دے دی۔ اس کے بعد اس کے بھائی نے بغیر اپنے بھائی کے کہے از خود اس سے اس ارادے سے نکاح کر لیا کہ یہ میرے بھائی کے لئے حلال ہو جائے تو آیا یہ نکاح صحیح ہو گیا۔ آپؐ نے فرمایا، ہرگز نہیں، ہم تو اسے نبی ﷺ کے زمانہ میں زنا شمار کرتے تھے۔ نکاح وہی ہے جس میں رغبت ہو اس حدیث کے پچھلے جملے نے گواہ موقوف سے حکم میں مرفوع کر دیا بلکہ ایک اور روایت میں ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا، اگر کوئی ایسا کرے گا یا کرائے گا تو میں دونوں کو زنا کی حد لگاؤں گا یعنی رجم کروں گا۔ خلیفہ وقت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ایسے نکاح میں تفریق کر دی اسی طرح حضرت علیؓ اور حضرت ابن عباسؓ وغیرہ بہت سے صحابہ کرام سے بھی یہی مروی ہے رضی اللہ عنہم۔ پھر فرمان ہے کہ اگر دوسرا خاوند نکاح اور وطی کے بعد طلاق دے

دے تو پہلے خاوند پر پھر اسی عورت سے نکاح کر لینے میں کوئی گناہ نہیں جبکہ یہ اچھی طرح گذراوقات کر لیں اور یہ بھی جان لیں کہ وہ دوسرا نکاح صرف دھوکا اور مکرو فریب کا نہ تھا بلکہ حقیقت تھی۔ یہ ہیں احکام شرعی جنہیں علم والوں کے لئے اللہ نے واضح کر دیا۔ ائمہ کا اس میں بھی اختلاف ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو دو یا ایک طلاق دے دی پھر چھوڑے رہا یہاں تک کہ وہ عدت سے نکل گئی۔ پھر اس نے دوسرے سے گھر بسالیا۔ اس سے ہم بستری بھی ہوئی۔ پھر اس نے بھی طلاق دے دی اور اس کی عدت ختم ہو چکی۔ پھر اگلے خاوند نے اس سے نکاح کر لیا تو کیا اسے تین میں سے جو طلاقیں یعنی ایک یا دو جو باقی ہیں صرف انہی کا اختیار رہے گا یا پہلی کی طلاقیں گنتی سے ساقط ہو جائیں گی اور اسے از سر نو تینوں طلاقیں کا حق حاصل ہو جائے گا۔ پہلا مذہب تو ہے امام مالکؒ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا اور صحابہؓ کی ایک جماعت کا اور دوسرا مذہب ہے امام ابو حنیفہؒ اور ان کے ساتھیوں کا۔ اور ان کی دلیل یہ ہے کہ جب اس طرح تیسری طلاق ہو گنتی میں نہیں آئی تو پہلی دوسری کیا آئے گی۔ واللہ اعلم۔

وَإِذَا طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمَّا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ
أَوْ سَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضَرَارًا لِتَعْتَدُوا وَمَنْ يَفْعَلْ
ذَلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ وَلَا تَتَّخِذُوا إِلَيْهِ هُزُوعًا
وَاذْكُرُوا أَنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِمَا أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ وَمَا أَنْزَلَ مِنَ الْكِتَابِ
وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ
عَلِيمٌ

جب تم عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت ختم کرنے پر آمیں تو اب انہیں اچھی طرح بساؤ یا بھلائی کے ساتھ الگ کر دو اور انہیں تکلیف پہنچانے کی غرض سے ظلم و زیادتی کے لئے نہ روکو جو شخص ایسا کرے اس نے اپنی جان پر ظلم کیا تم اللہ کے احکام کو ہنسی کھیل نہ بناؤ اور اللہ کا احسان جو تم پر ہے یاد کرو اور جو کچھ کتاب و حکمت اس نے نازل فرمائی ہے جس سے تمہیں نصیحت کر رہا ہے اسے بھی اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے ○

آئین طلاق کی وضاحت: ☆ ☆ (آیت: ۲۳۱) مردوں کو حکم ہو رہا ہے کہ جب وہ اپنی بیویوں کو طلاق دیں جن حالتوں میں لوٹا لینے کا حق انہیں حاصل ہے اور عدت ختم ہونے کے قریب پہنچ جائے تو یا عہدگی کے ساتھ لوٹائے یعنی رجعت پر گواہ مقرر کرے اور اچھائی سے بسانے کی نیت رکھے یا اسے عہدگی سے چھوڑ دے اور عدت ختم ہونے کے بعد اپنے ہاں بغیر اختلاف، جھگڑے، دشمنی اور بدزبانی کے نکال دے۔ جاہلیت کے اس دستور کو اسلام نے ختم کر دیا جو ان میں تھا کہ طلاق دے دی۔ عدت ختم ہونے کے قریب رجوع کر لیا۔ پھر طلاق دے دی۔ پھر رجوع کر لیا۔ یونہی اس دکھیا عورت کی عمر برباد کر دیتے تھے کہ نہ وہ سہاگن ہی رہے نہ بیوہ تو اس سے اللہ نے روکا اور فرمایا کہ ایسا کرنے والا ظالم ہے۔ پھر فرمایا اللہ کی آیتوں کو ہنسی نہ بناؤ۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ اشعری قبیلہ پر ناراض ہوئے تو حضرت ابو موسیٰ اشعری نے حاضر خدمت ہو کر (ان اصلاحات طلاق کے بارہ میں) سبب دریافت کیا۔ آپؐ نے فرمایا، کیوں یہ لوگ کہہ دیا کرتے ہیں کہ میں نے طلاق دی۔ میں نے رجوع کیا۔ یاد رکھو مسلمانوں کی یہ طلاقیں نہیں۔ عورتوں کی عدت کے مطابق طلاقیں دو۔ اس کا ایک یہ بھی مطلب کیا گیا ہے کہ ایک شخص ہے جو بلا وجہ طلاق دیتا ہے اور عورت کو ضرر پہنچانے کے لئے اور اس کی عدت لمبی کرنے کے لئے رجوع ہی کرتا چلا جاتا ہے۔ یہ بھی

کہا گیا ہے کہ ایک شخص ہے جو طلاق دے یا آزاد کرے یا نکاح کرے - پھر کہہ دے کہ میں نے تو ہنسی ہنسی میں یہ کیا - ایسی صورتوں میں یہ تینوں کام فی الحقیقت واقع ہو جائیں گے - حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دی پھر کہہ دیا کہ میں نے تو مذاق کیا تھا اس پر یہ آیت اتری اور حضورؐ نے فرمایا یہ طلاق ہوگئی (ابن مردویہ) حسن بصریؒ فرماتے ہیں لوگ طلاق دے دیتے آزاد کر دیتے نکاح کر لیتے اور پھر کہہ دیتے کہ ہم نے بطور دل لگی کے یہ کیا تھا اس پر یہ آیت اتری اور حضورﷺ نے فرمایا جو طلاق یا غلام آزاد کرے یا نکاح کرے یا کرادے خواہ چنگلی کے ساتھ خواہ ہنسی مذاق میں وہ سب ہو گیا (ابن ابی حاتم) - یہ حدیث مرسل اور موقوف کئی سندوں سے مروی ہے - ابو داؤد ترمذی اور ابن ماجہ میں حدیث ہے کہ تین چیزیں ہیں کہ بچے ارادے سے ہوں دل لگی سے ہوں تو تینوں ہی ثابت ہو جائیں گی - نکاح طلاق اور رجعت - امام ترمذیؒ اسے حسن غریب کہتے ہیں اللہ کی نعمت یاد کرو کہ اس نے رسول بھیجے ہدایت اور دلیل نازل فرمائیں کتاب اور سنت سکھائی حکم بھی کئے منع بھی کئے وغیرہ وغیرہ - جو کام کرو اور جو نہ کرو ہر ایک میں اللہ سے ڈرتے رہا کرو اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ ہر پوشیدگی اور ہر ظاہر کو بخوبی جانتا ہے -

وَإِذَا طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمَّا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ
أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمَا بِالْمَعْرُوفِ ذَلِكَ يُوعَظُ بِهِ مَنْ
كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَمْ آزْكِي لَكُمْ وَأَظْهَرُ
وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝

اور جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت پوری کر لیں تو انہیں ان کے خاندانوں سے نکاح کرنے سے نہ روکو جبکہ وہ آپس میں دستور کے مطابق رضامند ہوں - یہ نصیحت انہیں کی جاتی ہے جنہیں تم میں سے اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر یقین و ایمان ہو - اس میں تمہاری بہترین سترائی اور پاکیزگی ہے - اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ○

در ثناء کے لئے طلاق کی مزید آئینی وضاحت: ☆☆ (آیت: ۲۳۲) اس آیت میں عورتوں کے ولی وارثوں کو ممانعت ہو رہی ہے کہ جب کسی عورت کو طلاق ہو جائے اور عدت بھی گزر جائے پھر میاں بیوی رضامندی سے نکاح کرنا چاہیں تو وہ انہیں نہ روکیں - اس آیت میں دلیل ہے اس امر کی بھی کہ عورت خود اپنا نکاح نہیں کر سکتی اور نکاح بغیر ولی نہیں ہو سکتا - چنانچہ ترمذی اور ابن جریر نے اس آیت کی تفسیر میں یہ حدیث وارد کی ہے کہ عورت عورت کا نکاح نہیں کر سکتی - نہ عورت اپنا نکاح آپ کر سکتی ہے - وہ عورتیں زنا کار ہیں جو اپنا نکاح آپ کر لیں - دوسری حدیث میں ہے نکاح بغیر راہ یافتہ کے اور دو عادل گواہوں کے نہیں - گو اس مسئلہ میں بھی اختلاف ہے لیکن اس کے بیان کی جگہ تفسیر نہیں - ہم اس کا بیان کتاب الاحکام میں کر چکے ہیں فَاَلْحَمْدُ لِلّٰہ - یہ آیت حضرت معقل بن یسارؓ اور ان کی ہمیشہ صاحب کے بارے میں نازل ہوئی ہے - صحیح بخاری شریف میں اس آیت کی تفسیر کے بیان میں ہے کہ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میری بہن کا مگتیر میرے پاس آتا تھا میں نے نکاح کر دیا اس نے کچھ دنوں بعد طلاق دے دی - پھر عدت گزرنے کے بعد نکاح کی درخواست کی میں نے انکار کیا - اس پر یہ آیت اتری جسے سن کر حضرت معقلؓ نے باوجود یہ کہ قسم کھا رکھی تھی کہ میں تیرے نکاح میں نہ دوں گا نکاح پر آمادہ ہو گئے - اور کہنے لگے میں نے اللہ کا فرمان سنا اور میں نے مان لیا اور اپنے بہنوئی کو بلا کر دوبارہ نکاح کر دیا اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کیا - ان کا نام

جلیل بنت یسار تھا ان کے خاوند کا نام ابوالبراح تھا بعض نے ان کا نام فاطمہ بنت یسار بتایا ہے۔ سدی فرماتے ہیں کہ یہ آیت حضرت جابر بن عبد اللہ اور ان کے چچا کی بیٹی کے بارے میں نازل ہوئی ہے لیکن پہلی بات ہی زیادہ صحیح ہے۔ پھر یہ فرمایا یہ نصیحت و وعظ کے لئے ہے۔ جنہیں شریعت پر ایمان ہو اللہ کا ڈر ہو اور قیامت کا خوف ہو انہیں چاہئے کہ اپنی ولایت میں جو عورتیں ہوں انہیں ایسی حالت میں نکاح سے نہ روکیں۔ شریعت کی اتباع کر کے ایسی عورتوں کو ان کے خاوندوں کے نکاح میں دے دینا اور اپنی حمیت و غیرت کو جو خلاف شرع ہو شریعت کے ماتحت کر دینا ہی تمہارے لئے بہتری اور پاکیزگی کا باعث ہے۔ ان مصلحتوں کا علم جناب باری تعالیٰ کو ہی ہے۔ تمہیں نہیں معلوم کہ کس کام کے کرنے میں بھلائی ہے اور کس کے چھوڑنے میں۔ یہ علم حقیقت میں اللہ رب العزت ہی کو ہے۔

وَالْوَالِدَتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَهَا لَا تُضَارَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُودٌ لَهُ بِوَلَدِهِ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذَلِكَ فَإِنْ أَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا وَإِنْ أَرَدْتُمْ أَنْ تَسْتَرْضِعُوا أَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِذَا سَلَّمْتُمْ مَا اتَّيَمُّ بِالْمَعْرُوفِ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ

آئیں اپنی اولادوں کو دو سال کامل دودھ پلائیں جن کا ارادہ دودھ پلانے کی مدت بالکل پوری کرنے کا ہو۔ جن کے بچے ہیں ان کے ذمہ ان کا روٹی کپڑا ہے جو مطابق دستور ہو ہر شخص اتنی ہی تکلیف دیا جاتا ہے جتنی اس کی طاقت ہو ماں کو اس کے بچے کی وجہ سے یا باپ کو اس کی اولاد کی وجہ سے کوئی ضرر نہ پہنچایا جائے وارث پر بھی اسی جیسی ذمہ داری ہے۔ پس اگر دونوں (یعنی ماں باپ) اپنی رضامندی اور باہمی مشورہ سے دودھ چھڑانا چاہیں تو دونوں پر کچھ گناہ نہیں اور اگر تمہارا ارادہ اپنی اولاد کو دودھ پلوانے کا ہو تو بھی تم پر کوئی گناہ نہیں جبکہ تم مطابق دستور جو ان کو دینا ہو وہ ان کے حوالہ کر دو۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور جانتے رہو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال دیکھ بھال رہا ہے ○

مسئلہ رضاعت: ☆☆ (آیت ۲۳۳) یہاں اللہ تعالیٰ بچوں والیوں کو ارشاد فرماتا ہے کہ پوری پوری مدت دودھ پلانے کی دو سال ہے اس کے بعد دودھ کی پلائی کا کوئی اعتبار نہیں۔ اس سے دودھ بھائی پنا ثابت نہیں ہوتا اور نہ حرمت ہوتی ہے۔ اکثر ائمہ کرام کا یہی مذہب ہے۔ ترمذی میں باب ہے کہ رضاعت جو حرمت ثابت کرتی ہے وہ وہی ہے جو دو سال سے پہلے کی ہو۔ پھر حدیث لائے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں وہی رضاعت حرام کرتی ہے جو آنتوں کو پر کر دے اور دودھ چھوٹنے سے پہلے ہو یہ حدیث حسن صحیح ہے اور اکثر اہل علم صحابہ وغیرہ کا اسی پر عمل ہے کہ دو سال سے پہلے کی رضاعت تو معتبر ہے اس کے بعد کی نہیں۔ اس حدیث کے راوی شرط جمیعین پر ہیں۔ حدیث میں فی الشدی کا جو لفظ ہے اس کے معنی بھی محل رضاعت کے یعنی دو سال سے پہلے کے ہیں۔ یہی لفظ حضورؐ نے اس وقت بھی فرمایا تھا جب آپ کے صاحبزادے حضرت ابراہیمؑ کا انتقال ہوا تھا کہ وہ دودھ پلائی کی مدت میں انتقال کر گئے ہیں۔ اور انہیں دودھ پلانے والی

جنت میں مقرر ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کی عمر اس وقت ایک سال اور دس مہینے کی تھی۔ دارقطبی میں بھی ایک حدیث دو سال کی مدت کے بعد کی رضاعت کے معتبر نہ ہونے کی ہے۔ ابن عباسؓ بھی فرماتے ہیں کہ اس کے بعد کوئی چیز نہیں۔ ابوداؤد و طیالسی کی روایت میں ہے کہ دودھ چھوٹ جانے کے بعد رضاعت نہیں اور بلوغت کے بعد تیمی کا حکم نہیں۔ خود قرآن کریم میں اور جگہ ہے فَضْلُهُ فِيْ عَامَيْنِ اَوْ دُوْدُهُ مدت دو سال میں ہے۔ اور جگہ ہے وَحَمْلُهُ وَفَضْلُهُ ثَلَاثُوْنَ شَهْرًا یعنی حمل اور دودھ (دونوں کی مدت) تین ماہ ہیں۔ یہ قول کہ دو سال کے بعد دودھ پلانے اور پینے سے رضاعت کی حرمت ثابت نہیں ہوتی، ان تمام حضرات کا ہے۔ حضرت علیؓ حضرت ابن عباسؓ حضرت ابن مسعودؓ حضرت جابرؓ حضرت ابو ہریرہؓ حضرت ابن عمرؓ حضرت ام سلمہؓ رضی اللہ عنہم حضرت سعید بن المسیبؓ حضرت عطاء اور جمہور کا یہی مذہب ہے۔ امام شافعیؒ امام احمدؒ امام اسحاقؒ امام ثوریؒ امام ابو یوسفؒ امام محمدؒ امام مالکؒ کا بھی یہی مذہب ہے۔ گو ایک روایت میں امام مالکؒ سے دو سال دو ماہ بھی مروی ہیں اور ایک روایت میں دو سال تین ماہ بھی مروی ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ ڈھائی سال کی مدت بتلاتے ہیں۔ زفر کہتے ہیں جب تک دودھ نہیں چھٹا تو تین سال تک کی مدت ہے امام اوزاعیؒ سے بھی یہ روایت ہے اگر کسی بچے کا دو سال سے پہلے دودھ چھڑ دیا جائے پھر اس کے بعد کسی عورت کا دودھ وہ پئے تو بھی حرمت ثابت نہ ہوگی۔ اس لئے کہ اب قائم مقام خوراک کے ہو گیا۔ امام اوزاعیؒ سے ایک روایت یہ بھی ہے حضرت عمرؓ حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ دودھ چھڑوا لینے کے بعد رضاعت نہیں۔ اس قول کے دونوں مطلب ہو سکتے ہیں یعنی یا تو یہ کہ دو سال کے بعد یا یہ کہ جب بھی اس سے پہلے دودھ چھٹ گیا۔ اس کے بعد جیسے امام مالکؒ کا فرمان ہے۔ واللہ اعلم۔

ہاں صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ وہ اس کے بعد کی بلکہ بڑے آدمی کی رضاعت کو حرمت میں موثر نہ جانتی ہیں۔ سحطا اور لیث کا بھی یہی قول ہے۔ حضرت عائشہؓ جس شخص کا کسی کے گھر آنا جانا کہیں ضروری جانتیں وہاں حکم دیتیں کہ وہ عورتیں اسے اپنا دودھ پلائیں اور اس حدیث سے دلیل پکڑتی تھیں کہ حضرت سالمؓ کو جو حضرت ابو حنیفہؒ کے مولیٰ تھے آنحضرت ﷺ نے حکم دیا تھا کہ وہ ان کی بیوی صاحبہ کا دودھ پی لیں حالانکہ وہ بڑی عمر کے تھے اور اس رضاعت کی وجہ سے پھر وہ برابر آتے جاتے رہتے تھے لیکن حضورؐ کی دوسری ازواج مطہرات اس کا انکار کرتی تھیں اور کہتی تھیں کہ یہ واقعہ خاص ان ہی کے لئے تھا ہر شخص کے لئے یہ حکم نہیں۔ یہی مذہب جمہور کا ہے یعنی چاروں اماموں ساتوں فقہوں کل کے کل بڑے صحابہ کرام اور تمام امہات المؤمنین کا سوائے حضرت عائشہؓ رضی اللہ عنہا کے اور ان کی دلیل وہ حدیث ہے جو بخاری و مسلم میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا دیکھ لیا کرو کہ تمہارے بھائی کون ہیں۔ رضاعت اس وقت ہے جب دودھ بھوک مٹا سکتا ہو۔ باقی رضاعت کا پورا مسئلہ اُمِّہُتُکُمُ التَّيْ اَرْضَعْنٰکُمْ کی تفسیر میں آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

پھر فرمان ہے کہ بچوں کی ماں کا نان و نفقہ بچوں کے والد پر ہے اپنے اپنے شہروں کی عادت اور دستور کے مطابق ادا کریں۔ نہ تو زیادہ ہونہ کی بلکہ حسب طاقت و وسعت درمیانی خرچ دے دیا کرو جیسے فرمایا لِيُنْفِقْ ذُو سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهِ یعنی کشاہدی والے اپنی کشاہدی کے مطابق اور تنگی والے اپنی طاقت کے مطابق دیں۔ اللہ تعالیٰ طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ عنقریب اللہ تعالیٰ سختی کے بعد آسانی کر دے گا۔ ضحاکؒ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور اس کے ساتھ بچہ بھی ہے تو اس کی دودھ پلائی کے زمانہ تک کا خرچ اس مرد پر واجب ہے۔ پھر ارشاد باری ہے کہ عورت اپنے بچے کو دودھ پلانے سے انکار کر کے اس کے والد کو تنگی میں نہ ڈالے بلکہ بچے کو دودھ پلائی رہے۔ اس لئے کہ یہی اس کی گذران کا سبب ہے۔ دودھ سے جب بچہ بچہ نیاز ہو جائے تو بیشک بچہ کو دے دے لیکن پھر بھی نقصان رسانی کا ارادہ نہ ہو۔ اسی طرح خاوند اس سے جبراً بچے کو الگ نہ کرے جس سے غریب دکھ میں پڑے۔ وارث کو بھی یہی چاہئے کہ بچے کی والدہ کو خرچ

سے تنگ نہ کرے اس کے حقوق کی نگہداشت کرے اور اسے ضرر نہ پہنچائے۔ حنفیہ اور حنبلیہ میں سے جو لوگ اس کے قائل ہیں کہ رشتہ داروں میں سے بعض کا نفقہ بعض پر واجب ہے انہوں نے اسی آیت سے استدلال کیا ہے۔ حضرت عمر بن خطاب اور جمہور سلف صالحین سے یہی مروی ہے۔

سمرہ والی مرفوع حدیث سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے جس میں ہے کہ جو شخص اپنے کسی محرم رشتہ دار کا مالک ہو جائے تو وہ آزاد ہو جائے گا۔ یہ بھی یاد رہے کہ دو سال کے بعد دودھ پلانا عموماً بچہ کو نقصان دیتا ہے یا تو جسمانی یا دماغی۔ حضرت علقمہؓ نے ایک عورت کو دو سال سے بڑے بچے کو دودھ پلاتے ہوئے دیکھ کر منع فرمایا پھر فرمایا گیا ہے اگر یہ رضامندی اور مشورہ سے دو سال کے اندر اندر جب کبھی دودھ چھڑانا چاہیں تو ان پر کوئی حرج نہیں ہاں ایک کی چاہت بغیر دوسرے کی رضامندی کے ناکافی ہوگی اور یہ بچے کے بچاؤ کی اور اس کی نگرانی کی ترکیب ہے۔ خیال فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر کس قدر رحیم و کریم ہے کہ چھوٹے بچوں کے والدین کو ان کاموں سے روک دیا جس میں بچے کی بربادی کا خوف تھا اور وہ حکم دیا جس سے ایک طرف بچے کا بچاؤ ہے دوسری جانب ماں باپ کی بھی اصلاح ہے۔ سورۃ طلاق میں فرمایا فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَارْضَعْنَّ أَجُورَهُنَّ اِنْ أَكَّرْنَ عَوْرَتَيْنِ بچے کو دودھ پلایا کریں تو تم ان کی اجرت بھی ادا کر دیا کرو اور آپس میں عہدگی کے ساتھ معاملہ رکھو۔ یہ اور بات ہے کہ تنگی کے وقت کسی اور سے دودھ پلوا دو چنانچہ یہاں بھی فرمایا اگر والدہ اور والد متفق ہو کر کسی عذر کی بنا پر کسی اور سے دودھ شروع کرائیں اور پہلے کی اجازت کامل طور پر والدہ والدہ کو دے دے تو بھی دونوں پر کوئی گناہ نہیں۔ اب دوسری کسی دایہ سے اجرت چکا کر دودھ پلوائیں تو گو اللہ تعالیٰ سے ہر امر میں ڈرتے رہا کرو اور جان رکھو کہ تمہارے اقوال و افعال کو وہ بخوبی جانتا ہے۔

وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ
أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا
فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ۝

تم میں سے جو لوگ فوت ہو جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں وہ عورتیں اپنے آپ کو چار مہینے اور دس (دن) عدت میں رکھیں۔ جب مدت ختم کر لیں پھر جو اچھائی اپنے لئے وہ کریں اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ تمہارے ہر عمل سے خبردار ہے ○

خاوند کے انتقال کے بعد: ☆☆ (آیت ۲۳۴) اس آیت میں حکم ہو رہا ہے کہ عورتیں اپنے خاوند کے انتقال کے بعد چار مہینے دس دن عدت گزاریں خواہ اس سے جماعت ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو اس بات پر اجماع ہے۔ دلیل اس کی ایک تو اس آیت کا عموم دوسرے یہ حدیث جو مسند احمد اور سنن میں ہے جسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ صحیح کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال ہوتا ہے کہ ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا اس سے جماعت نہیں کی تھی نہ مہر مقرر ہوا تھا کہ اس کا انتقال ہو گیا۔ فرمائیے اس کی نسبت کیا فتویٰ ہے۔ جب کئی مرتبہ وہ آئے گئے تو آپ نے فرمایا میں اپنی رائے سے فتویٰ دیتا ہوں اگر ٹھیک ہو تو اللہ کی طرف سے جانو اور اگر خطا ہو تو میری اور شیطان کی طرف سے سمجھو اللہ رسول اس سے بری ہیں۔ میرا فتویٰ یہ ہے کہ اس عورت کو پورا مہر ملے گا جو اس کے خاندان کا دستور ہو اس میں کوئی کمی بیشی نہ ہو اور اس عورت کو پوری عدت گزارنی چاہئے اور اسے ورثہ بھی ملے گا۔ یہ سن کر حضرت معقل بن یسار اشجعی رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے بروح بنت واشق رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے یہی فیصلہ کیا تھا۔ حضرت

عبداللہ یہ سن کر بہت ہی خوش ہوئے۔ بعض روایات میں ہے کہ اشجع کے بہت سے لوگوں نے یہ روایت بیان کی۔ ہاں جو عورت اپنے خاوند کی وفات کے وقت حمل سے ہو، اس کے لئے یہ عدت نہیں اس کی عدت وضع حمل ہے۔ گوا انتقال کی ایک ساعت کے بعد ہی ہو جائے۔ قرآن میں ہے وَأُولَٰئِ الْأَحْمَالُ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ حمل والیوں کی عدت وضع حمل ہے۔ ہاں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ وضع حمل اور چار مہینے دس میں جو دیر کی عدت ہو، وہ حاملہ کی عدت ہے۔ یہ قول تو بہت اچھا ہے اور دونوں آیتوں میں اس سے تطبیق بھی عمدہ طور پر ہو جاتی ہے لیکن اس کے خلاف صحیحین کی ایک صاف اور صریح حدیث موجود ہے جس میں ہے کہ حضرت سبیحہ سلمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے خاوند کا جب انتقال ہوا، اس وقت آپ حمل سے تھیں اور چند راتیں ہی گزرنا پائی تھیں تو بچہ تولد ہوا۔ جب نہادھو چکیں تو لباس وغیرہ اچھا پہن لیا۔ حضرت ابوالسائب بن بلبلک نے یہ دیکھ کر فرمایا: کیا تم نکاح کرنا چاہتی ہو؟ اللہ کی قسم جب تک چار مہینے دس دن نہ گزر جائیں، تم نکاح نہیں کر سکتیں۔ حضرت سبیحہ یہ سن کر خاموش ہو گئیں اور شام کو خدمت نبویؐ میں حاضر ہوئیں اور مسئلہ پوچھا تو آپؐ نے فرمایا کہ جب بچہ ہو گیا، اسی وقت تم عدت سے نکل گئیں اب اگر تم چاہو تو بیشک نکاح کر سکتی ہو۔ یہ بھی مروی ہے کہ جب حضرت عبداللہؓ کو اس حدیث کا علم ہوا تو آپؐ نے بھی اپنے قول سے رجوع کر لیا۔ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت عبداللہؓ کے ساتھی اور شاگرد بھی اسی حدیث کے مطابق فتویٰ دیا کرتے تھے اسی طرح لونڈی کی عدت بھی اتنی نہیں۔ اس کی عدت اس سے آدھی ہے یعنی دو مہینے اور پانچ راتیں۔ جمہور کا مذہب یہی ہے جس طرح لونڈی کی حد بہ نسبت آزاد عورت کے آدھی ہے اسی طرح عدت بھی۔ محمد بن سیرین اور بعض علماء ظاہریہ لونڈی کی اور آزاد عورت کی عدت میں برابری کے قائل ہیں۔ ان کی دلیل ایک تو اس آیت کا عموم ہے دوسرے یہ کہ عدت ایک جلی امر ہے جس میں تمام عورتیں یکساں ہیں۔ حضرت سعید ابن مسیبؒ ابو العالیہ وغیرہ فرماتے ہیں اس عدت میں حکمت یہ ہے کہ اگر عورت کو حمل ہوگا تو اس مدت میں بالکل ظاہر ہو جائے گا۔

حضرت ابن مسعودؓ صحیحین والی مرفوع حدیث میں ہے کہ انسان کی پیدائش کا یہ حال ہے کہ چالیس دن تک تو رحم مادر میں نطفہ کی شکل میں ہوتا ہے۔ پھر خون بستہ کی شکل چالیس دن تک رہتی ہے۔ پھر چالیس دن تک گوشت کا تو تھڑا رہتا ہے پھر اللہ تعالیٰ فرشتے کو بھیجتا ہے اور وہ اس میں روح پھونکتا ہے۔ تو یہ ایک سو بیس دن ہوئے جس کے چار مہینے ہوئے۔ دس دن احتیاط اور رکھ دے کیونکہ بعض مہینے انتیس دن کے بھی ہوتے ہیں اور جب روح پھونک دی گئی تو اب بچہ کی حرکت محسوس ہونے لگتی ہے اور حمل بالکل ظاہر ہو جاتا ہے۔ اس لئے اتنی عدت مقرر کی گئی۔ واللہ اعلم۔

سعید بن مسیبؒ فرماتے ہیں دس دن اس لئے ہیں کہ روح انہی دنوں میں پھونکی جاتی ہے۔ ربیع بن انسؒ بھی یہی فرماتے ہیں۔ حضرت امام احمد سے ایک روایت میں یہ بھی مروی ہے تاکہ جس لونڈی سے بچہ ہو جائے اس کی عدت بھی آزاد عورت کے برابر ہے اس لئے کہ وہ فراش بن گئی اور اس لئے بھی کہ مسند احمد میں حدیث ہے حضرت عمرو بن عاصؓ نے فرمایا: لوگو سنت نبویؐ کو ہم پر غلط ملط نہ کرو اولاد والی لونڈی کی عدت جبکہ اس کا سردار فوت ہو جائے چار مہینے اور دس دن ہیں یہ حدیث ایک اور طریق سے بھی ابوداؤد میں مروی ہے۔ امام احمد اس حدیث کو منکر بتلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کے ایک راوی قبصیہ نے اپنے استاد عمر سے یہ روایت نہیں سنی۔ حضرت سعید بن مسیبؒ مجاہدؒ سعید بن جبیرؒ حسن بن سیرینؒ ابن عیاضؒ زہریؒ اور عمرو بن عبد العزیزؒ کا یہی قول ہے۔ یزید بن عبد الملکؒ بن مروان جو امیر المومنین تھے، یہی حکم دیتے تھے۔

اوزاعی، اسحاق بن راہویہ اور احمد بن حنبل بھی ایک روایت میں یہی فرماتے ہیں لیکن طاؤس اور قتادہ اس کی عدت بھی آدھی بتلاتے ہیں یعنی دو ماہ پانچ راتیں۔ ابو حنیفہ ان کے ساتھی حسن بن صالح بن جی فرماتے ہیں۔ تین حیض عدت گزارے حضرت علی ابن مسعود عطا اور ابراہیم نخعی کا قول بھی یہی ہے۔

امام مالک امام شافعی اور امام احمد کی مشہور روایت یہ ہے کہ اس کی عدت ایک حیض ہی ہے۔ ابن عمر، عیسیٰ، مکحول، لیث، ابو عبیدہ، ابو ثور اور جمہور کا یہی مذہب ہے۔ حضرت لیث فرماتے ہیں کہ اگر حیض کی حالت میں اس کا سید فوط ہوا ہے تو اسی حیض کا ختم ہو جانا اس کی عدت کا ختم ہو جانا ہے۔ امام مالک فرماتے ہیں اگر حیض نہ آتا ہو تو تین مہینے عدت گزارے امام شافعی اور جمہور فرماتے ہیں ایک مہینہ اور تین دن مجھے زیادہ پسند ہیں۔ واللہ اعلم (مترجم کے نزدیک قوی قول پہلا ہے یعنی مثل آزاد عورت کے پوری عدت گزارے واللہ اعلم)

ازان بعد جو ارشاد فرمایا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سوگ واجب ہے۔ صحیحین میں حدیث ہے کہ جو عورت اللہ پر اور قیامت پر ایمان رکھتی ہو اسے تین دن سے زیادہ کسی میت پر سوگواری کرنا حرام ہے۔ ہاں خاوند پر چار مہینے دس دن سوگواری ہے^① ایک عورت نے حضور سے پوچھا کہ میری بیٹی کامیاں مر گیا ہے اور اس کی آنکھیں دکھ رہی ہیں۔ کیا میں اس کے سرمہ لگا دوں۔ آپ نے فرمایا۔ نہیں دو تین مرتبہ اس نے اپنا سوال دہرایا اور آپ نے یہی جواب دیا۔ آخر فرمایا یہ تو چار مہینے اور دس دن ہی ہیں جاہلیت میں تو تم سال سال بھر بیٹھی رہا کرتی تھیں۔ حضرت زینب بنت ام سلمہ فرماتی ہیں کہ پہلے جب کسی عورت کا خاوند مر جاتا تھا تو اسے کسی جھونپڑے میں ڈال دیتے تھے۔ وہ بدترین کپڑے پہنتی، خوشبو وغیرہ سے الگ رہتی اور سال بھر تک ایسی ہی سڑی بسی رہتی تھی۔ سال بھر کے بعد نکلتی اور اونٹنی کی میٹھی لے کر پھینکتی اور کسی جانور مثلاً گدھ یا بکری یا پرندے کے جسم کے ساتھ اپنے جسم کو رگڑتی بسا اوقات وہ مر ہی جاتا۔ یہ تھی جاہلیت کی رسم۔ پس یہ آیت اس کے بعد کی آیت کی ناخ ہے جس میں ہے کہ ایسی عورتیں سال بھر تک رکی رہیں۔ حضرت ابن عباس وغیرہ یہی فرماتے ہیں لیکن اس میں اختلاف ہے اور تفصیل اس کی عنقریب آئے گی ان شاء اللہ۔ مطلب یہ ہے کہ اس زمانہ میں بیوہ عورت کو زینت اور خوشبو اور بہت بھڑکیلے کپڑے اور زیور وغیرہ پہننا منع ہے اور یہ سوگواری واجب ہے۔ ہاں ایک قول یہ بھی ہے کہ طلاق رجعی کی عدت میں یہ واجب نہیں اور جب طلاق بائن ہو تو وجوب اور عدم وجوب کے دونوں قول ہیں۔ فوت شدہ خاوندوں کی زندہ بیویوں پر تو سب پر یہ سوگواری واجب ہے خواہ وہ نابالغ ہوں خواہ وہ عورتیں ہوں جو حیض وغیرہ سے اتر چکی ہوں خواہ آزاد عورتیں ہوں خواہ لونڈیاں ہوں خواہ مسلمان عورتیں ہوں خواہ کافرہ ہوں۔ کیونکہ آیت میں عام حکم ہے۔ ہاں ثورئی اور ابو حنیفہ کافرہ عورت کی سوگواری کے قائل نہیں۔ اشہب اور ابن نافع کا قول بھی یہی ہے۔ ان کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں ہے کہ جو عورت اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتی ہو۔ پس معلوم ہوا کہ یہ حکم تعبدی ہے۔ امام ابو حنیفہ اور ثوری کم سن نابالغہ عورت کے لئے بھی یہی فرماتے ہیں کیونکہ وہ غیر مکلفہ ہے۔ امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب مسلمان لونڈی کو اس میں ملاتے ہیں لیکن ان مسائل کی تفصیل کا یہ موقع نہیں واللہ الموفق بالصواب۔ پھر فرمایا جب ان کی عدت گذر چکے تو ان کے اولیاء پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ عورتیں اپنا بناؤ سنگھار کریں یا نکاح کریں۔ یہ سب ان کے لئے حلال طیب ہے۔ حسن زہری اور سدی سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُمْ بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاءِ أَوْ أَكْنَنْتُمْ فِي أَنْفُسِكُمْ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ سَتَذْكُرُونَهُنَّ وَلَكِنْ لَا تُوَاعِدُوهُنَّ

سِرًّا إِلَّا أَنْ تَقُولُوا قَوْلًا مَعْرُوفًا ۚ وَلَا تَعْزِمُوا عُقْدَةَ النِّكَاحِ
حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي أَنْفُسِكُمْ
فَاحْذَرُوهُ ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ ﴿۲۳۵﴾

تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں کہ تم اشارتاً کنایتاً ان عورتوں سے نکاح کی بابت کہو یا اپنے دل میں پوشیدہ ارادہ کرو۔ اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ تم ضرور انہیں یاد کرو گے لیکن تم ان سے پوشیدہ وعدے نہ کرو۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ تم بھلی بات بولا کرو عقد نکاح کو جب تک کہ عدت ختم نہ ہو جائے پختہ نہ کر لیا کرو جان لو کہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے دلوں کی باتوں کا بھی علم ہے تم اس سے خوف کھاتے رہا کرو اور یہ بھی جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ بخشش اور حلم والا ہے ○

پیغام نکاح: ☆ ☆ (آیت: ۲۳۵) مطلب یہ ہے کہ صراحت کے بغیر نکاح کی چاہت کا اظہار کسی اچھے طریق پر عدت کے اندر کرنے میں گناہ نہیں مثلاً یوں کہنا کہ میں نکاح کرنا چاہتا ہوں۔ میں ایسی ایسی عورت کو پسند کرتا ہوں میں چاہتا ہوں کہ اللہ میرا جوڑا بھی ملا دے۔ ان شاء اللہ میں تیرے سوا دوسری عورت سے نکاح کا ارادہ نہیں کروں گا۔ میں کسی نیک دیندار عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہوں اسی طرح اس عورت سے جسے طلاق بائن مل چکی ہو عدت کے اندر ایسے ہم الفاظ کہنا بھی جائز ہیں جیسے کہ نبی ﷺ نے حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا جبکہ ان کے خاوند ابو عمرو بن حفص نے انہیں آخری تیسری طلاق دے دی تھی کہ جب تم عدت ختم کرو تو مجھے خبر کر دینا۔ عدت کا زمانہ حضرت ابن ام مکتوم کے ہاں گزرا۔ جب حضرت فاطمہ نے عدت نکل جانے کے بعد حضور کو اطلاع دی تو آپ نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جن کا مانگا تھا نکاح کرادیا ہاں رجعی طلاق کی عدت کے زمانہ میں بجز اس کے خاوند کے کسی کو بھی یہ حق نہیں کہ وہ اشارہ کنایہ بھی اپنی رغبت ظاہر کرے۔ واللہ اعلم۔ یہ فرمان کہ تم اپنے نفس میں چھپاؤ یعنی متغنی کی خواہش ایک جگہ ارشاد ہے تیرا رب ان کے سینوں میں پوشیدہ کو اور ظاہر باتوں کو جانتا ہے۔ دوسری جگہ ہے تمہارے باطل و ظاہر کا جاننے والا ہوں۔ پس اللہ تعالیٰ بخوبی جانتا تھا کہ تم اپنے دلوں میں ضرور ذکر کرو گے۔ اس واسطے اس نے تنگی ہٹادی لیکن ان عورتوں سے پوشیدہ وعدے نہ کرو یعنی زنا کاری سے بچو۔ ان سے یوں نہ کہو کہ میں تم پر عاشق ہوں۔ تم بھی وعدہ کرو کہ میرے سوا کسی اور سے نکاح نہ کرو گی وغیرہ۔ عدت میں ایسے الفاظ کا کہنا حلال نہیں نہ یہ جائز ہے کہ پوشیدہ طور پر عدت میں نکاح کر لے اور عدت گزر جانے کے بعد اس نکاح کا اظہار کرنے پس یہ سب اقوال آیت کے عموم میں آسکتے ہیں۔ اسی لئے فرمان ہوا کہ مگر یہ کہ تم ان سے اچھی بات کرو مثلاً ولی سے کہہ دیا کہ جلدی نہ کرنا عدت گزر جانے کی مجھے بھی خبر کرنا وغیرہ جب تک عدت ختم نہ ہو جائے تب تک نکاح منع نہ کیا کرو۔

علماء کا اجماع ہے کہ عدت کے اندر نکاح صحیح نہیں اگر کسی نے کر لیا اور دخول بھی ہو گیا تو بھی ان میں جدائی کرادی جائے گی اب آیا عورت اس پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو جائے گی یا پھر عدت گزر جانے کے بعد نکاح کر سکتا ہے اس میں اختلاف ہے جمہور تو کہتے ہیں کہ کر سکتا ہے لیکن امام مالک فرماتے ہیں کہ وہ ہمیشہ کے لئے حرام ہو گئی۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جس عورت کا نکاح عدت کے اندر ہو جائے گا۔ اگر اس کا خاوند اس سے نہیں ملا تو ان دونوں میں جدائی کرادی جائے گی اور جب اس کے پہلے خاوند کی عدت گزر جائے تو یہ شخص مجملہ اور لوگوں کے اس کے نکاح کا پیغام ڈال سکتا ہے اور اگر دونوں میں ملاپ بھی ہو گیا ہے جب بھی جدائی کرادی جائے گی اور پہلے خاوند کی عدت گزرا کر پھر اس دوسرے خاوند کی عدت گزرا رہے گی اور پھر یہ شخص اس سے ہرگز نکاح نہیں کر سکتا۔ اس

فیصلہ کا ماخذ یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب اس شخص نے جلدی کر کے اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ وقت کا لحاظ نہ کیا تو اسے اس کے خلاف سزا دی گئی کہ وہ عورت اس پر ہمیشہ کے لئے حرام کر دی گئی جیسے کہ قاتل اپنے مقتول کے ورثہ سے محروم کر دیا جاتا ہے امام شافعیؒ نے امام مالکؒ سے بھی یہ اثر روایت کیا ہے۔ امام تہجدیؒ فرماتے ہیں کہ پہلا قول تو امام صاحب کا یہی تھا لیکن جدید قول آپؒ کا یہ ہے کہ اسے بھی نکاح کرنا حلال ہے کیونکہ حضرت علیؑ کا یہی فتویٰ ہے حضرت عمرؓ والا یہ اثر سنداً منقطع ہے بلکہ حضرت مسروقؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے اس بات سے رجوع کر لیا ہے اور فرمایا ہے کہ مہر ادا کر دے اور عدت کے بعد یہ دونوں آپس میں اگر چاہیں تو نکاح کر سکتے ہیں۔

پھر فرمایا جان لو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کی پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے۔ اس کا لحاظ اور خوف رکھو اپنے دل میں عورتوں کے متعلق فرمان باری کے خلاف خیال بھی نہ آنے دو۔ ہمیشہ دل کو صاف رکھو برے خیال سے اسے پاک رکھو۔ ڈر خوف کے حکم کے ساتھ ہی اپنی رحمت کی طمع اور لالچ بھی دلائی اور فرمایا کہ اے العالمین خطاؤں کو بخشے والا اور حلم و کرم والا ہے۔

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ مَا لَمْ تَمْسُوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا
لَهُنَّ فَرِيضَةٌ ۖ وَمَتَّعُوهُنَّ عَلَى الْمَوْسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ
قَدَرُهُ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ ۝

اگر تم عورتوں کو بغیر ہاتھ لگائے اور بغیر مہر مقرر کے طلاق دے دو تو بھی تم پر کوئی گناہ نہیں ہاں انہیں کچھ نہ کچھ فائدہ دے دیا کرو۔ آسانی والا اپنے انداز سے اور تنگی والا اپنی طاقت کے مطابق برطابق دستور اچھا فائدہ دے۔ بھلائی کرنے والوں پر یہ لازم ہے ○

حق مہر کب اور کتنا؟ ☆ ☆ (آیت: ۲۳۶) عقد نکاح کے بعد دخول سے پہلے بھی طلاق کا دینا مباح ہو رہا ہے۔ مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہاں مراد ”مس“ سے نکاح ہے دخول سے پہلے طلاق دے دینا بلکہ مہر کا بھی ابھی تقریباً نہیں ہوا اور طلاق دے دینا بھی جائز ہے گو اس میں عورت کی بے حد دل شکنی ہے اسی لئے حکم ہوا کہ مقدور بھر اس صورت میں مرد کو عورت کے ساتھ سلوک کرنا چاہئے حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں اس کا اعلیٰ حصہ خادم ہے اور اس سے کمی چاندی ہے اور اس سے کم کپڑا ہے یعنی اگر مالدار ہے تو غلام وغیرہ دے اور اگر مفلس ہے تو کم سے کم تین کپڑے دے حضرت شعیبؒ فرماتے ہیں درمیانہ درجہ اس فائدہ پہنچانے کا یہ ہے کہ کرتا دوپٹہ لحاف اور چادر دے دے۔ شریعہ فرماتے ہیں پانچ سو درہم دے ابن سیرینؒ فرماتے ہیں غلام دے یا خوراک دے یا کپڑے لے دے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے دس ہزار دیئے تھے لیکن پھر بھی وہ بیوی صاحبہ فرماتی تھیں کہ اس محبوب مقبول کی جدائی کے مقابلہ میں یہ حقیر چیز کچھ بھی نہیں۔ امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے کہ اگر دونوں اس فائدہ کی مقدار میں تنازعہ کریں تو اس کے خاندان کے مہر سے آدھی رقم دلوادی جائے۔

حضرت امام شافعیؒ کا فرمان ہے کہ کسی چیز پر خاوند کو مجبور نہیں کیا جاسکتا بلکہ کم سے کم جس چیز کو متعہ یعنی فائدہ اور اسباب کہا جاسکتا ہے وہ کافی ہوگا۔ میرے نزدیک اتنا کپڑا متعہ ہے جتنے میں نماز پڑھ لینی جائز ہو جائے گو پہلا قول حضرت الامام کا یہ تھا کہ مجھے اس کا کوئی صحیح اندازہ معلوم نہیں لیکن میرے نزدیک بہتر یہ ہے کہ کم سے کم تیس درہم ہونے چاہئیں جیسے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اس بارے میں بھی بہت سے اقوال ہیں کہ ہر طلاق والی عورت کو کچھ نہ کچھ اسباب دینا چاہئے یا صرف اسی عورت کو جس سے میل ملاپ نہ ہو۔ بعض تو سب کے لئے کہتے ہیں کیونکہ قرآن کریم میں ہے کہ وَلِلْمُطَلَّقاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ الخ پس اس آیت کے عموم سے سب کے لئے وہ ثابت کرتے ہیں۔

اس طرح ان کی دلیل یہ آیت بھی ہے فَتَعَالَيْنِ اُمْتَعْنَنَّ الخ یعنی اے بنی اپنی بیویوں سے کہو کہ اگر تمہاری چاہت دنیا کی زندگی اور اسی کی زینت کی ہے تو آؤ میں تمہیں کچھ اسباب بھی دوں اور تمہیں اچھائی کے ساتھ چھوڑ دوں پس یہ تمام زواج مطہرات وہ تھیں جن کا مہر بھی مقرر تھا اور جو حضور کی خدمت میں بھی آچکی تھیں سعید بن جبیر ابو العالیہ حسن بصری کا قول یہی ہے۔ امام شافعی کا بھی ایک قول یہی ہے اور بعض تو کہتے ہیں کہ ان کا نیا اور صحیح قول یہی ہے۔ واللہ اعلم۔ بعض کہتے ہیں اسباب کا دینا اس طلاق والی کو ضروری ہے جس سے خلوت نہ ہوئی ہو گو مہر مقرر ہو چکا ہو کیونکہ قرآن کریم میں ہے يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمْسُوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُوْنَهَا فَمَتَّعُوْهُنَّ وَسَرَخُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا یعنی اے ایمان والو! تم جب ایمان والی عورت سے نکاح کر لو پھر انہیں ہاتھ لگانے سے پہلے ہی طلاق دے دو تو ان پر تمہاری طرف سے کوئی عدت نہیں۔ جو عدت وہ گزاریں تم انہیں کچھ مال اسباب دے دو اور حسن کردار سے چھوڑ دو۔ سعید بن مسیب کا قول ہے کہ سورہ احزاب کی آیت سورہ بقرہ کی آیت سے منسوب ہو چکی ہے۔ حضرت سہل بن سعد اور ابواسیدؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت امیہ بنت شریہل سے نکاح کیا۔ جب وہ رخصت ہو کر آئیں اور آپؐ نے ہاتھ بڑھایا تو گویا اس نے برا مانا۔ آپؐ نے ابواسید سے فرمایا اسے دو رنگین کپڑے دے کر رخصت کرو۔ تیسرا قول یہ ہے کہ صرف اسی صورت میں بطور فائدہ کے اسباب و متاع کا دینا ضروری ہے جبکہ عورت کی وداع نہ ہوئی ہو اور مہر بھی مقرر نہ ہو ہو اور اگر دخول ہو گیا ہو تو مہر مثل یعنی خاندان کے دستور کے مطابق دینا پڑے گا۔ اگر مقرر نہ ہو ہو۔ اور اگر مقرر ہو چکا ہو اور رخصت سے پہلے طلاق دے دے تو آدھا مہر دینا پڑے گا اور اگر رخصتی بھی ہو چکی ہے تو پورا مہر دینا پڑے گا اور یہی متعہ کا عوض ہوگا۔ ہاں اس مصیبت زدہ عورت کے لئے متعہ ہے جس سے نہ ملاپ ہو نہ مہر مقرر ہو اور طلاق مل گئی حضرت ابن عمرؓ اور مجاہدؓ کا یہی قول ہے۔

گو بعض علماء اسی کو مستحب بتلاتے ہیں کہ ہر طلاق والی عورت کو کچھ نہ کچھ دے دینا چاہئے۔ ان کے سوا جو مہر مقرر کئے ہوئے نہ ہوں اور نہ خاندان بیوی کا میل ہوا ہو یہی مطلب سورہ احزاب کی اس آیت تحریر کا ہے جو اس سے پہلے اسی آیت کی تفسیر میں بیان ہو چکی ہے اور اسی لئے یہاں اس خاص سورت کے لئے فرمایا گیا کہ امیر اپنی وسعت کے مطابق دیں اور غریب اپنی طاقت کے مطابق۔ حضرت شعی سے سوال ہوتا ہے کہ یہ اسباب نہ دینے ولا کیا گرفتار کیا جائے گا تو آپؐ فرماتے ہیں اپنی طاقت کے برابر دے دے اللہ کی قسم اس بارے میں کسی کو گرفتار نہیں کیا گیا اگر یہ واجب ہوتا تو قاضی لوگ ضرور ایسے شخص کو قید کر لیتے۔

وَ اِنْ طَلَقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمْسُوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَاِنْصِفْ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّا اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَّعْفُوَ الَّذِيْ بِيْدِهِ عَقْدَةُ النِّكَاحِ ۚ وَاَنْ تَعْفُوْا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۳۵﴾

اور اگر تم عورتوں کو اس سے پہلے طلاق دے دو کہ تم نے انہیں ہاتھ لگایا ہو اور تم نے ان کا مہر بھی مقرر کر دیا ہو تو مقررہ مہر کا آدھا مہر دے دو۔ یہ اور بات ہے کہ وہ خود معاف کر دیں یا وہ شخص معاف کر دے جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے تمہارا معاف کر دینا تقویٰ سے بہت نزدیک ہے آپس کی فضیلت اور بزرگی کو فراموش نہ

کرد۔ یقیناً اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے ○

مزید وضاحت: ☆☆ (آیت: ۲۳۷) اس آیت میں صاف دلالت ہے اس امر پر کہ پہلی آیت میں جن عورتوں کے لئے متعہ مقرر کیا گیا تھا وہ صرف وہی عورتیں ہیں جن کا ذکر اس آیت میں تھا کیونکہ اس آیت میں یہ بیان ہوا ہے کہ دخول سے پہلے جبکہ طلاق دے دی گئی اور مہر مقرر ہو چکا تھا تو آدھا مہر دینا پڑے گا۔ اگر یہاں بھی اس کے سوا کوئی اور متعہ واجب ہوتا تو وہ ضرور ذکر کیا جاتا کیونکہ دونوں آیتوں کی دونوں صورتیں ایک کے بعد ایک بیان ہو رہی ہیں۔ واللہ اعلم۔ اس صورت میں جو یہاں بیان ہو رہی ہے آدھے مہر پر علماء کا اجماع ہے لیکن تین کے نزدیک پورا مہر اس وقت واجب ہو جاتا ہے جبکہ خلوت ہو گئی یعنی میاں بیوی تنہائی کی حالت میں کسی مکان میں جمع ہو گئے گو ہم بستری نہ ہوئی ہو۔ امام شافعی کا بھی پہلا قول یہی ہے اور خلفاء راشدین کا فیصلہ بھی یہی ہے۔ لیکن امام شافعی کی روایت سے حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ اس صورت میں بھی صرف نصف مہر مقرر ہی دینا پڑے گا امام شافعیؒ فرماتے ہیں میں بھی یہی کہتا ہوں اور ظاہر الفاظ کتاب اللہ کے بھی یہی کہتے ہیں امام بیہقی فرماتے ہیں کہ اس روایت کے ایک راوی لیث بن ابی سلیم اگرچہ سند پکڑے جانے کے قابل نہیں لیکن ابن ابی طلحہ سے ابن عباسؓ کی یہ روایت مروی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا فرمان یہی ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ اگر عورتیں خود ایسی حالت میں اپنا آدھا مہر بھی خاوند کو معاف کر دیں تو یہ اور بات ہے۔ اس صورت میں خاوند کو سب معاف ہو جائے گا۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ثیبہ عورت اگر اپنا حق چھوڑ دے تو اسے اختیار ہے۔ بہت سے مفسرین تابعین کا یہی قول ہے محمد بن کعب قرظی کہتے ہیں کہ اس سے مراد عورتوں کا معاف کرنا نہیں بلکہ مردوں کا معاف کرنا ہے یعنی مرد اپنا آدھا حصہ چھوڑ دے اور پورا مہر دے دے لیکن یہ قول شاذ ہے کوئی اور اس قول کا قائل نہیں۔

پھر فرماتا ہے کہ وہ معاف کر دے جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے۔ ایک حدیث میں ہے اس سے مراد خاوند ہے حضرت علیؓ سے سوال ہوا کہ اس سے مراد کیا عورت کے اولیاء ہیں۔ فرمایا نہیں بلکہ اس سے مراد خاوند ہے۔ اور بھی بہت سے مفسرین سے یہی مروی ہے۔ امام شافعی کا جدید قول بھی یہی ہے امام ابوحنیفہ وغیرہ کا بھی مذہب ہے اس لئے کہ حقیقتاً نکاح کو باقی رکھنا توڑ دینا وغیرہ یہ سب خاوند کے ہی اختیار میں ہے اور جس طرح ولی کو اس کی طرف سے جس کا ولی ہے اس کے مال کا دے دینا جائز نہیں اسی طرح اس کے مہر کے معاف کر دینے کا بھی اختیار نہیں دوسرا قول اس بارے میں یہ ہے کہ اس سے مراد عورت کے باپ بھائی اور وہ لوگ ہیں جن کی اجازت کے بغیر عورت نکاح نہیں کر سکتی۔ ابن عباسؓ علقمہ حسن عطاء طاؤس زہری ربیعہ زید بن اسلم ابراہیم نخعی عکرمہ محمد بن سیرین سے بھی یہی مروی ہے کہ ان دونوں بزرگوں کا بھی ایک قول یہی ہے۔ امام مالکؒ کا اور امام شافعیؒ کا قول قدیم بھی یہی ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ ولی نے ہی اس حق کا حقدار اسے کیا تھا تو اس میں تصرف کرنے کا بھی اسے اختیار ہے۔ گو اور مال میں ہیر پھیر کرنے کا اختیار نہ ہو عکرمہؒ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے معاف کر دینے کی رخصت عورت کو دی اور اگر وہ بخیل اور تنگ دلی کرے تو اس کا ولی بھی معاف کر سکتا ہے۔ گو وہ عورت سمجھدار ہو حضرت شریحؒ بھی یہی فرماتے ہیں لیکن جب شعبیؒ نے انکار کیا تو آپ نے اس سے رجوع کر لیا اور فرمانے لگے کہ اس سے مراد خاوند ہی ہے بلکہ وہ اس بات پر مبالغہ کو تیار رہتے تھے۔

پھر فرماتا ہے تمہارا معاف کرنا ہی تقوے سے زیادہ قریب ہے۔ اس سے مراد عورتیں دونوں ہی ہیں یعنی دونوں میں سے اچھا وہی ہے جو اپنا حق چھوڑ دے یعنی عورت یا تو اپنا آدھا حصہ بھی اپنے خاوند کو معاف کر دے یا خاوند ہی اسے بجائے آدھے کے پورا مہر دے دے آپس کی فضیلت یعنی احسان کو نہ بھولو۔ اسے بیکار نہ چھوڑو بلکہ اسے کام میں لاؤ ابن مردویہ کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لوگوں پر ایک کاٹ کھانے والا زمانہ آئے گا۔ مومن بھی اپنے ہاتھوں کی چیز کو دانتوں سے پکڑ لے گا اور فضیلت و بزرگی کو بھول جائے گا حالانکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اپنے آپس کے فضل کو نہ بھولو۔ برے ہیں وہ لوگ جو ایک مسلمان کی بے کسی اور تنگ دستی کے وقت اس سے سستے

داموں اس کی چیز خریدتے ہیں حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے اس بیع سے منع فرما دیا ہے۔ اگر تیرے پاس بھلائی ہو تو اپنے بھائی کو بھی وہ بھلائی پہنچا۔ اس کی ہلاکت میں حصہ نہ لے ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے نہ اسے رنج و غم پہنچائے نہ اسے بھلائیوں سے محروم رکھے حضرت عون حدیثیں بیان کرتے جاتے اور روتے جاتے یہاں تک کہ آنسو داڑھی سے ٹپکتے رہتے اور فرماتے، میں مالداروں کی صحبت میں بیٹھا اور دیکھا کہ ہر وقت دل ملول رہتا ہے کیونکہ جدر نظر اٹھتی ہر ایک کو اپنے سے اچھے کمپڑوں میں، اچھی خوشبوؤں میں اور اچھی سواریوں میں دیکھتا۔ ہاں مسکینوں کی محفل میں میں نے بڑی راحت پائی۔ رب العالمین بھی یہی فرماتا ہے ایک دوسرے کی فضیلت فراموش نہ کرو کسی کے پاس جب کبھی کوئی سائل آئے اور اس کے پاس کچھ نہ ہو تو وہ اس کے لئے دعائے خیر ہی کر دے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے خبردار ہے اس پر تمہارے کام اور تمہارا حال بالکل روشن ہے اور غم قریب وہ ہر ایک عامل کو اس کے عمل کا بدلہ دے گا۔

حِفْظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَىٰ وَقَوْمُوا لِلَّهِ قِنْتَيْنِ ﴿۲۳۸﴾
فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا فَإِذَا أَمْنْتُمْ فَادْكُرُوا اللَّهَ كَمَا
عَلَّمَكُمْ مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ﴿۲۳۹﴾

نمازوں کی حفاظت کرو بالخصوص بیچ والی نماز کی اور اللہ تعالیٰ کے لئے باادب کمزے رہا کرو ○ اگر تمہیں خوف ہو تو پیدل ہی سہی یا سواری سہی ہاں جب امن ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو کہ اس نے تمہیں وہ تعلیم دی جو تم نہیں جانتے تھے ○

صلوۃ وسطیٰ کون سی ہے؟ ☆☆ (آیت: ۲۳۸-۲۳۹) اللہ تعالیٰ کا حکم ہو رہا ہے کہ نمازوں کے وقت کی حفاظت کرو۔ اس کی حدود کی نگرانی رکھو اور اول وقت ادا کرتے رہو رسول اللہ ﷺ سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سوال کرتے ہیں کون سا عمل افضل ہے۔ آپؐ نے فرمایا۔ نماز کو وقت پر پڑھنا۔ پوچھا پھر کون سا فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد کرنا پھر کون سا فرمایا ماں باپ سے بھلائی کرنا حضرت عبداللہ فرماتے ہیں اگر میں کچھ اور بھی پوچھتا تو آپؐ اور بھی جواب دیتے (بخاری و مسلم) حضرت ام فردوسؓ جو بیعت کرنے والی عورتوں میں سے ہیں فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے میں نے سنا، آپؐ اعمال کا ذکر فرما رہے تھے اسی میں آپؐ نے فرمایا سب سے زیادہ پسندیدہ عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک نماز کو اول وقت ادا کرنے کی جلدی کرنا ہے۔ (مسند احمد) امام ترمذی اس حدیث کے ایک راوی عمری کو غیر قوی بتاتے ہیں۔

پھر صلوۃ وسطیٰ کی مزید تاکید ہو رہی ہے سلف و خلف کا اس میں اختلاف ہے کہ صلوۃ وسطیٰ کس نماز کا نام ہے۔ حضرت علیؓ، حضرت ابن عباسؓ وغیرہ کا قول ہے کہ اس سے مراد صبح کی نماز ہے، ابن عباسؓ ایک مرتبہ نماز پڑھتے ہیں جس میں ہاتھ اٹھا کر قنوت بھی پڑھتے ہیں پھر فرماتے ہیں یہی وہ نماز وسطیٰ ہے جس میں قنوت کا حکم ہوا ہے دوسری روایت میں ہے کہ یہ واقعہ بصرے کی مسجد کا ہے اور قنوت آپؐ نے رکوع سے پہلے پڑھی تھی ابو العالیہؓ فرماتے ہیں بصرے میں میں نے حضرت عبداللہ بن قیس کے پیچھے صبح کی نماز ادا کی۔ پھر میں نے ایک صحابیؓ سے پوچھا کہ صلوۃ وسطیٰ کون سی ہے۔ آپؐ نے فرمایا یہی صبح کی نماز ہے۔ اور روایت میں ہے کہ بہت سے اصحاب اس مجمع میں تھے اور سب نے یہی جواب دیا جابر بن عبداللہؓ یہی فرماتے ہیں اور بھی بہت سے صحابہؓ تابعینؓ کا یہی مسلک ہے۔ امام شافعیؒ بھی یہی فرماتے ہیں۔ اس لئے کہ ان کے نزدیک صبح کی نماز میں ہی قنوت ہے، بعض کہتے ہیں اس سے مراد نماز مغرب ہے اس لئے کہ اس سے پہلے بھی چار رکعت والی نماز ہے اور اس کے بعد بھی چار رکعت والی نماز ہے اور سفر میں دونوں قصر کی جاتی ہیں لیکن مغرب پوری ہی رہتی ہے یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس کے

بعد دو نمازیں رات کی یعنی عشاء اور فجر وہ ہیں جن میں اونچی آواز سے قرات پڑھی جاتی ہے اور دو نمازیں اس سے پہلی دن کی وہ ہیں جن میں آہستہ قرات پڑھی جاتی ہے یعنی ظہر عصر۔ بعض کہتے ہیں یہ نماز ظہر کی نماز ہے ایک مرتبہ چند لوگ حضرت زید بن ثابتؓ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ وہاں بھی یہ مسئلہ چڑھا۔ لوگوں نے ایک آدمی بھیج کر حضرت اسامہؓ سے دریافت کیا۔ آپؓ نے فرمایا یہ ظہر کی نماز ہے جسے حضور علیہ السلام اول وقت پڑھا کرتے تھے (طیالسی) زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں اس سے زیادہ بھاری نماز صحابہؓ پر اور کوئی نہ تھی۔ اس لئے یہ آیت نازل ہوئی اور اس سے پہلے بھی دو نمازیں ہیں اور اس کے بعد وہ ہیں۔ آپؓ ہی سے یہ بھی مروی ہے کہ قریشیوں کی ایک جماعت کے بھیجے ہوئے دو شخصوں نے آپؓ سے یہی سوال کیا جس کے جواب میں آپؓ نے فرمایا وہ عصر ہے۔ پھر دو اور شخصوں نے پوچھا آپؓ نے فرمایا وہ ظہر ہے پھر ان دونوں نے حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا آپؓ نے فرمایا یہ ظہر ہے آپؓ اسے آفتاب ڈھلتے ہی پڑھا کرتے تھے بمشکل ایک دو صف کے لوگ آتے تھے کوئی نیند میں ہوتا کوئی کاروبار میں مشغول ہوتا جس پر یہ آیت اتری اور آپؓ نے فرمایا یا تو یہ لوگ اس حرکت سے باز آئیں یا میں ان کے گھروں کو جلا دوں گا، لیکن اس کے راوی زبیر قان نے صحابی سے ملاقات نہیں کی لیکن حضرت زید سے اور روایات سے بھی یہ ثابت ہے کہ آپؓ اس سے مراد ظہر کی نماز ہی بتاتے تھے۔ ایک مرفوع حدیث میں بھی یہ ہے۔ حضرت عمرؓ حضرت ابوسعیدؓ حضرت عائشہؓ وغیرہ سے بھی یہی مروی ہے۔ امام ابوحنیفہؒ سے بھی ایک روایت اسی کی ہے۔

بعض کہتے ہیں اس سے مراد عصر کی نماز ہے اکثر علماء صحابہؓ وغیرہ کا یہی قول ہے، جمہور تابعین کا بھی یہی قول ہے اور اکثر اہل اثر کا بھی بلکہ جمہور لوگوں کا حافظ ابو محمد عبدالمومن دیماطیؒ نے اس بارے میں ایک مستقل رسالہ تصنیف فرمایا ہے جس کا نام کشف الغطاء فی تبیین الصلوۃ الوسطیٰ ہے۔ اس میں ان کا فیصلہ بھی یہی ہے کہ صلوۃ وسطیٰ عصر کی نماز ہے۔ حضرت عمرؓ علیؓ ابن مسعودؓ ابویوبؓ عبد اللہ بن عمروؓ سمرہ بن جندبؓ ابو ہریرہؓ ابوسعیدؓ خضعمہؓ ام حبیبہؓ ام سلمہؓ ابن عمرؓ ابن عباسؓ عائشہؓ (رضوان اللہ علیہم اجمعین) وغیرہ کا فرمان بھی یہی ہے اور ان حضرات سے یہی مروی ہے اور بہت سے تابعین سے یہ منقول ہے امام احمدؒ اور امام شافعیؒ کا بھی یہی مذہب ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کا بھی صحیح مذہب یہی ہے ابو یوسفؒ محمدؒ سے بھی یہی مروی ہے۔ ابن حبیبؒ مالکیؒ بھی یہی فرماتے ہیں رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔ اس قول کی دلیل سنئے۔ رسول اللہ ﷺ نے جنگ احزاب میں فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ان مشرکین کے دلوں کو اور گھر کو آگ سے بھر دے کہ انہوں نے ہمیں صلوۃ وسطیٰ یعنی نماز عصر سے روک دیا (مسند احمد)۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ ہم اس سے مراد صبح یا عصر کی نماز لیتے ہیں یہاں تک کہ جنگ احزاب میں میں نے حضورؐ سے یہ سنا۔ اس میں قبروں کو بھی آگ سے بھرنا وارد ہوا ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ حضورؐ نے اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا یہ عصر کی نماز ہے^{۱۰} اس حدیث کے بہت سے طرق ہیں اور بہت سی کتابوں میں مروی ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے ایک مرتبہ اس بارے میں سوال ہوا تو آپؓ نے فرمایا ہم نے بھی ایک مرتبہ اس میں اختلاف کیا تو ابو ہاشم بن عتبہؓ مجلس میں سے اٹھ کر رسول اللہ ﷺ کے مکان پر گئے۔ اجازت مانگ کر اندر داخل ہوئے اور آپؓ سے معلوم کر کے باہر آ کر ہمیں فرمایا کہ یہ نماز عصر ہے (ابن جریر) عبدالعزیز بن مروان کی مجلس میں بھی ایک مرتبہ یہی مسئلہ پیش آیا۔ آپؓ نے فرمایا جاؤ فلاں صحابی سے پوچھ آؤ۔ ایک شخص نے کہا مجھ سے سنئے۔ مجھے حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ نے میرے پیچھن میں یہی مسئلہ پوچھنے کے لئے رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیجا تھا۔ آپؓ نے میری چٹھکیا یعنی سب سے چھوٹی انگلی پکڑ کر فرمایا دیکھ یہ تو ہے فجر کی نماز پھر اس کے پاس والی انگلی اٹھا کر فرمایا یہ ہوئی ظہر کی پھر انگوٹھا پکڑ کر فرمایا یہ ہے مغرب کی نماز پھر شہادت کی انگلی پکڑ کر فرمایا یہ ہوئی عشاء

کی نماز پھر مجھ سے کہا اب تمہاری کون سی انگلی باقی رہی میں نے کہا سچ کی فرمایا اور نماز کون سی باقی رہی میں نے کہا عصر کی فرمایا بس یہی صلوٰۃ وسطیٰ ہے (ابن جریر) لیکن یہ روایت بہت ہی غریب ہے غرض صلوٰۃ وسطیٰ سے نماز عصر مراد ہونا بہت سی احادیث میں وارد ہے جن میں سے کوئی حسن ہے۔ کوئی صحیح ہے۔ کوئی ضعیف ہے۔ ترمذی مسلم وغیرہ میں بھی یہ حدیثیں ہیں۔

پھر اس نماز کے بارے میں حضور کی تاکیدیں اور سختی کے ساتھ محافظت بھی ثابت ہے چنانچہ ایک حدیث میں ہے جس سے عصر کی نماز فوت ہو جائے گویا اس کا گھر انا تہا ہو گیا اور مال و اسباب برباد ہو گیا۔ اور حدیث میں ہے۔ ابرو الے دن نماز اول وقت پڑھو سنو جس شخص نے عصر کی نماز چھوڑ دی اس کے اعمال غارت ہو جاتے ہیں۔ ایک مرتبہ حضور نے عصر کی نماز قبیلہ غفار کی ایک وادی میں جس کا نام حمیس تھا ادا کی پھر فرمایا یہی نماز تم سے اگلے لوگوں پر بھی پیش کی گئی تھی لیکن انہوں نے اسے ضائع کر دیا سنو اسے پڑھنے والے کو دو ہزار اجر ملتا ہے اس کے بعد کوئی نماز نہیں جب تک کہ تم تارے نہ دیکھ لو (مسند احمد)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے آزاد کردہ غلام ابویونس سے فرماتی ہیں کہ میرے لئے ایک قرآن شریف لکھو اور جب اس آیت حافظوں تک پہنچو تو مجھے اطلاع کرنا چنانچہ جب آپ کو اطلاع دی گئی تو آپ نے والصلوٰۃ الوسطیٰ کے بعد وصلوٰۃ العصر لکھوایا اور فرمایا میں نے خود اسے یونہی رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے (مسند احمد) روایت میں وہی صلوٰۃ العصر کا لفظ بھی ہے (ابن جریر) حضور کی دوسری بیوی صاحبہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے عمرو بن رافع کو جب آپ کے قرآن کے کاتب تھے اسی طرح یہ آیت لکھوائی (موطا امام مالک) اس حدیث کے بھی بہت سے طریقے ہیں اور کئی ایک کتابوں میں مروی ہے کہ ام المومنین نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہی الفاظ سنے ہیں حضرت نافع فرماتے ہیں میں نے یہ قرآن شریف اپنی آنکھوں سے دیکھا یہی عبارت واؤ کے ساتھ تھی۔ ابن عباس اور عبید بن عسیر کی قرات بھی یونہی ہے۔ ان روایات کو مد نظر رکھ کر بعض حضرات کہتے ہیں کہ چونکہ واؤ عطف کے لئے ہوتا ہے کہ صلوٰۃ الوسطیٰ اور ہے اور صلوٰۃ عصر اور ہے لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اسے بطور حدیث کے مانا جائے تو حضرت علی والی حدیث بہت زیادہ صحیح ہے اور اس میں صراحت موجود ہے۔ رہا واؤ سومکن ہے کہ زائدہ ہو عطف ہو جیسے وَكَذَلِكَ نَقْصِلُ الْآلِیَّتِ وَلِتَسْتَبِينَ سَبِيلُ الْمُجْرِمِينَ میں اور وَكَذَلِكَ نَرَىٰ اٰبْرٰهٖمَ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَیْكُوْنُ مِنَ الْمُؤْقِنِیْنَ میں یا یہ واؤ عطف صفت کے لئے ہو۔ عطف ذات کے لئے نہ ہو جیسے وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِیِّیْنَ میں اور جیسے سَبِّحْ اِسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰی الَّذِیْ خَلَقَ فَسُوِّی وَالَّذِیْ قَدَّرَ فَهَدٰی وَالَّذِیْ اَخْرَجَ الْمَرْعٰی میں۔ اس کی مثالیں اور بھی بہت سی ہیں شاعروں کے شعروں میں بھی یہ بات پائی جاتی ہے سیویہ جو نحو یوں کے امام ہیں فرماتے ہیں کہ مَرَرْتُ بِاَحْبَبِكُمْ وَصَاحِبِكُمْ کہنا درست ہے حالانکہ صاحب اور اخ سے مراد ایک ہی شخص ہے واللہ اعلم۔

اور اگر اس قرات کے ان الفاظ کو بطور قرآنی الفاظ کے مانا جائے تو ظاہر ہے کہ اس خبر واحد سے قرات قرآنی ثابت نہیں ہوتی جب تک کہ تو اتر ثابت نہ ہو۔ اسی لئے حضرت عثمانؓ نے اپنے مرتب کردہ قرآن میں اس قرات کو نہیں لیا اور نہ ساتوں قاریوں کی قرات میں یہ الفاظ ہیں۔ بلکہ نہ کسی اور ایسے معتبر قاری کی یہ قرات پائی گئی ہے علاوہ ازیں ایک حدیث اور ہے جس سے اس قرات کا منسوخ ہونا ثابت ہو رہا ہے۔ صحیح مسلم شریف میں ہے کہ یہ آیت اتری خَفِظُوا عَلٰی الصَّلٰوٰتِ وَالصَّلٰوٰتِ الْوُسْطٰی وَصَلٰوٰۃ الْعَصْرِ ہم ایک مدت تک اسی طرح حضور کے سامنے اس آیت کو پڑھتے رہے پھر یہ تلاوت منسوخ ہو گئی اور آیت یوں رہی خَفِظُوا عَلٰی الصَّلٰوٰتِ

وَالصَّلٰوةَ الْوُسْطٰی ایک شخص نے راوی حدیث حضرت شفیقؓ سے کہا کہ پھر کیا یہ نماز عصر کی نماز ہی ہے۔ فرمایا میں تو سنا چکا کہ کس طرح آیت اتری اور کس طرح منسوخ ہوئی، پس اس بناء پر یہ قرات حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ کی روایت والی یا تو تلفظ منسوخ کی جائے گی اور اگر واؤ کو مغائرۃ کے لئے مانا جائے تو تلفظ و معنی دونوں کے اعتبار سے منسوخ کی جائے گی۔ بعض کہتے ہیں اس سے مراد مغرب کی نماز ہے ابن عباسؓ سے بھی یہ مروی ہے لیکن اس کی سند میں کلام ہے، بعض اور حضرات کا قول بھی یہ ہے اس کی ایک وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ اور فرض نمازیں یا تو چار رکعت والی ہیں یا دو رکعت والی اور اس کی تین رکعتیں ہیں پس یہ درمیان نماز ٹھہری اور دوسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ فرض نمازوں کی یہ وتر ہے اور اس لئے بھی کہ اس کی فضیلت میں بھی بہت کچھ حدیثیں وارد ہوئی ہیں، بعض لوگ اس سے مراد عشاء کی نماز بھی بتلاتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں پانچ وقتوں میں سے ایک وقت کی نماز ہے لیکن ہم معین نہیں کر سکتے، یہ مبہم ہے جس طرح لیلۃ القدر پورے سال میں یا پورے مہینے میں یا پچھلے دس دنوں میں مبہم ہے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں پانچوں نمازوں کا مجموعہ مراد ہے اور بعض کہتے ہیں یہ عشاء اور صبح ہے، بعض کا قول ہے یہ جماعت کی نماز ہے، بعض کہتے ہیں جمعہ کی نماز ہے، کوئی کہتا ہے صلوٰۃ خوف مراد ہے، کوئی کہتا ہے نماز عید مراد ہے، کوئی کہتا ہے صلوٰۃ فحشی مراد ہے، بعض کہتے ہیں ہم توقف کرتے ہیں اور کسی قول کے قائل نہیں بننے اس لئے کہ یہ دلیل مختلف ہیں وجہ ترجیح معلوم نہیں کسی قول پر اجماع ہوا نہیں بلکہ زمانہ صحابہؓ سے لے کر آج تک جھگڑا جاری رہا، جس طرح حضرت سعید بن مسیب فرماتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ اس بارے میں اس طرح مختلف تھے، پھر اپنی انگلیوں میں انگلیاں ڈال کر دکھائیں۔

لیکن یہ یاد رہے کہ یہ پچھلے اقوال سب کے سب ضعیف ہیں۔ جھگڑا صرف صبح اور عصر کی نماز میں ہے اور صحیح احادیث سے عصر کی نماز کا صلوٰۃ وسطیٰ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ پس لازم ہو گیا کہ ہم سب اقوال کو چھوڑ کر یہی عقیدہ رکھیں کہ صلوٰۃ وسطیٰ نماز عصر ہے امام ابو محمد عبد الرحمن بن ابی حاتم رازی رحمہما اللہ نے اپنی کتاب فضائل شافعی میں روایت کی ہے کہ حضرت امام صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کل ما قلت فکان عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم بخلاف قولی مما یصح فحدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم اولی ولا تقلدونی یعنی میرے جس کسی قول کے خلاف کوئی صحیح حدیث شریف مروی ہو تو حدیث ہی اولیٰ ہے۔ خبردار میری تقلید نہ کرنا، امام شافعیؒ کے اس فرمان کو امام ربیعؒ امام زعفرانیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ بھی روایت کرتے ہیں اور موسیٰ ابوالولید بن جارد امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں، کہا، آپ نے فرمایا، اذا صحح الحدیث و قلت قولاً فانما راجع عن قولی و قائل بذلك یعنی میری جو بات حدیث شریف کے خلاف ہو، میں اپنی اس بات سے رجوع کرتا ہوں اور صاف کہتا ہوں کہ میرا مذہب وہی ہے۔ جو حدیث میں ہو۔ یہ امام صاحب کی امانت اور سرداری ہے اور آپ جیسے ائمہ کرام میں سے بھی ہر ایک نے یہی فرمایا ہے کہ ان کے اقوال کو دین نہ سمجھا جائے۔ رحمہم اللہ و رضی عنہم اجمعین اسی لئے قاضی ماوردیؒ فرماتے ہیں کہ امام صاحب کا صلوٰۃ وسطیٰ کے بارے میں یہی مذہب سمجھنا چاہئے کہ وہ عصر ہے گو امام صاحب کا اپنا نیا قول یہ ہے کہ وہ عصر نہیں ہے مگر آپ کے اس فرمان کے مطابق حدیث صحیح کے خلاف اس قول کو پا کر ہم نے چھوڑ دیا۔ شافعی مذہب کے اور بھی بہت سے محدثین نے یہی فرمایا ہے فالحمد للہ۔ بعض فقہاء شافعی تو کہتے ہیں کہ امام صاحب کا صرف ایک ہی قول ہے کہ وہ صبح کی نماز ہے لیکن سب باتیں طے کرنے کے لئے تفسیر مناسب نہیں، علیحدہ اس کا بیان میں نے کر دیا ہے۔ فالحمد للہ۔

پھر فرمایا، اللہ تعالیٰ کے سامنے خشوع و خضوع، ذلت اور مسکینی کے ساتھ کھڑے ہوا کرو جس کو یہ لازم ہے کہ انسانی بات چیت نہ ہو اسی لئے حضرت ابن مسعود کے سلام کا جواب حضورؐ نے نماز میں نہ دیا اور بعد فراغت فرمایا کہ نماز مشغولیت کی چیز ہے اور حضرت

معاویہ بن حکم سے جبکہ انہوں نے نماز پڑھتے ہوئے بات کی تو فرمایا، نماز میں انسانی بات چیت نہ کرنی چاہئے، یہ تو صرف تسبیح اور تکبیر اور ذکر اللہ ہے (مسلم) مندا احمد وغیرہ میں ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے لوگ ضروری بات چیت بھی نماز میں کر لیا کرتے تھے، جب یہ آیت اتری تو چپ رہنے کا حکم دے دیا گیا لیکن اس حدیث میں ایک اشکال یہ ہے کہ علماء کرام کی ایک جماعت کے نزدیک نماز میں بات چیت کرنے کی حرمت حبشہ کی ہجرت کے بعد اور مدینہ شریف کی ہجرت سے پہلے ہی مکہ شریف میں نازل ہو چکی تھی۔ چنانچہ صحیح مسلم میں ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حبشہ کی ہجرت سے پہلے ہم نبی ﷺ کو سلام کرتے تھے آپ نماز میں ہوتے۔ پھر بھی جواب دیتے، جب حبشہ سے ہم واپس آئے تو حضور کو میں نے آپ کی نماز کی حالت میں ہی سلام کیا۔ آپ نے جواب نہ دیا، اب میرے رنج و غم کا کچھ نہ پوچھئے۔ نماز سے فارغ ہو کر آپ نے مجھے فرمایا۔ عبداللہ اور کوئی بات نہیں میں نماز میں تھا اس وجہ سے میں نے جواب نہ دیا، اللہ جو چاہے نیا حکم اتارے اس نے یہ نیا حکم نازل فرمایا ہے کہ نماز میں نہ بولا کرو۔ پس یہ واقعہ ہجرت مدینہ سے پہلے کا ہے۔ اور یہ آیت مدینہ میں نازل ہوئی ہے، اب بعض تو کہتے ہیں کہ زید بن ارقم کے قول کا مطلب جنس کلام سے ہے اور اس کی حرمت پر اس آیت سے استدلال بھی خود ان کا فہم ہے۔ واللہ اعلم۔ بعض کہتے ہیں ممکن ہے دو دفعہ حلال ہوا ہو اور دو دفعہ ممانعت ہوئی ہو لیکن پہلا قول زیادہ ظاہر ہے، حضرت ابن مسعود والی روایت جو ابویعلیٰ میں ہے اس میں ہے کہ حضور کے جواب نہ دینے سے پہلے مجھے یہ خوف ہوا کہ شاید میرے بارے میں کوئی وحی نازل ہوئی ہے۔ آپ نے مجھ سے فارغ ہو کر فرمایا وعلیک السلام ایہا المسلم ورحمة اللہ نماز میں جب تم ہو تو خاموش رہا کرو۔

چونکہ نمازوں کی پوری حفاظت کرنے کا فرمان صادر ہو چکا تھا اس لئے اب اس حالت کو بیان فرمایا جاتا جس میں تمام ادب و آداب کی پوری رعایت عموماً نہیں رہ سکتی، یعنی میدان جنگ میں جبکہ دشمن سر پر ہو تو فرمایا کہ جس طرح ممکن ہو سوار پیدل، قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز ادا کر لیا کرو، ابن عمرؓ اس آیت کا یہی مطلب بیان کرتے ہیں بلکہ نافع فرماتے ہیں، میں تو جانتا ہوں یہ مرفوع ہے، مسلم شریف میں ہے سخت خوف کے وقت اشارے سے ہی نماز پڑھ لیا کرو۔ گو سواری پر ہو عبداللہ بن اثیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب حضور علیہ السلام نے خالد بن سفیان کے قتل کے لئے بھیجا تھا تو آپ نے اسی طرح نماز عصر اشارے سے ادا کی تھی (ابوداؤد) پس اس میں جناب باری نے اپنے بندوں پر بہت آسانی کر دی اور بوجھ کو ہلکا کر دیا، صلوٰۃ خوف ایک رکعت پڑھنی بھی آئی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی ﷺ کی زبانی حضری حالت میں چار رکعتیں فرض کی ہیں اور سفر کی حالت میں دو اور خوف کی حالت میں ایک (مسلم)

امام احمد فرماتے ہیں یہ اس وقت ہے جب بہت زیادہ خوف ہو، جابر بن عبداللہ اور بہت سے اور بزرگ صلوٰۃ خوف ایک رکعت بتاتے ہیں۔ امام بخاری نے صحیح بخاری میں باب باندھا ہے کہ فتوحات قلعہ کے موقعہ پر اور دشمن کے مڈبھڑکے موقعہ پر نماز ادا کرنا۔ اوزاعیؒ فرماتے ہیں اگر قریب آگئی ہو اور نماز پڑھنے پر قدرت نہ ہو تو ہر شخص اپنے طور پر اشارے سے نماز پڑھ لے۔ اگر اتنا وقت بھی نہ ملے تو تاخیر کریں یہاں تک کہ لڑائی ختم ہو جائے اور چیمین نصیب ہو تو دو رکعتیں ادا کر لیں ورنہ ایک رکعت کافی ہے لیکن صرف تکبیر کہہ لینا کافی نہیں بلکہ تاخیر کر دیں یہاں تک کہ امن ملے۔ مکحول بھی یہی کہتے ہیں۔ حضرت انسؓ بن مالک فرماتے ہیں، تسبیح قلعہ کی لڑائی میں میں بھی فوج میں تھا۔ صبح صادق کے وقت گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی۔ ہمیں وقت ہی نہ ملا کہ ہم نماز ادا کرتے۔ خوب دن چڑھے اس دن ہم نے صبح کی نماز پڑھی۔ اگر اس نماز کے بدلے میں مجھے دنیا اور جو کچھ اس میں ہے مل جائے تاہم میں خوش نہیں ہوں۔ ازاں بعد حضرت امام المجد ثین نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں ہے کہ جنگ خندق میں سورج غروب ہو جانے تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عصر کی نماز نہ پڑھ سکے۔ پھر دوسری

حدیث میں ہے کہ آپؐ نے جب اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو بنی قریظہ کی طرف بھیجا تو ان سے فرمایا تھا کہ تم میں سے کوئی بھی بنی قریظہ پہنچنے سے پہلے نماز عصر نہ پڑھے۔ اب جبکہ نماز عصر کا وقت گیم گیا تو بعض نے تو وہیں پڑھ لی اور کہا کہ مطلب حضور کا یہ تھا کہ ہم بہت جلد جائیں تاکہ عصر کی نماز کا وقت ہمیں وہاں پہنچ کر ہو اور بعض لوگوں نے پڑھی یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا۔ وہیں جا کر نماز پڑھی۔ حضورؐ کو جب اس کا علم ہوا تو نہ تو آپؐ نے انہیں کچھ ڈانٹا نہ انہیں پس اس سے حضرت امام بخاری یہ مسئلہ ثابت کرتے ہیں گو جمہور اس کے مخالف ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ سورہ نساء میں جو نماز خوف کا حکم ہے اور جس نماز کی مشروعیت اور طریقہ احادیث میں وارد ہوا ہے وہ جنگ خندق کے بعد کا ہے جیسے کہ ابوسعید وغیرہ کی روایت میں صراحۃً بیان ہے۔ لیکن امام بخاری، امام محمول اور امام اوزاعی رحمہم اللہ کا جواب یہ ہے کہ اس کی مشروعیت بعد میں ہونا اس جواز کے خلاف نہیں ہو سکتا ہے کہ یہ بھی جائز ہو اور وہ بھی طریقہ ہو کیونکہ ایسی حالت شاذ و نادر کبھی ہی ہوتی ہے اور خود صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے حضرت فاروق اعظمؓ کے زمانے میں فتح تستر میں اس پر عمل کیا اور کسی نے انکار نہیں کیا۔ واللہ اعلم۔

پھر فرمان ہے کہ امن کی حالت میں بجا آوری کا پورا خیال رکھو۔ جس طرح میں نے تمہیں ایمان کی راہ دکھائی اور جہل کے بعد علم دیا تو تمہیں بھی چاہئے کہ اس کے شکریہ میں ذکر اللہ باطمینان کیا کرو جیسے کہ نماز خوف کا بیان کر کے فرمایا جب اطمینان ہو جائے تو نمازوں کو اچھی طرح قائم کرو۔ نماز مومنوں پر وقت مقررہ پر فرض ہے۔ صلوٰۃ خوف کا پورا بیان سورہ نساء کی آیت وَإِذَا كُنْتَ فِيهِمْ كِتَابُكَ تَفْسِيرُ آتِے گان شاء اللہ تعالیٰ۔

وَالَّذِينَ يُتَوَقَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا ۖ وَصِيَّةً لِأَزْوَاجِهِمْ
مِّمَّا عَالَمَ الْحَوْلِ غَيْرِ إِخْرَاجٍ ۖ فَإِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ
عَلَيْكُمْ فِي مَافَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوفٍ ۗ وَاللَّهُ
عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۶۵﴾

جو لوگ تم میں سے فوت ہو جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں وہ وصیت کر جائیں کہ ان کی بیویاں سال بھر تک فائدہ اٹھائیں انہیں کوئی نہ نکالے پس اگر وہ خود نکل جائیں تو تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں جو وہ اپنے لئے اچھائی سے کریں۔ اللہ تعالیٰ غالب اور حکیم ہے ○

بیوگان کے قیام کا مسئلہ: ☆☆ (آیت: ۲۴۰) اکثر مفسرین کا قول ہے کہ یہ آیت اس سے پہلے کی آیت اور اس سے پہلے کی آیت یعنی چار مہینے دس دن کی عدت والی آیت منسوخ ہو چکی ہے صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضرت ابن زبیرؓ نے حضرت عثمانؓ سے کہا کہ جب یہ آیت منسوخ ہو چکی ہے تو پھر آپؐ اسے قرآن کریم میں کیوں لکھوا رہے ہیں آپؐ نے فرمایا مجھے جس طرح اگلے قرآن میں یہ موجود ہے یہاں بھی موجود ہی رہے گی۔ ہم کوئی تغیر و تبدل نہیں کر سکتے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں پہلے تو یہی حکم تھا کہ سال بھر تک نان و نفقہ اس بیوہ عورت کو میت کے مال سے دیا جائے اور اسی کے مکان میں یہ رہے۔ پھر آیت میراث نے اسے منسوخ کر دیا اور خاوند کی اولاد ہونے کی صورت میں مال متروکہ کا آٹھواں حصہ اور اولاد نہ ہونے کے وقت چوتھائی مال ورثہ کا مقرر کیا گیا اور عدت چار ماہ دس دن مقرر ہوئی۔ اکثر صحابہؓ اور تابعین سے مروی ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے سعید بن مسیب کہتے ہیں سورہ احزاب کی آیت يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَكَتُّمُ الْمُؤْمِنَاتِ الْخِ نے اسے منسوخ کر دیا۔

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: سات مہینے بیس دن جو اصلی عدت چار مہینے دس دن کے سوا کے ہیں اس آیت میں اس مدت کا حکم ہو رہا ہے۔ عدت تو واجب ہے لیکن یہ زیادتی کی مدت کا عورت کو اختیار ہے خواہ وہ بیٹھ کر یہ زمانہ گزار دے خواہ نہ گزارے اور چلی جائے۔ میراث کی آیت نے رہنے سہنے کے مکان کو بھی منسوخ کر دیا۔ وہ جہاں چاہے عدت گزارے۔ مکان کا خرچ خاوند کے ذمہ نہیں۔ پس ان اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت نے سال بھر تک کی عدت کو واجب ہی نہیں کیا پھر منسوخ ہونے کے کیا معنی؟ یہ تو صرف خاوند کی وصیت ہے اور اسے بھی عورت پورا کرنا چاہے تو کرے ورنہ اس پر جبر نہیں، وصیت سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں وصیت کرتا ہے جیسے یُوَصِّیْکُمُ اللّٰہُ فِیْ اَوْلَادِکُمْ الخ اس کا نصب فلتو صوالہن کو محذوف مان کر ہے۔ وصیت کی قرات یہی ہے یعنی کتب علیکم وصیۃ پس اگر عورتیں سال بھر تک اپنے فوت شدہ خاوندوں کے مکانوں میں رہیں تو انہیں نہ نکالا جائے اور اگر وہ عدت گزار کر جانا چاہیں تو ان پر کوئی جبر نہیں۔

امام بن حبیہؒ بھی اسی قول کو پسند فرماتے ہیں۔ اور بھی بہت سے لوگ اسی کو اختیار کرتے ہیں اور باقی کی جماعت اسے منسوخ بتاتی ہے۔ پس اگر ان کا ارادہ اصلی عدت کے بعد کے زمانہ کے منسوخ ہونے کا ہے تو خیر ورنہ اس بارے میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ وہ کہتے ہیں خاوند کے گھر میں عدت گزارنی ضروری ہے اور اس کی دلیل موطا مالک کی یہ حدیث ہے کہ حضرت ابوسعید خدریؓ کی، ہمشیرہ صاحبہ فریۃ بنت مالک رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں اور کہا ہمارے غلام بھاگ گئے تھے جنہیں ڈھونڈنے کے لئے میرے خاوند گئے۔ قدم میں ان غلاموں سے ملاقات ہوئی لیکن انہوں نے آپ کو قتل کر دیا۔ ان کا کوئی مکان نہیں جس میں عدت گزاروں اور نہ کچھ کھانے پینے کو ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو اپنے میکے چلی جاؤں اور یہیں عدت پوری کروں آپ نے فرمایا اجازت ہے۔ میں لوٹی۔ ابھی تو میں حجرے میں ہی تھی کہ حضورؐ نے مجھے بلوایا یا خود بلوایا اور فرمایا تم نے کیا کہا۔ میں نے پھر قصہ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا۔ اپنے گھر میں ہی بٹھری رہو یہاں تک کہ عدت گزار جائے چنانچہ میں نے وہیں عدت کا زمانہ پورا کیا یعنی چار مہینے دس دن۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں آپؐ نے مجھے بلوایا اور مجھ سے یہی مسئلہ پوچھا۔ میں نے اپنا یہ واقعہ حضورؐ کے فیصلے سمیت سنایا۔ حضرت عثمانؓ نے بھی اسی کی پیروی کی اور یہی فیصلہ دیا اس حدیث کو امام ترمذی حسن صحیح کہتے ہیں۔

وَلَمَّا طَلَّقْتَ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ﴿۲۳۱﴾ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿۲۳۲﴾

طلاق والیوں کو اچھی طرح فائدہ دینا پرہیزگاروں پر لازم ہے ○ اللہ تعالیٰ اسی طرح اپنی آیتیں تم پر ظاہر فرما رہا ہے تاکہ تم سمجھو ○

(آیت: ۲۳۱-۲۳۲) مطلقہ عورت کو فائدہ دینے کے بارے میں لوگ کہتے تھے کہ اگر ہم چاہیں دیں، چاہیں نہ دیں۔ اس پر یہ آیت اتری، اسی آیت سے بعض لوگوں نے ہر طلاق والی کو کچھ نہ کچھ دینا واجب قرار دیا ہے اور بعض دوسرے بزرگوں نے اسے ان عورتوں کے ساتھ مخصوص مانا ہے جن کا بیان پہلے گزر چکا یعنی جن عورتوں سے صحبت نہ ہوئی ہو اور مہر بھی نہ مقرر ہوا ہو اور طلاق دے دی جائے لیکن پہلی جماعت کا جواب یہ ہے کہ عام میں سے ایک خاص صورت کا ذکر کرنا اسی صورت کے ساتھ اس حکم کو مخصوص نہیں کرتا جیسے کہ مشہور اور منصوص مذہب ہے۔ واللہ اعلم۔

پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اسی طرح اپنی آیتیں حلال و حرام اور فرائض و حدود اور امر و نہی کے بارے میں واضح اور مفسر بیان کرتا ہے تاکہ کسی قسم کا ابہام اور اجمال باقی نہ رہے کہ ضرورت کے وقت انکے بیٹھو بلکہ اس قدر صاف بیان ہوتا ہے کہ ہر شخص سمجھ سکے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ أُلُوفٌ حَذَرَ
الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللَّهُ مُوتُوا ثُمَّ أَحْيَاهُمْ إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ
عَلَى النَّاسِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ ۝ وَقَاتِلُوا
فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝ مَنْ
ذَآ الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضْعِفَهُ لَهُ أَضْعَافًا كَثِيرَةً
وَاللَّهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُطُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۝

کیا تم نے انہیں نہیں دیکھا جو ہزاروں کی تعداد میں تھے اور موت کے ڈر کے مارے اپنے گھروں سے نکل کھڑے ہوئے تھے اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا مارجاؤ پھر انہیں زندہ کر دیا اللہ تعالیٰ لوگوں پر بڑے فضل والا ہے لیکن اکثر لوگ ناشکرے ہیں۔ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے رہا کرو اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ سنا جانتا ہے ○ ایسا بھی کوئی ہے جو اللہ تعالیٰ کو اچھا قرض دے اور اللہ تعالیٰ اسے بہت بڑھا چڑھا کر عطا فرمائے اللہ ہی سچا اور کشادگی کرتا ہے اور تم سب اسی کی طرف لوٹا جاؤ گے ○

موت اور زندگی ☆ ☆ (آیت: ۲۴۳-۲۴۵) ابن عباسؓ فرماتے ہیں یہ لوگ چار ہزار تھے۔ اور روایت میں ہے کہ آٹھ ہزار تھے بعض نو ہزار کہتے ہیں بعض چالیس ہزار بتاتے ہیں بعض تیس ہزار سے کچھ اوپر بتاتے ہیں یہ لوگ ذرو روان نامی بستی کے تھے جو واسطہ کی طرف ہے۔ بعض کہتے ہیں اس بستی کا نام اذرعات تھا۔ یہ لوگ طاعون کے مارے اپنے شہر کو چھوڑ کر بھاگے تھے۔ ایک بستی میں جب پہنچے وہیں اللہ کے حکم سے سب مر گئے اتفاق سے ایک نبی اللہ کا وہاں سے گزر ہوا ان کی دعا سے اللہ تعالیٰ نے انہیں پھر دوبارہ زندہ کر دیا۔ بعض لوگ کہتے ہیں ایک چٹیل صاف اور ہوادار کھلے پر فضا میدان میں ٹھہرے تھے اور دوفرشتوں کی چیخ سے ہلاک کئے گئے تھے۔ جب ایک لمبی مدت گزر چکی ان کی ہڈیوں کا بھی چونا ہو گیا اسی جگہ بستی بس گئی۔ تب خرقیل نامی ایک نبی وہاں سے نکلے۔ انہوں نے دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی اور حکم دیا کہ تم کہو کہ اے بوسیدہ ہڈیو اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم سب جمع ہو جاؤ چنانچہ ہر جسم کی ہڈیوں کا ڈھانچہ کھڑا ہو گیا پھر اللہ کا حکم ہوا ندا کرو کہ اے ہڈیو اللہ فرماتا ہے کہ تم گوشت پوست رگیں پہنچے بھی جوڑ لو چنانچہ اس نبی اللہ کے دیکھتے ہوئے یہ بھی ہو گیا۔ پھر آواز آئی کہ اے روحو اللہ تعالیٰ کا تمہیں حکم ہو رہا ہے کہ ہر روح اپنے اپنے قدیم جسم میں آ جائے چنانچہ یہ سب جس طرح ایک ساتھ مرے تھے اسی طرح ایک ساتھ جی اٹھے اور بے ساختہ ان کی زبان سے نکلا سُبْحَانَكَ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ اے اللہ تو پاک ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں یہ دلیل ہے قیامت کے دن اسی جسم کے ساتھ دوبارہ جی اٹھنے کی۔ پھر فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا لوگوں پر بڑا بھاری فضل و کرم ہے کہ وہ زبردست ٹھوس نشانیاں اپنی قدرت قاہرہ کی دکھا رہا ہے لیکن باوجود اس کے بھی اکثر لوگ نافرمانی اور بے شکرے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی جگہ بچاؤ اور پناہ نہیں۔ یہ لوگ دبا سے بھاگے تھے اور زندگی کے حریص تھے تو اس کے خلاف عذاب آیا اور فوراً ہلاک ہو گئے۔

مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ جب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ شام کی طرف چلے اور سرخ میں پہنچے تو حضرت ابو عبیدہ بن جراح وغیرہ سرداران لشکر ملے اور خبر دی کہ شام میں آج کل دبا ہے چنانچہ اس میں اختلاف ہوا کہ اب وہاں جائیں یا نہ جائیں۔ بالاخر حضرت

عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب آئے اور فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جب وبا کسی جگہ آئے اور تم وہاں ہو تو وہاں سے اس کے ڈر سے مت بھاگو اور جب تم کسی جگہ وبا کی خبر سن لو تو تم وہاں مت جاؤ۔ حضرت عمر فاروقؓ نے یہ سن کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی۔ پھر وہاں سے واپس چلے گئے (بخاری و مسلم) ایک اور روایت میں ہے کہ یہ اللہ کا عذاب ہے جو اگلی امتوں پر ڈالا گیا تھا۔^② پھر فرمایا کہ جس طرح ان لوگوں کا بھاگنا انہیں موت سے نہ بچا سکا اسی طرح جہاد سے منہ موڑنا بھی بیکار ہے۔ اجل اور رزق دونوں قسمت میں مقرر ہو چکے ہیں رزق نہ بڑھے نہ گھٹے، موت نہ پہلے آئے نہ پیچھے۔ بٹے۔ اور جگہ ارشاد ہے کہ جو لوگ اللہ کی راہ سے انکس بیٹھے ہیں اور اپنے ساتھیوں سے بھی کہتے ہیں کہ یہ مجاہد شہداء بھی اگر ہماری طرح رہتے تو مارے نہ جاتے ان سے کہو اگر تم سچے ہو تو ذرا اپنی جانوں سے بھی موت کو ہٹا دو۔ اور جگہ ہے کہ یہ لوگ کہتے ہیں اللہ ہم پر لڑائی کیوں لکھ دی۔ کیوں نہ ہمیں ایک وقت تک فرصت دی جس کے جواب میں فرمایا کہ مضبوط برج بھی موت کے سامنے بیچ ہیں۔ اس موقع پر اسلامی لشکروں کے جیوٹ سردار اور بہادروں کے پیشوا اللہ کی تلوار اسلام کے پشت پناہ ابوسلیمان خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا وہ فرمان وارد کرنا بالکل مناسب وقت ہو گا جب آپ نے عین اپنے انتقال کے وقت فرمایا تھا کہ کہاں ہیں موت سے ڈرنے والے لڑائی سے جی چرانے والے نامرذوہ دیکھیں کہ میرا جوڑ جوڑ اللہ تعالیٰ کی راہ میں زخمی ہو چکا۔ سارے جسم میں کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں تیر تلوار نیزہ برچھانہ لگا ہو لیکن دیکھو کہ آج میں اپنے بستر میں فوت ہو رہا ہوں۔ میدان جنگ میں نہ رہا۔

اللہ کی راہ میں خرچ کرو: ☆☆ پھر پروردگار عالم اپنے بندوں کو اپنی راہ میں خرچ کرنے کی ترغیب دے رہا ہے جو جگہ بہ جگہ دی جاتی ہے حدیث نزول میں بھی ہے کون ہے جو ایسے اللہ کو قرض دے جو نہ مفلس ہے نہ ظالم اس آیت کو سن کر حضرت ابوالاصداح انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا تھا یا رسول اللہ کیا اللہ تعالیٰ ہم سے قرض طلب فرماتا ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ فرمایا اپنا ہاتھ دیتے۔ پھر ہاتھ میں ہاتھ لے کر کہا حضور میں نے اپنا باغ جس میں چھ کھجور کے درخت ہیں اللہ تعالیٰ کو قرض دیا اور وہاں سے سیدھے اپنے باغ آئے اور باہر ہی کھڑے رہ کر اپنی بیوی صاحبہ کو آواز دی کہ بچوں کو لے کر باہر آ جاؤ۔ میں نے یہ باغ اللہ کی راہ میں دے دیا ہے (ابن ابی حاتم) قرض حسنہ سے مراد فی سبیل اللہ خرچ ہے اور بال بچوں کا خرچ بھی ہے اور تسبیح و تقدیس بھی ہے۔ پھر فرمایا کہ اللہ اسے دو گنا چو گنا کر کے دے گا جیسے اور جگہ ہے مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَلْحَ، یعنی اللہ کی راہ کے خرچ کی مثال اس دانہ جیسی ہے جس کی سات ہا لیس ٹکلیں اور ہر بال میں سات دانے ہوں اور اللہ اس سے بھی زیادہ جسے چاہے دیتا ہے۔ اس آیت کی تفسیر بھی عنقریب آئے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے ابو عثمان نہدیؓ پوچھتے ہیں میں نے سنا ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ ایک نیکی کا بدلہ ایک لاکھ نیکیوں کا ملتا ہے۔ آپ نے فرمایا اس میں تعجب کیا کرتے ہو میں نے نبی اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ ایک نیکی کا بدلہ دوا لاکھ کے برابر ملتا ہے (مسند احمد) لیکن یہ حدیث غریب ہے۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت ابو عثمان نہدیؓ فرماتے ہیں مجھ سے زیادہ حضرت ابو ہریرہؓ کی خدمت میں کوئی نہیں رہتا تھا آپ حج کو گئے پھر پیچھے سے میں بھی گیا بصرے پہنچ کر میں نے سنا کہ وہ لوگ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے مندرجہ بالا حدیث بیان کرتے ہیں۔ میں نے ان سے کہا اللہ کی قسم سب سے زیادہ آپ کا صحبت یافتہ میں ہوں میں نے تو کبھی بھی آپ سے یہ حدیث نہیں سنی پھر میرے جی میں آئی کہ چلو چل کر خود حضرت ابو ہریرہؓ سے پوچھ لوں۔ چنانچہ میں وہاں سے چلا۔ یہاں آیا تو معلوم ہوا کہ وہ حج کو گئے ہیں۔ میں صرف اس ایک حدیث کی خاطر مکہ کو چل کھڑا ہوا وہاں آپ سے ملاقات ہوئی۔ میں نے کہا حضرت یہ بصرے والے آپ سے کیسی روایت کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا واہ اس میں تعجب کی کون سی بات ہے۔ پھر یہی آیت پڑھی اور فرمایا کہ ساتھ ہی یہ قول باری بھی پڑھو

فَمَا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا قَلِيلٌ یعنی ساری دنیا کا اسباب بھی آخرت کے مقابلہ میں حقیر چیز ہے۔ اللہ کی قسم میں نے تو رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ ایک نیکی کے بدلے اللہ تعالیٰ دو لاکھ نیکیاں عطا فرماتا ہے اسی مضمون کی ترمذی کی یہ حدیث بھی ہے کہ جو شخص بازار میں جائے اور وہاں لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد و هو علی کل شئی قدير پڑھے اللہ تعالیٰ اس کے لئے ایک لاکھ نیکیاں لکھتا ہے اور ایک لاکھ گناہ معاف فرماتا ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے مثل الذین اٰلُحْ کی آیت جب اتری تو حضور نے دعا کی کہ اے اللہ میری امت کو اور زیادتی عطا فرما۔ پس مَنْ ذَا الَّذِي اٰلُحْ کی آیت اتری۔ آپ نے پھر بھی یہی دعا کی تو اِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ کی آیت اتری۔ حضرت کعب احبارؓ سے ایک شخص نے کہا میں نے ایک شخص سے یہ سنا ہے کہ جو شخص سورہ قل ہو اللہ اٰلُحْ کو ایک دفعہ پڑھے اس کے لئے موتی اور یا قوت کے دس لاکھ محل جنت میں بنتے ہیں۔ کیا میں اسے سچ مان لوں۔ آپ نے فرمایا اس میں تعجب کی کون سی بات ہے بلکہ میں لاکھ اور بھی اور اس قدر کہ ان کی گنتی بجز جناب باری کے کسی کو معلوم ہی نہ ہو۔ پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا جب اللہ تعالیٰ اَضْعَافًا كَثِيرَةً فرماتا ہے تو پھر مخلوق اس کی گنتی کی طاقت کیسے رکھے گی۔ پھر فرمایا رِزْقِ کی کمی بیشی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہوئے بخلی نہ کر۔ وہ جسے دے اس میں بھی حکمت ہے اور نہ دے اس میں بھی مصلحت ہے تم سب قیامت کے دن اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَا مِنْ بَنِي اِسْرَآئِيْلَ مِنْ بَعْدِ مُوسٰى اِذْ
 قَالُوْا لِنَبِيِّنَا اِنْبِئْهُمْ اِنَّا مَلِكًا نُّقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ
 اللّٰهِ قَالْ هَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْا
 قَالُوْا وَمَا لَنَا اَلَّا نُقَاتِلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ
 دِيَارِنَا وَاَبْنَانَا فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ
 وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالظَّٰلِمِيْنَ

کیا تو نے حضرت موسیٰؑ کے بعد والی بنی اسرائیل کی جماعت کو نہیں دیکھا؟ جبکہ انہوں نے اپنے پیغمبر سے کہا کہ کسی کو ہمارا بادشاہ بنا دیجئے تاکہ ہم اللہ کی راہ میں جہاد کریں پیغمبر نے کہا ممکن ہے کہ جہاد فرض ہو جانے کے بعد تم جہاد نہ کرو انہوں نے کہا ہم راہ اللہ میں جہاد کیوں نہ کریں گے؟ ہم تو اپنے گھروں سے اجاڑے گئے ہیں اور بچوں سے دور کر دیئے گئے ہیں پھر جب ان پر جہاد فرض ہوا تو سوا تھوڑے سے لوگوں کے سب بھگ گئے اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جانتا ہے ○

بنی اسرائیل پر ایک اور احسان: ☆☆ (آیت: ۲۴۶) جس نبی کا یہاں ذکر ہے ان کا نام حضرت قتادہ نے حضرت یوشع بن نون بن افرایم بن یوسف بن یعقوب علیہم السلام بتایا ہے لیکن یہ قول کچھ ٹھیک نہیں معلوم ہوتا اس لئے کہ یہ واقعہ حضرت موسیٰؑ علیہ السلام کے بہت بعد کا حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے کا ہے جیسے کہ صراحتاً وارد ہوا ہے اور حضرت داؤد اور حضرت موسیٰؑ کے درمیان ایک ہزار سال سے زیادہ کا فاصلہ ہے واللہ اعلم۔ سدیؒ کا قول ہے کہ یہ پیغمبر حضرت شمعونؑ ہیں مجاہد کہتے ہیں یہ شمویل بن یالی بن حلقمہ بن صفیہ بن علقمہ بن ابوہاشم بن قارون بن یصھر بن فاحث بن لاوی بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام ہیں واقعہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ کے بعد کچھ زمانہ تک تو بنی اسرائیل راہ حق پر رہے پھر شرک و بدعت میں پڑ گئے مگر تاہم ان میں پے در پے انبیاء مبعوث ہوتے رہے یہاں

تک کہ بنی اسرائیل کی بے باکیاں حد سے گزر گئیں اب اللہ تعالیٰ نے ان کے دشمنوں کو ان پر غالب کر دیا۔ خوب بچے کئے اور اجڑے لے۔ پہلے تو توراۃ کی موجودگی تاہوت سیکنے کی موجودگی جو حضرت موسیٰ سے موروثی چلی آتی تھی ان کے لئے باعث غلبہ ہوتی تھی مگر ان کی سرکشی اور بدترین گناہوں کی وجہ سے اللہ جل شانہ کی یہ نعت بھی ان کے ہاتھوں چھین گئی اور نبوت بھی ان کے گھر میں ختم ہوئی۔

لاوی جن کی اولاد میں پیغمبری کی نسل چلی آ رہی تھی وہ سارے کے سارے لڑائیوں میں مرکب گئے۔ ان میں سے صرف ایک حاملہ عورت رہ گئی تھی ان کے خاوند بھی قتل ہو چکے تھے اب بنی اسرائیل کی نظریں اس عورت پر تھیں انہیں امید تھی کہ اللہ اسے لڑکا دے اور وہ لڑکا نبی بنے خود ان بیوی صاحبہ کی بھی دن رات یہی دعا تھی جو اللہ نے قبول فرمائی اور انہیں لڑکا دیا جن کا نام شموئیل یا شمعون رکھا اس کے لفظی معنی ہیں کہ اللہ نے میری دعا قبول فرمائی نبوت کی عمر کو پہنچ کر انہیں بھی نبوت ملی جب آپ نے دعوت نبوت دی تو قوم نے درخواست کی کہ کسی کو آپ ہمارا بادشاہ مقرر کر دیجئے تاکہ ہم اس کی ماتحتی میں جہاد کریں بادشاہ تو ظاہر ہو ہی گیا تھا لیکن پیغمبر نے اپنا کھٹکا بیان کیا کہ کہیں تم پھر جہاد سے جی نہ چراتے؟ قوم نے جواب دیا کہ حضرت ہمارے ملک ہم سے چھین لئے گئے ہمارے بال بچے گرفتار کئے گئے اور پھر بھی کیا ہم ایسے بے حمیت ہیں کہ مرنے مارنے سے ڈریں؟ اب جہاد فرض کر دیا گیا اور حکم ہوا کہ اس بادشاہ کے ساتھ اٹھو بس سنتے ہی سن ہو گئے اور سوائے معدودے چند کے باقی سب نے منہ موڑ لیا ان سے یہ کوئی نئی بات نہ تھی جس کا اللہ کو علم نہ ہو۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا
قَالُوا أَنَّى يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ
وَلَمْ يُوْتِ سَعَةً مِنَ الْمَالِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ
وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ وَاللَّهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ مَنْ يَشَاءُ
وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ

انہیں ان کے نبی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے طالوت کو تمہارا بادشاہ بنا دیا ہے تو کہنے لگے بھلا اسے ہم پر حکومت کیسے ہو سکتی ہے؟ اس سے تو بہت زیادہ حقدار بادشاہت کے ہم ہیں اسے تو مالی کشادگی بھی نہیں دی گئی نبی نے فرمایا سنو اللہ تعالیٰ نے اسی کو تم پر برگزیدہ کیا ہے اور اسے علمی اور جسمانی بزرگی بھی عطا فرمائی ہے بات یہ ہے کہ اللہ جسے چاہے اپنا ملک دے اللہ تعالیٰ کشادگی والا اور علم والا ہے ○

خوئے بدر ابہانہ بسیار: ☆ ☆ (آیت: ۲۴۷) مطلب یہ ہے کہ جب انہوں نے کسی کو اپنا بادشاہ بنا دینے کی خواہش اپنے پیغمبر سے کی تو پیغمبر نے حکم الہ حضرت طالوت کو پیش کیا جو شاہی خاندان سے نہ تھے۔ ایک لشکری تھے شاہی خاندان یہود کی اولاد تھی اور یہ ان میں سے نہ تھے تو قوم نے اعتراض کیا کہ حقدار بادشاہت کے تو اس سے بہت زیادہ ہم ہیں۔ پھر دوسری بات یہ کہ اس کے پاس مال بھی نہیں۔ مفلس شخص ہے۔ بعض کہتے ہیں یہ سچے تھے۔ کسی نے کہا ہے یہ دباغ تھے پس پہلی سرکشی تو اعتراض کی صورت میں احکام نبوی کے سامنے ان سے یہ ہوئی پیغمبر نے انہیں جواب دیا کہ یہ تعین میری رائے سے نہیں جس میں میں دوبارہ غور کر سکوں۔ یہ تو اللہ جل شانہ کا حکم ہے جس کی بجا آوری ضروری ہے۔ پھر ظاہر ابھی وہ تم میں بڑے عالم ہیں اور قوی اور طاقتور، شکیل و جیل و شجاع اور بہادر اور لڑائی کے فنون سے پورے واقف کار ہیں۔ یہاں سے یہ بھی ثابت ہوا کہ بادشاہ ذی علم، شکیل، قوی، طاقتور بڑے دل و دماغ والا ہونا چاہئے۔ پھر فرمایا کہ اصلی اور حقیقی حاکم اللہ

تعالیٰ ہی ہے۔ ملک کا مالک فی الواقع وہی ہے۔ جسے چاہے ملک دے۔ وہ علم و حکمت والا رافت و رحمت والا ہے اس سے کس کی مجال ہے کہ سوال کرے؟ جو چاہے کرے۔ سب سے سوال کرنے والا کوئی نہ کوئی ہے لیکن پروردگار اس سے مستغنی ہے وہ وسیع فضل والا اپنی نعمتوں سے جسے چاہے مخصوص کرے وہ علم والا ہے۔ خوب جانتا ہے کہ کون کس چیز کا مستحق ہے اور کسے کس چیز کا استحقاق نہیں۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِّنْ رَبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لَّكُمْ إِن كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ ﴿٢٢٨﴾

ان کے نبی نے انہیں پھر کہا کہ ان کی بادشاہت کی ظاہر نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس وہ صندوق آجائے گا جس میں تمہارے رب کی طرف سے دلجمعی ہے اور آل موسیٰ اور آل ہارون کا بقیہ ترکہ ہے فرشتے اسے اٹھا کر لائیں گے یقیناً یہ تو تمہارے لئے کھلی دلیل ہے اگر تم ایمان دار ہو ○

تابوت سکینہ اور جنگ طاوت و جالوت: ☆ ☆ (آیت: ۲۲۸) نبی علیہ السلام فرما رہے ہیں کہ طاوت کی بادشاہت کی پہلی علامت بابرکت یہ ہے کہ کھویا ہوا تابوت سکینہ انہیں پھر مل جائے گا جس میں وقار و عزت و دلجمعی اور جلالت رافت و رحمت ہے۔ جس میں اللہ کی نشانیاں ہیں جنہیں تم بخوبی جانتے ہو۔ بعض کا قول ہے کہ سکینہ ایک سونے کا طشت تھا جس میں انبیاء کے دل دھوئے جاتے تھے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ملتا تھا اور جس میں آپ نے توریت کی تختیاں رکھی تھیں کسی نے کہا ہے اس کا منہ بھی تھا جیسے انسان کا منہ ہوتا ہے اور روح بھی تھی۔ ہوا بھی تھی۔ دوسرے۔ دو پر تھے اور دم بھی تھی وہ ب کہتے ہیں مردہ بلی کا سر تھا۔ جب وہ تابوت میں بولتا تو انہیں نصرت کا یقین ہو جاتا اور لڑائی فتح ہو جاتی۔ یہ قول بھی ہے کہ یہ ایک روح تھی۔ اللہ کی طرف سے۔ جب کبھی بنی اسرائیل میں کوئی اختلاف پڑتا یا کسی بات کی اطلاع نہ ہوتی، وہ کہہ دیا کرتی تھی۔ حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کے ورثے کے باقی حصے سے مراد کٹری اور توراۃ کی تختیاں، اون اور کچھ ان کے کپڑے اور جوتی ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ فرشتے آسمان وزمین کے درمیان اس تابوت کو اٹھائے ہوئے سب لوگوں کے سامنے لائے اور حضرت طاوت بادشاہ کے سامنے لا رکھا، اس تابوت کو ان کے ہاں دیکھ کر انہیں نبیؑ کی نبوت اور طاوت کی بادشاہت کا یقین ہو گیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ گائے کے اوپر لایا گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ کفار نے جب یہودیوں پر غلبہ پایا تو تابوت سکینہ کو ان سے چھین لیا اور اریحا میں لے گئے اور اپنے بڑے بت کے نیچے رکھ دیا۔ جب اللہ کو اسے واپس بنی اسرائیل تک پہنچانا تھا تب وہ کفار صبح کو جب بت خانے میں گئے تو دیکھا کہ بت نیچے ہے اور تابوت اوپر ہے۔ انہوں نے پھر بت کو اوپر کر دیا۔ صبح جو جب گئے تو دیکھا کہ بت ایک طرف ٹوٹا پھوٹا پڑا ہے تو یقین ہو گیا کہ یہ قدرت کے کرشمے ہیں چنانچہ انہوں نے تابوت کو یہاں سے لے جا کر کسی اور چھوٹی سی بستی میں رکھ دیا۔ وہاں ایک وبائی بیماری پھیلی۔ آخر بنی اسرائیل کی ایک عورت نے جو وہاں قید تھی، انہیں کہا کہ اسے واپس بنی اسرائیل کو پہنچا دو تو تمہیں اس سے نجات ملے گی۔ ان لوگوں نے دو گائیوں پر تابوت کو رکھ کر بنی اسرائیل کے شہر کی طرف بھیج دیا۔ شہر کے قریب پہنچ کر گائیں تو رسیاں تڑوا کر بھاگ گئیں اور تابوت وہیں رہا جسے بنی اسرائیل لے آئے۔ بعض کہتے ہیں۔ دو

نوجوان اسے پہنچا گئے واللہ اعلم (لیکن الفاظ قرآن میں یہ موجود ہے کہ اسے فرشتے اٹھا لائیں گے۔ مترجم) یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ فلسطین کی بستیوں میں سے ایک بستی میں تھا جس کا نام ازدودہ تھا۔ پھر فرماتا ہے میری نبوت کی دلیل اور طاوت کی بادشاہت کی دلیل یہ بھی ہے کہ تابوت فرشتے پہنچا جائیں گے اگر تمہیں اللہ عزوجل پر اور قیامت پر ایمان ہو۔

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ مُبْتَلِيكُمْ بِنَهَرٍ
فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي وَمَنْ لَمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّي إِلَّا
مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهِ فَشَرِبُوا مِنْهُ إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ فَلَمَّا
جَاوَزَهُ هُوَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ قَالُوا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ
بِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ قَالَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُم مُّلْقَوُا اللّٰهُ كَمَ مِّنْ
فِتْنَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةٌ كَثِيرَةٌ بِإِذْنِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ٥٥

جب (حضرت) طاوت لشکروں کو لے کر نکلے تو کہا سو اللہ تعالیٰ تمہیں ایک نہر سے آزمانے والا ہے جس نے اس میں سے پانی پی لیا وہ میرا نہیں اور جو اسے نہ چکھے وہ میرا ہے ہاں یہ اور بات ہے کہ اپنے ہاتھ سے ایک چلو بھر لے لیکن سوائے چند کے باقی سب نے پی لیا حضرت طاوت ایمانداروں سمیت جب نہر سے گزر گئے تو وہ لوگ کہنے لگے آج تو ہم میں طاقت نہیں کہ جالوت اور اس کے لشکروں سے لڑیں۔ اللہ کی ملاقات پر یقین رکھنے والوں نے کہا بسا اوقات چھوٹی اور تھوڑی جماعتیں بڑی اور بہت سی جماعتوں پر اللہ کے حکم سے غلبہ پالیتی ہیں اللہ تعالیٰ مبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ○

نہر الشریعہ: ☆☆ (آیت: ۲۳۹) اب واقعہ بیان ہو رہا ہے کہ جب ان لوگوں نے طاوت کی بادشاہت تسلیم کر لی اور وہ انہیں لے کر جہاد کو چلے۔ حضرت سدیؒ کے قول کے مطابق ان کی تعداد اسی ہزار تھی۔ راستے میں طاوت نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ایک نہر کے ساتھ آزمانے والا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کے قول کے مطابق یہ نہر اردن اور فلسطین کے درمیان تھی۔ اس کا نام نہر الشریعہ تھا طاوت نے انہیں ہوشیار کر دیا کہ اس نہر کا پانی کوئی نہ پئے۔ اگر پی لے گا تو میرے ساتھ نہ چلے۔ ایک آدھ گھونٹ اگر کسی نے پی لیا تو کچھ حرج نہیں۔ لیکن جب وہاں پہنچے پیاس کی شدت تھی۔ نہر پر جھک پڑے اور خوب پیٹ بھر کر پانی پی لیا مگر کچھ لوگ ایسے پختہ ایمان والے بھی تھے کہ جنہوں نے نہ پیا۔ ایک چلو پی لیا۔ بقول حضرت ابن عباسؓ کے ایک چلو پینے والوں کی تو پیاس بھی بجھ گئی اور وہ جہاد میں بھی شامل رہے لیکن پوری پیاس بجھانے والوں کی نہ تو پیاس بجھی نہ وہ قابل جہاد رہے سدیؒ فرماتے ہیں اسی ہزار میں سے چھتر ہزار نے پانی پی لیا۔ صرف چار ہزار آدمی حقیقی فرمانبردار نکلے۔

حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں کہ اصحاب محمد ﷺ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ بدر کی لڑائی والے دن ہماری تعداد اتنی ہی تھی جتنی تعداد حضرت طاوت بادشاہ کے اس فرمانبردار لشکر کی تھی جو آپ کے ساتھ نہر سے پار ہوا تھا یعنی تین سو تیرہ۔ یہاں سے پار ہوتے ہی نافرمانوں کے چھکے چھوٹ گئے اور نہایت بزدلانہ پن سے انہوں نے جہاد سے انکار کر دیا اور دشمنوں کی زیادتی نے ان کے حوصلے توڑ دیئے۔ صاف جواب دے بیٹھے کہ آج تو ہم جالوت کے لشکر سے لڑنے کی طاقت اپنے میں نہیں پاتے۔ گو سرفروش مجاہد علماء کرام نے انہیں ہر طرح ہمت بندھوائی۔ وعظ کہے۔ فرمایا کہ قلت و کثرت پر فتح موقوف نہیں۔ صبر پر اور نیک نیتی پر ضرور اللہ کی امداد ہوتی ہے بار بار ایسا ہوا ہے کہ مٹھی

بھروگوں نے بڑی بڑی جماعتوں کو نیچا دکھا دیا ہے۔ تم صبر کرو۔ طبیعت میں استقلال اور عزم رکھو۔ اللہ کے وعدوں پر نظریں رکھو اس صبر کے بدلے اللہ تمہارا ساتھ دے گا لیکن تاہم ان کے سرِ دول نہ گرمائے اور ان کی بزدلی دور نہ ہوئی۔

وَلَمَّا بَرَزُوا لِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ قَالُوا رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا
وَوَثِّبْتَ أَقْدَامَنَا وَانْصَرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ۝۵۱
يَا ذِينَ اللَّهِ وَقَتْلَ دَاوُدَ جَالُوتَ وَاتَّهَى اللَّهُ الْمَلِكَ وَالْحِكْمَةَ
وَعَلَّمَهُ مِمَّا يَشَاءُ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ
لَفَسَدَتِ الْأَرْضُ وَلَكِنَّ اللَّهَ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِينَ ۝۵۲
تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ نَتْلُوهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ۝۵۳

جب ان کا جالوت اور اس کے لشکر سے مقابلہ ہوا تو انہوں نے دعا مانگی کہ اے پروردگار ہمیں صبر دے، ثابت قدمی دے اور قوم کفار پر ہماری مدد فرما۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے انہوں نے جالوتیوں کو ہرا دیا اور حضرت داؤدؑ کے ہاتھوں جالوت قتل ہوا اور اللہ تعالیٰ نے داؤد کو مملکت و حکمت اور جتنا کچھ چاہا علم بھی عطا فرمایا۔ اگر اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو بعض سے دفع نہ کرتا تو زمین میں فساد پھیل جاتا لیکن اللہ تعالیٰ دنیا والوں پر بڑے فضل و کرم کرنے والا ہے۔ یہ ہیں اللہ تعالیٰ کی آیتیں جنہیں ہم حقانیت کے ساتھ بخیر پڑھتے ہیں بالیقین تو رسولوں میں سے ہے ○

جالوت مارا گیا: ☆☆ (آیت: ۲۵۰-۲۵۲) یعنی جس وقت مسلمانوں کی اس مختصر جماعت نے کفار کے ٹڈی دل لشکر دیکھے تو جناب باری میں گڑگڑا کر دعائیں کرنی شروع کیں کہ اے اللہ ہمیں صبر و ثبات کا پہاڑ بنا دے۔ لڑائی کے وقت ہمارے قدم جمادے۔ منہ موڑنے اور بھاگنے سے ہمیں بچالے اور ان دشمنوں پر ہمیں غالب کر۔ چنانچہ ان کی عاجز انداز اور مخلصانہ دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ اللہ کی مدد نازل ہوتی ہے اور یہ مٹھی بھر جماعت اس ٹڈی دل لشکر کو تیس نہس کر دیتی ہے اور حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھوں مخالفین کا سردار اور سر تاج جالوت مارا جاتا ہے اسرائیلی روایتوں میں یہ بھی مروی ہے کہ حضرت طالوت نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ اگر جالوت کو قتل کرو گے تو میں اپنی بیٹی تمہارے نکاح میں دوں گا اور اپنا آدھا مال بھی تمہیں دے دوں گا اور حکومت میں بھی برابر شریک کر لوں گا چنانچہ حضرت داؤدؑ نے پھر کو فلاح میں رکھ کر جالوت پر چلایا اور اسی سے وہ مارا گیا۔ حضرت طالوت نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ بالآخر سلطنت کے مستقل سلطان آپ ہی ہو گئے اور پروردگار عالم کی طرف سے بھی نبوت جیسی زبردست نعمت عطا ہوئی اور حضرت شونیل کے بعد یہ پیغمبر بھی بنے اور بادشاہ بھی۔ حکمت سے مراد نبوت ہے اور بہت سے مخصوص علم بھی جو اللہ عز و جل نے چاہے اپنے اس نبی کو سکھائے۔

پھر ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے کہ اگر تعالیٰ یوں پست لوگوں کی پستی نہ بدلتا جس طرح بنی اسرائیل کو طالوت جیسے مدبر بادشاہ اور داؤد جیسے دلیر سپہ سالار عطا فرما کر حکومت تبدیل نہ کرتا تو لوگ ہلاک ہو جاتے جیسے اور جگہ ہے وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا یعنی یوں اگر ایک دوسرے کا دفعیہ نہ ہو تو عبادت خانے اور وہ مسجدیں جن میں اللہ تبارک و تعالیٰ کا نام بہ کثرت ذکر کیا جاتا ہے تو زدی جائیں۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ایک نیک بخت ایماندار کی وجہ سے اس کے آس پاس کے سو سو گھرانوں سے اللہ تعالیٰ بلاؤں کو دور کر دیتا ہے۔ پھر راوی حدیث حضرت

عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی آیت کی تلاوت کی (ابن جریر) لیکن اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔

ابن جریر کی ایک اور غریب حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک سچے مسلمان کی صلاحیت کی وجہ سے اس کی اولاد کی اولاد کو اس کے گھر والوں کو اور آس پاس کے گھر والوں کو سنوار دیتا ہے اور اس کی موجودگی تک وہ سب اللہ کی حفاظت میں رہتے ہیں۔ ابن مردویہ کی ایک حدیث میں ہے کہ قیامت تک ہر زمانہ میں ساٹھ شخص تم میں ضرور ایسے رہیں گے جن کی وجہ سے تمہاری مدد کی جائے گی اور تم پر بارش برسائی جائے گی اور تمہیں روزی دی جائے گی، ابن مردویہ کی دوسری حدیث میں ہے، میری امت میں تیس ابدال ہوں گے جن کی وجہ سے تم روزیاں دیئے جاؤ گے۔ تم پر بارشیں برسائی جائیں گی اور تمہاری مدد کی جائے گی، اس حدیث کے راوی حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں کہ میرا خیال ہے، حضرت حسنؓ بھی انہی ابدال میں سے تھے۔ پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی یہ نعمت اور اس کا احسان ہے کہ وہ ایک کو دوسرے دفع کرتا ہے، وہی سچا حاکم ہے۔ اس کے تمام کام حکمت سے پر ہوتے ہیں۔ وہ اپنی دلیلیں اپنے بندوں پر واضح فرما رہا ہے، وہ تمام مخلوق پر فضل و کرم کرتا ہے۔ یہ واقعات اور یہ تمام حق کی باتیں اے نبی ہماری سچی وحی تمہیں معلوم ہوئیں۔ تم میرے سچے رسول ہو۔ میری ان باتوں کی اور خود آپ کی نبوت کی سچائی کا علم ان لوگوں کو بھی ہے جن کے ہاتھوں میں کتاب ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے زور دار پر تاکید الفاظ میں قسم کھا کر اپنے نبی کی نبوت کی تصدیق کی۔ فالحمد للہ

الحمد للہ تفسیر محمدی کا دوسرا پارہ ختم ہوا۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ اب تیسرے پارہ کی تفسیر شروع ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ اسے بھی پورا کرے اور ہم سب کو اپنے کلام پاک کی صحیح سمجھ عنایت فرمائے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین الہ الحق آمین۔

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ اللَّهُ
 وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ وَآتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنَاتِ وَأَيَّدْنَاهُ
 بِرُوحِ الْقُدُسِ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِينَ مِنْ بَعْدِهِمْ
 مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمْ الْبَيِّنَاتُ وَلَكِنْ اخْتَلَفُوا فَمِنْهُمْ مَنْ
 آمَنَ وَمِنْهُمْ مَنْ كَفَرَ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا اقْتَتَلُوا وَلَكِنْ
 اللَّهُ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ ۝

یہ رسول ہیں جن میں سے بعض کو ہم نے بعض پر فضیلت دے رکھی ہے ان میں سے بعض وہ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے بات چیت کی اور بعض کے درجے بلند کئے اور ہم نے عیسیٰ بن مریمؑ کو کججرات عطا فرمائے اور روح القدس سے ان کی تائید کی، اگر اللہ چاہتا تو ان کے بعد والے اپنے پاس دلیلیں آ جانے کے بعد ہرگز آپس میں لڑائی بھڑائی نہ کرتے لیکن ان لوگوں نے اختلاف کیا۔ ان میں سے بعض تو مومن ہوئے اور بعض کافر اور اگر اللہ چاہتا تو یہ آپس میں نہ لڑتے، لیکن اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے ○

ذکر مدارج الانبیاء: ☆☆ (آیت: ۲۵۳) یہاں وضاحت ہو رہی ہے کہ رسولوں میں بھی مراتب ہیں، جیسے اور جگہ فرمایا وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيِّينَ عَلَى بَعْضٍ وَآتَيْنَا دَاوُدَ زَبُورًا ہم نے بعض نبیوں کو بعض پر فضیلت دی اور حضرت داؤدؑ کو ہم نے زبور دی، یہاں بھی اسی کا ذکر کر کے فرماتا ہے، ان میں سے بعض کو شرف ہم کلامی بھی نصیب ہوا جیسے حضرت موسیٰ اور حضرت محمدؐ اور حضرت آدم علیہم الصلوٰۃ والسلام صحیح ابن حبان میں حدیث ہے جس میں معراج کے بیان کے ساتھ یہ بھی وارد ہوا ہے کہ کسی نبی کو آپ نے الگ الگ کس آسمان میں پایا جو ان کے مرتبوں کے کم و بیش ہونے کی دلیل ہے ہاں ایک حدیث میں ہے کہ ایک مسلمان اور یہودی کی کچھ بات چیت ہو گئی تو یہودی نے کہا 'قسم ہے اس اللہ کی جس نے موسیٰ کو تمام جہان والوں پر فضیلت دی تو مسلمان سے ضبط نہ ہو سکا اس نے اٹھا کر ایک ٹھہر مارا اور کہا غیبیٹ، کیا ہمارے نبی محمد ﷺ سے بھی وہ افضل ہیں؟ یہودی نے سرکار نبویؐ میں آ کر اس کی شکایت کی، آپؐ نے فرمایا مجھے نبیوں پر فضیلت نہ دو، قیامت کے دن سب بے ہوش ہوں گے۔ سب سے پہلے میں ہوش میں آؤں گا تو میں دیکھوں گا کہ حضرت موسیٰ اللہ تعالیٰ کے عرش کا پایہ تھا سے ہوئے ہوں گے، مجھے نہیں معلوم کہ وہ مجھ سے پہلے ہی ہوش میں آگئے یا سرے سے بے ہوش ہی نہیں ہوئے تھے اور طور کی بے ہوشی کے بدلے یہاں کی بے ہوشی سے بچائے گئے۔ پس مجھے نبیوں پر فضیلت نہ دو، ایک اور روایت میں ہے کہ پیغمبروں کے درمیان فضیلت نہ دو۔ پس یہ حدیث بظاہر قرآن کریم کی اس آیت کے خلاف معلوم ہوتی ہے لیکن دراصل کوئی تعارض نہیں، ممکن ہے کہ حضورؐ کا یہ فرمان اس سے پہلے ہو کہ آپ کو فضیلت کا علم نہ ہوا ہو لیکن یہ قول ذرا غور طلب ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ آپؐ نے مخصوص اضع اور فرتی کے طور پر فرمایا ہے نہ کہ حقیقت کے طور پر۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ ایسے جھگڑے اور اختلاف کے وقت ایک کو ایک پر فضیلت دینا دوسرے کی شان گھٹانا ہے۔ اس لئے آپؐ نے منع فرمادیا۔ چوتھا جواب یہ ہے کہ تم فضیلت نہ دو یعنی صرف اپنی رائے اپنے خیال اور ذہنی تعصب سے اپنے نبی کو دوسرے نبی پر فضیلت نہ دو۔ پانچواں جواب یہ ہے کہ فضیلت و تکریم کا فیصلہ تمہارے بس کا نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے وہ جسے جو فضیلت دے تم مان لو تمہارا

کام تسلیم کرنا اور ایمان لانا ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ ہم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو واضح دلیلیں اور پھر ایسی جتیں عطا فرمائی تھیں جن سے بنی اسرائیل پر صاف واضح ہو گیا کہ آپ کی رسالت بالکل سچی ہے اور ساتھ ہی آپ کی یہ حیثیت بھی واضح ہو گئی کہ مثل اور بندوں کے آپ بھی اللہ تعالیٰ کے عاجز بندے اور بے کس غلام ہیں اور روح القدس یعنی حضرت جبرائیل علیہ السلام سے ہم نے ان کی تائید کی۔ پھر فرمایا کہ بعد والوں کے اختلاف بھی ہمارے قضا و قدر کا نمونہ ہیں ہماری شان یہ ہے کہ جو چاہیں کریں ہمارے کسی ارادے سے مراد جدا نہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَكُمْ
يَوْمٌ لَا بَيْعٌ فِيهِ وَلَا خُلَّةٌ وَلَا شَفَاعَةٌ وَالْكَافِرُونَ هُمُ
الظَّالِمُونَ ۝ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ لَا تَأْخُذُهُ
سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مَنْ ذَا الَّذِي
يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا
يَحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمَوَاتِ
وَالْأَرْضَ وَلَا يَئُودُهُ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ ۝

ایمان والو جو ہم نے تمہیں دے رکھا ہے اس میں سے خرچ کرتے رہو اس سے پہلے کہ وہ دن آئے جس میں نہ تجارت ہے نہ دوستی نہ شفاعت کافر ہی ظالم ہیں ○ اللہ ہی معبود برحق ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں جو زندہ اور سب کا تھانے والا جسے نہ اوجھ آئے نہ نیند اس کی ملکیت میں زمین و آسمان کی تمام چیزیں ہیں کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس کے سامنے شفاعت کر سکے وہ جانتا ہے جو ان کے آگے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے وہ اس کی منشا کے بغیر کسی چیز کے علم کا احاطہ نہیں کر سکتے اس کی کرسی کی وسعت نے زمین و آسمان کو گھیر رکھا ہے وہ اللہ ان کی حفاظت سے نہ ٹھکے نہ اکتائے وہ تو بہت بلند اور بہت بڑا ہے ○

آج کے صدقات قیامت کے دن شریک غم ہوں گے: ☆ ☆ (آیت: ۲۵۴) اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو حکم کرتا ہے کہ وہ بھلائی کی راہ میں اپنا مال خرچ کریں تاکہ اللہ تعالیٰ کے پاس ان کا ثواب جمع رہے اور پھر فرماتا ہے کہ اپنی زندگی میں ہی خیرات و صدقات کر لو قیامت کے دن نہ تو خرید و فروخت ہے نہ زمین بھر کر سونا دہنے سے جان چھوٹ سکتی ہے نہ کسی کا نسب اور دوستی و محبت کچھ کام آ سکتی ہے۔ جیسے اور جگہ ہے فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ فَلَا أَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَلَا يَتَسَاءَلُونَ یعنی جب صور پھونکا جائے گا اس دن نہ تو نسب رہے گا نہ کوئی کسی کا پرسان حال ہوگا اور اس دن سفارشیوں کی سفارش بھی کچھ نفع نہ دے گی۔ پھر فرمایا کافر ہی ظالم ہیں یعنی پورے اور کچھ ظالم وہ ہیں جو کفر کی حالت میں ہی اللہ سے ملیں عطا بن دینار کہتے ہیں شکر ہے اللہ نے کافروں کو ظالم فرمایا لیکن ظالموں کو کافر نہیں فرمایا۔

عظیم تر آیت تعارف الہ بزبان الہ: ☆ ☆ (آیت: ۲۵۵) یہ آیت آیت الکرسی ہے جو بڑی عظمت والی آیت ہے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ دریافت فرماتے ہیں کہ کتاب اللہ میں سب سے زیادہ عظمت والی آیت کون سی ہے آپ جواب دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول ہی کو اس کا سب سے زیادہ علم ہے آپ پھر یہی سوال کرتے ہیں بار بار کے سوال پر جواب دیتے ہیں کہ آیت الکرسی حضور ﷺ فرماتے ہیں ابوالمند ر اللہ تعالیٰ تجھے تیرا علم مبارک کرے اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اس کی زبان ہوگی

اور ہونٹ ہوں گے اور یہ بادشاہ حقیقی کی تقدیس بیان کرے گی اور عرش کے پایہ سے لگی ہوئی ہوگی (مسند احمد) صحیح مسلم شریف میں بھی یہ حدیث ہے لیکن یہ پچھلا قسمیہ جملہ اس میں نہیں، حضرت ابی بن کعب فرماتے ہیں میرے ہاں ایک کھجور کی بوری تھی۔ میں نے دیکھا کہ اس میں سے کھجوریں روز بروز گھٹ رہی ہیں ایک رات میں جاگتا رہا اور اس کی نگہبانی کرتا رہا، میں نے دیکھا کہ ایک جانور مثل جو ان لڑکے کے آیا، میں نے اسے سلام کیا۔ اس نے میرے سلام کا جواب دیا، میں نے کہا تو انسان ہے یا جن اس نے کہا میں جن ہوں، میں نے کہا ذرا اپنا ہاتھ تو دے، اس نے ہاتھ بڑھا دیا۔ میں نے اپنے ہاتھ میں لیا تو کتے جیسا ہاتھ تھا اور اس پر کتے جیسے ہی بال بھی تھے، میں نے کہا کیا جنوں کی پیدائش ایسی ہی ہے۔ اس نے کہا تمام جنات میں سب سے زیادہ قوت طاقت والا میں ہی ہوں، میں نے کہا بھلا تو میری چیز چرانے پر کیسے دلیر ہو گیا۔ اس نے کہا مجھے معلوم ہے کہ تو صدقہ کو پسند کرتا ہے، ہم نے کہا پھر ہم کیوں محروم رہیں۔ میں نے کہا تمہارے شر سے بچانے والی کون سی چیز ہے اس نے کہا آیت الکرسی۔ صبح کو جب میں سرکار محمدیؐ میں حاضر ہوا تو میں نے رات کا سارا واقعہ بیان کیا، آپؐ نے فرمایا، خبیث نے یہ بات تو بالکل سچ کہی (ابو یعلیٰ) ایک بار مہاجرین کے پاس آپؐ گئے تو ایک شخص نے کہا، حضور قرآن کی آیت کون سی بہت بڑی ہے، آپؐ نے یہی آیت الکرسی پڑھ کر سنائی (طبرانی)

آپؐ نے ایک مرتبہ صحابہ میں سے ایک سے پوچھا، کیا تم نے نکاح کر لیا، اس نے کہا، حضرت میرے پاس مال نہیں، اس لئے نکاح نہیں کیا، آپؐ نے فرمایا قُلْ هُوَ اللَّهُ يَادَيْنِیْ اس نے کہا وہ تو یاد ہے فرمایا چوتھائی قرآن تو یہ ہو گیا، کہا قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْکٰفِرُوْنَ يٰۤاَيُّهَا ہاں وہ بھی یاد ہے فرمایا چوتھائی قرآن یہ ہوا، پھر پوچھا کیا اِذَا زُلْزِلَتْ بھی یاد ہے کہا ہاں فرمایا چوتھائی قرآن یہ ہوا، کیا اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ بھی یاد ہے کہا ہاں۔ فرمایا چوتھائی یہ، کیا آیت الکرسی یاد ہے کہا ہاں فرمایا چوتھائی قرآن یہ ہوا (مسند احمد) حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں۔ میں حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپؐ اس وقت مسجد میں تشریف فرما تھے۔ میں آ کر بیٹھ گیا۔ آپؐ نے پوچھا کیا تم نے نماز پڑھ لی میں نے کہا نہیں فرمایا اٹھو۔ نماز ادا کرلو۔ میں نے نماز پڑھی۔ پھر آ کر بیٹھا تو آپؐ نے فرمایا۔ ابوذر شیطان انسانوں اور جنوں سے پناہ مانگ، میں نے کہا حضورؐ کیا انسانی شیطان بھی ہوتے ہیں۔ فرمایا ہاں میں نے کہا حضورؐ کی نماز کی نسبت کیا ارشاد ہے فرمایا وہ سراسر خیر ہے جو چاہے کم حصہ لے جو چاہے زیادہ میں نے کہا حضورؐ روزہ فرمایا کفایت کرنے والا فرض ہے اور اللہ کے نزدیک زیادتی ہے، میں نے کہا صدقہ۔ فرمایا بہت زیادہ اور بڑھ چڑھ کر بدلہ دلوانے والا میں نے کہا سب سے افضل صدقہ کون سا ہے۔ فرمایا کم مال والے کا ہمت کرنا یا پوشیدگی سے محتاج کی احتیاج پوری کرنا میں نے سوال کیا سب سے پہلے نبی کون ہیں فرمایا حضرت آدم علیہ السلام میں نے کہا وہ نبی تھے فرمایا نبی اور اللہ سے ہم کلام ہونے والے میں نے پوچھا رسولوں کی تعداد کیا ہے فرمایا تین سوا در کچھ اوپر دس بڑی بہت، جماعت، ایک روایت میں تین سو پندرہ کا لفظ ہے، میں نے پوچھا۔ حضور آپؐ پر سب سے زیادہ بزرگی والی آیت کونسی اتری ہے۔ فرمایا آیت الکرسی اللّٰہ لا الہ الا ہو الحی القیوم الخ (مسند احمد)

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے خزانہ میں سے جنات چرا کر لے جایا کرتے تھے میں نے آنحضرت ﷺ سے شکایت کی آپؐ نے فرمایا جب تو اسے دیکھے تو کہنا بسم اللہ احبیبی رسول اللہ جب وہ آیا میں نے یہی کہا پھر اسے چھوڑ دیا میں حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؐ نے فرمایا تیرے قیدی نے کیا کیا میں نے کہا میں نے اسے پکڑ لیا تھا لیکن اس نے وعدہ کیا کہ اب پھر نہیں آؤں گا۔ آپؐ نے فرمایا وہ پھر بھی آئے گا میں نے اسے اسی طرح دو تین بار پکڑا اور اقرار لے کر چھوڑ دیا، میں نے حضورؐ سے ذکر کیا اور آپؐ نے ہر دفعہ یہی فرمایا کہ وہ پھر بھی آئے گا، آخری مرتبہ میں نے کہا اب میں تجھے نہ چھوڑوں گا، اس نے کہا چھوڑ دے۔ میں تجھے ایک ایسی چیز بتاؤں گا کہ کوئی جن اور شیطان تیرے پاس ہی نہ آ سکے، میں نے کہا اچھا بتاؤ۔ کہا وہ آیت الکرسی ہے میں نے آ کر

حضور سے ذکر کیا آپ نے فرمایا اس نے سچ کہا گو وہ جھوٹا ہے (مسند احمد)

صحیح بخاری شریف میں کتاب فضائل القرآن اور کتاب الوکالہ اور صفۃ الملیس کے بیان میں بھی یہ حدیث حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے اس میں ہے کہ زکوٰۃ رمضان کے مال پر میں پہرہ دے رہا تھا جو یہ شیطان آیا اور سمیٹ سمیٹ کر اپنی چادر میں جمع کرنے لگا تیسری مرتبہ اس نے بتایا کہ اگر تورات کو بستر پر جا کر اس آیت کو پڑھ لے گا تو اللہ کی طرف سے تجھ پر حافظ مقرر ہوگا اور صبح تک شیطان تیرے قریب بھی نہ آ سکے گا (بخاری) دوسری روایت میں ہے کہ یہ کجگوریں تھیں اور مٹھی بھر دے لے گیا تھا اور آپ نے فرمایا تھا کہ اگر اسے پکڑنا چاہے تو جب وہ دروازے کھولے کہنا سبحان من سحرک محمد شیطان نے یہ عذر بتایا تھا کہ ایک فقیر جن کے بال بچوں کے لئے میں یہ لے جا رہا تھا (ابن مردویہ) پس یہ واقعہ تین صحابہ کا ہوا، حضرت ابی بن کعب کا، حضرت ابوالیوب انصاری کا اور حضرت ابو ہریرہؓ کا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں ایک انسان کی ایک جن سے ملاقات ہوئی، جن نے کہا مجھ سے کشتی کرے گا، اگر مجھے گرا دے تو میں تجھے ایک ایسی آیت سکھاؤں گا کہ جب تو اپنے گھر جائے اور اسے پڑھ لے تو شیطان اس میں نہ آ سکے کشتی ہوئی اور اس آدمی نے جن کو گرا دیا اس شخص نے جن سے کہا، تو تو نحیف اور ڈرپوک ہے اور تیرے ہاتھ مثل کتے کے ہیں۔ کیا جنات ایسے ہی ہوتے ہیں یا صرف تو ہی ایسا ہے کہا میں تو ان سب میں سے قوی ہوں پھر دوبارہ کشتی ہوئی اور دوسری مرتبہ بھی اس شخص نے گرا دیا تو جن نے کہا جو آیت میں نے سکھانے کے لئے کہا تھا وہ آیت الکرسی ہے۔ جو شخص اپنے گھر میں جاتے ہوئے اسے پڑھ لے تو شیطان اس گھر سے گدھے کی طرح چیخا ہوا بھاگ کھڑا ہوتا ہے جس شخص سے کشتی ہوئی تھی وہ شخص حضرت عمرؓ تھے (کتاب الغریب) رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں سورہ بقرہ میں ایک آیت ہے جو قرآن کریم کی تمام آیتوں کی سردار ہے جس گھر میں وہ پڑھی جائے وہاں سے شیطان بھاگ جاتا ہے وہ آیت آیت الکرسی ہے (متدرک حاکم)۔ ترمذی میں ہے ہر چیز کی کوہان اور بلندی ہے اور قرآن کی بلندی سورہ بقرہ ہے اور اس میں بھی آیت الکرسی تمام آیتوں کی سردار ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس سوال پر کہ سارے قرآن میں سب سے زیادہ بزرگ آیت کون سی ہے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا مجھے خوب معلوم ہے میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ وہ آیت آیت الکرسی ہے (ابن مردویہ)۔ حضور فرماتے ہیں ان دونوں آیتوں میں اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم ہے ایک تو آیت الکرسی دوسری آیت اَلَمْ يَلَمْ اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ (مسند احمد)

ایک اور حدیث میں ہے کہ وہ اسم اعظم جس نام کی برکت سے جو دعا اللہ تعالیٰ سے مانگی جائے وہ قبول فرماتا ہے وہ تین سورتوں میں ہے سورہ بقرہ سورہ آل عمران اور سورہ طہ (ابن مردویہ) ہشام بن عمار خطیب دمشق فرماتے ہیں سورہ بقرہ کی آیت آیت الکرسی ہے اور آل عمران کی پہلی ہی آیت اور طہ کی آیت وَعَنْتَ الْوُجُوهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّومِ ہے اور حدیث میں ہے جو شخص ہر فرض نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھ لے اسے جنت میں جانے سے کوئی چیز نہیں روکے گی سوائے موت کے (ابن مردویہ) اس حدیث کو امام نسائی نے بھی اپنی کتاب عمل الیوم والیلہ میں وارد کیا ہے اور ابن حبان نے بھی اسے اپنی صحیح میں وارد کیا ہے اس حدیث کی سند شرط بخاری پر ہے لیکن ابوالفرج بن جوزی اسے موضوع کہتے ہیں واللہ اعلم۔ تفسیر ابن مردویہ میں بھی یہ حدیث ہے لیکن اس کی اسناد بھی ضعیف ہیں ابن مردویہ کی ایک اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ ہر فرض نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھ لیا کرو۔ جو شخص یہ کرے گا میں اسے شکر گزار دل اور ذکر کرنے والی زبان دوں گا اور اسے نبیوں کا ثواب اور صدیقیوں کا عمل دوں گا جس عمل کی پابندی صرف انبیاء اور صدیقین سے ہی ہوتی ہے یا اس بندے سے جس کا دل میں نے ایمان کے لئے آزمایا ہو یا اسے اپنی راہ میں شہید کرنا طے کر لیا ہو لیکن یہ حدیث بہت منکر ہے۔

ترذی کی حدیث میں ہے جو شخص سورہ حم المؤمن کو الیہ المصیر تک اور آیت الکرسی کو صبح کے وقت پڑھ لے گا وہ شام تک اللہ کی حفاظت میں رہے گا اور شام کو پڑھنے والے کی صبح تک حفاظت ہوگی لیکن یہ حدیث بھی غریب ہے اس آیت کی فضیلت میں اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں لیکن ایک تو اس لئے کہ ان کی سندیں ضعیف ہیں اور دوسرے اس لئے بھی کہ ہمیں اختصار مد نظر ہے ہم نے انہیں وارد نہیں کیا۔

اس مبارک آیت میں دس مستقل جملے ہیں پہلے جملے میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا بیان ہے کہ کل مخلوق کا وہی ایک اللہ ہے دوسرے جملے میں ہے کہ وہ خود زندہ ہے جس پر کبھی موت نہیں آئے گی دوسروں کو قائم رکھنے والا ہے قیوم کی دوسری قرأت قیام بھی ہے۔ پس تمام موجودات اس کی محتاج ہے اور وہ سب سے بے نیاز ہے کوئی بھی بغیر اس کی اجازت کے کسی چیز کا سنبھالنے والا نہیں جیسے اور جگہ سے و مِنْ اٰیۃِ اَنْ تَقُوْمَ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِہِ یعنی اس کی نشانیں میں سے ایک یہ ہے کہ آسمان وزمین اسی کے حکم سے قائم ہیں۔ پھر فرمایا نہ تو اس پر کوئی نقصان آئے نہ کبھی وہ اپنی مخلوق سے غافل اور بے خبر ہو بلکہ ہر شخص کے اعمال پر وہ حاضر ہر شخص کے احوال پر وہ ناظر دل کے ہر خطرے سے وہ واقف مخلوق کا کوئی ذرہ بھی اس کی حفاظت اور علم سے کبھی باہر نہیں یہی پوری "قیومیت" ہے۔ اولیٰ غفلت نیند اور بے خبری سے اس کی ذات مکمل پاک ہے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ کھڑے ہو کر صحابہ کرام کو چار باتیں بتائیں فرمایا اللہ تبارک و تعالیٰ سوتا نہیں نہ نیند اس کی ذات کے لائق ہے وہ ترازو کا حافظ ہے جس کے لئے چاہے جھکا دے جس کے لئے چاہے نہ جھکائے۔ دن کے اعمال رات سے پہلے اور رات کے اعمال دن سے پہلے اس کی طرف لے جائے جاتے ہیں اس کے سامنے نور یا آگ کے پردے ہیں اگر وہ ہٹ جائیں تو اس کے چہرے کی تجلیاں ان تمام چیزوں کو جلا دیں جن تک اس کی نگاہ پہنچے۔

عبدالرزاق میں حضرت عکرمہؓ سے روایت ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرشتوں سے پوچھا کہ کیا اللہ تعالیٰ سوتا بھی ہے تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی طرف وحی بھیجی کہ حضرت موسیٰ کو تین راتوں تک بیدار رکھیں انہوں نے یہی کیا۔ تین راتوں تک سوئے نہ دیا اس کے بعد دو بوتلیں ان کے ہاتھوں میں دے دی گئیں اور کہہ دیا گیا کہ انہیں تھامے رہو خبردار یہ گرنے اور ٹوٹنے نہ پائیں آپ نے انہیں تھام لیا لیکن جاگے ہوئے تھے نیند کا غلبہ ہوا اولیٰ گئے لگی آکھ بند ہو جاتی لیکن پھر ہوشیار ہو جاتے مگر کب تک آخر ایک مرتبہ ایسا جھکولا آیا کہ بوتلیں ٹوٹ گئیں گویا انہیں بتایا گیا کہ جب ایک اونگھنے اور سونے والا دو بوتلوں کو نہیں سنبھال سکتا تو اللہ تعالیٰ اگر اونگھے یا سونے تو زمین و آسمان کی حفاظت کس طرح ہو سکے۔ لیکن یہ بنی اسرائیل کی بات ہے اور کچھ دل کو گتی بھی نہیں اس لئے کہ یہ ناممکن ہے کہ موسیٰ علیہ السلام جیسے جلیل القدر عارف باللہ اللہ جل شانہ کی اس صفت سے ناواقف ہوں اور انہیں اس میں تردد ہو کہ اللہ ذوالجلال والا کرام کا گتا ہی رہتا ہے یا سو بھی جاتا ہے اور اس سے بھی بہت زیادہ غرابت والی وہ حدیث ہے جو ابن جریر میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس واقعہ کو منبر پر بیان فرمایا۔ یہ حدیث بہت ہی غریب ہے اور بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اس کا فرمان جو بغیر ہونا عا بت نہیں بلکہ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ سے یہ سوال کیا تھا اور پھر آپ کو بتلیں پکڑوائی گئیں اور وہ بوجہ نیند کے نہ سنبھال سکے اور حضور پر یہ آیت نازل ہوئی۔

آسمان وزمین کی تمام چیزیں اس کی غلامی میں اور اس کی ماتحتی میں اور اس کی سلطنت میں ہیں جیسے فرمایا اِنْ كُلُّ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّا لِحٰجِیِّ رَبِّہِ یعنی زمین و آسمان کی کل چیزیں رحمن کی غلامی میں حاضر ہونے والی ہیں ان سب کو رب العالمین نے ایک ایک کر کے گن رکھا ہے ساری مخلوق تنہا تنہا اس کے پاس حاضر ہوگی کوئی نہیں جو اس کی اجازت کے بغیر اس کے سامنے سفارش یا شفاعت کر سکے جیسے ارشاد ہے وَكَمْ مِنْ مَّلَکٍ فِی السَّمٰوٰتِ اِلَّا یَسْمَعُ اِلَّا بِاِذْنِ رَبِّہِ یعنی آسمانوں میں بہت سے فرشتے ہیں لیکن ان کی شفاعت بھی کچھ فائدہ نہیں دے سکتی۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مشاء اور مرضی سے ہو۔ اور جگہ ہے وَلَا یَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنْ اَرٰضٰی کسی کی وہ شفاعت نہیں کرتے

مگر اس کی جس سے اللہ خوش ہو۔ پس یہاں بھی اللہ تعالیٰ کی عظمت اس کا جلال اور اس کی کبریائی بیان ہو رہی ہے کہ بغیر اس کی اجازت اور رضامندی کے کسی کی جرات نہیں کہ اس کے سامنے کسی کی سفارش میں زبان کھولے حدیث شفاعت میں بھی ہے کہ میں اللہ کے عرش کے نیچے جاؤں گا اور جہنم میں گر پڑوں گا اللہ تعالیٰ مجھے جہنم میں ہی چھوڑ دے گا جب تک چاہے پھر کہا جائے گا کہ اپنا سر اٹھاؤ کہو سنا جائے گا شفاعت کرو منظور کی جائے گی آپ فرماتے ہیں پھر میرے لئے حد مقرر کر دی جائے گی اور میں انہیں جنت میں لے جاؤں گا۔ وہ اللہ تمام گزشتہ موجودہ اور آئندہ کا عالم ہے اس کا علم تمام مخلوق کا احاطہ کئے ہوئے ہے جیسے اور جگہ فرشتوں کا قول ہے کہ مَا نَنْتَزِلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ اَلْحَمْدُ لِرَبِّكَ تَعَالٰی ہم تیرے رب کے حکم کے بغیر اتر نہیں سکتے۔ ہمارے آگے پیچھے اور سامنے کی سب چیزیں اس کی ملکیت ہیں اور تیرا رب بھول چوک سے پاک ہے۔

کرسی سے مراد حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے علم منقول ہے دوسرے بزرگوں سے دونوں پاؤں رکھنے کی جگہ منقول ہے ایک مرفوع حدیث میں بھی یہی مروی ہے اور یہ بھی ہے کہ اس کا اندازہ بجز ذات باری تعالیٰ کے اور کسی کو معلوم نہیں خود ابن عباسؓ سے بھی یہی مروی ہے حضرت ابو ہریرہؓ سے بھی مرفوعاً یہی مروی ہے لیکن رفع ثابت نہیں ابواملکؓ فرماتے ہیں کہ عرش کے نیچے ہے سداً کہتے ہیں آسمان و زمین کرسی کے جوف میں اور کرسی عرش کے سامنے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں ساتوں زمینیں اور ساتوں آسمان اگر پھیلا دیئے جائیں اور سب کو ملا کر بیٹھا کر دیا جائے تو بھی کرسی کے مقابلہ میں ایسے ہوں گے جیسے ایک حلقہ کسی چٹیل میدان میں۔ ابن جریر کی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ ساتوں آسمان کرسی میں ایسے ہی ہیں جیسے سات درہم ڈھال میں اور حدیث میں ہے کرسی عرش کے مقابلہ میں ایسی ہے جیسے ایک لوہے کا حلقہ چٹیل میدان میں ابوذر غفاریؓ نے ایک مرتبہ کرسی کے بارے میں سوال کیا تو حضورؐ نے قسم کھا کر یہی فرمایا اور فرمایا کہ پھر عرش کی فضیلت کرسی پر بھی ایسی ہی ہے ایک عورت نے آ کر حضورؐ سے درخواست کی کہ میرے لئے دعا کیجئے کہ اللہ مجھے جنت میں لے جائے آپؐ نے اللہ تعالیٰ کی عظمت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اس کی کرسی نے آسمان و زمین کو گھیر رکھا ہے مگر جس طرح نیا پالان چرچراتا ہے وہ کرسی عظمت پروردگار سے چرچرا رہی ہے۔ گو یہ حدیث بہت سی سندوں سے بہت سی کتابوں میں مروی ہے لیکن کسی سند میں کوئی راوی غیر مشہور ہے کسی میں ارسال ہے کوئی موقوف ہے۔ کسی میں بہت کچھ غریب زیادتی ہے کسی میں حذف ہے اور ان میں سب سے زیادہ غریب حضرت جبیرؓ والی حدیث ہے جو ابوداؤد میں مروی ہے۔ اور وہ روایات بھی ہیں جن میں قیامت کے روز کرسی کا فیصلوں کے لئے رکھا جانا مروی ہے ظاہر یہ ہے کہ اس آیت میں یہ ذکر نہیں واللہ اعلم۔ مسلمانوں کے ہیئت داں مشکمین کہتے ہیں کہ کرسی آٹھواں آسمان ہے جسے فلک ثوابت کہتے ہیں اور جس پر نواں آسمان ہے اور جسے فلک اشیر کہتے ہیں اور اطلس بھی لیکن دوسرے لوگوں نے اس کی تردید کی ہے۔ حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ کرسی ہی عرش ہے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ کرسی اور ہے اور عرش اور ہے جو اس سے بہت بڑا ہے جیسے کہ آثار احادیث میں وارد ہوا ہے۔ علامہ ابن جریرؒ تو اس بارے میں حضرت عمرؓ والی روایت پر اعتماد کئے ہوئے ہیں لیکن میرے نزدیک اس کی صحت میں کلام ہے واللہ اعلم۔

پھر فرمایا کہ اللہ پران کی حفاظت بوجہل اور گراں نہیں بلکہ سہل اور آسان ہے۔ وہ ساری مخلوق کے اعمال پر خبردار تمام چیزوں پر نگہبان کوئی چیز اس سے پوشیدہ اور انجان نہیں تمام مخلوق اس کے سامنے حقیر متواضع ذلیل پست محتاج اور فقیر وہ غنی وہ حمید وہ جو کچھ چاہے کر گزرنے والا کوئی اس پر حاکم نہیں۔ باز پرس کرنے والا نہیں ہر چیز پر وہ غالب ہر چیز کا حافظ اور مالک وہ علو بلندی اور رفعت والا وہ عظمت بڑائی اور کبریائی والا اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں نہ اس کے سوا کوئی خبر گیری کرنے والا پالنے پوسنے والا وہ کبریائی والا اور فخر والا ہے اسی لئے فرمایا وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ بلندی اور عظمت والا وہی ہے۔ یہ آیتیں اور ان جیسی اور آیتیں اور صحیح حدیثیں جتنی کچھ ذات و

صفات باری میں وارد ہوئی ہیں ان سب پر ایمان لانا بغیر کیفیت معلوم کئے اور بغیر تشبیہ دیئے جن الفاظ میں وہ وارد ہوئی ہیں ضروری ہے اور یہی طریقہ ہمارے سلف صالحین رضوان اللہ علیہم اجمعین کا تھا۔

لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّينِ ۚ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَكْفُرْ
بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدْ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ
لَا انفصامَ لَهَا ۚ وَاللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝

دین کے بارے میں کوئی زبردستی نہیں سیدی راہ نیرمی راہ سے ممتاز اور روشنی ہو چکی جو شخص اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے معبودوں سے انکار کرے اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے ہیں اس نے مضبوط کڑے کو تھام لیا جو کبھی نہ ٹوٹے گا اور اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے ○

جبر اور دعوت اسلام: ☆☆ (آیت ۲۵۶) یہاں یہ بیان ہو رہا ہے کہ کسی کو جبر اسلام میں داخل نہ کرو اسلام کی حقانیت واضح اور روشن ہو چکی اس کے دلائل و براہین بیان ہو چکے ہیں۔ پھر کسی پر جبر اور زبردستی کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ جسے اللہ رب العزت ہدایت دے گا جس کا سینہ کھلا ہوا دل روشن اور آنکھیں بینا ہوں گی وہ تو خود بخود اس کا والا و شیدا ہو جائے گا ہاں اندھے دل والے بہرے کانوں والے پھوٹی آنکھوں والے اس سے دور رہیں گے۔ پھر انہیں اگر جبر اسلام میں داخل بھی کیا تو کیا فائدہ۔ کسی پر اسلام کے قبول کرانے کے لئے جبر اور زبردستی نہ کرو۔ اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ مدینہ کی مشرک عورتیں جب انہیں اولاد نہ ہوتی تھی تو نذر مانتی تھیں کہ اگر ہمارے ہاں اولاد ہوئی تو ہم اسے یہود بنادیں گے یہودیوں کے سپرد کر دیں گے اسی طرح ان کے بہت سے بچے یہودیوں کے پاس تھے۔ جب یہ لوگ مسلمان ہوئے اور اللہ کے دین کے انصار بنے یہودیوں سے جنگ ہوئی اور ان کی اندرونی سازشوں اور فریب کاریوں سے نجات پانے کے لئے سرورِ رسل علیہ السلام نے یہ حکم فرمایا کہ بنی نضیر کے یہودیوں کو جلا وطن کر دیا جائے اس وقت انصار یوں نے اپنے بچے جو ان کے پاس تھے ان سے طلب کئے تاکہ انہیں اپنے اثر سے مسلمان بنالیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ جبر اور زبردستی نہ کرو۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ انصار کے قبیلے بنو سالم بن عوف کا ایک شخص حسینی نامی تھا جس کے دو لڑکے نصرانی تھے اور خود مسلمان تھا۔ اس نے نبی ﷺ کی خدمت میں ایک بار عرض کیا کہ مجھے اجازت دی جائے کہ میں ان لڑکوں کو جبراً مسلمان بنالوں۔ ویسے تو وہ عیسائیت سے ہٹتے نہیں اس پر یہ آیت اتری اور ممانعت کر دی۔ اور روایت میں اتنی زیادتی بھی ہے کہ نصرانیوں کا ایک قافلہ ملک شام سے تجارت کے لئے کشمش لے کر آیا تھا جن کے ہاتھوں پر دونوں لڑکے نصرانی ہو گئے تھے جب وہ قافلہ جانے لگا تو یہ بھی جانے پر تیار ہو گئے۔ ان کے باپ نے حضورؐ سے یہ ذکر کیا اور کہا اگر آپ اجازت دیں تو میں انہیں اسلام لانے کے لئے کچھ تکلیف دوں اور جبراً مسلمان بنالوں ورنہ پھر آپ کو انہیں واپس لانے کے لئے اپنے آدمی بھیجنے پڑیں گے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ حضرت عمرؓ کا غلام اسبق نصرانی تھا۔ آپؐ اس پر اسلام پیش کرتے وہ انکار کرتا آپؐ کہہ دیتے کہ خیر تیری مرضی۔ اسلام جبر سے روکتا ہے علماء کی ایک بڑی جماعت کا یہ خیال ہے کہ یہ آیت ان اہل کتاب کے حق میں ہے جو فتح و تبدیلِ توراۃ و انجیل سے پہلے دینِ مسیحی اختیار کر چکے تھے اور اب وہ جزیہ پر رضامند ہو جائیں بعض اور کہتے ہیں آیت قتال نے اسے منسوخ کر دیا۔ تمام انسانوں کو اس پاک دین کی دعوت دینا ضروری ہے اگر کوئی انکار کرے تو بے شک مسلمان اس سے جہاد کریں گے جیسے اور جگہ ہے سَتُدْعَوْنَ اِلٰی قَوْمٍ اَلْعَنَقَرِیْبِ تمہیں اس قوم کی طرف بلایا جائے گا جو بڑی لڑاکا ہے۔ یا تو تم اس

سے لڑو گے یا وہ اسلام لائیں گے۔ اور جگہ ہے اے نبی کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو اور ان سختی کر، اور جگہ ہے ایماندارو اپنے آس پاس کے کفار سے جہاد کرو تم میں وہ گھر جائیں اور یقین رکھو کہ اللہ متقیوں کے ساتھ ہے۔ صحیح حدیث میں ہے تیرے رب کو ان لوگوں پر تعجب آتا ہے جو غیروں میں جکڑے ہوئے جنت کی طرف کھینچے جاتے ہیں یعنی وہ کفار جو میدان جنگ سے قیدی ہو کر طوق و سلاسل پہنا کر یہاں لائے جاتے ہیں پھر وہ اسلام قبول کر لیتے ہیں اور ان کا ظاہر باطن اچھا ہو جاتا ہے اور وہ جنت کے لائق بن جاتے ہیں۔

مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ ایک شخص سے حضورؐ نے کہا، مسلمان ہو جا۔ اس نے کہا، حضرت میرا دل نہیں مانتا، آپؐ نے فرمایا گو دل نہ چاہتا ہو۔ یہ حدیث مٹائی ہے یعنی آنحضرتؐ تک اس میں صرف تین راوی ہیں لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ آپؐ نے اسے مجبور کیا۔ مطلب یہ ہے کہ تو کلمہ تو پڑھ لے پھر ایک دن وہ بھی آئے گا اللہ تیرے دل کو کھول دے اور تو دل سے بھی اسلام کا دلدادہ ہو جائے۔ حسن نیت اور اخلاص عمل تجھے نصیب ہو، جو شخص بت اور اوٹان اور مجبودان باطل اور شیطانی کلام کی قبولیت کو چھوڑ دے اللہ تبارک و تعالیٰ حید کا اقراری اور عامل بن جائے وہ سیدمی اور صحیح راہ پر ہے، حضرت عمر فاروقؓ فرماتے ہیں جنت سے مراد جادو ہے اور طاغوت سے مراد شیطان ہے دلیری اور نامردی دونوں اونٹ کے دونوں طرف کے برابر کے بوجھ ہیں جو لوگوں میں ہوتے ہیں۔ ایک دلیر آدمی تو انجان شخص کی حمایت میں بھی جان دینے پر تزل جاتا ہے لیکن ایک بزدل اور ڈرپوک اپنی سگی ماں کی خاطر بھی قدم آگے نہیں بڑھاتا۔ انسان کا حقیقی کرم اس کا دین ہے۔ انسان کا سچا حسن نسب و خلق ہے۔ گودہ فارسی ہو یا ہنسی۔ حضرت عمرؓ کا طاغوت کو شیطان کے معنی میں لینا بہت ہی اچھا ہے اس لئے کہ یہ ہر اس برائی کو شامل ہے جو اہل جاہلیت میں تہمت کی پوجا کرنا، ان کی طرف حاجتیں لے جانا، ان سے سختی کے وقت طلب امداد کرنا وغیرہ۔

پھر فرمایا، اس شخص نے مضبوط کڑا تھام لیا، یعنی دین کے اعلیٰ اور قوی سبب کو لے لیا جو نہ ٹوٹے نہ پھوٹے، خوب مضبوط، مستحکم قوی اور گڑا ہوا، عروہ دھنی سے مراد ایمان، اسلام، توحید باری، قرآن اور اللہ کی راہ کی محبت اور اسی کے لئے دشمنی کرنا ہے۔ یہ کڑا کبھی نہ ٹوٹے گا یعنی اس کے جنت میں پہنچنے تک۔ اور جگہ ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی يُغَيِّرُوْا اَمَّا بِاَنْفُسِهِمْ اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت نہیں بگاڑتا جب تک خود وہ اپنی حالت نہ بگاڑ لے۔ مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے، حضرت قیس بن عبادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں مسجد نبویؐ میں تھا تو ایک شخص آیا جس کا چہرہ اللہ سے خائف تھا نماز کی دوہلی رکعتیں اس نے ادا کیں، لوگ انہیں دیکھ کر کہنے لگے یہ جنتی ہے۔ جب وہ باہر نکلے تو میں بھی ان کے پیچھے گیا باتیں کرنے لگا جب وہ متوجہ ہوئے تو میں نے کہا جب آپ تشریف لائے تھے تب لوگوں نے آپ کی نسبت یوں کہا تھا تو آپ نے کہا، سبحان اللہ کسی کو وہ نہ کہنا چاہئے جس کا علم اسے نہ ہو، ہاں البتہ اتنی بات تو ہے کہ میں نے حضورؐ کی موجودگی میں ایک خواب دیکھا تھا کہ گویا میں ایک لہلہاتے ہوئے سرسبز گلشن میں ہوں، اس کے درمیان ایک لوہے کا ستون ہے جو زمین سے آسمان تک چلا گیا ہے اس کی چوٹی پر ایک کڑا ہے، مجھ سے کہا گیا کہ اس پر چڑھ جاؤ۔ میں نے کہا، میں تو نہیں چڑھ سکتا۔ چنانچہ ایک شخص نے مجھے تھا ما اور میں با آسانی چڑھ گیا اور اس کڑے کو تھام لیا اس نے کہا۔ دیکھو مضبوط پکڑے رکھنا، بس اسی حالت میں میری آنکھ کھل گئی کہ وہ کڑا میرے ہاتھ میں تھا، میں نے حضورؐ سے اپنا خواب بیان کیا تو آپؐ نے فرمایا گلشن باغ اسلام ہے اور ستون ستون دین ہے اور کڑا عروہ دھنی ہے تو مرتے دم تک اسلام پر قائم رہے گا۔ یہ شخص حضرت عبداللہ بن سلام ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ یہ حدیث بخاری و مسلم دونوں میں مروی ہے۔

مسند کی اسی حدیث میں ہے کہ اس وقت آپؐ بوڑھے تھے اور لکڑی پر ٹیک لگائے ہوئے مسجد نبویؐ میں آئے تھے اور ایک ستون کے پیچھے نماز پڑھتی تھی اور سوال کے جواب میں فرمایا تھا کہ جنت اللہ کی چیز ہے جسے چاہے اس میں لے جائے۔ خواب کے ذکر میں فرمایا کہ ایک

فخص آیا مجھے لے کر چلا۔ جب ہم ایک لمبے چوڑے صاف شفاف میدان میں پہنچے تو میں نے بائیں طرف جانا چاہا تو اس نے کہا تو ایسا نہیں میں دائیں جانب چلنے لگا تو اچانک ایک پھسلنا پہاڑ نظر آیا۔ اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر اوپر چڑھالیا اور میں اس کی چوٹی تک پہنچ گیا۔ وہاں میں نے ایک اونچا ستون لوہے کا دیکھا جس کے سرے پر ایک سونے کا کڑا تھا۔ مجھے اس نے اس ستون پر چڑھادیا یہاں تک کہ میں نے اس کڑے کو تھام لیا۔ اس نے پوچھا خوب مضبوط تھام لیا ہے، میں نے کہا ہاں اس نے زور سے ستون پر اپنا پاؤں مارا وہ نکل گیا اور کڑا میرے ہاتھ میں رہ گیا، جب یہ خواب حضور کو میں نے سنایا تو آپ نے فرمایا بہت نیک خواب ہے، میدان میدان حشر ہے، بائیں طرف کا راستہ جہنم کا راستہ ہے تو ان لوگوں میں نہیں دائیں جانب کا راستہ جنتیوں کی راہ ہے، پھسلنا پہاڑ شہداء کی منزل ہے، کڑا اسلام کا کڑا ہے، مرتے دم تک اسے مضبوط تھام رکھو، اس کے بعد حضرت عبداللہ نے فرمایا، امید تو مجھے یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے جنت میں لے جائے گا۔

اللَّهُ وَلِیُّ الَّذِینَ آمَنُوا یُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَالَّذِینَ كَفَرُوا أَوْلِیٰهُمُ الطَّاغُوتُ یُخْرِجُونَهُم مِّنَ النُّورِ إِلَى الظُّلُمَاتِ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۸۵﴾

ایمان والوں کا کارساز اللہ تعالیٰ خود ہے وہ انہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف لے جاتا ہے اور کافروں کے اولیاء شیاطین ہیں وہ انہیں روشنی سے نکال کر اندھیروں کی طرف لے جاتے ہیں یہ لوگ جہنمی ہیں جو ہمیشہ اسی میں پڑے رہیں گے ○

اندھیرے سے اجالے تک: ☆☆ (آیت: ۲۵۷) اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ اس کی رضامندی کے طلب گار کو وہ سلامتی کی رہنمائی کرتا ہے اور کفر و شک کے اندھیروں سے نکال کر نور حق کی صاف روشنی میں لاکھڑا کرتا ہے، کفار کے ولی شیاطین ہیں جو جہالت و ضلالت کو کفر و شرک کو مزین کر کے انہیں ایمان سے اور توحید سے روکتے ہیں اور یوں نور حق سے ہٹا کر ناحق کے اندھیروں میں جھونک دیتے ہیں، یہی کافر ہیں اور یہ ہمیشہ دوزخ میں ہی پڑے رہیں گے۔

لفظ نور کو واحد لانا اور ظلمات کو جمع لانا اس لئے ہے کہ حق اور ایمان اور سچا راستہ ایک ہی ہے اور کفر کی کئی قسمیں ہیں، کافروں کی بہت سی شاخیں ہیں جو سب کی سب باطل اور ناحق ہیں جیسے اور جگہ ہے وَأَنَّ هَذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ الخ میری سیدھی راہ یہی ہے تم اسی کی تابعداری کرو۔ اور راستوں پر نہ چلو ورنہ اس راہ سے بھٹک جاؤ گے۔ یہ وصیت تمہیں تمہارے بچاؤ کے لئے کر دی۔ اور جگہ ہے وَجَعَلَ الظُّلُمَاتِ وَالنُّورَ اور بھی اس قسم کی بہت سی آیتیں ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حق ایک ہی ہے اور باطل میں تفرق و انتشار ہے، حضرت ایوب بن خالد فرماتے ہیں اہل ہوا یا اہل فتنہ کھڑے کئے جائیں گے، جس کی چاہت صرف ایمان ہی کی ہو وہ تو روشن صاف اور نورانی ہوگا اور جس کی خواہش کفر کی ہو وہ سیاہ اور اندھیروں والا ہوگا۔ پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِی حَاجَّ إِبْرٰہِمَ فِی رَبِّہٖ أَنْ اِنَّہُ اللّٰهُ الْمَلِکَ اِذْ قَالَ اِبْرٰہِمُ رَبِّیَ الَّذِی یُحٰی وَیُمِیتُ قَالَ اَنَا اَحٰی وَامِیتُ قَالَ اِبْرٰہِمُ فَاِنَّ اللّٰہَ یَاْتِی بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاَتِ بِہَا مِنْ

الْمَغْرِبِ فِيهِتَ الَّذِي كَفَرُوا وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ٥٨

کیا تو نے اسے نہیں دیکھا جو سلطنت پا کر ابراہیم سے اس کے رب کے بارے میں جھگڑ رہا تھا۔ جب ابراہیم نے کہا کہ میرا رب تو وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔ وہ کہنے لگا میں زندہ کرتا اور مارتا ہوں ابراہیم نے کہا اللہ تعالیٰ سورج کو مشرق کی طرف سے لے آتا ہے تو اسے مغرب کی جانب سے لے آ، اب تو وہ کافر حیران رہ گیا اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا ○

ابراہیم علیہ السلام اور نمرود کا سامنا: ☆☆ (آیت: ۲۵۸) اس بادشاہ کا نام نمرود بن کنعان بن سام بن نوح تھا۔ اس کا پایہ تخت بابل تھا۔ اس کے نسب نامہ میں کچھ اختلاف بھی ہے، حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں دنیا کی مشرق مغرب کی سلطنت رکھنے والے چار ہوئے ہیں جن میں سے دو مومن ہیں اور دو کافر، حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام اور حضرت ذوالقرنین اور کافروں میں نمرود اور بخت نصر فرمان ہوتا ہے کہ اے نبی تم نے اسے نہیں دیکھا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے وجود باری تعالیٰ میں مباحثہ کرنے لگا۔ یہ شخص خود اللہ ہونے کا مدعی تھا۔ جیسے اس کے بعد فرعون نے بھی اپنے والوں میں دعویٰ کیا تھا کہ میں اپنے سوا کسی کو تمہارا رب نہیں جانتا چونکہ ایک مدت مدید اور عرصہ بعید سے یہ بادشاہ چلا آتا تھا۔ اس لئے داغ میں رعوت اور انا نیت آ گئی تھی۔ سرکشی اور تکبر، نخوت اور غرور طبیعت میں سما گیا تھا، بعض لوگ کہتے ہیں چار سو سال تک حکومت کرتا رہا تھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام سے جب اس نے وجود باری تعالیٰ پر دلیل مانگی تو آپ نے نیست سے ہست اور ہست سے نیست کرنے کی دلیل دی جو ایک بدیہی اور مثل آفتاب روشن دلیل تھی کہ موجودات کا پہلے کچھ نہ ہونا، پھر ہونا، پھر مٹ جانا کھلی دلیل ہے، موجود اور پیدا کرنے والے کے موجود ہونے کی اور وہی اللہ ہے، نمرود نے جوابا کہا کہ یہ تو میں بھی کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر دو شخصوں کو اس نے بلوایا جو واجب القتل تھے۔ ایک کو قتل کر دیا اور دوسرے کو رہا کر دیا۔ دراصل یہ جواب اور یہ دعویٰ کس قدر لچر اور بے معنی ہے۔ اس کے بیان کی بھی ضرورت نہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تو صفات باری میں سے ایک صفت پیدا کرنا اور پھر نیست کر دینا بیان کی تھی اور اس نے نہ تو انہیں پیدا کیا نہ ان کی یا اپنی موت، حیات پر اسے قدرت، لیکن جہلا کو بھڑکانے کے لئے اور اپنی علیت جتانے کے لئے باوجود اپنی غلطی اور مباحثہ کے اصول سے طریقہ فرار کو جانتے ہوئے صرف ایک بات بنالی۔

ابراہیم علیہ السلام بھی اس کو سمجھ گئے اور آپ نے اس کندیہن کے سامنے ایسی دلیل پیش کر دی کہ صورتاً بھی اس کی مشابہت نہ کر سکے، چنانچہ فرمایا کہ جب تو پیدائش اور موت تک کا اختیار رکھتا ہے تو مخلوق پر تصرف تیرا پورا ہونا چاہئے، میرے اللہ نے تو یہ تصرف کیا کہ سورج کو حکم دے دیا ہے کہ وہ مشرق کی طرف سے نکلا کرے چنانچہ وہ نکل رہا ہے اب تو اسے حکم دے کہ وہ مغرب کی طرف سے نکلے۔ اس کا کوئی ظاہری ثبوت نہ ہونا جواب بھی اس سے نہ بن پڑا اور بے زبان ہو کر اپنی عاجزی کا معترف ہو گیا اور اللہ کی حجت اس پر پوری ہو گئی لیکن چونکہ ہدایت نصیب نہ تھی، راہ یافتہ نہ ہوسکا ایسے بد وضع لوگوں کو اللہ کوئی دلیل نہیں سمجھتا اور وہ حق کے مقابلے میں بخلیں جھانکتے ہی نظر آتے ہیں۔ ان پر اللہ کا غضب و غصہ اور ناراضگی ہوتی ہے اور اس کے لئے اس جہان میں بھی سخت عذاب ہوتے ہیں۔

بعض منطقیوں نے کہا ہے کہ حضرت خلیل اللہ نے یہاں ایک واضح دلیل کے بعد دوسری اس سے بھی زیادہ واضح دلیل پیش کر دی لیکن درحقیقت یوں نہیں بلکہ پہلی دلیل دوسری دلیل کا مقدمہ تھی اور ان دونوں میں سے نمرود کے دعویٰ کا بطلان بالکل واضح ہو گیا اصل دلیل پیدائش و موت ہی ہے چونکہ اس کا دعویٰ اس نا سمجھ مشت خاک نے بھی کیا تو لازم تھا کہ جو بنانے بگاڑنے پر نہ صرف قادر ہو بلکہ بنانا بگاڑنا بھی خالق ہو، اس کی ملکیت پوری طرح اسی کے قبضہ میں ہونی چاہئے اور جس طرح موت و حیات کے احکام اس کے جاری ہو جاتے ہیں اسی طرح دوسرے احکام بھی جاری ہو جائیں، پھر کیا وجہ کہ سورج جو کہ ایک مخلوق ہے اس کی فرمانبرداری اور اطاعت

گزاری نہ کرے اور اس کے کہنے سے مشرق کی بجائے مغرب سے نہ نکلے؟ پس ابراہیم علیہ السلام نے اس پر اس مباحثہ میں کھلا غلبہ پایا اور اسے بالکل لاجواب کر دیا۔ فالحمد للہ۔

حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ مناظرہ حضرت ابراہیمؑ کے آگ سے نکل آنے کے بعد ہوا تھا اس سے پہلے آپ کی اس خالم بادشاہ سے کوئی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ زید بن اسلم کا قول ہے کہ قحط سالی تھی۔ لوگ نمرود کے پاس جاتے تھے اور غلہ لے آتے تھے حضرت غلیل اللہ علیہ السلام بھی گئے وہاں یہ مناظرہ ہو گیا بد بخت نے آپ کو غلہ نہ دیا۔ آپ خالی ہاتھ واپس آ گئے۔ گھر کے قریب پہنچ کر آپ نے دونوں بوریوں میں ریت بھر لی کہ گھروالے سمجھیں کچھ لے آئے گھر آتے ہی بوریاں رکھ کر سو گئے۔ آپ کی بیوی صاحبہ حضرت سارہ انھیں بوریوں کو کھولا تو دیکھا کہ عمدہ اناج سے دونوں پر ہیں کھانا پکا کر تیار کیا۔ آپ کی بھی آنکھ کھلی۔ دیکھا کہ کھانا تیار ہے۔ پوچھا اناج کہاں سے آیا کہا دو بوریاں جو آپ بھر کر لائے ہیں انہی میں سے یہ اناج نکالا تھا۔ آپ سمجھ گئے کہ یہ اللہ جل شانہ کی طرف سے برکت اور اس کی رحمت ہے۔ اس ناہنجار بادشاہ کے پاس اللہ نے ایک فرشتہ بھیجا۔ اس نے آ کر اسے توحید کی دعوت دی لیکن اس نے قبول نہ کی دوبارہ دعوت دی لیکن انکار کیا تیسری مرتبہ اللہ کی طرف بلایا لیکن پھر بھی یہ منکر ہی رہا اس بار بار کے انکار کے بعد فرشتے نے اس سے کہا اچھا تو اپنا لشکر تیار کر میں بھی اپنا لشکر لے آتا ہوں نمرود نے بڑا بھاری لشکر تیار کیا اور زبردست فوج کو لے کر سورج نکلنے کے وقت میدان میں آؤنا اصر اللہ تعالیٰ نے مجھروں کا ایک دروازہ کھول دیا بڑے بڑے مجھروں کی کثرت سے آئے کہ لوگوں کو سورج بھی نظر نہ آتا تھا اللہ کی یہ فوج نمرود یوں پر گری اور تھوڑی دیر میں ان کا خون تو کیا ان کا گوشت پوست سب کھا پی گئی اور سارے کے سارے یہیں ہلاک ہو گئے ہڈیوں کا ڈھانچہ باقی رہ گیا انہی مجھروں میں سے ایک نمرود کے نتھنے میں گھس گیا اور چار سو سال تک اس کا دماغ چاٹتا رہا ایسے عذاب میں وہ رہا کہ اس سے موت ہزاروں درجے بہتر تھی اپنا سردیواروں اور پتھروں پر مارتا پھرتا تھا ہتھوڑوں سے کچلواتا تھا یونہی ریک ریک کر بد نصیب نے ہلاکت پائی۔ اعاذنا اللہ

اَوْ كَاٰلِذِي مَرَّةٍ عَلَىٰ قَرْيَةٍ وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا قَالَ
اٰنِي يُحْيِي هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةً عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ
قَالَ كَمْ لَبِثْتَ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ قَالَ بَلْ لَبِثْتَ
مِائَةً عَامٍ فَانْظُرْ اِلَى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ وَاَنْظُرْ اِلَى
حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ اٰيَةً لِلنَّاسِ وَاَنْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا
ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى
كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

یابندگان فصیح کے جس کا گزر اس ہستی پر ہوا جو منہ کے بل اوندھی بڑی ہوتی تھی کہنے لگا اسے اس کی موت کے بعد اللہ تعالیٰ کس طرح زندہ کرے گا؟ اللہ تعالیٰ نے اسے مار دیا سو سال کے بعد اسے اٹھایا پوچھا کتنی مدت تجھ پر گزری؟ کہنے لگا ایک دن یا دن کا کچھ حصہ فرمایا بلکہ تو سو سال تک رہا اب تو اپنے کھانے پینے کو دیکھ کہ

بالکل خراب نہیں ہوا اور اپنے گدھے کو بھی دیکھ، ہم تجھے لوگوں کے لئے ایک نشانی بناتے ہیں تو دیکھ کہ ہڈیوں کو ہم کس طرح اٹھا بٹھاتے ہیں پھر ان پر گوشت چڑھاتے ہیں جب یہ سب اس پر ظاہر ہو چکا تو کہنے لگائیں جانتا ہوں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے ○

سوسال بعد: ☆ ☆ (آیت: ۲۵۹) اور جو واقعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مباحثہ کا گزرا اس پر اس کا عطف ہے یہ گزرنے والے یا تو حضرت عزیر علیہ السلام تھے جیسا کہ مشہور ہے یا ارمیا بن خلقیہ تھے اور یہ نام حضرت خضر کا ہے یا خرقیل بن یوار تھے یا بنی اسرائیل کا ایک شخص تھا۔ یہ بتی بیت المقدس تھی اور یہی قول مشہور ہے۔ بخت نصر نے جب اسے اجازت یہاں کے باشندوں کو تہ تیغ کیا، مکانات گرا دیئے اور اس آباد بستی کو بالکل ویرانہ کر دیا، اس کے بعد یہ بزرگ یہاں سے گزرے انہوں نے دیکھا کہ ساری بستی تہہ و بالا ہو گئی ہے نہ مکان ہیں نہ مکین تو وہاں ٹھہر کر سوچنے لگے کہ بھلا ایسا بڑا پر رونق شہر جو اس طرح اجڑا ہے یہ پھر کیسے آباد ہوگا؟ اللہ تعالیٰ نے خود ان پر موت نازل فرمائی۔ یہ تو اسی حالت میں رہے اور وہاں ستر سال کے بعد بیت المقدس پھر آباد ہو گیا۔ بھاگے ہوئے بنی اسرائیل بھی پھر آ پہنچے اور شہر کھچا کھچ بھر گیا وہی اگلی سی رونق اور چہل پہل ہو گئی اب سوسال کا کل کے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ کیا اور سب سے پہلے روح آنکھوں میں آئی تاکہ اپنا جی اٹھنا خود دیکھ سکیں، جب سارے بدن میں روح پھونک دی گئی تو اللہ تعالیٰ نے فرشتے کے ذریعہ پچھوایا کہ کتنی مدت تک تم مردہ رہے؟ جس کے جواب میں کہا کہ ابھی تو ایک دن بھی پورا نہیں ہوا۔

وجہ یہ ہوئی کہ صبح کے وقت ان کی روح نکلی تھی اور سوسال کے بعد جب جنے ہیں تو شام کا وقت تھا۔ خیال کیا کہ یہ وہی دن ہے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم ایک سوسال کا کل تک مردہ رہے۔ اب ہماری قدرت دیکھو کہ تمہارا تو شہر جتنا جوتہا رہے ساتھ تھا، باوجود سوسال گزر جانے کے بھی ویسا ہی ہے نہ سڑا نہ خراب ہوا ہے یہ تو شہر انور اور انجیر اور عصر تھا نہ تو یہ شہرہ بگڑا تھا نہ انجیر کھٹے ہوئے تھے نہ انور خراب ہوئے تھے بلکہ ٹھیک اپنی اصلی حالت پر تھے اب فرمایا یہ تیرا گدھا جس کی بوسیدہ ہڈیاں تیرے سامنے پڑی ہیں انہیں دیکھ تیرے دیکھتے ہوئے ہم اسے زندہ کرتے ہیں ہم خود تیری ذات کو لوگوں کے لئے دلیل بنانے والے ہیں کہ انہیں قیامت کے دن اپنے دوبارہ جی اٹھنے پر یقین کامل ہو جائے چنانچہ ان کے دیکھتے ہوئے ہڈیاں اٹھیں اور ایک ایک کے ساتھ جڑیں۔

مستدرک حاکم میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت نُنشِرَ ہَا ”ز“ کے ساتھ ہے اور اسے نُنسِشِرَ ہَا ”ز“ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے یعنی زندہ کریں گے مجاہد کی قرأت یہی ہے سدی وغیرہ کہتے ہیں یہ ہڈیاں ان کے دائیں بائیں پھیلی پڑی تھیں اور بوسیدہ ہونے کی وجہ سے ان کی سفیدی چمک رہی تھی ہوا سے یہ سب یکجا جمع ہو گئیں۔ پھر ایک ایک ہڈی اپنی اپنی جگہ جڑ گئی اور ہڈیوں کا پورا ڈھانچہ قائم ہو گیا جس پر گوشت مطلق نہ تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے اسے گوشت رنگیں پٹھے اور کھال پہنادی، پھر فرشتے کو بھیجا جس نے اس کے نچھنے میں پھونک ماری، بس اللہ کے حکم سے اسی وقت زندہ ہو گیا اور آواز نکالنے لگا، ان تمام باتوں کو حضرت عزیرؑ دیکھتے رہے اور قدرت کی یہ ساری کاریگری ان کی آنکھوں کے سامنے ہی ہوئی، جب یہ سب کچھ دیکھ چکے تو کہنے لگے اس بات کا علم تو مجھے تھا ہی کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے لیکن اب میں نے اپنی آنکھوں سے بھی دیکھ لیا تو میں اپنے زمانے کے تمام لوگوں سے زیادہ علم و یقین والا ہوں۔ بعض لوگوں نے اَعْلَمَ کو اِغْلَمَ بھی پڑھا ہے یعنی اللہ مقتدر نے فرمایا کہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر قدرت ہے۔

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ ارْنِي كَيْفَ تُنحِي الْمَوْتِ ۖ قَالَ أَوْ لَمْ تُؤْمِنْ ۖ قَالَ بَلَىٰ وَلَٰكِن لِّيُظْمِنَ قَلْبِي ۖ قَالَ فَخُذْ أَرْبَعَةً مِّنَ

الطَّيْرِ فَصَرُهِنَّ إِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلَى كُلِّ جَبَلٍ مِنْهُنَّ جُزْءًا
ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَأْتِينَكَ سَعْيًا ۖ وَاعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٢٦٠﴾

اور جب ابراہیمؑ نے کہا کہ اے میرے پروردگار مجھے دکھا کہ تو مردوں کو کیسے زندہ کرتا ہے جناب باریؑ نے فرمایا: کیا تمہیں ایمان نہیں؟ جواب دیا ایمان تو ہے؟ لیکن میرے دل کی تسکین ہو جائے گی فرمایا چار پرند لو ان کے کھڑے کر ڈالو پھر ہر پہاڑ پر ان کا ایک ایک ٹکڑا رکھ دو پھر انہیں پکارو تمہارے پاس دوڑتے ہوئے آجائیں گے۔ جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ غالب ہے حکمتوں والا ہے ○

معمرہ حیات و موت: ☆☆ (آیت: ۲۶۰) حضرت ابراہیمؑ کے اس سوال کی بہت سی وجوہات تھیں، ایک تو یہ کہ چونکہ یہی دلیل آپؐ نے نمرود مردود کے سامنے پیش کی تھی تو آپؐ نے چاہا کہ علم الحقین سے عین الحقین حاصل ہو جائے جانتا تو ہوں ہی لیکن دیکھ بھی لوں۔ صحیح بخاری شریف میں اس آیت کے موقعہ کی ایک حدیث ہے جس میں ہے کہ ہم شک کے حقدار بہ نسبت حضرت ابراہیمؑ کے زیادہ ہیں جبکہ انہوں نے کہا رَبِّ اَرِنِي اِلٰحٌ تو اس سے کوئی جاہل یہ نہ سمجھے کہ حضرت خلیل اللہ کو اللہ کی اس صفت میں شک تھا اس حدیث کے بہت سے جواب ہیں جن میں سے ایک یہ ہے۔ (شاید یہ ہوگا کہ ہم خلیل اللہ سے کمزور ایمان والے ہونے کے باوجود خلاق عالم کی اس صفت میں شک نہیں کرتے تو خلیل اللہ کو شک کیوں ہوگا؟ مترجم) اب رب العالمین خالق کل فرماتا ہے کہ چار پرند لے لو، مفسرین کے اس بارے میں کئی قول ہیں کہ کون کون سے پرند حضرت ابراہیمؑ نے لئے تھے۔ لیکن ظاہر ہے کہ اس کا علم ہمیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا اور اس کا نہ جانتا ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچاتا، کوئی کہتا ہے وہ کلنگ اور مور اور مرغ اور کبوتر تھے۔ کوئی کہتا ہے وہ مرغابی اور یسرغ کا بچہ اور مرغ اور مور تھے۔ کوئی کہتا ہے کبوتر مرغ اور مور کو اٹھے۔ پھر انہیں کاٹ کر ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالو۔ حضرت ابن عباسؓ یہی فرماتے ہیں۔

اور روایت میں ہے اپنے پاس رکھ لیا جب مل گئے انہیں ذبح کر دیا پھر ٹکڑے ٹکڑے الگ الگ کر دیئے۔ پس آپؐ نے چار پرند لئے ذبح کر کے ان کے ٹکڑے کیے۔ پھر اکھڑ دیئے اور سارے مختلف ٹکڑے آپس میں ملا دیئے۔ پھر چاروں پہاڑوں پر وہ ٹکڑے رکھ دیئے اور سب پرندوں کے سر اپنے ہاتھ میں رکھے پھر حکم الہ انہیں بلانے لگے جس جانور کو آواز دیتے اس کے بکھرے ہوئے پر ادھر ادھر سے اڑتے اور آپس میں جڑتے۔ اسی طرح خون خون کے ساتھ ملتا اور باقی اجزا بھی جس جس پہاڑ پر ہوتے آپس میں مل جاتے اور پرندہ اڑتا ہوا آپ کے پاس آتا آپ اسے دوسرے پرند کا سر دیتے تو وہ قبول نہ کرتا خود اس کا سر دیتے تو وہ بھی جڑ جاتا یہاں تک کہ ایک ایک کر کے یہ چاروں پرند زندہ ہو کر اڑ گئے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اور مردوں کے زندہ ہونے کا یہ ایمان افروز نظارہ خلیل اللہ نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔

پھر فرماتا ہے کہ جان لے اللہ تعالیٰ غالب ہے کوئی چیز اسے عاجز نہیں کر سکتی جس کا کام کو وہ چاہے بے روک ہو جاتا ہے۔ ہر چیز اس کے قبضے میں ہے وہ اپنے اقوال و افعال میں حکیم ہے۔ اسی طرح اپنے انتظام میں اور شریعت کے مقرر کرنے میں بھی حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ ابراہیم علیہ السلام سے جناب باری کا یہ سوال کرنا کہ کیا تو ایمان نہیں لایا اور حضرت خلیل اللہ کا یہ جواب دینا کہ ہاں ایمان تو ہے لیکن دلی اطمینان چاہتا ہوں یہ آیت مجھے تو اور تمام آیتوں سے زیادہ امید دلانے والی معلوم ہوتی ہے مطلب یہ ہے کہ ایک ایماندار کے دل میں اگر کوئی خطرہ و وسوسہ شیطانی پیدا ہو تو اس پر پکڑ نہیں حضرت عبد اللہ بن عباسؓ اور حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاصؓ کی ملاقات ہوتی ہے تو پوچھتے ہیں کہ قرآن میں سب سے زیادہ امید پیدا کرنے والی آیت کون سی ہے؟ عبد اللہ بن عمرو فرماتے ہیں لَا تَقْنَطُوا اِلٰحٌ وَاٰیٰتِہٖ جَسْمٌ مِّنْ اَرْشَادِہٖ کہ اے میرے گنہگار بندو میری رحمت سے ناامید نہ ہونا۔ میں سب گناہوں کو بخش دیتا ہوں، ابن

عباسؓ نے فرمایا میرے نزدیک تو اس امت کے لئے سب سے زیادہ ڈھارس بندھانے والی آیت حضرت ابراہیم کا یہ قول پھر رب دوعالم کا سوال اور آپ کا جواب ہے (عبدالرزاق وابن ابی حاتم وغیرہ)

مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ
أَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلٍ فِي كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِائَةُ حَبَّةٍ وَاللَّهُ يُضْعِفُ
لِمَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ۝

جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کی مثال اس دانے جیسی ہے جس میں سے سات بائیں نکلیں اور ہر بالی میں سو دانے ہوں اور اللہ جسے چاہے بڑھا
چڑھا کر دے اور اللہ تعالیٰ کسادگی والا اور علم والا ہے ○

سوغنا زیادہ ثواب ☆ ☆ (آیت: ۲۶۱) اس آیت میں بیان ہو رہا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کی طلب میں اپنے مال کو خرچ کرے اسے بڑی برکتیں اور بہت بڑے ثواب ملتے ہیں اور نیکیاں سات سو گنا کر کے دی جاتی ہیں تو فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کی راہ میں یعنی اللہ کی فرماں برداری میں جہاد کے گھوڑوں کو پالنے میں ہتھیار خریدنے میں حج کرنے کرانے میں خرچہ کراتے ہیں۔ اللہ کے نام دیئے ہوئے کی مثال کس پاکیزگی سے بیان ہو رہی ہے جو آنکھوں میں کھب جائے اور دل میں گھر کر جائے ایک دم یوں فرما دینا کہ اس کے بدلے سات سو ملیں گے اس سے بہت زیادہ لطافت اس کلام اور اس مثال میں ہے اور پھر اس میں اشارہ ہے کہ اعمال صالحہ اللہ کے پاس بڑھتے رہتے ہیں جس طرح تمہارے بوئے ہوئے بیج کھیت میں بڑھتے بڑھاتے رہتے ہیں۔ مسند احمد میں حدیث ہے کہ رسول اللہ احمد مجتبیٰ ﷺ فرماتے ہیں جو شخص اپنی بچی ہوئی چیز فی سبیل اللہ دیتا ہے اسے سات سو کا ثواب ملتا ہے اور جو شخص اپنی جان پر اور اپنے اہل و عیال پر خرچ کرے اسے دس گنا ملتا ہے اور بیمار کی عیادت کا ثواب بھی دس گنا ملتا ہے روزہ ڈھال ہے جب تک کہ اسے خراب نہ کرے جس شخص پر کوئی جسمانی بلا مصیبت دکھ درد بیماری آئے وہ اس کے گناہوں کو جھاڑ دیتی ہے یہ حدیث حضرت ابو عبیدہؓ نے اس وقت بیان فرمائی تھی جبکہ آپ سخت بیمار تھے اور لوگ عیادت کے لئے گئے تھے آپ کی بیوی صاحبہ سرہانے بیٹھی تھیں۔ ان سے پوچھا کہ رات کیسی گزری؟ انہوں نے کہا نہایت سختی سے آپ کا منہ اس وقت دیوار کی جانب تھا یہ سنتے ہی لوگوں کی طرف منہ کیا اور فرمایا میری رات سختی کی نہیں گزری اس لئے کہ میں نے حضورؐ سے یہ سنا ہے۔

مسند احمد کی اور حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے نکیل والی اونٹنی خیرات کی آنحضرت ﷺ نے فرمایا یہ قیامت کے دن سات سو نکیل والی اونٹنیاں پائے گا مسند کی ایک اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابن آدم کی ایک نیکی کو دس نیکیوں کے برابر کر دیا ہے اور پھر وہ بڑھتی رہتی ہیں سات سو تک مگر روزہ کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وہ خاص میرے ہی لئے ہے اور میں آپ اس کا اجر و ثواب دوں گا روزے دار کو دو خوشیاں ہیں۔ ایک افطار کے وقت دوسری قیامت کے دن روزے دار کے منہ کی بوا اللہ تعالیٰ کو مشک کی خوشبو سے زیادہ پسند ہے دوسری حدیث میں اتنی زیادتی اور ہے کہ روزے دار اپنے کھانے پینے کو صرف میری وجہ سے چھوڑتا ہے آخر میں ہے روزہ ڈھال ہے روزہ ڈھال ہے۔

مسند کی اور حدیث میں ہے نماز روزہ اللہ کا ذکر ہیں اللہ کی راہ کے خرچ پر سات سو گئے بڑھ جاتے ہیں ابن ابی حاتم کی حدیث

میں ہے کہ جو شخص جہاد میں کچھ مالی مدد دے گو خود نہ جائے تاہم اسے ایک کے بدلے سات سو کے خرچ کرنے کا ثواب ملتا ہے اور خود بھی شریک ہو تو ایک درہم کے بدلے سات لاکھ درہم کے خرچ کا ثواب ملتا ہے۔ پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت کی وَاللّٰهُ يُضْعِفُ لِمَنْ يَّشَاءُ يَهْدِيْهِ غَرِيْبٌ ہے اور حضرت ابو ہریرہؓ والی حدیث مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ کی تفسیر میں پہلے گزر چکی ہے جس میں ہے کہ ایک کے بدلے دو کروڑ کا ثواب ملتا ہے، ابن مردویہ میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو نبی علیہ صلوٰۃ اللہ نے دعا کی کہ اے اللہ میری امت کو کچھ اور زیادتی عطا فرما تو مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ والی آیت اتری اور آپ نے پھر بھی یہی دعا کی تو آیت اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرُهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ اتری پس ثابت ہوا کہ جس قدر اخلاص عمل میں ہو اسی قدر ثواب میں زیادتی ہوتی ہے اللہ تعالیٰ بڑے وسیع فضل و کرم والا ہے وہ جانتا ہے کہ کون کس قدر مستحق ہے اور کسے استحقاق نہیں فَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ۔

الَّذِيْنَ يَنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتَّبِعُوْنَ مَا
اَنْفَقُوْا مِمَّا وَّلَا اَذٰى لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ
وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ قَوْلٌ مَّعْرُوفٌ وَمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتَّبِعُهَا
اَذٰى وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ ﴿۱۱۲﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقَتِكُمْ
بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهُ رِثًا لِلنَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ
الْاٰخِرِ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ صَفْوَابٍ عَلَيْهِ ثُرَابٌ فَاَصَابَهُ وَاِبِلٌ فَتَرَكَهٗ
صَلْدًا ۖ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ۗ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ
الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۱۳﴾

جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں پھر اس کے بعد نہ تو احسان جتاتے ہیں نہ نایاب دیتے ہیں ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے ان پر نہ تو کچھ خوف ہے نہ وہ اداس ہوں گے ○ نرم بات کہنا اور معاف کر دینا اس صدقے سے بہتر ہے جس کے بعد ایذا رسانی ہو اللہ بے نیاز اور بردبار ہے ○ ایمان والو اپنی خیرات کو احسان جتنا کرو اور ایذا پہنچا کر بر باد نہ کرو جس طرح وہ شخص جو اپنا مال لوگوں کے دکھاوے کے لئے خرچ کرے اور نہ اللہ پر ایمان رکھے نہ قیامت پر اس کی مثال اس صاف پتھر کی طرح ہے جس پر تھوڑی سی مٹی ہو۔ پھر اس پر زور کا مینہ برے اور وہ اسے بالکل صاف اور سخت چھوڑ دے ان ریاکاروں کو اپنی کمائی میں سے کوئی چیز ہاتھ نہیں لگتی اللہ تعالیٰ کافروں کی قوم کو راہ نہیں دکھاتا ○

مخیر حضرات کی تعریف اور ہدایات: ☆☆ (آیت ۲۶۲-۲۶۳) اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے ان بندوں کی مدح و تعریف کرتا ہے جو خیرات و صدقات کرتے ہیں اور پھر جسے دیتے ہیں اس پر احسان جتانے نہیں بیٹھتے نہ ہی اپنی زبان یا اپنے کسی فعل سے اس شخص کو کوئی نقصان پہنچاتے ہیں ان سے ایسے جزائے خیر کا وعدہ فرماتا ہے کہ ان کا اجر و ثواب رب دوعالم کے ذمہ ہے۔ ان پر قیامت کے دن کوئی ہول اور خوف و خطر نہ ہوگا اور نہ دنیا اور مال بچے چھوٹ جانے کا انہیں کوئی غم و رنج ہوگا اس لئے کہ وہاں پہنچ کر اس سے بہتر چیزیں انہیں مل چکی ہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ کلمہ خیر زبان سے نکالنا، کسی مسلمان بھائی کے لئے دعا کرنا، درگزر کرنا، خطا و ار کو معاف کر دینا اس صدقے سے بہت

بہتر ہے جس کی تہہ میں ایذا ہی ہو، ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اکرم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ فرماتے ہیں کوئی صدقہ نیک کام سے افضل نہیں کیا تم فرمان باری قَوْلٌ مَعْرُوفٌ الخ، نہیں سنا اللہ تعالیٰ اپنی تمام مخلوق سے بے نیاز ہے اور ساری مخلوق اس کی محتاج ہے وہ حلیم اور بردبار ہے۔ گناہوں کو دیکھتا ہے اور حلم و کرم کرتا ہے بلکہ معاف فرما دیتا ہے تجاوز کر لیتا ہے اور بخش دیتا ہے صحیح مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ تین قسم کے لوگوں سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بات چیت نہ کرے گا نہ ان کی طرف نظر رحمت سے دیکھے گا نہ انہیں پاک کرے گا بلکہ ان کے لئے دردناک عذاب ہیں ایک تو دے کر احسان جتانے والا دوسرا انہوں سے نیچے پا جامہ اور تہہ لٹکانے والا تیسرا اپنے سودے کو جھوٹی قسم کھا کر بیچنے والا ابن ماجہ وغیرہ کی حدیث میں ہے کہ ماں باپ کا نافرمان خیرات صدقہ کر کے احسان جتانے والا شرابی اور نقدیر کو جھٹلانے والا جنت میں داخل نہ ہوگا۔

نسائی میں ہے تین شخصوں کی طرف اللہ تعالیٰ قیامت کے دن دیکھے گا بھی نہیں ماں باپ کا نافرمان شراب کا عادی اور دے کر احسان جتانے والا نسائی کی اور حدیث میں ہے یہ تینوں شخص جنت میں داخل نہ ہوں گے اسی لئے اس آیت میں بھی ارشاد ہوتا ہے کہ اپنے صدقات و خیرات کو منت و احسان رکھ کر اور تکلیف پہنچا کر برباد نہ کرو۔ اس احسان کے جتانے اور تکلیف کے پہنچانے کا گناہ صدقہ اور خیرات کا ثواب باقی نہیں رکھتا۔ پھر مثال دی کہ احسان اور تکلیف وہی کے صدقے کے غارت ہو جانے کی مثال اس صدقہ جیسی ہے جو ریاکاری کے طور پر لوگوں کے دکھاوے کے لئے دیا جائے۔ اپنی سخاوت اور فیاضی اور نیکی کی شہرت مد نظر ہو لوگوں میں تعریف و ستائش کی چاہت ہو اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی طلب نہ ہو نہ اس کے ثواب پر نظر ہو اسی لئے اس جملے کے بعد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان نہ ہو تو اس ریاکارانہ صدقے کی اور اس احسان جتانے اور تکلیف پہنچانے کے صدقہ کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی صاف چمیل پتھر کی چٹان ہو جس پر مٹی بھی پڑی ہوئی ہو پھر سخت شدت کی بارش ہو تو جس طرح اس پتھر کی تمام مٹی چل جاتی ہے اور کچھ بھی باقی نہیں رہتی اسی طرح ان دونوں قسم کے لوگوں کے خرچ کی کیفیت ہے کہ گولوگ سمجھتے ہوں کہ اس کے صدقہ کی نیکی اس کے پاس ہے جس طرح بہ ظاہر پتھر پر مٹی نظر آتی تھی لیکن جیسے کہ بارش سے وہ مٹی جاتی رہی اسی طرح اس کے احسان جتانے یا تکلیف پہنچانے یا ریاکاری کرنے سے وہ ثواب بھی جاتا رہا اور اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچے گا تو کچھ بھی جزا نہ پائے گا اپنے اعمال میں سے کسی چیز پر قدرت نہ رکھے گا اللہ تعالیٰ کا فرگروہ کی راہ راست کی طرف رہبری نہیں کرتا۔

وَمَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ وَتَشْبِيهَا
مِنْ أَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ أَصَابَهَا وَابِلٌ فَاتَتْ أَكْثُهَا
ضَعْفَيْنِ فَإِنَّ لَّهُ يُصْبِهَا وَابِلٌ فَطُلَّ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝

ان لوگوں کی مثال جو اپنے مال اللہ کی رضامندی کی طلب میں دل کی خوشی اور یقین کے ساتھ خرچ کرتے ہیں اس باغ جیسی ہے جو اونچی اور تر زمین پر ہو اور پوری بارش اس پر سے اور وہ اپنا پھل دگنالاے اور اگر بارش اس پر نہ بھی برے تو شبنم ہی کافی ہے اللہ تعالیٰ تمہارے کام دیکھ رہا ہے ○

سدا بہار عمل: ☆☆ (آیت: ۲۶۵) یہ مثال مومنوں کے صدقات کی دی جن کی نیتیں اللہ کو خوش کرنے کی ہوتی ہیں اور جزائے خیر ملنے کا بھی پورا یقین ہوتا ہے جیسے حدیث میں ہے جس شخص نے رمضان کے روزے ایمان داری کے ساتھ ثواب ملنے کے یقین پر رکھے ربوۂ کہتے ہیں اونچی زمین کو جہاں نہریں چلتی ہیں اس لفظ کو ربوۂ اور برنوۂ بھی پڑھا گیا ہے۔ وَاِبِلٌ کے معنی سخت بارش کے ہیں۔ وہ دو گنا پھل

لاتی ہے یعنی بہ نسبت دوسرے باغوں کی زمین کے یہ باغ ایسا ہے اور ایسی جگہ واقع ہے کہ بالفرض بارش نہ بھی ہوتا ہم صرف شبنم سے ہی پھلتا پھولتا ہے۔ یہ نامکن ہے کہ موسم خالی جائے اسی طرح ایمانداروں کے اعمال کبھی بھی بے اجر نہیں رہتے۔ وہ ضرور بدلہ دلواتے ہیں ہاں اس جزا میں فرق ہوتا ہے جو ہر ایماندار کے خلوص اور اخلاص اور نیک کام کی اہمیت کے اعتبار سے بڑھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ پر اپنے بندوں میں سے کسی بندے کا کوئی عمل مخفی اور پوشیدہ نہیں۔

أَيُّدُ أَحَدِكُمْ أَنْ تَكُونَ لَهُ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيلٍ وَأَعْنَابٍ تَجْرِي
مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ لَهُ فِيهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَأَصَابَهُ الْكِبَرُ
وَلَهُ ذُرِّيَّةٌ ضَعَفَةٌ فَأَصَابَهَا إِعْصَارٌ فِيهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ كَذَلِكَ
يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ ٥٥

کیا تم میں سے کوئی بھی یہ چاہتا ہے کہ اس کا کھجوروں اور انگوروں کا باغ جس میں نہریں بہہ رہی ہوں اور ہر قسم کے پھل موجود ہوں اس شخص کو بڑھا یا گیا ہو اور اس کے ننھے ننھے سے بچے بھی ہوں اور اچانک باغ میں آندھی آئے جس میں آگ بھی ہو اور باغ کو وہ جلا ڈالے اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لئے آیتیں بیان کرتا ہے تاکہ تم غور و فکر کرو ○

کفر اور بڑھا یا: ☆☆ (آیت ۲۶۶) صحیح بخاری شریف میں ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دن صحابہ سے پوچھا جانتے ہو کہ یہ آیت کس کے بارے میں نازل ہوئی۔ انہوں نے کہا اللہ زیادہ جاننے والا ہے آپ نے ناراض ہو کر فرمایا تم جانتے ہو یا نہیں۔ اس کا صاف جواب دو حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا امیر المومنین میرے دل میں ایک بات ہے آپ نے فرمایا: سنیجے کھو اور اپنے نفس کو اتنا حقیر نہ کرو فرمایا ایک عمل کی مثال دی گئی ہے۔ پوچھا کون سا عمل؟ کہا ایک مالدار شخص جو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کے کام کرتا ہے۔ پھر شیطان اسے بہکا تا ہے اور وہ گناہوں میں مشغول ہو جاتا ہے اور اپنے نیک اعمال کو کھودیتا ہے۔ پس یہ روایت اس آیت کی پوری تفسیر ہے۔ اس میں بیان ہو رہا ہے کہ ایک شخص نے ابتداء میں اچھے عمل کئے پھر اس کے بعد اس کی حالت بدل گئی اور برائیوں میں پھنس گیا اور پہلے کی نیکیوں کا ذخیرہ برباد کر دیا اور آخری وقت جبکہ نیکیوں کی بہت زیادہ ضرورت تھی یہ خالی ہاتھ رہ گیا جس طرح ایک شخص ہے جس نے باغ لگایا پھل اتار رہا لیکن جبکہ بڑھاپے کے زمانہ کو پہنچا چھوٹے بچے بھی ہیں آپ کسی کام کاج کے قابل بھی نہیں رہا اب مدار زندگی صرف وہ ایک باغ ہے اتفاقاً آندھی چلی اس میں آگ بھی تھی اور وہ ہر ابھر الہلہا تا باغ دم بھر میں لاکھ کا خاک ہو گیا۔

اسی طرح یہ شخص ہے کہ پہلے تو نیکیاں کر لیں۔ پھر برائیوں پر اتر آیا اور خاتمہ اچھا نہ ہوا تو جب ان نیکیوں کے بدلے کا وقت آیا تو خالی ہاتھ رہ گیا کافر شخص بھی جب اللہ کے پاس جاتا ہے تو وہاں تو کچھ کرنے کی طاقت نہیں جس طرح اس بڑھے کو اور جو کیا ہے وہ کفر کی آگ والی آندھی نے برباد کر دیا۔ اب پیچھے سے بھی کوئی اسے فائدہ نہیں پہنچا سکتا جس طرح اس بڑھے کی کم سن اولاد اسے کوئی کام نہیں دے سکتی مستدرک حاکم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ایک دعا یہ بھی تھی اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ اَوْسَعَ رِزْقِكَ عَلٰی عِنْدَ كِبَرِ سِنِيَّ وَانْقِصَاءِ عُمُرِيْ اے اللہ اپنی روزی کو سب سے زیادہ مجھے اس وقت عنایت فرما جب میری عمر بڑی ہو جائے اور ختم ہونے کو آئے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے سامنے یہ مثالیں بیان فرمادیں تم بھی غور و فکر تدبر و تفکر کرو سوچو سمجھو اور عبرت و نصیحت حاصل کرو۔ جیسے فرمایا وَلَئِكَ الْاَمْثَالُ

نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعُلَمَاءُ ان مثالوں کو ہم نے لوگوں کے لئے بیان فرمادیا۔ انہیں علماء ہی خوب سمجھ سکتے ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنْفِقُونَ وَلَسْتُمْ بِآخِذِيهِ إِلَّا أَنْ تُغْمِضُوا فِيهِ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ ۝
الشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُم بِالْفَحْشَاءِ وَاللَّهُ يَعِدُكُم مَغْفِرَةً
مِّنْهُ وَفَضْلًا ۗ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ۝ يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَاءُ وَمَنْ يُؤْتَ
الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ ۝

ایمان والو! اپنی پاکیزہ کمائی اور زمین میں سے تمہارے لئے ہماری نکالی ہوئی چیزوں کو خرچ کرو اور ان میں سے بری چیزوں کے خرچ کرنے کا قصد نہ کرنا جسے تم خود لینے والے نہیں ہو ہاں اگر آکھیں بند کر لو تو۔ اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ بے پرواہ اور غویوں والا ہے ○ شیطان تمہیں فقیری سے دھمکا تا ہے اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ تم سے اپنی بخشش اور فضل کا وعدہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ وسعت والا اور علم والا ہے ○ وہ جسے چاہے حکمت اور دانائی دیتا ہے اور جو حکمت اور سمجھ دیا جائے وہ بہت ساری بھلائی دیا گیا، نصیحت صرف عقلمندی حاصل کرتے ہیں ○

خراب اور حرام مال کی خیرات مسترد: ☆ ☆ (آیت: ۲۶۷-۲۶۹) اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو صدقہ کرنے کا حکم دیتا ہے کہ مال تجارت جو اللہ جل شانہ نے تمہیں دیا ہے، سونا چاندی اور پھل اناج وغیرہ جو اس نے تمہیں زمین سے نکال کر دیئے ہیں، اس میں سے بہترین مرغوب طبع اور پسند خاطر عمدہ عمدہ چیزیں اللہ کی راہ میں دو۔ ردی و اہمیت، سڑی گلی، گری پڑی، بے کار، فضول اور خراب چیزیں راہ اللہ نہ دو اللہ خود طیب ہے وہ خبیث کو قبول نہیں کرتا۔ تم اس کے نام پر یعنی گویا اسے وہ خراب چیز دینا چاہتے ہو جسے اگر تمہیں دی جاتی تو نہ قبول کرتے۔ پھر اللہ کیسے لے لے گا؟ ہاں مال جاتا دیکھ کر اپنے حق کے بدلے کوئی گری پڑی چیز بھی مجبور ہو کر لے لو تو اور بات ہے لیکن اللہ ایسا مجبور بھی نہیں وہ کسی حالت میں ایسی چیز کو قبول نہیں فرماتا، یہ بھی مطلب ہے کہ حلال چیز کو چھوڑ حرام چیز یا حرام مال سے خیرات نہ کرو۔

مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے جس طرح تمہاری روزیاں تم میں تقسیم کی ہیں، تمہارے اخلاق بھی تم میں بانٹ دیئے ہیں، دنیا تو اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کو بھی دیتا ہے اور دشمنوں کو بھی، ہاں دین صرف دوستوں کو ہی عطا فرماتا ہے اور جسے دین مل جائے وہ اللہ کا محبوب ہے اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، کوئی بندہ مسلمان نہیں ہوتا جب تک کہ اس کا دل اور اس کی زبان مسلمان نہ ہو جائے، کوئی بندہ مومن نہیں ہوتا جب تک کہ اس کے پڑوسی اس کی ایذاؤں سے بے خوف نہ ہو جائیں، لوگوں کے سوال پر آپ نے فرمایا، ایذا سے مراد دھوکہ بازی اور ظلم و ستم ہے، جو شخص حرام وجہ سے مال حاصل کرے اس میں اللہ برکت نہیں دیتا نہ اس کے صدقہ خیرات کو قبول فرماتا ہے اور جو چھوڑ کر جاتا ہے وہ سب اس کے لئے آگ میں جانے کا توشہ اور سبب بنتا ہے اللہ تعالیٰ برائی کو برائی سے نہیں مٹاتا بلکہ برائی کو اچھائی سے دفع کرتا ہے، خباثت سے خباثت نہیں ٹپتی، پس دو قول ہوئے ایک تو ردی چیزیں دوسرے حرام مال۔ اس آیت میں پہلا قول مراد لینا ہی زیادہ اچھا معلوم ہوتا ہے۔ حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں، کھجوروں کے موسم میں انصار اپنی اپنی وسعت کے مطابق

کھجوروں کے خوشے لاکر ستونوں کے درمیان ایک سی لٹک رہی تھی اس میں لٹکا دیتے جسے اصحاب صفہ اور مسکین مہاجر بھوک کے وقت کھا لیتے کسی نے جسے صدقہ کی رغبت کم تھی اس میں ردی کھجور کا ایک خوشہ لٹکا دیا جس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ اگر تمہیں ایسی ہی چیز ہدیہ میں دی جائے تو ہرگز نہ لو گے ہاں اگر شرم لحاظ سے بادل ناخواستہ لے لو تو اور بات ہے اس کے ازل ہونے کے بعد ہم میں سے ہر شخص بہتر سے بہتر چیز لاتا تھا (ابن جریر)

ابن ابی حاتم میں ہے کہ ہلکی قسم کی کھجوریں اور وادی (خراب) پھل لوگ خیرات میں نکالتے جس پر یہ آیت اتری اور حضورؐ نے ان چیزوں سے صدقہ دینا منع فرمایا حضرت عبداللہ بن مغفلؓ فرماتے ہیں: مومن کی کمائی کبھی غبیث نہیں ہوتی مراد یہ ہے کہ بیکار چیز صدقہ میں نہ دوسند میں حدیث ہے کہ حضورؐ کے سامنے گوہ کا گوشت لایا گیا۔ آپؐ نے نہ کھایا نہ کسی کو کھانے سے منع فرمایا تو حضرت عائشہؓ نے کہا: کسی مسکین کو دے دیں؟ آپؐ نے فرمایا جو تمہیں پسند نہیں اور جسے تم کھانا گوارا نہیں کرتیں اسے کسی اور کو کیا دو گی؟ حضرت برادرؓ فرماتے ہیں: جب تمہارا حق کسی پر ہو اور وہ تمہیں وہ چیز دے جو بے قدر و قیمت ہو تو تم اسے نہ لو گے مگر اس وقت جب تمہیں اپنے حق کی بربادی دکھائی دیتی ہو تو تم چشم پوشی کر کے اسی کو لے لو گے ابن عباسؓ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ تم نے کسی کو اچھا مال دیا اور ادائیگی کے وقت وہ ناقص مال لے کر آیا تو تم ہرگز نہ لو گے اور اگر لو گے بھی تو اس کی قیمت گھٹا کر تو تم جس چیز کو اپنے حق میں لینا پسند نہیں کرتے اسے اللہ کے حق کے عوض کیوں دیتے ہو؟ پس بہترین اور مرغوب مال اس کی راہ میں خرچ کرو اور یہی معنی ہیں آیت لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ کے بھی۔ پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنی راہ میں خرچ کرنے کا حکم دیا اور عمدہ چیز دینے کا کہیں اس سے یہ نہ سمجھ لینا کہ وہ محتاج ہے۔ نہیں نہیں۔ وہ تو محض بے نیاز ہے اور تم سب اس کے محتاج ہو یہ حکم صرف اس لئے ہے کہ غریب بھی دنیا کی نعمتوں سے محروم نہ رہیں گے جیسے اور جگہ قربانی کے حکم کے بعد فرمایا لَنْ يَنَالُ اللَّهُ الْخَ اللہ تعالیٰ نہ اس کا خون لے نہ گوشت وہ تو تمہارے تقوے کی آزمائش کرتا ہے وہ کشادہ فضل والا ہے اس کے خزانے میں کوئی کمی نہیں صدقہ اپنے جہتے حلال مال سے نکال کر اللہ کے فضل اس کی بخشش اس کے کرم اور اس کی سخاوت پر نظریں رکھو وہ اس کا بدلہ اس سے بہت بڑھ چڑھ کر تمہیں عطا فرمائے گا۔ وہ مفلس نہیں وہ ظالم نہیں وہ حمید ہے تمام اقوال و افعال تقدیر و شریعت سب میں اس کی تعریفیں ہی کی جاتی ہیں اس کے سوا کوئی عبادت کے قابل نہیں وہ ہی تمام جہانوں کا پالنے والا ہے اس کے سوا کوئی کسی کی پرورش نہیں کرتا۔

حدیث میں ہے کہ ایک چوکا شیطان مارتا ہے اور ایک توفیق کی رہبری فرشتہ کرتا ہے شیطان تو شرارت پر آمادہ کرتا ہے اور حق کے جھٹلانے پر اور فرشتہ نیکی پر اور حق کی تصدیق پر جس کے دل میں یہ خیال آئے وہ اللہ تعالیٰ کا شکر کرے اور جان لے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے اور جس کے دل میں وہ دوسوہ پیدا ہو وہ آعوذ پڑھے پھر حضورؐ نے آیت الشَّيْطَانُ الْخَ کی تلاوت فرمائی (ترمذی) یہ حدیث عبداللہ بن مسعودؓ سے موقوفہ بھی مروی ہے مطلب آیت شریفہ کا یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے شیطان روکتا ہے اور دل میں دوسوہ ڈالتا ہے کہ اس طرح ہم فقیر ہو جائیں گے اس نیک کام سے روک کر پھر بے حیائیوں اور بدکاریوں کی رغبت دلاتا ہے گناہوں پر نافرمانیوں پر حرام کاریوں پر اور مخالفت حق پر اکساتا ہے اور اللہ تعالیٰ تمہیں اس کے برخلاف حکم دیتا ہے کہ خرچ فی سبیل اللہ سے ہاتھ نہ روکو اور شیطان کی دھمکی کے خلاف وہ فرماتا ہے کہ اس صدقہ کے باعث میں تمہاری خطاؤں کو بھی معاف کر دوں گا اور وہ جو تمہیں فقری سے ڈراتا ہے میں اس کے مقابلہ میں تمہیں اپنے فضل کا یقین دلاتا ہوں مجھ سے بڑھ کر رحم و کرم فضل و لطف کس کا زیادہ وسیع ہوگا اور انجام کار کا علم بھی مجھ سے زیادہ اچھا کسے حاصل ہو سکتا ہے؟

حکمت سے مراد یہاں پر قرآن کریم اور حدیث شریف کی پوری مہارت ہے جس سے ناسخ منسوخ، محکم متشابہ، مقدم موخر، حلال، حرام کی اور مثالوں کی معرفت حاصل ہو جائے، پڑھنے کو تو اسے ہر برا بھلا پڑھتا ہے لیکن اس کی تفسیر اور اس کی سمجھ وہ حکمت ہے جسے اللہ چاہے عنایت فرماتا ہے کہ وہ اصل مطلب کو پالے اور بات کی تہہ کو پہنچ جائے اور زبان سے اس کے صحیح مطلب ادا ہو، سچا علم صحیح سمجھ اسے عطا ہو، اللہ کا ڈراس کے دل میں ہو، چنانچہ ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ حکمت کا راز اللہ کا ڈر ہے، ایسے لوگ بھی ہیں جو دنیا کے علم کے بڑے ماہر ہیں۔ ہر امر دنیوی کو فکرمندی سے سمجھ لیتے ہیں لیکن دین میں بالکل اندھے ہیں اور ایسے لوگ بھی ہیں کہ دنیوی علم میں کمزور ہیں لیکن علوم شرعی میں بڑے ماہر ہیں، پس یہ ہے وہ حکمت جسے اللہ نے اسے دی اور اسے اس سے محروم رکھا، سدئی کہتے ہیں، یہاں حکمت سے مراد نبوت ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ حکمت کا لفظ ان تمام چیزوں پر شامل ہے اور نبوت بھی اس کا اعلیٰ اور بہترین حصہ ہے اور اس سے بالکل خاص چیز ہے جو انبیاء کے سوا اور کسی کو حاصل نہیں۔ ان کے تابع فرمان لوگوں کو اللہ کی طرف سے محرومی نہیں، سچی اور اچھی سمجھ کی دولت سے یہ بھی مالا مال ہوتے ہیں، بعض احادیث میں ہے جس نے قرآن کریم کو حفظ کر لیا، اس کے دونوں بازوؤں کے درمیان نبوت چڑھ گئی۔ وہ صاحب وحی نہیں لیکن دوسرے طریق سے کہ وہ ضعیف ہے۔ منقول ہے کہ یہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اپنا قول ہے۔

مسند کی حدیث میں ہے کہ قابل رشک صرف دو شخص ہیں جسے اللہ نے مال دیا اور اپنی راہ میں خرچ کرنے کی توفیق بھی دی اور جسے اللہ نے حکمت دی اور ساتھ ہی اس کے ساتھ فیصلے کرنے اور اس کی تعلیم دینے کی توفیق بھی عطا فرمائی۔ وعظ و نصیحت اسی کو نفع پہنچاتی ہے جو عقل سے کام لے، سمجھ رکھتا ہو۔ بات کو یاد رکھے اور مطلب پر نظر یں رکھے۔

وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِّنْ ثَمَقَةٍ أَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُهُ ۚ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ۚ إِنْ تَبَدُّوا لَصَدَقْتَ ۚ فَبِعِمَّاهِيَّ وَإِنْ تَخَفُوهُمَا وَتَوَتُّوهُمَا الْفَقْرَاءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَيَكْفِرْ عَنْكُمْ ۚ مِّنْ سَيِّئَاتِكُمْ ۚ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ۚ

تم جتنا کچھ خرچ کرو یعنی خیرات اور جو کچھ نذر مانو اللہ اسے بخوبی جانتا ہے، ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ○ اگر تم صدقے خیرات کو ظاہر کر دو تو وہ بھی اچھا ہے اور اگر تم اسے پوشیدہ پوشیدہ مسکینوں کو دے دو تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے، اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں کا کفارہ کر دے گا، اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال کی خبر رکھنے والا ہے ○

نیک اور بد لوگ، ظاہر اور در پردہ حقیقت: ☆ ☆ (آیت: ۲۷۱) اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ ہر ایک چیز اور نذر کو، ہر بھلے عمل کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے، وہ اپنے نیک بندوں کو جو اس کا حکم بجالاتے ہیں، اس سے ثواب کی امید رکھتے ہیں، اس کے وعدوں کو سچا جانتے ہیں، اس کے فرمان پر ایمان رکھتے ہیں، بہترین بدلہ عطا فرمائے گا اور ان کے خلاف جو لوگ اس کی حکم برداری سے جی چراتے ہیں، گناہ کے کام کرتے ہیں، اس کی خبروں کو جھٹلاتے ہیں، اس کے ساتھ دوسروں کی عبادت کرتے ہیں، یہ ظالم ہیں قیامت کے دن قسم قسم کے سخت بدترین اور الم ناک عذاب انہیں ہوں گے اور کوئی نہ ہوگا جو انہیں چھڑائے یا ان کی مدد میں اٹھے۔ پھر فرمایا کہ ظاہر کر کے صدقہ دینا بھی اچھا ہے اور چھپا کر فقراء و مساکین کو دینا بہت ہی بہتر ہے اس لئے کہ یہ ریاکاری سے کوسوں دور ہے، ہاں یہ اور بات ہے کہ ظاہر کرنے میں کوئی دینی مصلحت یا دینی

فائدہ ہو مثلاً اس لئے کہ اور لوگ بھی دیں وغیرہ حدیث شریف میں ہے کہ صدقہ کا ظاہر کرنے والا مثل بلند آواز سے قرآن پڑھنے والے کے ہے اور اسے چھپانے والا آہستہ پڑھنے والے کی طرح ہے پس اس آیت سے صدقہ جو پوشیدہ دیا جائے اس کی افضلیت ثابت ہوتی ہے۔ بخاری و مسلم میں بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سات شخصوں کو قیامت کے دن اللہ اپنے سائے میں جگہ دے گا جس دن اس کے سائے کے سوا اور کوئی سایہ نہ ہوگا عادل بادشاہ وہ نوجوان جو اپنی جوانی اللہ کی عبادت اور شریعت کی فرمانبرداری میں گزارے وہ دو شخص جو اللہ تعالیٰ کے لئے آپس میں محبت رکھیں اسی پر جمع ہوں اور اسی پر جدا ہوں وہ شخص جس کا دل مسجد میں لگا رہے نکلنے کے وقت سے جانے کے وقت تک وہ شخص جو غلوٹ میں اللہ کا ذکر کرے وہ شخص جسے کوئی منصب و جمال والی عورت بدکاری کی طرف بلائے اور وہ کہہ دے کہ میں تو اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں اور وہ شخص جو اپنا صدقہ اس قدر چھپا کر دے کہ بائیں ہاتھ کو دائیں ہاتھ کے خرچ کی خبر تک نہ ہو۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے زمین کو پیدا کیا تو وہ ہلنے لگی۔ اللہ تعالیٰ نے پہاڑ پیدا کر کے انہیں گاڑ دیا جس سے زمین کا ہلنا موقوف ہو گیا فرشتوں کو پہاڑوں کی ایسی سنگین پیدائش پر تعجب ہوا۔ انہوں نے دریافت کیا کہ باری تعالیٰ کیا تیری مخلوق میں پہاڑ سے زیادہ سخت چیز بھی کوئی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہاں لوہا پوچھا اس سے بھی سخت کوئی چیز ہے؟ فرمایا ہاں آگ پوچھا اس سے بھی زیادہ سخت؟ فرمایا ابن آدم جو اس طرح صدقہ کرتا ہے کہ بائیں ہاتھ کو دائیں ہاتھ کے خرچ کی خبر نہیں ہوتی۔^(۱) آیت الکرسی کی تفسیر میں وہ حدیث گزر چکی ہے جس میں ہے کہ افضل صدقہ وہ ہے جو پوشیدگی سے کسی حاجت مند کو دے دیا جائے۔ باوجود مال کی قلت کے پھر بھی اللہ کی راہ میں خرچ کیا جائے پھر اسی آیت کی تلاوت کی (ابن ابی حاتم)

ایک اور حدیث میں ہے پوشیدگی کا صدقہ اللہ کے غضب کو بھادیتا ہے۔ حضرت شعبیؒ فرماتے ہیں یہ آیت حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے بارے میں اتری ہے حضرت عمرؓ تو اپنا آدھا مال حضورؐ کے پاس لائے اور حضرت ابو بکر صدیقؓ نے جو کچھ تھا لا کر رکھ دیا۔ آپؐ نے پوچھا اپنے گھر والوں کے لئے کیا چھوڑ آئے ہو؟ فاروقؓ نے جواب دیا اتنا ہی صدیقؓ کو ظاہر کرنا نہیں چاہتے تھے اور چپکے سے سب کا سب حضورؐ کے حوالے کر چکے تھے لیکن جب ان سے بھی پوچھا گیا تو کہنا پڑا کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ اور اس کے رسولؐ کی فرمانبرداری کافی ہے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ سن کر رو دیئے اور فرمانے لگے اللہ کی قسم جس کسی نیکی کے کام کی طرف ہم لپکے ہیں اس میں اے صدیقؓ آپ کو آگے ہی آگے پاتے ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ آیت کے الفاظ عام ہیں صدقہ خواہ فرض ہو خواہ نفلی زکوٰۃ ہو یا خیرات اسکی پوشیدگی اظہار سے افضل ہے لیکن حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ نفلی صدقہ تو پوشیدہ دینا ستر گنی فضیلت رکھتا ہے لیکن فرضی زکوٰۃ کو اعلانیہ ادا کرنا پچیس گنی فضیلت رکھتا ہے پھر فرمایا صدقے کے بدلے اللہ تعالیٰ تمہاری خطاؤں اور برائیوں کو دور کر دے گا بالخصوص اس وقت جبکہ وہ چھپا کر دیا جائے تمہیں بہت سی بھلائی ملے گی درجات بڑھیں گے گناہوں کا کفارہ ہوگا یُکْفَر کو یُکْفَر بھی پڑھا گیا ہے۔ اس میں صورثا یہ جواب شرط کے محل پر عطف ہوگا جو نعمناہی ہے جیسے فَاصْدَقْ وَ اَكُونُ میں وَ اَكُنَّ اللہ تعالیٰ پر تمہاری کوئی نیکی بدی سخاوت بخیلی پوشیدگی اور اظہار نیک نیتی اور دنیا طلبی پوشیدہ نہیں۔ وہ پورا پورا بدلہ دے گا۔

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَا نَفْسِكُمْ وَمَا تُنْفِقُونَ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ يُوَفِّ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تُظْلَمُونَ ﴿۵۷﴾

لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أَحْصَرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي
الْأَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ
بِسِيمَتِهِمْ لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِلْحَافًا وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ
اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ۝ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَعَلَانِيَةً
فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝

۲۷

انہیں ہدایت پر لا کھڑا کرنا تیرے ذمہ نہیں بلکہ ہدایت اللہ دیتا ہے جسے چاہے تم جو بھی چیز اللہ کی راہ میں دو گے اس کا فائدہ خود پاؤ گے، تمہیں صرف اللہ کی رضامندی کی طلب کے لئے ہی خرچ کرنا چاہئے۔ تم جو کچھ مال خرچ کرو گے اس کا پورا پورا بدلہ تمہیں دیا جائے گا اور تمہارا حق نہ مارا جائے گا ○ صدقات کے مستحق صرف وہ غریب ہیں جو راہ اللہ میں روک دیئے گئے ہیں۔ جو ملک میں چل پھر نہیں سکتے۔ نادان لوگ ان کی بے سوالی کی وجہ سے انہیں مالدار خیال کرتے ہیں تو ان کے چہرے دیکھ کر قیافے سے انہیں پہچان لے گا وہ لوگوں سے چٹ کر سوال نہیں کرتے، تم جو کچھ مال خرچ کرو اللہ تعالیٰ اس کا جاننے والا ہے ○ جو لوگ اپنے مالوں کو رات دن چھپے کھلے خرچ کرتے رہتے ہیں ان کے لئے ان کے رب کے پاس اجر ہے اور نہ انہیں خوف ہے اور نہ غمگینی ○

مستحق صدقات کون ہیں: ☆☆ (آیت: ۲۷۲-۲۷۳) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مسلمان صحابہ اپنے مشرک رشتہ داروں کے ساتھ سلوک کرنا ناپسند کرتے تھے۔ پھر حضور ﷺ سے سوال ہوا اور یہ آیت اتری اور انہیں رخصت دی فرماتے ہیں کہ حضور رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے کہ صدقہ صرف مسلمانوں کو دیا جائے۔ جب یہ آیت اتری تو آپ نے فرمادیا ہر سائل کو دو گودہ کسی مذہب کا ہو۔ (ابن ابی حاتم)

حضرت اسماءؓ والی روایت آیت لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَصِلُوْا اِلٰى الْوَحْشِ کی تفسیر میں آئے گی ان شاء اللہ۔ یہاں فرمایا، تم جو نیکی کرو گے اپنے لئے ہی کرو گے جیسے اور جگہ ہے مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ اور اس جیسی اور آیتیں بھی بہت ہیں، حسن بصریؒ فرماتے ہیں، ایماندار کا ہر خرچ اللہ ہی کے لئے ہوتا ہے گودہ خود کھائے، عطا خراسانیؒ اس کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ جب تم نے مرضی مولا اور رضائے رب کے لئے دیا تو لینے والا خواہ کوئی ہو اور کیسے ہی اعمال کا کرنے والا ہو، یہ مطلب بھی بہت اچھا ہے، حاصل یہ ہے کہ نیک نیتی سے دینے والے کا اجر تو اللہ کے ذمہ ثابت ہو گیا۔ اب خواہ وہ مال کسی نیک کے ہاتھ لگے یا بد کے، مستحق یا غیر مستحق کے، اسے اپنے قصد اور اپنی نیک نیتی کا ثواب مل گیا جبکہ اس نے دیکھ بھال کر لی۔ پھر غلطی ہوئی تو ثواب ضائع نہیں جاتا۔ اسی لئے آیت کے آخر میں بدلہ ملنے کی بشارت دی گئی۔

بخاری و مسلم کی حدیث میں آیا کہ ایک شخص نے قصد کیا کہ آج رات میں صدقہ دوں گا، لے کر نکلا اور چپکے سے ایک عورت کو دے کر چلا گیا۔ صبح لوگوں میں باتیں ہونے لگیں کہ آج رات کو کوئی شخص ایک بدکار عورت کو کوئی خیرات دے گیا۔ اس نے بھی سنا اور اللہ کا شکر ادا کیا۔ پھر اپنے جی میں کہا، آج رات اور صدقہ دوں گا، لے کر چلا اور ایک شخص کی مٹھی میں رکھ کر چل آیا، صبح سنتا ہے کہ

لوگوں میں چرچا ہو رہا ہے کہ آج شب ایک مالدار کو کوئی صدقہ دے گیا، اس نے پھر اللہ کی حمد کی اور ارادہ کیا کہ آج رات کو تیسرا صدقہ دوں گا۔ دے آیا، دن کو پھر معلوم ہوا کہ وہ چور تھا تو کہنے لگا اللہ تیری تعریف ہے زانیہ عورت کے دیئے جانے پر بھی مالدار شخص کو دیئے جانے پر بھی اور چور کے دینے پر بھی خواب دیکھتا ہے کہ فرشتہ آیا اور کہہ رہا ہے تیرے تینوں صدقے قبول ہو گئے شاید بدکار عورت مال پا کر اپنی حرام کاری سے رک جائے اور شاید مالدار کو عبرت حاصل ہو اور وہ بھی صدقے کی عادت ڈال لے اور شاید چور مال پا کر چوری سے باز رہے۔

پھر فرمایا صدقہ ان مہاجرین کا حق ہے جو دنیوی تعلقات کاٹ کر ہجرت کر کے وطن چھوڑ کر کتبے قبیلے سے منہ موڑ کر اللہ کی رضامندی کے لئے پیغمبر کی خدمت میں آ گئے ہیں جن کی معاش کا کوئی ایسا ذریعہ نہیں جو انہیں کافی ہو اور وہ نہ سفر کر سکتے ہیں کہ چل پھر کر اپنی روزی حاصل کریں۔ ضَرْبًا فِی الْأَرْضِ کے معنی مسافرت کے ہیں جیسے اِنْ ضَرَبْتُمْ فِی الْأَرْضِ اَوْ یَضْرِبُوْنَ فِی الْأَرْضِ میں ان کے حال سے جو لوگ نادانف ہیں وہ ان کے لباس اور ظاہری حال اور گفتگو سے انہیں مالدار سمجھتے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے مسکین وہی نہیں جو در بدر جاتے ہیں۔ کہیں سے دو ایک کھجوریں مل گئیں کہیں سے دو ایک لقمے مل گئے۔ کہیں سے دو ایک وقت کا کھانا مل گیا بلکہ وہ بھی مسکین ہیں جس کے پاس اتنا نہیں جس سے وہ بے پروا ہو جائے اور اس نے اپنی حالت بھی ایسی نہیں بنائی جس سے ہر شخص اس کی ضرورت کا احساس کرے اور کچھ احسان کرے اور نہ وہ سوال کے عادی ہیں تو انہیں ان کی اس حالت سے جان لے گا جو صاحب بصیرت پر غصی نہیں رہتی۔

جیسے اور جگہ ہے سَبِعْمَاهُمْ فِیْ وَجُوْهِهِمْ ان کی نشانیاں ان کے چہروں پر ہیں اور فرمایا وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِیْ لَحْنِ الْقَوْلِ ان کے لب و لہجہ سے تم انہیں پہچان لو گے سنن کی ایک حدیث میں ہے مومن کی دانائی سے بچو وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے، سنو قرآن کا فرمان ہے اِنْ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٌ لِّلْمُتَوَسِّعِیْنَ بِالْقِیَمِیْنِ اس میں اہل بصیرت کے لئے نشانیاں ہیں یہ لوگ کسی پر غص نہیں ہیں کسی سے ڈھٹائی کے ساتھ سوال نہیں کرتے نہ اپنے پاس ہوتے ہوئے کسی سے کچھ طلب کرتے ہیں جس کے پاس ضرورت کے مطابق ہو اور پھر بھی وہ سوال کرتے وہ چپک کر مانگنے والا کہلاتا ہے۔ حضور فرماتے ہیں ایک دو کھجوریں اور ایک دو لقمے لے کر چلے جانے والے ہی مسکین نہیں بلکہ ھیتا مسکین وہ ہیں جو باوجود حاجت کے خود داری برتیں اور سوال سے بچیں۔ دیکھو قرآن کہتا ہے لَا یَسْأَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا روایت بہت سی کتابوں میں بہت سی سندوں سے مروی ہے قبیلہ مزینہ کے ایک شخص کو ان کی والدہ فرماتی ہیں تم بھی جا کر رسول اللہ ﷺ سے کچھ مانگ لاؤ جس طرح اور لوگ جا کر لے آتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں میں جب گیا تو حضور کھڑے ہوئے خطبہ فرما رہے تھے کہ جو شخص سوال سے بچے گا اللہ بھی اسے سوال سے بچالے گا جو شخص بے پروا ہی برتے گا اللہ تعالیٰ اسے فی الواقع بے نیاز کر دے گا۔ جو شخص پانچ اوقیہ کے برابر مال رکھتے ہوئے بھی سوال کرے گا وہ چمٹنے والا سوالی ہے میں نے اپنے دل میں سوچا کہ ہمارے پاس تو ایک اونٹنی ہے جو پانچ اوقیہ سے بہت بہتر ہے ایک اونٹنی غلام کے پاس ہے وہ بھی پانچ اوقیہ سے زیادہ قیمت کی ہے پس میں تو یونہی سوال کئے بغیر واپس چلا آیا۔ اور روایت میں ہے کہ یہ واقعہ حضرت ابوسعیدؓ کا ہے۔ اس میں ہے کہ آپ نے مجھ کو فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ جو لوگوں سے کنارہ کرے گا اللہ اسے کفایت کرے گا اور جو ایک اوقیہ رکھتے ہوئے سوال کرے گا وہ چمٹ کر سوال کرنے والا ہے ان کی اونٹنی کا نام یا قوتہ تھا۔ ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے سچا لیس درہم کے تقریباً دس روپے ہوتے ہیں۔

ایک حدیث میں ہے کہ جس کے پاس بے پروا ہی کے لائق ہو پھر بھی وہ سوال کرے قیامت کے دن اس کے چہرہ پر اس کا سوال زخم نہ ہوگا۔ اس کا منہ نچا ہوا ہوگا، لوگوں نے کہا۔ حضرت کتنا پاس ہو تو؟ فرمایا پچاس درہم یا اس کی قیمت کا سونا، یہ حدیث ضعیف

ہے شام میں ایک قریشی تھے جنہیں معلوم ہوا کہ حضرت ابوذر ضرورت مند ہیں تو تین سو گنیاں انہیں بھجوائیں۔ آپ خدا ہو کر فرمانے لگیا اس اللہ کے بندے کو کوئی مسکین ہی نہیں ملا؟ جو میرے پاس یہ بھیجیں۔ میں نے تو نبی اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ چالیس درہم جس کے پاس ہوں اور پھر سوال کرے وہ چٹ کر سوال کرنے والا ہے اور ابوذرؓ کے گھرانے والوں کے پاس تو چالیس درہم بھی ہیں چالیس بکریاں بھی ہیں اور دو غلام بھی ہیں ایک روایت میں حضورؐ کے یہ الفاظ بھی ہیں کہ چالیس درہم ہوتے ہوئے سوال کرنے والا الحاف کرنے والا اور مثل ریت کے ہے۔

پھر فرمایا، تمہارے تمام صدقات کا اللہ کو علم ہے اور جبکہ تم پورے محتاج ہو گئے اللہ پاک اس وقت تمہیں اس کا بدلہ دے گا۔ اس پر کوئی چیز مخفی نہیں۔ پھر ان لوگوں کی تعریفیں ہو رہی ہیں جو ہر وقت اللہ کے فرمان کے مطابق خرچ کرتے رہتے ہیں۔ انہیں اجر ملے گا اور ہر خوف سے امن پائیں گے بال بچوں کے کھلانے پر بھی انہیں ثواب ملے گا۔ جیسے بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ فتح مکہ والے سال جبکہ آپؐ حضرت سعد بن ابی وقاص کی عیادت کو گئے تو فرمایا۔ ایک روایت میں ہے کہ حجتہ الوداع والے سال فرمایا، تو جو کچھ اللہ کی خوشی کے لئے خرچ کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کے بدلے تیرے درجات بڑھائے گا یہاں تک کہ تو جو اپنی بیوی کو کھلائے پلائے اس کے بدلے بھی مسند میں ہے کہ مسلمان طلب ثواب کی نیت سے اپنے بال بچوں پر بھی جو خرچ کرتا ہے، وہ بھی صدقہ ہے حضورؐ فرماتے ہیں اس آیت کا شان نزول مسلمان مجاہدین کا وہ خرچ ہے جو اپنے گھوڑوں پر کرتے ہیں ابن عباسؓ سے بھی یہی مروی ہے۔ حضرت جبیرؓ فرماتے ہیں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس چار درہم تھے جن میں سے ایک راہ اللہ رات کو دیا۔ ایک دن کو ایک پوشیدہ ایک ظاہر تو یہ آیت اتری یہ روایت ضعیف ہے دوسری سند سے یہی مروی ہے اطاعت الہی میں جو مال ان لوگوں نے خرچ کیا اس کا بدلہ قیامت کے دن اپنے پروردگار سے لیں گے یہ لوگ نڈر اور بے غم ہیں۔

الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ
الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا وَأَحَلَّ
اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا فَمَنْ جَاءَهُ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَبِّهِ فَانْتَهَىٰ فَلَهُ
مَا سَلَفَ وَأَمْرُهُ إِلَى اللَّهِ وَمَنْ عَادَ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا
خَالِدُونَ ﴿۲۷۵﴾

سو خورد لوگ نہ کھڑے ہوں گے مگر اسی طرح جس طرح وہ کھڑا ہوتا ہے جسے شیطان چھو کر شبلی بنا دے۔ یہ اس لئے کہ یہ کہا کرتے تھے کہ بیو پار بھی تو سود ہی کی طرح ہے اور اللہ نے بیو پار حلال کیا اور سود حرام جو نقص اپنے پاس آئی ہوئی اللہ کی نصیحت سن کر رک گیا اس کے لئے وہ ہے جو گزرا اور اس کا کام اللہ کی طرف ہے اور جس نے پھر بھی کیا وہ جہنمی ہے۔ ایسے لوگ ہمیشہ ہی اس میں رہیں گے ○

تجارت اور سود کو ہم معنی کہنے والے کج بحث لوگ: ☆☆ (آیت: ۲۷۵) چونکہ پہلے ان لوگوں کا ذکر ہوا ہے جو نیک کام کرنے والے صدقہ خیرات کرنے والے زکوٰۃ دینے والے حاجت مندوں اور رشتہ داروں کی مدد کرنے والے غرض ہر حال میں اور ہر وقت دوسروں کے کام آنے والے تھے تو اب ان کا بیان ہو رہا ہے جو کسی کو دینا تو ایک طرف رہا دوسروں سے چھیننے، ظلم کرنے اور ناحق اپنے پراپوں کا مال

ہضم کرنے والے ہیں۔ تو فرمایا کہ یہ سود خور لوگ اپنی قبروں سے ان کے بارہ میں دیوانوں اور پاگلوں، خبطیوں اور بے ہوشوں کی طرح انھیں گے، پاگل ہوں گے، کھڑے بھی نہ ہو سکتے ہوں گے، ایک قرأت میں ”مِنَ الْمَسِّ“ کے بعد ”يَوْمَ الْقِيَامَةِ“ کا لفظ بھی ہے، ان سے کہا جائے گا کہ لو اب ہتھیار تھام لو اور اپنے رب سے لڑنے کے لئے آمادہ ہو جاؤ۔

شب معراج میں حضورؐ نے کچھ لوگوں کو دیکھا جن کے پیٹ بڑے بڑے گھروں کی مانند تھے۔ پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ بتایا گیا سود اور بیاج لینے والے ہیں۔ اور روایت میں ہے کہ ان کے پیٹوں میں سانپ بھرے ہوئے تھے جوڑ سے رہتے تھے۔ اور ایک مطول حدیث میں ہے کہ ہم جب ایک سرخ رنگ نہر پر پہنچے جس کا پانی مثل خون کے سرخ تھا تو میں نے دیکھا، اس میں کچھ لوگ بمشکل تمام کنارے پر آتے ہیں تو ایک فرشتہ بہت سے پتھر لئے بیٹھا ہے۔ وہ ان کا منہ پھاڑ کر ایک پتھر ان کے منہ میں اتار دیتا ہے۔ وہ پھر بھاگتے ہیں پھر یہی ہوتا ہے پوچھا تو معلوم ہوا یہ سود خواروں کا گروہ ہے۔ ان پر یہ وبال اس باعث ہے کہ یہ کہتے تھے تجارت بھی تو سود ہی ہے، ان کا یہ اعتراض شریعت اور احکام الہی پر تھا۔ وہ سود کو تجارت کی طرح حلال جانتے تھے جبکہ بیع پر سود کا قیاس کرنا ہی غلط ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ مشرکین تو تجارت کے شرعاً جائز ہونے کے بھی قائل نہیں ورنہ یوں کہتے کہ سود مثل بیع کے ہے۔ ان کا کہنا یہ تھا کہ تجارت اور سود دونوں ایک جیسی چیزیں ہیں پھر کیا وجہ ہے کہ ایک کو حلال کہا جائے اور دوسری کو حرام؟

پھر انہیں جواب دیا جاتا ہے کہ حلت و حرمت اللہ کے حکم کی بناء پر ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ جملہ بھی کافروں کا قول ہی ہو تو بھی انتہائی اچھے انداز سے جوابا کہا گیا، اس میں مصلحت الہیہ کہ ایک کو اللہ نے حرام ٹھہرایا اور دوسرے کو حلال پھر اعتراض کیسا؟ علیم و حکیم اللہ کے حکموں پر اعتراض کرنے والے تم کون؟ کس کی ہستی ہے اس سے باز پرس کرنے کی؟ تمام کاموں کی حقیقت کو جاننے والا تو وہی ہے، وہ خوب جانتا ہے کہ میرے بندوں کا حقیقی نفع کس چیز میں اور فی الواقع نقصان کس چیز میں ہے، تو وہ نفع والی چیزیں حلال کرتا ہے اور نقصان پہنچانے والی چیزیں حرام کرتا ہے۔ کوئی ماں اپنے دودھ پیتے بچے پر اتنی مہربان نہ ہوگی جتنا اللہ اپنے بندوں پر ہے۔ وہ روکتا ہے تو بھی مصلحت سے اور حکم دیتا ہے تو بھی مصلحت سے، اپنے رب کی نصیحت سن کر جو باز آ جائے، اس کے پہلے کئے ہوئے تمام گناہ معاف ہیں، جیسے فرمایا عَفَا اللَّهُ عَمَّا سَلَفَ اور جیسے حضورؐ نے فتح مکہ والے دن فرمایا تھا، جاہلیت کے تمام سود آج میرے ان دونوں قدموں تلے دفن کر دیئے گئے ہیں، چنانچہ سب سے پہلا سود جس سے میں دستبردار ہوتا ہوں، وہ عباسؓ کا سود ہے، پس جاہلیت میں جو سود لے چکے تھے، ان کو لوٹانے کا حکم نہیں ہوا، ایک روایت میں ہے کہ ام براء حضرت زید بن ارقمؓ کی ام ولد تھیں، حضرت عائشہؓ کے پاس آئیں اور کہا کہ میں نے ایک غلام حضرت زیدؓ کے ہاتھوں آٹھ سو کا اس شرط پر بیچا کہ جب ان کے پاس رقم آئے تو وہ ادا کر دیں۔ اس کے بعد انہیں نقدی کی ضرورت پڑی تو وقت سے پہلے ہی وہ اسے فروخت کرنے کو تیار ہو گئے۔ میں نے چھ سو کا خرید لیا۔ حضرت صدیقہؓ نے فرمایا تو نے بھی اور اس نے بھی بالکل خلاف شرع کیا، بہت برا کیا، جاؤ زید سے کہہ دو اگر وہ توبہ نہ کرے گا تو اس کا جہاد بھی غارت ہوگا جو اس نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ مل کر کیا ہے، میں نے کہا اگر وہ دوسو جو مجھے اس سے لینے ہیں، چھوڑ دوں اور صرف چھ سو وصول کر لوں تا کہ مجھے میری پوری رقم آٹھ سو کی مل جائے، آپؐ نے فرمایا پھر کوئی حرج نہیں، پھر آپؐ نے فَمَنْ جَاءَهُ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَبِّهِ فَارْتَدَّ مِمَّا عَمِلَ بِغَيْرِ عِلْمٍ (ابن ابی حاتم) یہ اثر بھی مشہور ہے اور ان لوگوں کی دلیل ہے جو عینہ کے مسئلہ کو حرام بتاتے ہیں اس کی تفصیل کتاب الاحکام میں ہے اور احادیث بھی ہیں والحمد للہ۔

پھر فرمایا کہ حرمت کا مسئلہ کانوں میں پڑنے کے بعد بھی سود لے تو وہ مزا کا مستحق ہے۔ ہمیشہ کے لئے جہنمی ہے، جب یہ آیت اتری

تو آپ نے فرمایا جو مخارہ کو اب بھی نہ چھوڑے وہ اللہ کے رسولؐ سے لڑنے کے لئے تیار ہو جائے (ابوداؤد) ”مخارہ“ اسے کہتے ہیں کہ ایک شخص دوسرے کی زمین میں کھیتی بوئے اور اس سے یہ طے ہو کہ زمین کے اس محدود ٹکڑے سے جتنا اناج نکلے وہ میرا باقی تیرا اور ”مزانہ“ اسے کہتے ہیں کہ درخت میں جو کھجوریں ہیں وہ میری اور میں اس کے بدلے اپنے پاس سے تجھے اتنی اتنی کھجوریں تیار دیتا ہوں اور ”مخالقہ“ اسے کہتے ہیں کہ کھیت میں جو اناج خوشوں میں ہے اسے اپنے پاس سے کچھ اناج دے کر خریدنا ان تمام صورتوں کو شریعت نے حرام قرار دیا تاکہ سود کی جڑیں کٹ جائیں اس لئے کہ ان صورتوں میں صحیح طور پر کیفیت تبادلہ کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔ پس بعض علماء نے اس کی کچھ علت نکالی۔ بعض نے کچھ ایک جماعت نے اسی قیاس پر ایسے تمام کاروبار کو منع کیا دوسری جماعت نے برعکس کہا لیکن دوسری علت کی بناء پر۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ مسئلہ ذرا مشکل ہے یہاں تک کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں افسوس کہ تین مسئلے پوری طرح میری سمجھ میں نہیں آئے دادا کی میراث کا کالہ اور سود کی صورتوں کا یعنی کاروبار کی ایسی صورتیں جن پر سود کا شبہ ہوتا ہے اور وہ ذرائع جو سود کی مماثلت تک لے جاتے ہوں۔ جب یہ حرام ہیں تو وہ بھی حرام ہی ٹھہریں گے جیسے کہ وہ چیز واجب ہو جاتی ہے جس کے بغیر کوئی واجب پورا نہ ہوتا ہو بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ جس طرح حلال ظاہر ہے اسی طرح حرام بھی ظاہر ہے لیکن کچھ کام درمیانی شبہ والے بھی ہیں ان شبہات والے کاموں سے بچنے والے نے اپنے دین اور اپنی عزت کو بچالیا اور جو ان مشتبہ چیزوں میں پڑا وہ حرام میں بھی مبتلا ہو سکتا ہے۔ اس چرچہ کی طرح جو کسی کی چراگاہ کے آس پاس اپنے جانور چراتا ہو تو ممکن ہے کہ کوئی جانور اس چراگاہ میں بھی منہ مار لے سنن میں حدیث ہے کہ جو چیز تجھے شک میں ڈالے اسے چھوڑ دو اور اسے لے لو جو شک شبہ سے پاک ہے دوسری حدیث میں ہے گناہ وہ ہے جو دل میں کھلے طبیعت میں تردد ہو اور اس کے بارے میں لوگوں کا واقف ہونا اسے برا لگتا ہو ایک اور روایت میں ہے اپنے دل سے فتویٰ پوچھ لوگ چاہے کچھ بھی فتویٰ دیتے ہوں۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں سود کی حرمت سب سے آخر میں نازل ہوئی (بخاری) حضرت عمرؓ یہ فرما کر کہتے ہیں افسوس کہ اس کی پوری تفسیر بھی مجھ تک نہ پہنچ سکی اور حضورؐ کا انتقال ہو گیا۔ لوگوں کو سود کو بھی چھوڑ دو اور ہر اس چیز کو جس میں سود کا کچھ بھی شبہ ہو (مسند احمد)

حضرت عمرؓ نے اپنے ایک خطبہ میں فرمایا شاید میں تمہیں بعض ان چیزوں سے روک دوں جو تمہارے لئے نفع والی ہوں اور ممکن ہے میں تمہیں کچھ ایسے احکام بھی دوں جو تمہاری مصلحت کے خلاف ہوں سنو قرآن میں سب سے آخر سود کی حرمت کی آیت اتری۔ حضورؐ کا انتقال ہو گیا اور افسوس کہ اسے کھول کر ہمارے سامنے بیان نہ فرمایا۔ پس تم ہر اس چیز کو چھوڑ دو جو تمہیں شک میں ڈالتی ہو (ابن ماجہ) ایک حدیث میں ہے کہ سود کے تہتر گناہ ہیں جن میں سب سے ہلکا گناہ یہ ہے کہ انسان اپنی ماں سے بدکاری کرے سب سے بڑا سود مسلمان کی چٹک عزت کرنا ہے (متدرک حاکم) فرماتے ہیں ایسا زمانہ بھی آئے گا کہ لوگ سود کھائیں گے صحابہؓ نے پوچھا کیا سب کے سب؟ فرمایا جو نہ کھائے گا اسے بھی غبار تو پہنچے گا ہی (مسند احمد)

پس غبار سے بچنے کے لئے ان اسباب کے پاس بھی نہ پھٹکنا چاہئے جو ان حرام کاموں کی طرف پہنچانے والے ہوں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ جب سورہ بقرہ کی آخری آیت حرمت سود میں نازل ہوئی تو حضرتؓ نے مسجد میں آکر اس کی تلاوت کی اور سودی کاروبار اور سودی تجارت کو حرام قرار دیا بعض ائمہ فرماتے ہیں کہ اسی طرح شراب اور اس طرح کی تمام خرید و فروخت وغیرہ وہ وسائل (ذرائع) ہیں جو اس تک پہنچانے والے ہیں۔ سب حضورؐ نے حرام کئے ہیں صحیح حدیث ہے اللہ تعالیٰ نے یہودیوں پر لعنت اس لئے کی کہ جب ان پر چربی حرام ہوئی تو انہوں نے حیلہ سازی کر کے حلال بنانے کی کوشش کی چنانچہ یہ کوشش کرنا بھی حرام ہے اور موجب لعنت ہے اسی طرح پہلے وہ

حدیث بھی بیان ہو چکی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ جو شخص دوسرے کی تین طلاقیں والی عورت سے اس لئے نکاح کرے کہ پہلے خاندان کے لئے وہ حلال ہو جائے اس پر اور اس خاوند پر اللہ کی پھنکار اور اس کی لعنت ہے آیت حَتَّىٰ تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَہ کی تفسیر میں دیکھ لیجئے حدیث شریف میں ہے سود کھانے والے پر کھلانے والے پر شہادت دینے والوں پر گواہ بننے والوں پر لکھنے والے پر سب پر اللہ کی لعنت ہے ظاہر ہے کہ تب و شاہد کو کیا ضرورت پڑی ہے جو وہ خواہ مخواہ اللہ کی لعنت اپنے اوپر لے اسی طرح بظاہر عقد شرعی کی صورت کا اظہار اور نیت میں فساد رکھنے والوں پر بھی اللہ کی لعنت ہے۔ حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں کو نہیں بلکہ تمہارے دلوں اور نیتوں کو دیکھتے ہیں، حضرت علامہ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے ان جیلوں حوالوں کے رد میں ایک مستقل کتاب ”ابطال التحلیل“ لکھی ہے جو اس موضوع میں بہترین کتاب ہے۔ اللہ ان پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے اور ان سے خوش ہو۔

يَمَحَقُ اللَّهُ الرِّبَا وَيُزِيلُ الصَّدَقَاتِ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ
أَشِيمٍ ۝ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوْا
الزَّكَاةَ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝

اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے اور صدقہ کو بڑھاتا ہے اللہ تعالیٰ کسی ناشرے اور گنہگار کو دوست نہیں رکھتا۔ جو لوگ ایمان کے ساتھ سنت کے مطابق کام کرتے ہیں نمازوں کو قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ کو ادا کرتے ہیں ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے ان پر نہ تو کوئی خوف ہے نہ ادا سی اور غم۔

سود کا کاروبار برکت سے محروم ہوتا ہے: ☆ ☆ (آیت: ۲۷۶-۲۷۷) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ سود کو بر باد کرتا ہے یعنی یا تو اسے بالکل غارت کر دیتا ہے یا سودی کاروبار سے خیر و برکت ہٹا دیتا ہے۔ علاوہ ازیں دنیا میں بھی وہ تباہی کا باعث بنتا ہے اور آخرت میں عذاب کا سبب جیسے ہے قُلْ لَا يَسْتَوِي الْخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ الخ یعنی ناپاک اور پاک برابر نہیں ہوتا گو تمہیں ناپاک کی زیادتی تعجب میں ڈالے۔ ارشاد فرمایا وَيَجْعَلُ الْخَبِيثَ بَعْضُهُ عَلَىٰ بَعْضٍ فَيَرْكُمُهُ جَمِيعًا فَيَجْعَلُهُ فِي جَهَنَّمَ خَبَاثَتِ الْوَالِي چيزوں کو تہہ بالا کر کے وہ جہنم میں جھونک دے گا۔ اور جگہ ہے وَمَا أَنْتُمْ مِنْ رَبِّا الخ یعنی سود دے کر جو مال تم بڑھانا چاہتے ہو وہ دراصل بڑھتا نہیں اسی واسطے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی روایت میں ہے کہ سود سے اگر مال میں اضافہ ہو بھی جائے لیکن انجام کار کمی ہوتی ہے (مسند احمد)

مسند کی ایک اور روایت میں ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد سے نکلے اور اناج پھیلا ہوا دیکھا پوچھا یہ غلہ کہاں سے آیا؟ لوگوں نے کہا بکنے کے لئے آیا ہے آپ نے دعا کی کہ اللہ اس میں برکت دے لوگوں نے کہا یہ غلہ گراں بھائی بیچنے کے لئے پہلے ہی جمع کر لیا تھا پوچھا کس نے جمع کیا تھا؟ لوگوں نے کہا ایک تو فروخ نے جو حضرت عثمانؓ کے مولیٰ ہیں اور دوسرے آپ کے آزاد کردہ غلام نے آپ نے دونوں کو بلوایا اور فرمایا تم نے ایسا کیوں کیا جواب دیا کہ ہم اپنے مالوں سے خریدتے ہیں اور جب جاں پیچیں ہمیں اختیار ہے آپ نے فرمایا سنو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جو شخص مسلمانوں میں مہنگا بیچنے کے خیال سے غلہ روک رکھے اسے اللہ مفلس کر دے گا یہ سن کر حضرت فروخ تو فرمانے لگے کہ میری توبہ ہے۔ میں اللہ سے اور پھر آپ سے عہد کرتا ہوں کہ پھر یہ کام نہ کروں گا لیکن حضرت عمرؓ کے غلام نے پھر بھی یہی کہا کہ ہم اپنے مال سے خریدتے ہیں اور نفع اٹھا کر بیچتے ہیں۔ اس میں کیا حرج ہے؟ راوی حدیث حضرت ابو یحییٰ فرماتے ہیں میں نے پھر دیکھا کہ اسے جذام ہو گیا اور جذامی (کوڑھ) بنا پھر تا تھا ابن ماجہ میں ہے جو شخص مسلمانوں کا غلہ گراں بھاء

نیچنے کے لئے روک رکھے، اللہ تعالیٰ اسے مفلس کر دے گا یا جذامی۔

پھر فرماتا ہے، وہ صدقہ کو بڑھاتا ہے، ”یُرَبِّی“ کی دوسری قرات ”یُرَبِّی“ بھی ہے۔ صحیح بخاری شریف کی حدیث میں ہے جو شخص اپنی پاک کمائی سے ایک کھجور بھی خیرات کرے، اسے اللہ تعالیٰ اپنے داہنے ہاتھ لیتا ہے، پھر اسے پال کر بڑا کرتا ہے (جس طرح تم لوگ اپنے بچھڑوں کو پالتے ہو) اور اس کا ثواب پہاڑ کے برابر بنا دیتا ہے اور پاک چیز کے سوا وہ ناپاک چیز کو قبول نہیں فرماتا، ایک اور روایت میں ہے کہ ایک کھجور کا ثواب احد پہاڑ کے برابر ملتا ہے، اور روایت میں ہے کہ ایک لقمہ مثل احد کے ہو کر ملتا ہے، پس تم صدقہ خیرات کیا کرو۔ پھر فرمایا، ناپسندیدہ کافروں، نافرمان، زبان زور اور نافرمان فعل والوں کو اللہ پسند نہیں کرتا، مطلب یہ ہے کہ جو لوگ صدقہ خیرات نہ کریں اور اللہ کی طرف سے صدقہ خیرات کے سبب مال میں اضافہ کے وعدہ کی پرواہ کئے بغیر دنیا کا مال جمع کرتے پھریں اور بدترین اور خلاف شرع طریقوں سے کمائیاں کریں، لوگوں کے مال باطل اور ناحق طریقوں سے کھا جائیں، یہ اللہ کے دشمن ہیں، ان ناشکروں اور گنہگاروں سے اللہ کا پیار ممکن نہیں۔

پھر ان بندوں کی تعریف ہو رہی ہے جو اپنے رب کے احکام کی بجا آوری کریں، مخلوق کے ساتھ سلوک و احسان کریں، نمازیں قائم کریں، زکوٰۃ دیتے رہیں، یہ قیامت کے دن تمام دکھ درد سے امن میں رہیں گے، کوئی کھٹکا بھی ان کے دل پر نہ گزرے گا بلکہ رب العالمین اپنے انعام و اکرام سے انہیں سرفراز فرمائے گا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ ﴿۲۸۱﴾ فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِۦ وَإِن تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ ﴿۲۸۲﴾ وَإِن كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ وَإِن تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۲۸۳﴾ وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَىٰ اللَّهِ ۖ ثُمَّ تُوَفَّىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۲۸۴﴾

ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو سود باقی رہ گیا ہے، چھوڑ دو اگر تم سچے ایماندار ہو۔ اور اگر نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسولؐ سے لڑنے کے لئے ہوشیار ہو جاؤ! ہاں اگر تو یہ کر لو تو تمہارا اپنا اصل مال تمہارا ہی ہے۔ نہ تم ظلم کرو نہ تم پر ظلم کیا جائے اور اگر کوئی تنگی والا ہو تو اسے آسانی تک کی مہلت دینی چاہئے اور معاف کر دینا ہی بہت بہتر ہے اگر تم میں علم ہو اور اس دن سے ڈرو جس میں تم سب اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے اور ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا ○

سود خور قابل گردن زدنی ہیں اور قرض کے مسائل: ☆☆ (آیت: ۲۷۸-۲۸۱) ان آیات میں اللہ تعالیٰ ایماندار بندوں کو تقوے کا حکم دے رہا ہے اور ایسے کاموں سے روک رہا ہے جن سے وہ ناراض ہو اور لوگ اس کی قربت سے محروم ہو جائیں، تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا لحاظ کرو اور اپنے تمام معاملات میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور تمہارا سود جن مسلمانوں پر باقی ہے، خبردار ان سے اب نہ لو جبکہ وہ حرام ہو گیا، یہ

آیت قبیلہ ثقیف بنی عمرو بن عیسر اور بنو مخزوم کے قبیلہ بنو مغیرہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ جاہلیت کے زمانہ میں ان کا سودی کاروبار تھا۔ اسلام کے بعد بنو عمرو نے مغیرہ سے اپنا سود طلب کیا اور انہوں نے کہا کہ اب ہم اسے اسلام لانے کے بعد ادا نہ کریں گے۔ آخر جھگڑا بڑھا۔ حضرت عتاب بن اسید جو مکہ شریف کے نائب تھے انہوں نے نبی ﷺ کو یہ لکھا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور حضورؐ نے یہ لکھوا کر بھیج دی اور انہیں قابل وصول سود لینا حرام قرار دیا چنانچہ وہ نائب ہوئے اور اپنا سود بالکل چھوڑ دیا۔

اس آیت میں ہے 'ان لوگوں پر جو سود کی حرمت کا علم ہونے کے باوجود بھی اس پر جتے رہیں، زبردست وعید ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں 'سود خور سے قیامت کے دن کہا جائے گا' لے اپنے ہتھیار لے لے اور اللہ سے لڑنے کے لئے آمادہ ہو جا۔ آپ فرماتے ہیں 'امام وقت پر فرض ہے کہ سود خور لوگ جو اسے نہ چھوڑیں، ان سے توبہ کرائے اور اگر نہ کریں تو ان کی گردن مار دے حسن اور ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہما کا فرمان بھی یہی ہے' حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں 'دیکھو اللہ نے انہیں ہلاکت کی دھمکی دی۔ انہیں ذلیل کئے جانے کے قابل ٹھہرایا' خبردار سود سے اور سودی لین دین سے بچتے رہو حلال چیزوں اور حلال خرید و فروخت بہت کچھ ہے فاقے گزرتے ہوں تاہم اللہ کی مصیبت سے رکھو روایت بھی یاد ہوگی جو پہلے گزر چکی کہ حضرت عائشہؓ نے ایک ایسے معاملہ کی نسبت جس میں سود تھا 'حضرت زید بن ارقم' کے بارے میں فرمایا تھا کہ ان کا جہاد بھی برباد ہو گیا اس لئے کہ جہاد اللہ کے دشمنوں سے مقابلہ کرنے کا نام ہے اور سود خواری خود اللہ سے مقابلہ کرنا ہے لیکن اس کی اسناد کمزور ہے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے اگر توبہ کر لو تو اصل مال جو کسی پر فرض ہے بے شک لے لو نہ تم تول میں زیادہ لے کر اس پر ظلم کرو نہ کم دے کر یا نہ دے کر وہ تم پر ظلم کرے' نبی ﷺ نے حجۃ الوداع کے خطبے میں فرمایا 'جاہلیت کا تمام سود میں برباد کرتا ہوں۔ اصل رقم لے لو سود لے کر کسی پر ظلم کرو نہ کوئی تمہارا مال مار کر تم پر زیادتی کرے' حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب کا تمام سود میں ختم کرتا ہوں۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اگر تنگی والا شخص ہو اور اس کے پاس تمہارے قرض کی ادائیگی کے قابل مال نہ ہو تو اسے مہلت دو کہ کچھ اور مدت کے بعد ادا کر دے۔ یہ نہ کرو کہ سود در سود لگائے چلے جاؤ کہ مدت گزر گئی۔ اب اتنا اتنا سود لیں گے بلکہ بہتر بات تو یہ ہے کہ ایسے غریب کو اپنا قرض معاف کر دو طبرانی کی حدیث میں ہے کہ جو شخص قیامت کے دن اللہ کے عرش کا سایہ چاہتا ہو وہ یا تو ایسے تنگی والے شخص کو مہلت دے یا معاف کر دے' مسند احمد کی حدیث میں ہے 'جو شخص مفلس آدمی پر اپنا قرض وصول کرنے میں نرمی کرے اور اسے ڈھیل دے اس کی جتنے دن وہ قرض کی رقم ادا نہ کر سکے اتنے دنوں تک ہر دن اتنی رقم خیرات کرنے کا ثواب ملتا ہے۔ اور روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا 'ہر دن اس سے دینی رقم کے صدقہ کرنے کا ثواب ملے گا۔ یہ سن کر حضرت بریدہؓ نے فرمایا 'حضورؐ پہلے تو آپؐ نے ہر دن اس کے مثل ثواب ملنے کا فرمایا تھا۔ آج دو مثل فرماتے ہیں؟ فرمایا ہاں جب تک معیاد ختم نہیں ہوئی مثل کا ثواب اور معیاد گزرنے کے بعد دو مثل کا' حضرت ابوقادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قرض ایک شخص کے ذمہ تھا وہ تقاضا کرنے کو آتے لیکن یہ چھپ رہے اور نہ ملنے' ایک دن آئے گھر سے ایک بچہ نکلا آپؐ نے اس سے پوچھا 'اس نے کہا' ہاں گھر میں موجود ہیں کھانا کھا رہے ہیں' اب حضرت ابوقادہؓ نے اونچی آواز سے انہیں پکارا اور فرمایا مجھے معلوم ہو گیا کہ تم گھر میں موجود ہو' آؤ باہر آؤ۔ جواب دو وہ بیچارے باہر نکلے۔ آپؐ نے کہا۔ کیوں چھپ رہے ہو' کہا حضرت بات یہ ہے کہ میں مفلس ہوں۔ اس وقت میرے پاس رقم نہیں بوجہ شرمندگی کے آپؐ سے نہیں ملتا آپؐ نے کہا تم کھاؤ اس نے قسم کھائی آپؐ روئے اور فرمانے لگے میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے 'جو شخص نادار قرض دار کو ڈھیل دے یا اپنا قرض معاف کر دے وہ قیامت کے دن اللہ کے عرش کے سائے تلے ہوگا (صحیح مسلم)۔

ابوبلی نے ایک حدیث روایت کی ہے، حضورؐ فرماتے ہیں، قیامت کے دن ایک بندہ اللہ کے سامنے لایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس سے سوال کرے گا کہ بتا میرے لئے تو نے کیا نیکی کی ہے۔ وہ کہے گا اے اللہ ایک ذرے کے برابر بھی کوئی ایسی نیکی مجھ سے نہیں ہوئی جو آج میں اس کی جزا طلب کر سکوں، اللہ اس سے پھر پوچھے گا وہ پھر یہی جواب دے گا، پھر پوچھے گا وہ پھر یہی کہے گا پروردگار ایک چھوٹی سی بات البتہ یاد پڑتی ہے کہ تو نے اپنے فضل سے کچھ مال بھی مجھے دے رکھا تھا۔ میں تجارت پیشہ شخص تھا۔ لوگ ادھار سدھار لے جاتے تھے۔ میں اگر دیکھتا کہ یہ غریب شخص ہے اور وعدہ پر قرض نہ ادا کر سکا تو میں اسے اور کچھ مدت کی مہلت دے دیتا عمال داروں پر سختی نہ کرتا زیادہ تنگی والا اگر کسی کو پاتا تو معاف بھی کر دیتا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا، پھر میں تجھ پر آسانی کیوں نہ کروں میں تو سب سے زیادہ آسانی کرنے والا ہوں جا میں نے تجھے بخشا۔ جنت میں داخل ہو جا، مستدرک حاکم میں ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والے غازی کی مدد کرے یا قرض دار بے مال کی اعانت کرے یا غلام جس نے لکھ دیا ہو کہ اتنی رقم دے دو تو آزاد ہوں۔ اس کی مدد کرے اللہ تعالیٰ اسے اس دن سایہ دے گا جس دن اس کے سائے کے سوا اور کوئی سایہ نہ ہوگا۔

مسند احمد میں ہے جو شخص یہ چاہتا ہو کہ اس کی دعائیں قبول کی جائیں اور اس کی تکلیف و مصیبت دور ہو جائے اسے چاہئے کہ تنگی والے لوگوں پر کثادگی کرے، عباد بن ولیدؓ فرماتے ہیں کہ میں اور میرے والد طلب علم میں نکلے اور ہم نے کہا کہ انصاریوں سے حدیثیں پڑھیں، سب سے پہلے ہماری ملاقات حضرت ابوالیسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوئی۔ ان کے ساتھ ان کے غلام تھے جن کے ہاتھ میں ایک دفتر تھا اور غلام و آقا کا ایک ہی لباس تھا، میرے باپ نے کہا چچا آپ تو اس وقت غصہ میں نظر آتے ہیں۔ فرمایا ہاں۔ سنو۔ فلاں شخص پر میرا کچھ قرض تھا مدت ختم ہو چکی تھی۔ میں قرض مانگنے گیا سلام کیا اور پوچھا کہ کیا وہ مکان پر ہیں۔ گھر میں سے جواب ملا کہ نہیں، اتفاقاً ان کا ایک چھوٹا بچہ باہر آیا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ تمہارے والد کہاں ہیں؟ اس نے کہا کہ آپ کی آوازیں کر چار پائی تلے جا چھپے ہیں، میں نے پھر آواز دی اور کہا کہ تمہارا اندر ہونا مجھے معلوم ہو گیا ہے اب چھپو نہیں آؤ جواب دو وہ آئے میں نے کہا کیوں چھپ رہے ہو؟ کہا محض اس لئے کہ میرے پاس روپیہ تو اس وقت ہے نہیں، آپ سے ملوں گا تو کوئی جھوٹا عذر جلیلہ بیان کروں گا یا غلط وعدہ کر لوں گا اس لئے سامنے ہونے سے جھجکتا تھا۔ آپ رسول اللہؐ کے صحابی ہیں، آپ سے جھوٹ کیا کہوں؟ میں نے کہا سچ، کہتے ہو اللہ کی قسم تمہارے پاس روپیہ نہیں، اس نے کہا ہاں سچ کہتا ہوں اللہ کی قسم کچھ نہیں، تین مرتبہ میں نے قسم کھائی اور انہوں نے کھائی، میں نے اپنے دفتر میں سے ان کا نام کاٹ دیا اور رقم جمع کر لی اور کہہ دیا کہ جاؤ میں نے تمہارے نام سے یہ رقم کاٹ دی ہے، اب اگر تمہیں مل جائے تو دے دینا ورنہ معاف ہے۔ سنو میری ان دونوں آنکھوں نے دیکھا اور میرے ان دونوں کانوں نے سنا اور میرے اس دل نے اسے خوب یاد رکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جو شخص کسی سختی والے کو ڈھیل دے یا معاف کر دے اللہ تعالیٰ اسے اپنے سایہ میں جگہ دے گا، مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مسجد آتے ہوئے زمین کی طرف اشارہ کر کے فرمایا، جو شخص کسی نادار پر آسانی کر دے یا اسے معاف کر دے اللہ تعالیٰ اسے جہنم کی گرمی سے بچالے گا، سنو جنت کے کام مشقت والے ہیں اور خواہش کے خلاف ہیں اور جہنم کے کام آسانی والے ہیں اور خواہش نفس کے مطابق ہیں، نیک بخت وہ لوگ ہیں جو فتنوں سے بچ جائیں وہ انسان جو غصے کا گھونٹ پی لے اس کو اللہ تعالیٰ ایمان سے نوازتا ہے، طبرانی میں ہے جو شخص کسی مفلس شخص پر رحم کرے اپنے قرض کی وصولی میں اس پر سختی نہ کرے، اللہ بھی اس کے گناہوں پر اس کو نہیں پکڑتا یہاں تک کہ وہ توبہ کر لے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو نصیحت کرتا ہے۔ انہیں دنیا کے زوال، مال کے فنا، آخرت کا آنا، اللہ کی طرف لوٹنا، اللہ کو اپنے اعمال کا حساب دینا اور ان تمام اعمال پر جزا و سزا کا ملنا یاد دلانا ہے اور اپنے عذابوں سے ڈراتا ہے، یہ بھی مروی ہے کہ قرآن کریم کی سب سے

آخری آیت یہی ہے اس آیت کے نازل ہونے کے بعد نبی ﷺ صرف نور اتوں تک زندہ رہے اور ربیع الاول کی دوسری تاریخ کو پیر کے دن آپ کا انتقال ہو گیا۔ اللہ صلی وسلم و علیہ۔ ابن عباسؓ سے ایک روایت میں اس کے بعد حضورؐ کی زندگی اکتیس دن کی بھی مروی ہے ابن جریجؒ فرماتے ہیں کہ سلف کا قول ہے کہ اس کے بعد حضورؐ نور ات زندہ رہے۔ ہفتہ کے دن سے ابتدا ہوئی اور پیر والے دن انتقال ہوا۔ الغرض قرآن کریم میں سب سے آخر یہی آیات نازل ہوئی ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدِينٍ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى
فَاكْتُبُوهُ وَلْيَكْتُبَ بَيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ وَلَا يَأْبَ كَاتِبٌ أَنْ
يَكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللَّهُ فَلْيَكْتُبْ وَلْيُمْلِلِ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ
وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ وَلَا يَبْخَسَ مِنْهُ شَيْئًا فَإِنْ كَانَ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ
سَفِيهًا أَوْ ضَعِيفًا أَوْ لَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يُمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهُ بِالْعَدْلِ
وَأَسْأَلُكُمْ مِنَ الشَّهَادَةِ أَنْ تَكُونُوا رَجُلَيْنِ قَرَجُلٍ
وَأَمْرَاتَيْنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ أَنْ تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ
إِحْدَاهُمَا الْآخَرَىٰ

ایمان والو! جب تم آپس میں ایک دوسرے سے عیاد مقرر پر قرض کا معاملہ کرو تو اسے لکھ لیا کرو اور لکھنے والے کو چاہئے کہ تمہارا آپس کا معاملہ عدل سے لکھے کاتب کو چاہئے کہ لکھنے سے انکار نہ کرے جیسے اللہ نے اسے سکھایا ہے وہ بھی لکھ دے اور جس کے ذمہ حق ہو وہ لکھوائے اور اپنے اللہ سے ڈرے جو اس کا رب ہے اور حق میں سے کچھ گھٹائے نہیں جس شخص کے ذمہ حق ہے وہ اگر نادان ہو یا کمزور ہو یا لکھوانے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اس کا ولی عدل کے ساتھ لکھوادے اور اپنے میں سے دو مرد گواہ رکھ لو۔ اگر دوسرے نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں جنہیں تم گواہوں میں سے پسند کرو تا کہ ایک کی بھول چوک کو دوسری یاد دلادے

حفظ قرآن اور لین دین میں گواہ اور لکھنے کی تاکید: ☆ ☆ (آیت: ۲۸۲) یہ آیت قرآن کریم کی تمام آیتوں سے بڑی ہے حضرت سعید بن مسیبؒ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ قرآن کی سب سے بڑی آیت یہی آیت الدین ہے یہ آیت جب نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سب سے پہلے انکار کرنے والے حضرت آدم علیہ السلام ہیں اللہ تعالیٰ نے جب حضرت آدمؑ کو پیدا کیا ان کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا اور قیامت تک کی ان کی تمام اولاد نکالی آپ نے اپنی اولاد کو دیکھا۔ ایک شخص کو خوب تر و تازہ اور نورانی دیکھ کر پوچھا کہ الہی ان کا کیا نام ہے؟ جناب باری نے فرمایا یہ تمہارے لڑکے داؤد ہیں پوچھا اللہ ان کی عمر کیا ہے؟ فرمایا ساٹھ سال کہا اے اللہ اس کی عمر کچھ اور بڑھا اللہ تعالیٰ نے فرمایا نہیں۔ ہاں اگر تم اپنی عمر میں سے انہیں کچھ دینا چاہو تو دے دو کہا اے اللہ میری عمر میں سے چالیس سال اسے دیئے جائیں چنانچہ دے دیئے گئے حضرت آدمؑ کی اصلی عمر ایک ہزار سال کی تھی۔ اس لین دین کو لکھا گیا اور فرشتوں کو اس پر گواہ کیا گیا حضرت آدمؑ کی موت جب آئی کہنے لگے اے اللہ میری عمر میں سے تو ابھی چالیس سال باقی ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ تم نے اپنے لڑکے کے حضرت داؤد کو دے دیئے ہیں تو حضرت آدمؑ نے انکار کیا جس پر وہ لکھا ہوا دیکھا گیا اور فرشتوں کی گواہی گزری دوسری روایت میں ہے کہ حضرت آدمؑ

؎ کی عمر پھر اللہ تعالیٰ نے ایک ہزار کی پوری کی اور حضرت داؤدؑ کی ایک سو سال کی (مسند احمد) لیکن یہ حدیث بہت ہی غریب ہے۔ اس کے راوی علی بن زید بن جدعان کی حدیثیں منکر ہوتی ہیں، مستدرک حاکم میں بھی یہ روایت ہے۔

وَلَا يَأْتِ الشَّهَادَةَ إِذَا مَا دُعُوا وَلَا تَسْمُوا أَنْ تَكْتُبُوهُ صَغِيرًا أَوْ
كَبِيرًا إِلَىٰ أَجَلِهِ ذَلِكُمْ أَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ وَأَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَأَدْنَىٰ أَلَّا
تَرْتَابُوا إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيرُونَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ
عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَلَّا تَكْتُبُوهَا وَأَشْهَدُوا إِذَا تَبَايَعْتُمْ وَلَا يُضَارَّ كَاتِبٌ
وَلَا شَهِيدٌ وَإِنْ تَفَعَّلُوا فَإِنَّهُ فَسُوقٌ بِكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ
وَيَعْلَمُكُمُ اللَّهُ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۸۵﴾

گواہوں کو چاہئے کہ جب وہ بلائے جائیں تو انکار نہ کریں، قرض کو جس کی مدت مقرر ہے خواہ چھوٹا ہو یا بڑا ہو لکھنے میں کاہلی نہ کرو، اللہ کے نزدیک یہ بات بہت انصاف والی ہے اور گواہی کو بھی زیادہ درست رکھنے والی اور شک و شبہ سے بھی زیادہ بچانے والی ہے ہاں یہ اور بات ہے کہ وہ معاملہ نقد تجارت کی شکل میں ہو جو آپس میں تم لین دین کر رہے ہو تو تم پر اس کے نہ لکھنے میں کوئی گناہ نہیں، خرید و فروخت کے وقت بھی گواہ مقرر کر لیا کرو نہ تو لکھنے والے کو نقصان پہنچایا جائے نہ گواہ کو اور اگر تم یہ کرو تو یہ تمہاری مکلی نافرمانی ہے۔ اللہ سے ڈرو اللہ تمہیں تعلیم دے رہا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے ○

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ایماندار بندوں کو ارشاد فرمایا ہے کہ وہ ادھار کے معاملات لکھ لیا کریں تاکہ رقم اور معیار خوب یاد رہے۔ گواہ کو بھی غلطی نہ ہو، اس سے ایک وقت مقررہ کے لئے ادھار دینے کا جواز بھی ثابت ہوا، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ معیار مقرر کر کے قرض کے لین دین کی اجازت اس آیت سے بخوبی ثابت ہوتی ہے، صحیح بخاری شریف میں ہے کہ مدینے والوں کا ادھار لین دین دیکھ کر آنحضور ﷺ نے فرمایا، ناپ تول یا وزن مقرر کر لیا کرو، بھاؤ تاؤ چکا لیا کرو اور مدت کا بھی فیصلہ کر لیا کرو۔

قرآن حکم دیتا ہے کہ لکھ لیا کرو اور حدیث شریف میں ہے کہ ہم ان پڑھا امت ہیں نہ لکھنا جائیں نہ حساب ان دونوں میں تطبیق اس طرح ہے کہ دینی مسائل اور شرعی امور کے لکھنے کی تو مطلق ضرورت ہی نہیں خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بے حد آسان اور بالکل سہل کر دیا گیا، قرآن کا حفظ اور احادیث کا حفظ قدرتا لوگوں پر سہل ہے لیکن دنیوی چھوٹی بڑی لین دین کی باتیں اور وہ معاملات جو ادھار سدھار ہوں ان کی بابت بے شک لکھ لینے کا حکم ہوا، اور یہ بھی یاد رہے کہ یہ حکم بھی وجوہاً نہیں پس نہ لکھنا دینی امور کا ہے اور لکھ لینا دنیوی کام کا ہے۔ بعض لوگ اس کے وجوب کی طرف بھی گئے ہیں ابن جریجؒ فرماتے ہیں، جو ادھار دئے وہ لکھ لے اور جو بیچے وہ گواہ کر لے، ابوسلیمان عرشیؒ جنہوں نے حضرت کعبؓ کی صحبت بہت اٹھائی تھی، انہوں نے ایک دن اپنے پاس والوں سے کہا، اس مظلوم کو بھی جاننے ہو جو اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے اور اس کی دعا قبول نہیں ہوتی، لوگوں نے کہا یہ کس طرح؟ فرمایا یہ وہ شخص ہے جو ایک مدت تک کے لئے ادھار دیتا ہے اور نہ گواہ رکھتا ہے نہ لکھت پڑھت کرتا ہے۔

پھر مدت گزرنے پر تقاضا کرتا ہے اور دوسرا شخص انکار کر جاتا ہے۔ اب یہ اللہ سے دعا کرتا ہے لیکن پروردگار قبول نہیں کرتا اس لئے کہ اس نے کام اس کے فرمان کے خلاف کیا ہے اور اپنے رب کا نافرمان ہوا ہے، حضرت ابوسعید، شععی، ربیع بن انس، حسن، ابن جریج، ابن زید وغیرہ رحمہم اللہ عنہم کا قول ہے کہ پہلے تو یہ واجب تھا پھر وجوب منسوخ ہو گیا اور فرمایا گیا کہ اگر ایک دوسرے پر اطمینان ہو تو جسے امانت دی گئی ہے اسے چاہئے کہ ادا کر دے اور اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ گو یہ واقعہ اگلی امت کا ہے لیکن تاہم ان کی شریعت ہماری شریعت ہے جب تک ہماری شریعت پر سے انکار نہ ہو۔ اس واقعہ میں جسے اب ہم بیان کرتے ہیں لکھت پڑھت کے نہ ہونے اور گواہ مقرر نہ کئے جانے پر شارع علیہ السلام نے انکار نہیں کیا۔

مسند میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا بنی اسرائیل کے ایک شخص نے دوسرے شخص سے ایک ہزار دینار ادھار مانگے۔ اس نے کہا گواہ لاؤ۔ جواب دیا کہ اللہ کی گواہی کافی ہے، کہا ضمانت لاؤ، جواب دیا اللہ کی ضمانت کافی ہے، کہا تو نے سچ کہا، ادائیگی کی معیاد مقرر ہو گئی اور اس نے اسے ایک ہزار دینار رکن دیئے۔ اس نے تری کا سفر کیا اور اپنے کام سے فارغ ہوا جب معیاد پوری ہونے کو آئی تو یہ سمندر کے قریب آیا کہ کوئی جہاز کشتی طے تو اس میں بیٹھ جاؤں اور رقم ادا کر آؤں لیکن کوئی جہاز نہ ملا جب دیکھا کہ وقت پر نہیں پہنچ سکتا تو اس نے ایک لکڑی لی۔ اسے بیچ سے کھوکھلی کر لی اور اس میں ایک ہزار دینار رکھ دیئے اور ایک پرچہ بھی رکھ دیا پھر منہ کو بند کر دیا اور اللہ سے دعا کی کہ پروردگار تجھے خوب علم ہے کہ میں نے فلاں شخص سے ایک ہزار دینار قرض لئے اس نے مجھ سے ضمانت طلب کی میں نے تجھے ضامن دیا اور وہ اس پر خوش ہو گیا گواہ مانگا میں نے گواہ بھی تجھی کو رکھا وہ اس پر بھی خوش ہو گیا۔ اب جبکہ اپنا قرض ادا کر آؤں لیکن کوئی کشتی نہیں ملی۔ اب میں اس رقم کو تجھے سونپتا ہوں اور سمندر میں ڈال دیتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ یہ رقم اسے پہنچا دے، پھر اس لکڑی کو سمندر میں ڈال دیا اور خود چلا گیا لیکن پھر بھی کشتی کی تلاش میں رہا کہ مل جائے تو جاؤں۔ یہاں تو یہ ہوا وہاں جس شخص نے اسے قرض دیا، جب اس نے دیکھا کہ وقت پورا ہوا اور آج اسے آنا چاہئے تو وہ بھی دریا کنارے آ کھڑا ہوا کہ وہ آئے گا اور میری رقم مجھے دے دے گا یا کسی کے ہاتھ بھجوائے گا مگر جب شام ہونے کو آئی اور کوئی کشتی اس کی طرف سے نہیں آئی تو یہ واپس لوٹا، کنارے پر ایک لکڑی دیکھی تو یہ سمجھ کر کہ خالی ہاتھ تو جا ہی رہا ہوں، آؤ اس لکڑی کو لے چلو پھاڑ کر سکھالوں گا۔ جلانے کے کام آئے گی، گھر پہنچ کر جب اسے چیرتا ہے تو کھانکھن بجتی ہوئی اشرفیاں نکلتی ہیں۔ گنتا ہے تو پوری ایک ہزار ہیں۔ وہیں پرچہ پر نظر پڑتی ہے اسے بھی اٹھا کر پڑھ لیتا ہے۔ پھر اپک دن وہی شخص آتا ہے اور ایک ہزار دینار پیش کر کے کہتا ہے۔ یہ لیجئے آپ کی رقم معاف کیجئے گا میں نے ہر چند کوشش کی کہ وعدہ خلافی نہ ہو لیکن کشتی کے نہ ملنے کی وجہ سے مجبور ہو گیا اور دیر لگ گئی، آج کشتی ملی آپ کی رقم لے کر حاضر ہوا، اس نے پوچھا کیا میری رقم آپ نے بھجوائی بھی ہے اس نے کہا میں کہہ چکا کہ مجھے کشتی نہ ملی اس نے کہا اپنی رقم واپس لے کر خوش ہو کر چلے جاؤ، آپ نے جو رقم لکڑی میں ڈال کر اسے تو کل علی اللہ ڈال دی تھی اسے اللہ نے مجھ تک پہنچا دیا اور میں نے اپنی رقم پوری وصول پالی۔ اس حدیث کی سند بالکل صحیح ہے صحیح بخاری شریف میں سات جگہ یہ حدیث آئی ہے۔

پھر فرمان ہے کہ لکھنے والا عدل و حق کے ساتھ لکھے کتابت میں کسی فریق پر ظلم نہ کرے۔ ادھر ادھر کچھ کمی بیشی نہ کرے بلکہ لین دین والے دونوں متفق ہو کر جو لکھوائیں، وہی لکھئے، لکھا پڑھا شخص معاملہ کو لکھنے سے انکار نہ کرے۔ جب اسے لکھنے کو کہا جائے لکھ دے، جس طرح اللہ کا یہ احسان اس پر ہے کہ اس نے اسے لکھنا سکھایا، اسی طرح جو لکھنا نہ جانتے ہوں ان پر یہ احسان کرے اور ان کے معاملہ کو لکھ دیا کرے، حدیث میں ہے یہ بھی صدقہ ہے کہ کسی کام کرنے والے کا ہاتھ بٹاؤ کسی گرے پڑے کا کام کر دو اور حدیث میں ہے جو علم کو جان کر پھر اسے

چھپائے، قیامت کے دن اسے آگ کی لگام پہنائی جائے گی؛ حضرت مجاہدؒ اور حضرت عطاءؒ فرماتے ہیں، کاتب پر لکھ دینا اس آیت کی رو سے واجب ہے۔ جس کے ذمہ حق ہو وہ لکھوائے اور اللہ سے ڈرے نہ کی بیشی کرے نہ خیانت کرے۔ اگر یہ شخص بے سمجھ ہے اسراف وغیرہ کی وجہ سے روک دیا گیا ہے یا کمزور ہے یعنی بچہ ہے یا حواس درست نہیں یا جہالت اور کندہ ذہنی کی وجہ سے لکھوانا بھی نہیں جانتا تو جو اس کا والی اور بڑا ہو وہ لکھوائے۔

پھر فرمایا کتابت کے ساتھ شہادت بھی ہونی چاہئے تاکہ معاملہ خوب مضبوط اور بالکل صاف ہو جائے، دو مردوں کو گواہ کر لیا کرو۔ اگر نمل سکیں تو خیر ایک مرد اور دو عورتیں سہی یہ حکم مال کے اور مقصود مال کے بارے میں ہے، دو عورتوں کو ایک عورت کے قائم مقام کرنا عورت کی عقل کے نقصان کے سبب ہے، جیسے صحیح مسلم شریف میں حدیث ہے کہ حضورؐ نے فرمایا، اے عورتو! صدقہ کرو اور بکثرت استغفار کرتی رہو۔ میں نے دیکھا ہے کہ جہنم میں تم بہت زیادہ تعداد میں جاؤ گی، ایک عورت نے پوچھا، حضورؐ یہ کیوں؟ آپ نے فرمایا تم لعنت زیادہ بھیجا کرتی ہو اور اپنے خاندنوں کی ناشکری کرتی ہو، میں نے نہیں دیکھا کہ باوجود عقل و دین کی کمی کے مردوں کی قتل مارنے والی تم سے زیادہ کوئی ہو، اس نے پھر پوچھا کہ حضورؐ ہم میں دین کی اور عقل کی کمی کیسے ہے؟ فرمایا عقل کی کمی تو اس سے ظاہر ہے کہ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر ہے اور دین کی کمی یہ ہے کہ ایام حیض میں نہ نماز ہے نہ روزہ۔

گواہوں کی نسبت فرمایا کہ یہ شرط ہے کہ وہ عدالت والے ہوں، امام شافعیؒ کا مذہب ہے کہ جہاں کہیں قرآن شریف میں گواہ کا ذکر ہے وہاں عدالت کی شرط ضروری ہے گو وہاں لفظوں میں نہ ہو اور جن لوگوں نے ان کی گواہی رد کر دی ہے جن کا عادل ہونا معلوم نہ ہو ان کی دلیل بھی یہی آیت ہے، وہ کہتے ہیں کہ گواہ عادل اور پسندیدہ ہونا چاہئے۔ دو عورتیں مقرر ہونے کی حکمت بھی بیان کر دی گئی کہ ایک گواہی کو بھول جائے تو دوسری یاد دلادے گی، ”فَتَذَكِّرُ“ کی دوسری قرات ”فَتَذَكِّرُ“ بھی ہے جو لوگ کہتے ہیں کہ اس کی شہادت اس کے ساتھ مل کر شہادت مرد کے کر دے گی انہوں نے مکلف کیا ہے صحیح بات پہلی ہی ہے۔ واللہ اعلم۔

گواہوں کو چاہئے کہ جب وہ بلائے جائیں تو انکار نہ کریں یعنی جب ان سے کہا جائے کہ آؤ اس معاملہ پر گواہ رہو تو انہیں انکار نہ کرنا چاہئے جیسے کاتب کی بابت بھی یہی فرمایا گیا ہے یہاں سے یہ بھی فائدہ حاصل کیا گیا ہے کہ گواہ رہنا بھی فرض کفایہ ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ جمہور کا مذہب یہی ہے اور یہ معنی بھی بیان کئے گئے ہیں کہ جب گواہ گواہی دینے کے لئے طلب کیا جائے یعنی جب اس سے واقعہ پوچھا جائے تو وہ خاموش نہ رہے چنانچہ حضرت ابو جحزہؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ جب گواہ بننے کے لئے بلائے جاؤ تو تمہیں اختیار ہے خواہ گواہ بننا پسند کرو یا نہ کرو لیکن جب گواہ ہو چکے پھر گواہی دینے کے لئے جب بلایا جائے تو ضرور جانا پڑے گا۔ صحیح مسلم اور سنن کی حدیث میں ہے اچھے گواہ وہ ہیں جو بے پوچھے ہی گواہی دے دیا کریں۔ بخاری و مسلم کی دوسری حدیث میں جو آیا ہے کہ بدترین گواہ وہ ہیں جن سے گواہی طلب نہ کی جائے اور وہ گواہی دینے میں نہ جائیں اور وہ حدیث جس میں ہے کہ پھر ایسے لوگ آئیں گے جن کی قسمیں گواہیوں پر اور گواہیاں قسموں پر پیش پیش رہیں گی، اور روایت میں آیا ہے کہ ان سے گواہی نہ لی جائے گی تاہم وہ گواہی دیں گے (تو یاد رہے مذمت جھوٹی گواہی دینے والیوں کی ہے اور تعریف سچی گواہی دینے والوں کی ہے) اور یہی ان مختلف احادیث میں تطبیق ہے، حضرت ابن عباسؓ وغیرہ فرماتے ہیں، آیت دونوں حالتوں پر شامل ہے یعنی گواہی دینے کے لئے بھی اور گواہ رہنے کے لئے بھی انکار نہ کرنا چاہئے۔

پھر فرمایا، چھوٹا معاملہ ہو یا بڑا لکھنے سے کسمائے نہیں بلکہ مدت وغیرہ بھی لکھ لیا کرو۔ ہمارا یہ حکم پورے عدل والا اور گواہی کو خوب

ثابت رکھنے والا ہے کیونکہ اپنی تحریر دیکھ کر بھولی بسری بات بھی یاد آ جاتی ہے نہ لکھا ہو تو ممکن ہے کہ بھول جائے۔ جیسے اکثر ہوتا ہے اور اس میں شک و شبہ کے نہ ہونے کا بھی زیادہ موقعہ ہے کیونکہ اختلاف کے وقت تحریر دیکھ سکتے ہیں اور بغیر شک و شبہ فیصلہ ہو سکتا ہے۔ پھر فرمایا جبکہ نقد خرید و فروخت ہو رہی ہو تو چونکہ باقی کچھ نہیں رہتا اس لئے اگر نہ لکھا جائے تو کسی جھگڑے کا احتمال نہیں لہذا کتابت کی شرط تو ہٹا دی گئی۔ اب رہی شہادت تو سعید بن مسیب تو فرماتے ہیں کہ ادھار ہو یا نہ ہو ہر حال میں اپنے حق پر گواہ کر لیا کر دہ دیگر بزرگوں سے مروی ہے کہ فان امن الخ فرما کر اس حکم کو بھی ہٹا دیا۔

یہ بھی ذہن نشین رہے کہ جمہور کے نزدیک یہ حکم واجب نہیں بلکہ استحباب کے طور پر اچھائی کے لئے ہے اور اس کی دلیل یہ حدیث ہے جس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ حضورؐ نے خرید و فروخت کی جبکہ اور کوئی گواہ شاہد نہ تھا چنانچہ مسند احمد میں ہے کہ آپؐ نے ایک اعرابی سے ایک گھوڑا خریدا اور اعرابی آپ کے پیچھے پیچھے آپ کے دولت خانہ کی طرف رقم لینے کے لئے چلا حضورؐ تو ذرا جلد نکل گئے اور وہ آہستہ آہستہ آ رہا تھا۔ لوگوں کو یہ معلوم نہ تھا کہ یہ گھوڑا بک گیا ہے انہوں نے قیمت لگانی شروع کی۔ یہاں تک کہ جتنے داموں اس نے آپ کے ہاتھ بیچا تھا اس سے زیادہ دام لگ گئے۔ اعرابی کی نیت پٹٹی اور اس نے آپ کو آواز دے کر کہا، حضرت یا تو گھوڑا اسی وقت نقد دے کر لے لویا میں اور کے ہاتھ بیچ دیتا ہوں حضورؐ یہ سن کر رر کے اور فرمانے لگے تو تو اسے میرے ہاتھ بیچ چکا ہے پھر یہ کیا کہہ رہا ہے اس نے کہا نہیں اللہ کی قسم میں نے تو نہیں بیچا۔ حضرت نے فرمایا۔ غلط کہتا ہے میرے تیرے درمیان معاملہ ہو چکا ہے اب لوگ ادھر ادھر سے بیچ میں بولنے لگے اس گنوار نے کہا اچھا تو گواہ لائے کہ میں نے آپ کے ہاتھ بیچ دیا مسلمانوں نے ہر چند کہا کہ بد بخت آپ تو اللہ کے پیغمبر ہیں آپ کی زبان سے تو حق ہی نکلتا ہے لیکن وہ یہی کہے چلا گیا کہ لاؤ گواہ پیش کرو اتنے میں حضرت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آ گئے اور اعرابی کے اس قول کو سن کر فرمانے لگے میں گواہی دیتا ہوں کہ تو نے بیچ دیا ہے اور آنحضرتؐ کے ہاتھ تو فروخت کر چکا ہے آپؐ نے فرمایا تو کیسے شہادت دے رہا ہے؟ حضرت خزیمہؓ نے فرمایا آپ کی تصدیق اور سچائی کی بنیاد پر یہ شہادت دی ہے چنانچہ آپؐ نے فرمایا کہ آج سے حضرت خزیمہؓ کی گواہی دو گواہوں کے برابر ہے۔

پس اس حدیث سے خرید و فروخت پر گواہی دو گواہوں کی ضروری نہ رہی لیکن احتیاط اسی میں ہے کہ تجارت پر بھی گواہ ہوں کیونکہ ابن مردویہ اور حاکم میں ہے کہ تین شخص ہیں جو اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں لیکن قبول نہیں کی جاتی۔ ایک تو وہ کہ جس کے گھر بد اخلاق عورت ہو اور وہ اسے طلاق نہ دے۔ دوسرا وہ شخص جو کسی یتیم کا مال اس کی بلوغت سے پہلے اسے سوئپ دے تیسرا وہ شخص جو کسی کو مال قرض دے اور گواہ نہ رکھے امام حاکم اسے شرط بخاری و مسلم پر صحیح بتلاتے ہیں۔ بخاری و مسلم اس لئے اسے نہیں لائے کہ شعبہ کے شاگرد اس روایت کو حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ پر موقوف بتاتے ہیں۔

پھر فرماتا ہے کہ کاتب کو چاہئے کہ جو لکھا گیا وہی لکھے اور گواہ کو چاہئے کہ واقعہ کے خلاف گواہی نہ دے اور نہ گواہی کو چھپائے۔ حسن قتادہ وغیرہ کا یہی قول ہے۔ ابن عباسؓ یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ ان دونوں کو ضرر نہ پہنچایا جائے مثلاً انہیں بلانے کے لئے گئے وہ کسی اپنے کام کاج میں مشغول ہوں تو یہ کہنے لگے کہ تم پر یہ فرض ہے۔ اپنا حرج کرو اور چلو یہ حق انہیں نہیں اور بہت سے بزرگوں سے بھی یہ مروی ہے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ میں جس سے روکوں اس کا کرنا اور جو کام کرنے کو کہوں اس سے رک جانا یہ بدکاری ہے جس کا دبا ل تم سے چھٹے گا نہیں۔ پھر فرمایا اللہ سے ڈرو۔ اس کا لحاظ رکھو اس کی فرمانبرداری کرو اس کے روکے ہوئے کاموں سے رک جاؤ اللہ تعالیٰ تمہیں سمجھا رہا ہے جیسے اور جگہ فرمایا يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَلْ لَكُمْ فُرْقَانًا اے ایمان والو اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو گے تو وہ تمہیں

دلیل دے دے گا اور جگہ ہے ایمان والو! اللہ سے ڈرو! اس کے رسول پر ایمان رکھو وہ تمہیں دوہری رحمتیں دے گا اور تمہیں وہ نور عطا فرمائے گا جس کی روشنی میں تم چلتے رہو گے۔ پھر فرمایا تمام کاموں کے انجام اور حقیقت سے ان کی مصلحتوں اور دور اندیشیوں سے اللہ آگاہ ہے۔ اس سے کوئی چیز مخفی نہیں اس کا علم تمام کائنات کو گھیرے ہوئے ہے اور ہر چیز کا اسے حقیقی علم ہے۔

وَاِنْ كُنْتُمْ عَلَىٰ سَفَرٍ وَلَمْ تَجِدُوا كَاتِبًا فَرِهْنَ مَقْبُوضَهُ ۖ فَاِنْ
 اَمِنَ بَعْضُكُم بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اُوْتِمِنَ اَمَانَتَهُ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ ۚ
 وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ۚ وَمَنْ يَكْتُمْهَا فَاِنَّهٗ اِثْمٌ قَلْبُهُ ۚ وَاللَّهُ بِمَا
 تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ۝۸۳

اور اگر تم سفر میں ہو اور لکھنے والا نہ پاؤ تو رہن قبضہ میں رکھ لیا کرو ہاں اگر آپس میں ایک دوسرے پر اسن ہو تو جسے امانت دی گئی ہے وہ اسے ادا کر دے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے جو اس کا رب ہے اور گواہی کو نہ چھپاؤ۔ جو اسے چھپالے وہ گنہگار دل والا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اسے اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے ○

مسئلہ رہن، تحریر اور گواہی! ☆☆ (آیت: ۸۳) یعنی بحالت سفر اگر ادھار کا لین دین ہو اور کوئی لکھنے والا نہ ملے یا طے مگر قلم و دوات یا کاغذ نہ ہو تو رہن رکھ لیا کرو اور جس چیز کو رہن رکھنا ہوا اسے حقدار کے قبضے میں دے دو۔ مقبوضہ کے لفظ سے استدلال کیا گیا ہے کہ رہن جب تک قبضہ میں نہ آ جائے لا رہن نہیں ہوتا جیسے کہ امام شافعیؒ اور جمہور کا مذہب ہے اور دوسری جماعت نے استدلال کیا ہے کہ رہن کا مہن کے ہاتھ میں مقبوض ہونا ضروری ہے امام احمدؒ اور ایک دوسری جماعت سے یہی منقول ہے ایک اور جماعت کا قول ہے کہ رہن صرف سفر میں ہی مشروع ہے جیسے حضرت مجاہدؒ وغیرہ لیکن صحیح بخاری، صحیح مسلم، شافعی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ جس وقت فوت ہوئے اس وقت آپ کی زرہ مدینے کے ایک یہودی ابوالثم کے پاس تیس دن جو کے بدلے گروی تھی جو آپ نے اپنے گھر والوں کے کھانے کے لئے لئے تھے ان مسائل کے بطل و تفصیل کی جگہ تفسیر نہیں بلکہ احکام کی بڑی بڑی کتابیں ہیں۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمُنْتَهٰی وَبِهِ الْمُسْتَعَاۓنُ اس سے بعد کے جملے فَاِنْ اَمِنَ سے حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ اس کے پہلے کا حکم منسوخ ہو گیا ہے، شعی فرماتے ہیں جب نہ دینے کا خوف ہو تو نہ لکھنے اور نہ گواہ رکھنے کی کوئی حرج نہیں۔ جسے امانت دی جائے اسے خود یاد رکھنا چاہئے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ادا کرنے کی ذمہ داری اس ہاتھ پر ہے جس نے کچھ لیا۔ ارشاد ہے شہادت کو نہ چھپاؤ نہ اس میں خیانت کرو نہ اس کے اظہار کرنے سے رکو۔

ابن عباسؓ وغیرہ فرماتے ہیں جھوٹی شہادت دینی یا شہادت کو چھپانا کبیرہ گناہ ہے یہاں بھی فرمایا اس کا چھپانے والا خطا کا رد دل والا ہے۔ جیسے اور جگہ ہے وَلَا تَكْتُمُوا شَهَادَةَ اللَّهِ اِنَّا اِذَا لَمِنَ الْاٰثِمِيْنَ یعنی ہم اللہ کی شہادت نہیں چھپاتے۔ اگر ہم ایسا کریں تو یقیناً ہم گنہگاروں میں سے ہیں۔ اور جگہ فرمایا ایمان والو! عدل و انصاف کے ساتھ اللہ کے حکم کی تعمیل یعنی گواہیوں پر ثابت قدم رہو گواہی کی برائی خود تمہیں پہنچے یا تمہارے ماں باپ کو یا رشتے کنبے والوں کو اگر وہ مالدار ہو تو اور فقیر ہو تو۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں سے اولیٰ ہے۔ خواہشوں کے پیچھے پڑ کر عدل سے نہ ہٹو اور اگر تم زبان دباؤ گے یا پہلو تہی کرو گے تو سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ بھی تمہارے اعمال سے خبردار ہے۔ اسی طرح یہاں بھی فرمایا کہ گواہی کو نہ چھپاؤ۔ اس کا چھپانے والا گنہگار دل والا ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو خوب جانتا ہے۔

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِؕ وَاِنْ تَبَدُّوْا مَا فِیْ اَنْفُسِكُمْ اَوْ
تُخَفُّوْهُ يَحَاسِبْكُمْ بِهٖ اللّٰهُ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ
يَّشَآءُؕ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۸۴﴾

آسمانوں اور زمینوں کی ہر چیز اللہ ہی کی ملکیت ہے تمہارے دلوں میں جو کچھ ہے اسے تم ظاہر کرو یا چھپاؤ اللہ اس کا حساب تم سے لے گا پھر جسے چاہے بخشے اور جسے
چاہے سزا دے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے ○

انسان کے ضمیر سے خطاب: ☆ ☆ (آیت: ۲۸۴) یعنی آسمان و زمین کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ چھوٹی بڑی چھپی یا کھلی ہر بات کو وہ جانتا ہے۔ ہر پوشیدہ اور ظاہر عمل کا وہ حساب لینے والا ہے جیسے اور جگہ فرمایا ہے قُلْ اِنْ تُخَفُّوْا مَا فِیْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تَبَدُّوْهُ یَعْلَمُہُ اللّٰهُ الخ کہہ دے کہ تمہارے سینوں میں جو کچھ ہے اسے خواہ تم چھپاؤ یا ظاہر کرو اللہ تعالیٰ کو اس کا بخوبی علم ہے۔ وہ آسمان و زمین کی ہر چیز کا علم رکھتا ہے اور ہر چیز پر قادر ہے۔ اور فرمایا وہ ہر چھپی ہوئی اور علانیہ بات کو خوب جانتا ہے مزید اس معنی کی بہت سی آیتیں ہیں۔ یہاں اس کے ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ وہ اس پر حساب لے گا۔ جب یہ آیت اتری تو صحابہؓ بہت پریشان ہوئے کہ چھوٹی بڑی تمام چیزوں کا حساب ہوگا۔ اپنے ایمان کی زیادتی اور یقین کی مضبوطی کی وجہ سے وہ کانپ اٹھے تو حضورؐ کے پاس آ کر گھٹنوں کے بل گر پڑے اور کہنے لگے حضرت نماز روزہ جہاد صدقہ وغیرہ کا ہمیں حکم ہوا وہ ہماری طاقت میں تھا۔ ہم نے حتی المقدور کیا لیکن اب جو یہ آیت اتری ہے اسے برداشت کرنے کی طاقت ہم میں نہیں آپؐ نے فرمایا کیا تم یہود و نصاریٰ کی طرح یہ کہنا چاہتے ہو کہ ہم نے سنا اور نہیں مانا۔ تمہیں چاہئے کہ یوں کہو ہم نے سنا اور مانا۔ اے اللہ ہم تیری بخشش چاہتے ہیں۔ ہمارے رب ہمیں تو تیری ہی طرف لوٹنا ہے چنانچہ صحابہ کرامؓ نے اسے تسلیم کر لیا اور زبانوں پر یہ کلمات جاری ہو گئے تو آیت اَمِنَ الرَّسُوْلُ الخ اتری اور اللہ تعالیٰ نے اس تکلیف کو دور کر دیا اور آیت لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَازِلَ ہُوئی (مسند احمد) صحیح مسلم میں بھی یہ حدیث ہے۔ اس میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ تکلیف ہٹا کر آیت لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ اتَّارِی اور جب مسلمانوں نے کہا کہ اے اللہ ہماری بھول چوک اور خطا پر ہماری پکڑ نہ کر تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا نَعَمْ یعنی میں یہی کروں گا انہوں نے کہا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَیْنَا۔ اے اللہ ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جو ہم سے اگلوں پر ڈالا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ بھی قبول پھر کہا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْنَا اے اللہ ہم پر ہماری طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈال۔ اسے بھی قبول کیا گیا پھر دعا مانگی اے اللہ ہمیں معاف فرما ہمارے گناہ بخش اور کافروں پر ہماری مدد کر اللہ تعالیٰ نے اسے بھی قبول فرمایا یہ حدیث اور بھی بہت سے انداز سے مروی ہے۔

ایک روایت میں یہ بھی ہے حضرت مجاہدؒ کہتے ہیں میں نے حضرت ابن عباسؓ کے پاس جا کر واقعہ بیان کیا کہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے اس آیت وَاِنْ تَبَدُّوْا کی تلاوت فرمائی اور بہت روئے۔ آپؓ نے فرمایا اس آیت کے اترتے ہی حال صحابہ کا ہوا تھا۔ وہ سخت غمگین ہو گئے اور کہا کہ دلوں کے مالک تو ہم نہیں۔ دل کے خیالات پر بھی پکڑے گئے تو بڑی مشکل ہے۔ آپؓ نے فرمایا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا کہو چنانچہ صحابہؓ نے کہا اور پھر بعد والی آیتیں اتریں اور عمل پر تو پکڑے ہوئے لیکن دل کے خطرات اور نفس کے وسوسے سے پکڑ منسوخ ہو گئی۔ دوسرے طریق سے یہ روایت ابن مرجانہ سے بھی اسی طرح مروی ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ قرآن نے فیصلہ کر دیا

کہ تم اپنے نیک و بد اعمال پر پکڑے جاؤ گے خواہ زبانی ہوں خواہ دوسرے اعضاء کے گناہ ہوں لیکن دلی وسواس معاف ہیں۔ اور بھی بہت سے صحابہؓ اور تابعین سے اس کا منسوخ ہونا مروی ہے۔ صحیح حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ نے میری امت کے دلی خیالات سے درگزر فرمالیا، گرفت اسی پر ہوگی جو کہیں یا کریں۔

بخاری و مسلم میں ہے حضورؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جب میرا بندہ برائی کا ارادہ کرے تو اسے نہ لکھو جب تک اس سے برائی سرزد نہ ہو اگر کر گزرے تو ایک برائی لکھو اور جب نیکی کا ارادہ کرے تو صرف ارادہ سے ہی نیکی لکھ لو اور اگر نیکی کر بھی لے تو ایک کے بدلے دس نیکیاں لکھو (مسلم) اور روایت میں ہے کہ ایک نیکی کے بدلے سات سو تک لکھی جاتی ہیں۔ اور روایت میں ہے کہ جب بندہ برائی کا ارادہ کرتا ہے تو فرشتے جناب باری میں عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ تیرا یہ بندہ بدی کرنا چاہتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے رکے رہو جب تک کہ نہ لے۔ اس کے نامہ اعمال میں نہ لکھو اگر کرے تو ایک لکھنا اور اگر چھوڑ دے تو ایک نیکی لکھ لینا کیونکہ مجھ سے ڈر کر چھوڑتا ہے۔ حضورؐ فرماتے ہیں جو پختہ اور پورا مسلمان بن جائے اس کی ایک ایک نیکی کا ثواب دس سے لے کر سات سو تک بڑھتا جاتا ہے اور برائی نہیں بڑھتی۔ اور روایت میں ہے کہ سات سو سے بھی کبھی کبھی نیکی بڑھادی جاتی ہے۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ بڑا برباد ہونے والا وہ ہے جو باوجود اس رحم و کرم کے بھی برباد ہو۔ ایک مرتبہ اصحابؓ نے آ کر عرض کیا کہ حضرتؐ کبھی کبھی تو ہمارے دل میں ایسے دوسو اٹھتے ہیں کہ زبان سے ان کا بیان کرنا بھی ہم پر گراں گذرتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا ایسا ہونے لگا؟ انہوں نے عرض کیا ہاں آپؐ نے فرمایا یہ صریح ایمان ہے (مسلم وغیرہ)

حضرت ابن عباسؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ قیامت والے دن جب تمام مخلوق کو اللہ تعالیٰ جمع کرے گا تو فرمائے گا کہ میں تمہیں تمہارے دلوں کے ایسے مجید بتاتا ہوں جس سے میرے فرشتے بھی آگاہ نہیں، مومنوں کو تو بتانے کے بعد پھر معاف فرما دیا جائے گا لیکن منافق اور شک و شبہ کرنے والے لوگوں کو ان کے کفر کی درپردہ اطلاع دے کر بھی ان کی پکڑ ہوگی۔ ارشاد ہے وَلَٰكِنْ يُّوٰحِذْكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوبُكُمْ لَعَنَ اللّٰهُ تَعَالٰی تَمَہِیۡن تہارے دل کی کمائی پر پکڑے گا یعنی دلی شک اور دلی نفاق کی بناء پر۔ حسن بصریؒ بھی اسے منسوخ نہیں کہتے۔ امام ابن جریرؒ بھی اسی روایت سے متفق ہیں اور فرماتے ہیں کہ حساب اور چیز ہے۔ عذاب اور چیز ہے حساب لیا جانا اور عذاب کیا جانا لازم نہیں ممکن ہے حساب کے بعد معاف کر دیا جائے اور ممکن ہے سزا ہو۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ ہم طواف کر رہے تھے۔ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے پوچھا کہ تم نے حضورؐ سے اللہ تعالیٰ کی سرگوشی کے متعلق کیا سنا ہے۔ آپؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ایمان والے کو اپنے پاس بلائے گا یہاں تک کہ اپنا بازو اس پر رکھ دے گا۔ پھر اس سے کہے گا۔ بتا تو نے فلاں فلاں گناہ کیا؟ فلاں فلاں گناہ کیا؟ وہ غریب اقرار کرتا جائے گا جب بہت سے گناہ ہونے کا اقرار کر لے گا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ سن دنیا میں بھی میں نے تیرے ان گناہوں کی پردہ پوشی کی اور اب آج کے دن بھی میں ان تمام گناہوں کو معاف فرما دیتا ہوں اب اسے اس کی نیکیوں کا صحیفہ اس کے داہنے ہاتھ میں دے دیا جائے گا ہاں البتہ کفار و منافق کو تمام مجمع کے سامنے رسوا کیا جائے گا اور ان کے گناہ ظاہر کئے جائیں گے اور پکارا جائے گا کہ یہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب پر تہمت لگائی، ان ظالموں پر اللہ کی پھٹکار ہے۔

حضرت زیدؓ نے ایک مرتبہ اس آیت کے بارے میں حضرت عائشہؓ سے سوال کیا تو آپؓ نے فرمایا جب سے میں نے آنحضرت ﷺ سے اس بارے میں پوچھا ہے تب سے لے کر آج تک مجھ سے کسی شخص نے نہیں پوچھا مگر آج تو نے پوچھا تو سن۔ اس سے مراد بندے کو دنیاوی تکلیفیں مثلاً بجز وغیرہ تکلیفیں پہنچانا ہے یہاں تک کہ مثلاً ایک جیب میں نقدی رکھی اور بھول گیا۔ تھوڑی پریشانی ہوئی مگر دوسری جیب میں ہاتھ ڈالا تو وہاں سے نقدی مل گئی اس پر بھی اس کے گناہ معاف ہوتے ہیں یہاں تک کہ مرنے کے وقت وہ گناہوں سے اس

طرح پاک ہو جاتا ہے جس طرح خالص سرخ سونا ہو - ترمذی وغیرہ یہ حدیث غریب ہے -

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهِ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ
 بِاللّٰهِ وَمَلٰئِكَتِهِ وَكِتٰبِهِ وَرُسُلِهِ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهِ
 وَقَالُوا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ
 لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا
 اكْتَسَبَتْ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ سَيِّئًا اَوْ اَخْطَاْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ
 عَلَيْنَا اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا
 تُحْمِلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ وَاَعْفُ عَنَّا وَاعْفُ رَحْمَتُكَ
 اَنْتَ مَوْلَانَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِيْنَ

رسول مان چکا اس چیز کو جو اس کی طرف اللہ کی جانب سے اتری اور مومن بھی مان چکے - یہ سب اللہ تعالیٰ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے اس کے رسولوں میں سے کسی میں ہم جدائی نہیں کرتے انہوں نے کہہ دیا کہ ہم نے سنا اور مانا ہم تیری بخشش طلب کرتے ہیں - اے رب ہمارے اور ہمیں تیری ہی طرف لوٹنا ہے ○ اللہ تعالیٰ کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا جو نیکی وہ کرے وہ اس کے لئے ہے اور جو برائی کرے وہ اس پر ہے اے ہمارے رب اگر ہم بھول گئے ہوں یا خطا کی ہو تو ہمیں نہ پکڑنا اللہ ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جو ان لوگوں پر ڈالا تھا جو ہم سے پہلے تھے اے ہمارے رب ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جس کی ہمیں طاقت نہ ہو اور ہم سے درگزر فرما اور ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم کر - تو ہی ہمارا مالک ہے ہمیں کافروں کی قوم پر غلبہ عطا فرما ○

بقرہ کی آخری آیات اور ان کی تفصیل: ☆☆ (آیت: ۲۸۵-۲۸۶) ان دونوں آیتوں کی تفصیل کی حدیثیں سنئے صحیح بخاری میں ہے جو شخص ان دونوں آیتوں کو رات کو پڑھ لے اسے یہ دونوں کافی ہیں مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سورہ بقرہ کی آخری آیتیں عرشِ تلے کے خزانہ سے دی گئی ہیں مجھ سے پہلے کسی نبی کو یہ نہیں دی گئیں - صحیح مسلم شریف میں ہے کہ جب حضور کو معراج کرائی گئی اور آپ سدرۃ المنتہی تک پہنچے جو ساتویں آسمان میں ہے جو چیز آسمان کی طرف چڑھتی ہے وہ یہیں تک ہی پہنچتی ہے اور یہاں سے ہی لے لی جاتی ہے اور جو چیز اوپر سے نازل ہوتی ہے وہ بھی یہیں تک پہنچتی ہے پھر یہاں سے آگے لے لی جاتی ہے اور اسے سونے کی نڈیاں ڈھکے ہوئے تھیں وہاں حضور کو تین چیزیں دی گئیں - پانچ وقت کی نمازیں سورہ بقرہ کے خاتمہ کی آیتیں اور توحید والوں کے تمام گناہوں کی بخشش - مسند میں ہے کہ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا سورہ بقرہ کی ان دونوں آخری آیتوں کو پڑھتے رہا کرو - میں انہیں عرش کے نیچے کے خزانوں سے دیا گیا ہوں ابن مردویہ میں ہے کہ ہمیں لوگوں پر تین فضیلتیں دی گئی ہیں - میں سورہ بقرہ کی یہ آخری آیتیں عرشِ تلے کے خزانوں سے دیا گیا ہوں جو نہ میرے سے پہلے کسی کو دی گئیں نہ میرے بعد کسی کو دی جائیں گی - ابن مردویہ میں ہے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں نہیں جانتا کہ اسلام کے جاننے والوں میں سے کوئی شخص آیت الکرسی اور سورہ بقرہ کی آخری آیتیں پڑھے بغیر سو جائے - یہ وہ خزانہ ہے جو تمہارے نبی ﷺ عرشِ تلے کے خزانہ سے دیئے گئے ہیں - اور حدیث ترمذی میں ہے کہ اللہ

تعالیٰ نے آسمان وزمین کے پیدا کرنے سے دو ہزار برس پہلے ایک کتاب لکھی جس میں سے دو آیتیں اتار کر سورہ بقرہ ختم کی جس گھر میں یہ تین راتوں تک پڑھی جائیں اس گھر کے قریب بھی شیطان نہیں جاسکتا۔ امام ترمذی اسے غریب بتلاتے ہیں لیکن حاکم اپنی مستدرک میں اسے صحیح کہتے ہیں ابن مردودہ میں ہے کہ جب حضور سورہ بقرہ کا خاتمہ اور آیت الکرسی پڑھتے تو ہنس دیتے اور فرماتے یہ دونوں رحمن کے عرش تلے کا خزانہ ہیں اور جب آیت مَنْ يَعْمَلْ سُوءً يُجْزِئْهُ اور آیت وَأَنْ لِّیْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى وَأَنَّ سَعْيَهُ سَوْفَ يُرَى ثُمَّ يُجْزَاهُ الْجَزَاءُ الْأَوْفَى پڑھتے تو زبان سے اِنَّا لِلّٰہ نکل جاتا اور ست ہو جاتے ابن مردودہ میں ہے کہ مجھے سورہ فاتحہ اور سورہ بقرہ کی آخری آیتیں عرش کے نیچے سے دی گئی ہیں اور مزید مفصل سورتیں بھی وہاں سے ہی دی گئیں ہیں ایک اور حدیث میں ہے کہ ہم حضور کے پاس بیٹھے ہوئے تھے جہاں حضرت جبریلؑ بھی تھے کہ اچانک ایک دہشت ناک بہت بڑے دھماکے کی آواز کے ساتھ آسمان کا وہ دروازہ کھلا جو آج تک کبھی نہیں کھلا تھا اس سے ایک فرشتہ اتر آیا اس نے آنحضرت ﷺ سے کہا آپ کو خوشی مبارک ہو۔ آپ کو وہ دونور دیئے جاتے ہیں جو آپ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دیئے گئے۔ سورہ فاتحہ اور سورہ بقرہ کی آخری آیتیں ہیں ان کے ایک ایک حرف پر آپ کو نور دیا جائے گا (مسلم) پس یہ دس حدیثیں ان مبارک آیتوں کی فضیلت ہیں۔

مطلب آیت کا یہ ہے کہ رسول یعنی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اس پر ایمان لائے جو ان کی طرف ان کے رب کی جانب سے نازل ہوا اسے سن کر آپ نے فرمایا وہ ایمان لانے کا پورا مستحق ہے اور دوسرے ایماندار بھی ایمان لائے ان سب نے مان لیا کہ اللہ ایک ہے وہ وحدانیت کا مالک ہے وہ تنہا ہے وہ بے نیاز ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں نہ اس کے سوا کوئی پالنے والا ہے یہ (ایمان والے) تمام انبیاء کی تصدیق کرتے ہیں تمام رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں آسمانی کتابوں کو انبیاء کرام پر جو اتاری ہیں سچی جانتے ہیں وہ نبیوں میں فرق نہیں سمجھتے کہ ایک کو مانیں دوسرے کو نہ مانیں بلکہ سب کو سچا جانتے ہیں اور ایمان رکھتے ہیں کہ وہ پاکباز طبقہ رشد و ہدایت والا اور لوگوں کی خیر کی طرف رہبری کرنے والا ہے گو بعض احکام ہر نبی کے زمانہ میں تبدیل ہوتے رہے یہاں تک کہ حضور مکی شریعت سب کی ناسخ ٹھہری خاتم الانبیاء و مرسلین آپ تھے۔ قیامت تک آپ کی شریعت باقی رہے گی اور ایک جماعت اس کی اتباع بھی کرتی رہے گی انہوں نے اقرار بھی کیا کہ ہم نے اللہ کا کلام سنا اور احکام الہی ہمیں تسلیم ہیں انہوں نے کہا کہ ہمارے رب ہمیں مغفرت رحمت اور لطف عنایت فرما۔ تیری ہی طرف ہمیں لوٹنا ہے یعنی حساب والے دن۔

حضرت جبریلؑ نے فرمایا اے اللہ کے رسول آپ کی اور آپ کی تابعدار امت کی یہاں ثناء و صفت بیان ہو رہی ہے آپ اس موقع پر دعا کیجئے۔ قبول کی جائے گی مانگئے کہ اللہ طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دے۔ پھر فرمایا کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف اللہ نہیں دیتا۔ یہ اس کا لطف و کرم اور احسان و انعام ہے صحابہ کو جو کھٹکا ہوا تھا اور ان پر جو یہ فرمان گراں گذر رہا تھا کہ دل کے خطرات پر بھی حساب لیا جائے گا وہ دھڑکا اس آیت سے اٹھ گیا مطلب یہ ہے کہ گو حساب ہو سوال ہو لیکن جو چیز طاقت سے باہر ہے اس پر عذاب نہیں کیونکہ دل میں کسی خیال کا دفعہ آ جانا رو کے رک نہیں سکتا بلکہ حدیث سے یہ بھی معلوم ہو چکا کہ ایسے دوسو کو برا جانا دلیل ایمان ہے بلکہ اپنی اپنی اپنی بھرنی اعمال صالحہ کرو گے جزا پاؤ گے۔ برے اعمال کرو گے تو سزا بھگتو گے۔

پھر دعا کی تعلیم دی اور اس کی قبولیت کا وعدہ فرمایا کہ اے اللہ بھولے چو کے جو احکام ہم سے چھوٹ گئے ہوں یا جو برے کام ہو گئے ہوں یا شرعی احکام میں غلطی کر کے جو خلاف شرع کام ہم سے ہوئے ہوں وہ معاف فرما پہلے صحیح مسلم کے حوالے سے حدیث گذر چکی ہے کہ اس دعا کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے اسے قبول فرمایا۔ میں نے یہی کیا اور حدیث میں بھی آچکا کہ میری امت کی بھول چوک

معاف ہے اور جو کام زبردستی کرائے جائیں وہ بھی معاف ہیں (ابن ماجہ) اے اللہم پر مشکل اور سخت اعمال کی مشقت نہ ڈال جیسے اگلے دین والوں پر سخت سخت احکام تھے جو آنحضرتؐ کو نبی رحمت بنا کر بھیج کر دور کئے گئے اور آپ کو ہر طرح سہولت اور آسانی دی گئی، اسے بھی پروردگار نے قبول فرمایا۔ حدیث میں بھی ہے کہ میں یکسوئی والا اور آسان دین دے کر بھیجا گیا ہوں۔ اے اللہ وہ تکلیفیں بلائیں اور مشقتیں ہم پر نہ ڈال جن کی برداشت کی طاقت ہمیں نہ ہو۔ حضرت مکیولؓ فرماتے ہیں، اس سے مراد فریب اور غلبہ شہوت ہے، اس کے جواب میں بھی قبولیت کا اعلان رب عالم کی طرف سے کیا گیا اور ہماری تفسیروں کو معاف فرما جو تیری راہ میں ہوئی ہیں اور ہمارے گناہوں کو بخش، ہماری برائیوں اور بد اعمالیوں کی پردہ پوشی کر۔ ہم پر رحم کرتا کہ ہم سے پھر تیری نافرمانی کا کوئی کام نہ ہو۔ اس لئے بزرگوں کا قول ہے کہ گنہگار کو تین باتوں کی ضرورت ہے۔ ایک تو اللہ کی معافی تاکہ عذاب سے نجات پائے۔ دوسرے پردہ پوشی تاکہ رسوائی سے بچے تیسرے عصمت کی تاکہ دوسری بار گناہ میں مبتلا نہ ہو۔ اس پر بھی جناب باری نے قبولیت کا اعلان کیا۔ تو ہمارا ولی و ناصر ہے، تجھی پر ہمارا بھروسہ ہے، تجھی سے ہم مدد طلب کرتے ہیں، تو ہی ہمارا سہارا ہے، تیری مدد کے سوا نہ تو ہم کسی نفع کے حاصل کرنے پر قادر ہیں نہ کسی برائی سے بچ سکتے ہیں، تو ہماری ان لوگوں پر مدد فرما جو تیرے دین کے منکر ہیں، تیری وحدانیت کو نہیں مانتے، تیرے نبی کی رسالت کو تسلیم نہیں کرتے، تیرے ساتھ دوسروں کی عبادت کرتے ہیں، مشرک ہیں، اے اللہ تو ہمیں ان پر غالب کر دینا اور دین میں ہم ہی ان پر فاتح رہیں، اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں بھی فرمایا، ہاں میں نے یہ بھی دعا قبول فرمائی۔ حضرت معاذؓ جب اس آیت کو ختم کرتے، آمین کہتے (ابن جریر)

تفسیر سورہ آل عمران

یہ سورت مدنی ہے۔ اس کے شروع کی تراسی آیتیں حضورؐ کی خدمت میں سن ۹ ہجری کو حاضر ہونے والے بخران کے عیسائیوں کے اپیل کے بارے میں نازل ہوئی ہیں جس کا مفصل بیان مہبلہ کی آیت قُلْ تَعَالَوْا اِلٰی تفسیر میں عنقریب آئے گا۔ ان شاء اللہ اس کی فضیلت میں جو حدیثیں وارد ہوئی ہیں وہ سورہ بقرہ کی تفسیر کے شروع میں بیان کر دی گئی ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلَمْ نَشْكُرْكَ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ ۝ نَزَّلَ عَلٰیكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرَةَ وَالْاِنْجِيلَ ۝ مَنْ قَبْلُ هَدٰی لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ۝ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِآیٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ ۝ وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ ذُوْا نِقَامٍ ۝

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع جو بہت بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ جو زندہ اور سب کا نگہبان ہے ۝ جس نے تجھ پر حق کے ساتھ اس کتاب کو نازل فرمایا ہے۔ جو اپنے سے پہلے کی چائی کرنے والی ہے۔ اسی نے اس سے پہلے توراۃ و انجیل کو لوگوں کی ہدایت کرنے والی بنا کر اتارا تھا اور قرآن بھی اسی نے اتارا ۝ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے کفر کرتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہے اور اللہ تعالیٰ غالب ہے بدلہ لینے والا ۝